۱۹۴۷ء تا حال

تاریخ پاکستان

زاہد حسین انجم

نیو بک پیلس اردو بازار لاہور

(پاکستان کا نظامِ حکومت وسیاست)

برائے طلبا

ایم اے تاریخ و ایم اے سیاسیات

تاریخِ پاکستان

مرتب

زاہد حسین انجم
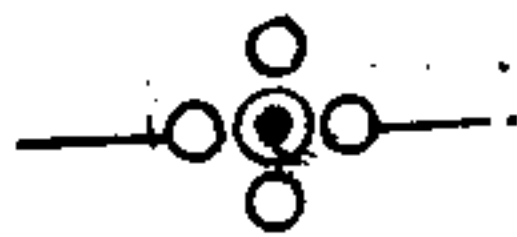
نیو بک پیلس ● اردو بازار لاہور

نام کتاب ——— تاریخ پاکستان

مرتب ——— زاہد حسین انجم

اشاعت اول ———

مطبع ——— ندیم یونس پریس لاہور

ناشران ——— نیو بک پیلس لاہور

کتابت ——— افضل عامر حضرت کیلیانوالہ

قیمت ——— =/75 روپے

نیو بک پیلس، اردو بازار، لاہور

حسنِ ترتیب

صفحہ نمبر

۱۔ اپنی بات ۱۱

۲۔ تحریک قیام پاکستان ۱۳

۳۔ پاکستان ایک نظر میں ۱۷

آبادی، رقبہ، ہمسایہ ممالک، سرحدیں، دارالحکومت، دیگر بڑے شہر، خصوصی دلچسپی کے مقامات، زبانیں، اہم فصلیں، اہم معدنیات، اہم صنعتیں، آب و ہوا، دریا، پہاڑ، پودے، بندرگاہیں، پہاڑی سلسلے، طرزِ حکومت، آئین، دستور سازی۔

۴۔ مرکزی حکومتیں ۲۰

گورنر جنرل، صدر، نائب صدر، وزراء اعظم، نائب وزیراعظم، چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر۔

۵۔ قائداعظم کا دورِ حکومت ۲۲

ابتدائی مشکلات، حالات قائداعظم، پاکستان ۱۹۴۷ء میں، ریڈکلف ایوارڈ، ریڈکلف ایوارڈ کی وجہ سے پاکستان کو نقصانات، صوبہ سرحد میں ریفرنڈم، صوبہ سرحد میں ایک اور استصواب، سلہٹ میں ریفرنڈم، بلوچستان میں ریفرنڈم، صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب کی حکومت کی برخاستگی، پاکستان کی اقوام متحدہ میں شمولیت کی مخالفت، پاکستان کا نظام حکومت، دستور سازی اور پرچم پاکستان، دستور ساز اسمبلی کا دُوسرا اجلاس، فوجی اثاثوں کی تقسیم کا مسئلہ، دیگر اثاثوں کی تقسیم کا مسئلہ، کرنسی اور سکہ جات، سٹیٹ بنک آف پاکستان کا قیام، پاکستان کا پہلا بجٹ، لاہور میں مشترکہ دفاعی کونسل کا اجلاس، انتظامی امُور، تعلیمی کانفرنس کا انعقاد، آل انڈیا مسلم لیگ کی تقسیم، سفارتی تعلقات کا قیام، پیپلز پارٹی آف پاکستان کا قیام، پہلی حزب اختلاف، مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ، پاکستان کے اندر قادیانی ریاست کے لئے منصوبہ، نہری پانی کا مسئلہ، جوناگڑھ، مانادر کا مسئلہ، حیدرآباد دکن پر بھارتی قبضہ، مسئلہ کشمیر، قائداعظم بحیثیت گورنر جنرل، کابینہ کی تقرری، قائداعظم کی بحیثیت گورنر جنرل خدمات،

تحریک پختونستان کی ابتداء، پاکستان کے بارے میں قائد اعظم کے اقتصادی نظریات، قائد اعظم کی خارجہ پالیسی، وفات قائد اعظم۔

۶۔ وزیر اعظم لیاقت علی خاں کا دورِ حکومت ۶۲

حالات لیاقت علی خاں، آئینی پیش رفت (بنیادی اصولوں کی مجلس، پہلا عبوری بیانیہ، قرار داد مقاصد، اسلامی آئین کی تدوین کے سلسلے میں علمائے کے بائیس نکات) متروکہ جائدادوں کا مسئلہ، نیشنل بنک آف پاکستان کا قیام، پیروڈا، پاکستانی سکے کی قیمت میں کمی نہ کرنے کا فیصلہ، پاک و ہند اقلیتی معاہدہ، وزیر اعظم پاکستان کا دورۂ امریکہ، آزاد کشمیر اور پاکستان کا پہلا باہمی معاہدہ، راولپنڈی سازش کیس، قائد ملت نوابزادہ لیاقت علی خاں کی شہادت، قائد اعظم کا نوابزادہ لیاقت علی خاں کو خراج تحسین۔

۷۔ خواجہ ناظم الدین کا دورِ حکومت ۷۹

حالاتِ زندگی خواجہ ناظم الدین، قائد اعظم کا خواجہ ناظم الدین کو خراج تحسین، خارجہ پالیسی میں تبدیلی، گورنر جنرل غلام محمد، تحریک ختم نبوت، لیاقت علی خاں کے قتل کی تحقیقاتی رپورٹ، جنگِ کوریا کا پاکستان پر اثر، بنگالی کو قومی زبان قرار دینے کا مسئلہ، آئینی پیش رفت، (بنیادی اصولوں کی مجلس کا بیانیہ)۔

۸۔ محمد علی بوگرہ دورِ حکومت ۹۰

حالاتِ زندگی، کرشک سرامک پارٹی کا قیام، آئینی پیش رفت (نئی دستور ساز اسمبلی کی طلبی، دستوریہ کے سلسلے میں ہنگامی اختیارات کا استعمال، دستوریہ کی برطرفی اور مولوی تمیز الدین کیس) ون یونٹ کے قیام کا اعلان، مغربی پاکستان اسمبلی کا کوٹہ، پیروڈا کی تنسیخ، مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ کو شکست، گورنر جنرل غلام محمد کی علیحدگی، حالات زندگی میجر جنرل سکندر مرزا، مری سمجھوتہ، محمد علی بوگرہ فارمولا، قومی ترانہ، پاکستان ترکی معاہدہ، پاکستان اور امریکہ کے مابین باہمی دفاعی اعانت کا معاہدہ، نہری پانی کے عبوری سمجھوتے پر دستخط، معاہدہ سیٹو، انڈیا آفس لائبریری کی تقسیم، افغانستان کی جانب سے پرچم پاکستان کی توہین۔

۹۔ چودھری محمد علی کا دورِ حکومت ۱۰۷

حالاتِ زندگی چودھری محمد علی، آل پارٹیز کانفرنس، ون یونٹ بل کی منظوری،

مغربی پاکستان اسمبلی کا پہلا اجلاس، ون یونٹ بل پر تبصرہ، ون یونٹ کے فوائد، گورنر جنرل کو قوانین میں ترمیم و تنسیخ کا اختیار، دستور ساز اسمبلی کے اسپیکر اور ڈپٹی سپیکر کا انتخاب، دستور ۱۹۵۶ء کے اہم نکات، ۱۹۵۶ء کا آئین اور سیاسی راہنماؤں کی آرا، ۱۹۵۶ء کے آئین کی ناکامی کے اسباب، گورنر جنرل غلام محمد کا استعفےٰ، سکندر مرزا کی تقرری بطور پہلے صدر، پاکستان کا نام، ری پبلکن پارٹی کا قیام، پہلا پنجسالہ منصوبہ، پہلے پنجسالہ منصوبے کی ناکامی کے اسباب، مشرقی پاکستان میں صدر راج کا نفاذ، مسٹر محمد علی کی وزارت عظمیٰ سے علیحدگی۔

۱۰۔ حسین شہید سہروردی کا دورِ حکومت ۱۳۰

حالات زندگی، پاک ایران سرحدی معاہدہ، معاہدہ سنٹو، معاہدہ سنٹو کے ذیلی ادارے، معاہدہ سنٹو کی دفعات، معاہدہ سنٹو پر تنقیدی جائزہ، نیشنل عوامی پارٹی کا قیام، وحدت مغربی پاکستان کی تنسیخ کی قرارداد، انتخابات منعقد کرانے کے سلسلے میں گول میز کانفرنس کا انعقاد، حسین شہید سہروردی کی برطرفی۔

۱۱۔ اسماعیل ابراہیم چندریگر کا دورِ حکومت ۱۳۹

حالاتِ زندگی، جداگانہ طریق انتخاب اور ون یونٹ، چندریگر بطور لیڈر مخلوط پارٹی، نظام اسلام پارٹی کا قیام، وزیر اعظم چندریگر کی خارجہ پالیسی۔

۱۲۔ ملک فیروز خاں نون کا عہدِ حکومت ۴۴

حالات زندگی، ڈاکٹر خان صاحب کا قتل، عوامی نمائندگی کے ترمیمی بل کی منظوری، نون نہرو معاہدہ، گوادر کی بندرگاہ کی پاکستان منتقلی، مارشل لاء کا نفاذ اور نون وزارت کا خاتمہ۔

۱۳ فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کا دورِ حکومت ۱۴۹

مارشل لاء کا نفاذ، جنرل محمد ایوب خاں کی بطور وزیر اعظم تقرری، میجر جنرل سکندر مرزا کی عہدہ صدارت سے علیحدگی، جنرل ایوب خاں کی بطور صدر تقرری، حالاتِ زندگی، اصلاحی اقدامات (ایبڈو، پوڈو)، بدعنوانیوں کے خلاف جنگ، امپورٹ لائسنس کی خرید و فروخت، متروکہ جائدادوں کی بازیابی، بونس ووچر سکیم، اقتصادی حالت میں بہتری، مہاجرین کی آبادکاری، زرعی اصلاحات، نئے دارالحکومت اسلام آباد کی تعمیر،

بنیادی جمہوریت کا نظام)صدارتی انتخاب، نئے آئین کی تدوین (۱۹۶۲ء کے آئین کی ترتیب و تدوین اور نفاذ، ۱۹۶۲ء کے آئین کی بنیادی خصوصیات، اسلامی دفعات، انتظامیہ اور قانون ساز اسمبلی، اسلامی مشاورتی کونسل کا قیام) مارشل لاء کا خاتمہ، عائلی قوانین کے نفاذ کا آرڈی ننس، عائلی قوانین کی تنسیخ، آر سی ڈی، سندھ طاس منصوبہ، پاک چین سرحدی معاہدہ، سیاسی جماعتوں کی بحالی، قومی محاذ کا قیام، مخالف سیاسی جماعتوں کا صدارتی انتخاب میں حصہ لینے کا اعلان، ریفرنڈم بل کی منظوری، محترمہ فاطمہ جناح کی بطور صدارتی اُمیدوار نامزدگی، انتخابات کے لئے نئے الیکشن کمیشن کا قیام، صدر فیلڈ مارشل کا انتخابی منشور، بنیادی جمہوریتوں کا انتخاب، صدارتی انتخابات کے نتائج، قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے قانون کا نفاذ، انتخابات کا اعلان، انتخابات، صدر ایوب کا حلف وفاداری (برائے دوسری میعاد) حزبِ اختلاف کی کانفرنس، شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات، چھ نکات پر ردِ عمل، پاکستان پیپلز پارٹی کا قیام، تحریک جمہوریت پاکستان۔ پاکستان جمہوری پارٹی کا قیام، جمہوری مجلسِ عمل کا قیام، جسٹس پارٹی کا قیام، اقتصادیات، (دوسرا پنجسالہ منصوبہ، تیسرا پنجسالہ منصوبہ، صنعتی اور اقتصادی ترقی) بھارت کے ساتھ تعلقات (رن کچھ کا تنازعہ اور اس کا تصفیہ، پاک بھارت جنگ، سترہ روزہ جنگ کے واقعات، لاہور سیکٹر، چونڈہ سیکٹر، کھیم کرن سیکٹر، راجستھان سیکٹر، پاک بحریہ کا کردار (دوارکا کی تباہی) پاک فضائیہ کا کردار، چین کا بھارت کو انتباہ، جنگ بندی سے متعلق سلامتی کونسل کی قرارداد، پاک بھارت جنگ کے نقصانات، ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے اثرات (اقتصادی حالت پر اثر، مسئلہ کشمیر سے آگاہی، عوام کا کردار) امریکہ اور دیگر یورپی اقوام کے خلاف نفرت، برادر ممالک کا تعاون، سیاسی جماعتوں کا اتحاد، اعلان تاشقند، اعلان تاشقند پر ردِ عمل، گول میز کانفرنس، گول میز کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لیئے اقدامات، گول میز کانفرنس اور آئین میں ترمیم کا اعلان، گول میز کانفرنس کا انعقاد، صدر ایوب کا انتخاب میں حصہ نہ لینے کا اعلان، اگرتلہ کیس کی واپسی، سرکاری پریس نوٹ، ایوب حکومت کی تنزلی کے اسباب، عہد ایوبی کا خلاصہ۔

۱۴۔ جنرل آغا محمد یحییٰ خاں کا دورِ حکومت ۲۱۴

حالاتِ زندگی، صدر یحییٰ کی بطور صدر تقرری، انتظامی امور (انتظامی کونسل کا قیام،

گورنروں کی تقرری، کابینہ کا تقرر، وزیراعظم اور نائب وزیراعظم کی تقرری، سوات، دیر اور چترال کی ریاستوں کا انتظام، وحدت مغربی پاکستان کی تنسیخ، نئے صوبائی گورنروں کا تقرر، اصلاحی اقدامات (بدعنوانیوں کی روک تھام کے لئے مستقل کمیٹی کا قیام، دولت کو چند ہاتھوں میں جمع ہونے سے روکنے کا آرڈی ننس، لازمی فوجی تربیت کا آرڈی ننس، صدر یحییٰ خاں کی پہلی اسلامی سربراہی کانفرنس میں شرکت، اسلامی ممالک کے وزراء خارجہ کی کانفرنس، چوتھا پنجسالہ منصوبہ، سیاسی جماعتیں (نیشنل پراگریسو لیگ کا قیام، تحریک استقلال کا قیام، اسلامی متحدہ محاذ، دائیں بازو کی سات جماعتوں کا اتحاد، نیشنل عوامی پارٹی پر پابندی، آئینی سرگرمیاں (۱۹۶۲ء کے منسوخ شدہ آئین کا عارضی نفاذ، بنیادی حقوق کے باب کی دس دفعات کی تنسیخ، نئے آئین کی تدوین، قانونی ڈھانچہ، عام انتخابات، انتخابات کے لئے مخصوص نشستیں، صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات، پارٹی پوزیشن، مشرقی پاکستان کا بحران۔ بھارتی طیارے گنگا کا اغواء، انتقال اقتدار پر تنازعہ، ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ، مغربی پاکستان پر بھارتی حملہ، مسٹر بھٹو اقوام متحدہ میں، امن کا فارمولا، مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اسباب، سقوط مشرقی پاکستان پر اقتصادی حالت، دستاویز سقوط، جنرل آغا محمد یحییٰ خاں کی حکومت کی ناکامی کے اسباب۔

۱۵۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کا دورِ حکومت ۲۵۰

حالاتِ زندگی، تقرر بطور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر، صدر اور وزیراعظم، عوامی حکومت کا ورثہ، جرنیلوں کی ریٹائرمنٹ، بائیس خاندانوں کے پاسپورٹوں کی ضبطی، نئے گورنروں کا تقرر، نائب صدر اور دیگر تقرریاں، نیشنل عوامی پارٹی پر سے پابندی کا خاتمہ، نئی صدارتی کابینہ، غیر ملکی دورے اور قرضوں کی واپسی، حمود الرحمٰن کمیشن، صنعتوں کو قومی تحویل میں لینے کا مسئلہ، شیخ مجیب الرحمان کی رہائی، صوبہ سرحد اور بلوچستان میں گورنروں کا تقرر، مارشل لاء کا خاتمہ اور عبوری آئین کا نفاذ، صدر بھٹو کا حلف اُٹھانا، صدر مملکت اور وزیراعظم کا انتخاب، حالاتِ زندگی صدر فضل الٰہی چوہدری، سینٹ کے انتخابات، یحییٰ خاں کا غیر قانونی دورِ حکومت، بین الاقوامی معاہدے (معاہدہ شملہ، معاہدہ شملہ کی منظوری، عملدرآمد، بھارت کا انحراف، تھاکوچک کا مسئلہ، معاہدہ شملہ عالمی اخبارات کی نظر میں، پاکستانی سیاستدانوں کا تبصرہ، معاہدہ دہلی، بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کا مسئلہ،

تسلیم کرنے کا باضابطہ اعلان، سہ فریقی سمجھوتہ، جنگی قیدیوں کی واپسی، پاکستان کی دولت مشترکہ اور سیٹو سے علیحدگی) بھٹو دورِ حکومت کی اصلاحات، زرعی اصلاحات، لیبر اصلاحات، صنعتی اور دیگر متعلقہ اصلاحات، اقتصادی اصلاحات، بیمہ قومی تحویل میں، زرمبادلہ کی اصلاحات۔ صحت سے متعلقہ اصلاحات۔ شناختی کارڈ سکیم۔ پولیس اصلاحات، قانونی اصلاحات، زرعی اصلاحات کا دوسرا مرحلہ، سرداری نظام کا خاتمہ، پاکستان سٹیل ملز کا قیام، بحری حدود میں اضافہ، دینی امُور (احمدیوں کو اقلیت قرار دینے کا مسئلہ، جہیز کا قانون، آئین میں اسلامی دفعات، قرآن کریم کی اغلاط سے پاک طباعت، حج کی ادائیگی، زیارت کمیٹی کا قیام، بزرگانِ دین کے مقامات کی نگہداشت، مسئلہ ختم نبوت، اسلامی سربراہی کانفرنس کا انعقاد، وزارت مذہبی امُور کا قیام، شراب نوشی پر پابندی، دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس) بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کا اعلان۔ متفرقات (نیشنل گارڈ سکیم، روپے کی قیمت میں کمی) سیاسی امُور (سہ فریقی سیاسی معاہدہ، قومی اسمبلی کا اجلاس اور صدر کا انتخاب، آئینی پیش رفت، آئین ساز کمیٹی کا قیام، آئینی سمجھوتہ، ۱۹۷۳ء کا آئین، اہم آئینی ترمیمات، ایٹمی توانائی، سیاسی بحران (سندھ میں لسانی تنازعہ، لسانی آرڈی ننس، مری قبائل کی بغاوت، لیاقت باغ فائرنگ کیس، سیاسی قتل، قومیتوں کے پراپیگنڈے کا انسداد، سیاسی جماعتیں (متحدہ جمہوری محاذ کا قیام، نیشنل عوامی پارٹی کا خاتمہ، سپریم کورٹ کا فیصلہ، انتخابات (عوامی نمائندگی کا بل، پاکستان قومی اتحاد کا قیام، قومی اتحاد کی تحریک، تحریک نظام مصطفےٰ، قومی اتحاد اور حکومت کے مابین مذاکرات، مسٹر بھٹو کو سزائے موت، پیپلز پارٹی کا زوال، بھٹو دور کی خارجہ پالیسی۔

۱۷۔ وزیر اعظم محمد خان جونیجو کا دورِ حکومت

۳۸۱

بطور وزیر اعظم نامزدگی، حالات زندگی، دفاقی کابینائیں، فلاح و بہبود، پانچ نکاتی پروگرام، عملدرآمد، ٹاسک فورس کا قیام۔ کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق دینے کا اعلان، زیر سمندر تیل کی تلاش، سیاسی امُور (سندھ اسمبلی کے اسپیکر کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک، نئے اسپیکر کا انتخاب) قومی اسمبلی کے سپیکر کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک، نئے سپیکر کا انتخاب، صدارتی آرڈی ننس، وزیر اعظم کے خلاف نااہلی کی رٹ درخواست، عوامی نیشنل پارٹی کا قیام، نیشنل پیپلز پارٹی کا قیام، دوسری سارک سربراہ کانفرنس، معاہدے (پاک امریکی حساس ٹیکنالوجی کا سمجھوتہ، پاک چین ایٹمی سمجھوتہ، پاک بھارت مشترکہ سرحدی

کی نگرانی کا معاہدہ، پاک بھارت سرحدوں پر کشیدگی کم کرنے کا سمجھوتہ، دانشوروں کا قومی کنونشن، غیر ملکی امداد اور قرضے۔ خارجہ پالیسی۔ جونیجو حکومت کی برطرفی۔

۱۶ - جنرل محمد ضیاء الحق کا دورِ حکومت ۳۰۸

بھٹو حکومت کا خاتمہ اور مارشل لاء کا نفاذ، مارشل لاء ایڈمنسٹریٹروں کا تقرر، حالات زندگی جنرل محمد ضیاء الحق، سیاسی سرگرمیاں (نصرت بھٹو کیس اور مارشل لاء کی قانونی حیثیت، سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہ لینے کا حکم، پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ ۱۹۶۲ء میں ترمیم، سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دینے کا حکم۔ بدعنوان سیاست دانوں کے خلاف مقدمے) عام انتخابات، (سیاسی راہنماؤں کی کانفرنس، قومی حکومت کے قیام کی کوششیں، عام انتخابات کا دوبارہ اعلان، ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں دھاندلیوں کا قرطاس ابیض، جنرل محمد ضیاء الحق کا انتخابی فارمولا، بلدیاتی انتخابات، متناسب نمائندگی اور سیاسی راہنما، انتخابات سے متعلق

یوسف ہارون فارمولا، نظام حکومت کے بارے میں خصوصی کمیٹی کی رپورٹ، انصاری کمیشن کی رپورٹ، صدر ضیاء الحق کا اگست ۱۹۸۳ء کا سیاسی منصوبہ، ارکان اسمبلی کی نااہلی کی پابندی کا خاتمہ، انتخابی قواعد کا اعلان، قومی اسمبلی کے اُمیدواروں کی تعداد، صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات، ارکان اسمبلی کا حلف نامہ، ۱۹۷۷ تا ۱۹۸۵ کے احکامات، صدر اور وزیر اعظم کا حلف، وسطی مدت کے انتخابات کا مطالبہ، قومی حکومت کے قیام کا مطالبہ، سینٹ کے انتخابات کا ترمیمی بل، ایم آر ڈی کا قیام اور سرگرمیاں، ایم آر ڈی کی تنظیم نو، آئینی پیش رفت (۱۹۸۱ء کا عبوری آئین، آئینی ترامیم کا اعلان، نفاذِ اسلام کی کوششیں (اسلامی حدود کا نفاذ، قانون امتناع شراب، جرم زنا، زکوٰۃ و عشر، زکوٰۃ فاؤنڈیشن، زکوٰۃ فنڈ، سیرت کانفرنسوں کا انعقاد، مشائخ کانفرنس، دینی مدارس، اسلامی وزراء خارجہ کا اجلاس، ترجمان اسلام، وفاقی شرعی عدالت، خلفائے راشدین، صحابہ کرام اور اہلبیت کی شان میں گستاخی کی سزا، ڈگری سطح پر اسلامیات اور مطالعہ پاکستان کی تعلیم، تیسری اسلامی سربراہی کانفرنس، اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، احترام رمضان آرڈی ننس، مجلس شوریٰ کا نظام، علماء کنونشن، وفاقی محتسب، قادیانیوں سے متعلق صدارتی آرڈی ننس، قانون شہادت، قاضی کورٹس، نظام صلوٰۃ کا نفاذ، ریفرنڈم کا اعلان۔ ریفرنڈم کے

نتائج۔ بلاسود بینکاری، نظام اسلام کنونشن، شریعت بل، گستاخ رسولؐ کو عمر قید یا موت کی سزا، اقتصادیات (پانچواں پنجسالہ منصوبہ، چھٹا پنجسالہ منصوبہ، اقتصادی تعاون کی تنظیم ایکو) بین الاقوامی معاہدے اور تنظیمیں (سلال بند، سیاچین گلیشیئر کا مسئلہ، غیر جانبدار ممالک کی تنظیم میں شرکت، سارک سربراہ کانفرنس، عدم جارحیت کے معاہدے کی پیش کش) پاکستان اسٹیل ملز، تخریبی کارروائیاں (پی آئی اے کے طیارے کا اغوا) مارشل لاء کا خاتمہ، عوام کے بنیادی حقوق کی بحالی۔ سرحدوں پر کشیدگی اور معاہدہ، تیسری سارک سربراہ کانفرنس، وزیراعظم محمد خاں جونیجو کی حکومت کی برطرفی اور قومی و صوبائی اسمبلیوں کی برطرفی، عام انتخابات کرانے کا اعلان، نگران حکومتوں کا قیام سیاسی جماعتوں کی رجسٹریشن کی منسوخی سے متعلق سپریم کورٹ کا فیصلہ، ساتویں پنجسالہ منصوبے کی تشہیر۔

اپنی بات

یہ ایک تاریخی حقیقت ہی نہیں بلکہ قدرتی عمل بھی ہے کہ قوموں کے نشیب و فراز میں ہر آن تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے اور یہی تغیر و تبدل کسی قوم کی تاریخ کہلاتا ہے جسے دیکھ کر آنے والی نسلیں بخوبی یہ اندازا کر لیتی ہیں کہ ہماری ملت کا عہد رفتہ کن کن مراحل سے گزرا اور کہاں تک پہنچا۔

ان تمام مراحل میں اس متعلقہ قوم کو اپنی جغرافیائی اور سیاسی یا نظریاتی سرحدوں کو مستحکم کرنے کے لئے مختلف عوامل سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور نت نئے انتظامات اور نت نئی تبدیلیاں اُس کی زندگی کا حصہ بنتی چلی جاتی ہیں۔

راقم الحروف کو یہ کبھی دعویٰ نہیں رہا کہ وُہ ایک محقق یا مورخ ہے، لیکن ایک انسانی سعی کی حد تک جو کچھ بھی راقم کو دسترس حاصل ہے اس کے پیشِ نظر خیال تھا کہ قیام پاکستان سے لے کر آج تک ایک ایسی جامع، اُجلی اور نکھری ہوئی تاریخ مرتب کی جائے کہ جس سے بخوبی اندازا ہو سکے کہ ہم نے پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کو مضبوط کرنے اور اجتماعی معاشرتی شعور کو بیدار کرنے کے لئے سیاسی میدان میں کیا کھویا اور کیا پایا ہے۔

یہ امر انتہائی قابلِ افسوس ہے کہ بدقسمتی سے تخریبی عناصر کی پیہم کارروائیوں کی بدولت مملکتِ پاکستان روزِ اوّل سے تاہنوز انتشار کا شکار رہی جس کے باعث قائدِ اعظم اور علامہ اقبال کا وُہ حسین خواب جو انہوں نے قرآنی حکومت کے تحت اُمت واحدہ کی شکل میں دیکھا تھا اس کی تعبیر نہ ہو سکی۔ اس نقطہ نظر سے میرا یہ قومی فریضہ تھا کہ ان تمام حالات و واقعات کو یکجا کر دیا جائے۔ جس سے پاکستان کی چالیس سالہ زندگی کے نشیب و فراز نکھر کر سامنے آ جائیں۔ لہٰذا کتابِ ہٰذا میں مختلف ادوار میں جہاں آئے روز وزارتوں کے ردّ و بدل کا ذکر ملے گا وہاں پاکستان کی معاشی۔ سیاسی۔ عائلی اور تمدنی حالات کے متعلق بھی تفصیلی گفتگو منزل بہ منزل سامنے آتی رہے گی۔ علاوہ ازیں ہمسایہ ممالک اور بین الاقوامی سطح پر دیگر مملکتوں کے ساتھ باہمی روابط اور معاہدات کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ بہرحال کوشش یہ کی گئی ہے کہ پاکستان کی زندگی کا کوئی پہلو

تشنہ نہ رہ جائے جس کا ذکر کیا جانا یا جاننا کسی طالب علم کے لئے ضروری ہو۔

جہاں تک میرا علم میری راہنمائی کرتا ہے مارکیٹ میں اس وقت اس نہج پر ان خطوط پر شائد ہی کوئی ایک آدھ کوشش کی گئی ہو۔ چنانچہ یہی وہ جذبہ معرکہ ہے جس نے مجھے اس کتاب کے لکھنے کی تحریک دی۔

مجھے امید ہے کہ نوجوان نسل کتاب ہذا کے مطالعہ سے یہ آگاہی حاصل کر سکے گی کہ پاکستان کے وجود میں آنے سے لے کر آج تک اس خطہ زمین کے ساتھ کیا کیا بیتی نیز یہ کہ "شکوہ ملک و دین" کی خوبصورت عمارت کیوں تعمیر نہ ہو سکی، ممکن ہے کہ میری اس عرق ریزی سے کچھ نفوس ایسے تیار ہو جائیں جو ملت اسلامیہ کے بھولے ہوئے خواب کو پاکستان کے اس مبارک خطہ کی وساطت سے ایک بار پھر انسانی دنیا میں نظامِ خداوندی کو مشہود شکل میں قائم کر سکیں۔

کتاب میں شامل واقعات مستند حوالاجاتی کتابوں اور ۱۹۴۷ء سے لے کر آج تک کی قومی اخبارات کے فائلوں سے اکٹھے کئے گئے ہیں۔

میں طالب علموں اور قارئین سے یہ گزارش کروں گا کہ کتاب کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اگر اس میں کوئی تاریخی غلطی یا تشنگی محسوس کریں تو مجھے ضرور اطلاع فرمائیں تاکہ طبع دوم مزید بہتر صورت میں پیش کیا جا سکے۔ آخر میں میں اپنے ناشر جناب محمد عمر فاروق کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنہوں نے مجھے اس کتاب کو لکھنے کی تحریک دی اور اسے جلد شائع کرنے کا اہتمام کیا۔

احقر العباد

زاہد حسین انجم

۴/۴ راشد روڈ چودھری پارک
بلال گنج لاہور۔

تحریک قیامِ پاکستان

پاکستان کا لفظ اگرچہ چند حروف کا مجموعہ ہے، لیکن اگر اس لفظ کی گہرائی کو مقصد اور مدعا کے پس منظر میں دیکھا جائے تو ضخیم سے ضخیم جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں۔ مگر اپنی کوتاہ دامنی کے باعث اس کے متعلق بابائے قوم حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے الفاظ میں اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ

"پاکستان اسی دن معرضِ وجود میں آگیا تھا جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہُوا تھا۔ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی جونہی کوئی ہندو مسلمان ہوتا، ہندو اُسے مذہباً ہی نہیں معاشرتی اور اقتصادی حیثیت سے اپنی برادری سے خارج کر دیتے، اس طرح اس کی پہلی قومیت ختم ہوجاتی۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اسلام نے ان پر یہ پابندی عائد کر رکھی تھی کہ وُہ کسی دُوسری قومیت میں مدغم نہیں ہوسکتے۔ اس طرح یہاں دو قومیں وجود میں آتی چلی گئیں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہندو اور مسلمان ایک ہی قصبہ اور ایک ہی شہر میں رہنے کے باوجود کسی ایک قوم میں مدغم نہیں ہوسکتے وُہ ہمیشہ دو علیحدہ قوموں کی حیثیت سے رہتے چلے آرہے ہیں۔"

(خطاب ۸ مارچ ۱۹۴۴ء علی گڑھ یونیورسٹی)

ایک اور جگہ قائدِ اعظم نے مملکت پاکستان کے قیام کا مقصد بتاتے ہوئے کہا:

آپ نے خود فرمایا کہ پاکستان کے مطالبے کا جذبہ محرکہ کیا تھا؟ مسلمانوں کے لئے ایک جُداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی؟ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے اور نہ انگریزوں کی چال۔ یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا۔

(ریٹو زریل ۔ ۱۵ر جولائی ۱۹۸۱ء)

نیز فرمایا "اگر ہم تحریک پاکستان میں ناکام ہوگئے تو یاد رکھو ہندوستان مٹ جائے گا۔"

یہی وُہ بنیادی مسئلہ تھا جس کی اہمیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے علامہ اقبال نے دسمبر ۱۹۳۰ء میں الہ آباد میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"میری خواہش ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک الگ ریاست قائم کر دی جائے۔ ہندوستان کو حکومت خود اختیاری خواہ انگریز کے زیر سایہ ملے یا اس سے باہر میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ شمال مغربی ہندوستان میں ایک متحدہ اسلامی ریاست کا قیام مسلمانوں کے مقدّر میں لکھا جا چکا ہے۔

ہندوؤں کے بڑے بڑے راہنماؤں نے علامہ اقبال کے اس تصوّر کو ایک شاعر کی بڑ قرار دیا۔ علامہ اقبال کے خواب کو عملی جامہ پہنانے کے لئے قائدِاعظم نے بیڑا اٹھایا، بالآخر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو اس کا قیام عمل میں آگیا۔ سو یہ تھا وُہ پاکستان جس کا حصول علامہ اقبال کی صبح وآگاہی، قائدِاعظم کے خونِ جگر بلکہ اس سے بھی پہلے سرسید احمد خاں جسے بجا طور پر پاکستان کا معمارِ اوّل کہا جا سکتا ہے کی دُور رس نگاہوں کا مرہونِ منت ہے۔

محمد بن قاسم سے لے کر قائدِاعظم کے زمانے تک تحریک پاکستان کی مختصر روئیداد یہ ہے:

۸ ویں صدی عیسوی کے آغاز میں برِصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں نے ہندوؤں کو اپنی موجودگی کا احساس دلایا وُہ محمد بن قاسم کی قیادت میں تاجروں کی حیثیت سے ۷۱۲ء میں سندھ میں اُس وقت آئے جب بحیرہ عرب میں قزّاقوں نے بحری جہازوں کو لُوٹنا شروع کر دیا تھا۔ محمد بن قاسم نے قانون کی حکومت کو بحال کرنے کے لئے سندھ پر حملہ کیا اور ملتان تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ محمد بن قاسم اسلام کا جو پیغام اپنے ساتھ لایا تھا اس سے سندھ کے عوام کو برہمنوں کے مظالم سے نہ صرف نجات ملی تھی بلکہ وُہ انسانوں کی صف میں بھی کھڑے ہونے کے قابل ہو گئے تھے۔ پھر اس خطّے میں حضرت اسماعیل بخاری، حضرت شاہ حسین زنجانی، حضرت سید علی ہجویری، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت مجدّد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ، جیسے بزرگانِ دین نے اسلام کا پیغام پھیلایا سبکتگین نے ہندو راجہ جے پال کو شکست دی، سبکتگین کے بعد محمود غزنوی نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے اور لاہور میں ایاز کو اپنا گورنر مقرر کیا۔ گیارہویں صدی تک مسلمان حکمران محمد غوری نے اسلامی سلطنت کو بنگال تک وسعت دی پھر خاندانِ غلاماں، خلجی اور تغلق یکے بعد دیگرے اس خطّے پر حکمران رہے۔ ۱۵۲۶ء میں ظہیر الدین بابر نے ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اور شمالی ہندوستان تک کا علاقہ

فتح کرلیا بابر کے بعد ہمایوں اور اکبر اعظم برصغیر کے حکمران رہے اکبرِ اعظم کے دور میں مغلیہ سلطنت عروج پر تھی، لیکن جہانگیر، شاہجہان اور اورنگ زیب عالمگیر کے بعد مغلیہ سلطنت زوال پذیر ہوگئی اور آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی ناکام حکمت عملیوں اور اسلام کے اصولوں سے رُوگردانی کی بنا پر پرتگیزیوں، ولندیزیوں اور فرانسیسیوں نے اپنے قدم جمائے بالآخر انگریز غالب آگئے۔ برصغیر کے مقامی ہندو اور سکھ پہلے ہی مسلمانوں کے خلاف تھے؛ چنانچہ غیر مسلم اقوام نے انگریزوں سے نہ صرف تعلقات مستحکم کر لئے بلکہ انہیں ہر قسم کا تعاون بھی پیش کیا جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے لئے ترقی کے لئے تمام دروازے بند کر دیئے گئے مسلمانوں نے اپنے حقوق کی بازیابی کے لئے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا اگرچہ مسلمانوں کو اپنی اس جدوجہد میں کامیابی تو نہ ہوئی تاہم اُن کے لئے آزادی کی راہ ہموار ہوگئی۔

مسلمانوں کی ناکام جنگ کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں سے اچھوتوں جیسا سلوک کرنا شروع کر دیا، ان حالات میں سرسید احمد خاں کو مسلمانوں کی حالتِ زار پر بڑا رحم آیا اور انہوں نے اس بات کا تہیہ کرلیا کہ وُہ مسلمانوں میں سیاسی شعور کو بیدار کرکے ہی دم لیں گے اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے علی گڑھ میں ایک کالج کی بنیاد رکھی بعدازاں یہی کالج یونیورسٹی کی شکل اختیار کر گیا۔ اس یونیورسٹی کے قیام کی بدولت مسلمان تعلیم سے بہرہ ور ہوئے اور انہوں نے اپنے جُداگانہ تشخص کو تسلیم کرانے کی جدوجہد شروع کر دی۔ اس ضمن میں جنوری ۱۸۸۳ء میں سرسید احمد خان نے وائسرائے کونسل کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

ہندوستان ایک برصغیر ہے ملک نہیں، اس میں الگ الگ قومیں آباد ہیں، جن میں مسلمان سب سے بڑی اقلیت ہیں اور ہندوؤں سے علیحدہ ایک قوم ہیں لہٰذا ان سے جُداگانہ قومیّت کی بنیاد پر ہی سلوک ہونا چاہیئے۔

ہندو اور انگریز مسلمانوں کا جُداگانہ تشخص تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے، چنانچہ انگریزوں نے ایک انگریز مسٹر ہیوم کی قیادت میں ۱۸۸۵ء میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کی بنیاد رکھی۔

اس سیاسی جماعت کی بدولت ہندوؤں نے بڑے بڑے سیاسی مفادات حاصل کئے نیز حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر بھی فائز ہوگئے۔ مسلمانوں نے اپنے حقوق پامال ہوتے دیکھے تو دسمبر ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی۔ اور بڑے بڑے مسلمان زعماء

جو قبل آل انڈیا نیشنل کانگریس کے رُکن تھے مسلم لیگ میں شامل ہوکر اپنے لئے علیحدہ ملک کے قیام کی تیاریاں شروع کر دیں اور قائداعظم محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت میں ۲۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور میں قرارداد پاکستان منظور کی۔

قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد ہندوؤں نے انگریزوں سے مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کی جُداگانہ حیثیت کو تسلیم نہ کیا جائے بلکہ برصغیر کو آزادی دے دی جائے۔ ہندوؤں کی شدید مخالفت کے باوجود قائداعظم مسلمانوں کے جُداگانہ تشخص کو تسلیم کرانے میں کامیاب ہوگئے۔ اور بالآخر ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو دُنیا کے نقشے پر پاکستان کے نام سے دُنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کا ظہور ہُوا۔

پاکستان (ایک نظر میں)

آبادی	پاکستان	۸،۳۷،۸۲،۰۰۰	بمطابق مردم شماری
	پاکستان موجودہ	۹،۷۶،۷۰،۰۰۰	۱۹۸۱ء
	صوبہ پنجاب	۴،۷۱،۱۶،۰۰۰	
	صوبہ بلوچستان	۴۳،۰۵،۰۰۰	
	صوبہ سندھ	۱،۸۹،۶۶،۰۰۰	
	صوبہ سرحد	۱،۰۸،۸۵،۰۰۰	
	وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقے	۲۱،۷۵،۰۰۰	
	اسلام آباد	۳،۳۵،۰۰۰	

محلِ وقوع : ۲۴ درجے شمالی اور ۳۷ درجے شمالی عرض بلد کے درمیان اور ۶۱ درجے مشرقی اور ۷۵ درجے مشرقی طول بلد کے درمیان بھارت مشرق اور جنوب مشرق میں، افغانستان شمال اور شمال مغرب میں، ایران مغرب میں، بحیرہ عرب جنوب میں، گلگت ایجنسی اور بلتستان کے ساتھ پاکستان اور چین کی مشترکہ سرحد ہے۔

رقبہ :

پاکستان	۷،۹۶،۰۹۵	مربع کلومیٹر
پنجاب	۲،۰۵،۳۴۴	مربع کلومیٹر
سندھ	۱،۴۰،۹۱۴	مربع کلومیٹر
سرحد	۷۴،۵۲۱	مربع کلومیٹر
بلوچستان	۳،۴۷،۱۹۰	مربع کلومیٹر
وفاق کے تحت قبائلی علاقے	۲۷،۲۲۰	مربع کلومیٹر
اسلام آباد	۹۰۶	مربع کلومیٹر

ہمسایہ ممالک: عوامی جمہوریہ چین، افغانستان، ایران، اور بھارت۔

سرحدیں: افغانستان پاکستان ۲۲۴۰ کلومیٹر۔ پاکستان ایران ۸۰۰ کلومیٹر۔
چین پاکستان ۵۹۵ کلومیٹر۔ بھارت پاکستان

دارالحکومت: اسلام آباد ملک کا صدر مقام ہے۔ اس کی آبادی ۴ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔

دیگر بڑے شہر: کراچی، لاہور، فیصل آباد، راولپنڈی، حیدرآباد، ملتان، گوجرانوالہ، پشاور، سیالکوٹ، کوئٹہ، سرگودھا، اسلام آباد، بہاولپور، گجرات ہڑپہ جہلم سکھر۔

خصوصی دلچسپی کے مقامات: درّہ خیبر، ہنزا، موہنجو ڈارو، بھنبھور، ہڑپہ، سوات، گلگت وغیرہ۔

زبانیں: انگریزی (سرکاری) اُردو (قومی)
علاقائی: سندھی، پنجابی، بلوچی، براہوئی، بلتی، شینا، سرائیکی۔

اہم فصلیں: گندم، چاول، گنا، کپاس، چنے، تمباکو، مکئی، تیل نکالنے والے بیج۔
جنگلات کا رقبہ ۱۰۴۸۷۰۰۰ ہیکٹرز

اہم معدنیات: قدرتی گیس، کرومائٹ، چونے کا پتھر، جپسم، یورینیم، پٹرولیم، کوئلہ، تانبا۔

اہم صنعتیں: چینی، سگریٹ، کپڑا (ہر قسم) بناسپتی گھی، دھاگا، سیمنٹ، بلیڈ، کھاد، کاغذ، کھیلوں کا سامان، بائیسکل، چمڑا اور اس کی مصنوعات، پلاسٹک کا سامان آلات جراحی، سٹین لیس سٹیل کے برتن، چینی کے برتن، بجلی کا سامان، بجلی کے پنکھے، فولاد وغیرہ۔

آب وہوا: اس کی آب وہوا برّاعظمی ہے۔ برف پوش پہاڑوں کے قریب واقع علاقوں میں موسم سرد، ساحلی علاقوں میں سمندر کی خنک ہواؤں کے اثرات اور باقی علاقہ عمومی طور پر خشک ہے۔

دریا: راوی، ستلج، سندھ، چناب اور جہلم پاکستان کے مشہور دریا ہیں۔ دریائے سندھ سب سے لمبا دریا ہے۔ اٹک کے بالکل شمال میں دریائے کابل کا نیلا پانی دریائے سندھ کے پانی میں آملتا ہے۔ اور یہیں سے وہ اپنے معاون دریاؤں کے ساتھ پاکستان بھر میں بہتا ہے۔

پہاڑ : کے ٹو دُنیا کی دُوسری سب سے اُونچی چوٹی ہے اسے سر کرنے کی پہلی کوشش ۱۹۰۳ء میں کی گئی، لیکن ۱۹۵۴ء سے پہلے کوئی بھی کوہ پیما اس کی چوٹی تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے مشکل ترین چوٹی کہا جاتا ہے۔ اس کی بلندی ۔ ۲۸۲۵ فٹ ہے۔ ننگا پربت ایک اور خوفناک پہاڑ ہے اس کی بلندی ۲۵۸۸۰ فٹ ہے، اسے ۱۹۵۳ء میں ہرمن بوہل نے سر کیا تھا۔

پہاڑی سلسلے :۔ کوہ ہندوکش، کوہ سلیمان، کوہ ہمالیہ، کوہ قراقرم۔

پودے : ریگستانوں، سیراب زمینوں اور ساحل سمندر سے ہمالیہ کی برف پوش چوٹیوں تک پھولوں کی چھ ہزار مختلف اقسام موجود ہیں۔

بندرگاہیں : کراچی، بن قاسم، گوادر، پسنی، جیونی۔

خشک : لاہور، پشاور، سیالکوٹ، حیدرآباد، ملتان۔

اہم برفانی تودے : سیاچن (۷۵ کلومیٹر) تورا ۸۵ کلومیٹر، بالتورو (۶۲ کلومیٹر)

صحرا : تھر، چولستان، تھل

جھیلیں : منچھر (سندھ) کینجھر (سندھ) ہنا (بلوچستان) سیف الملوک (وادی کاغان)۔

طرزِ حکومت : وفاقی۔

آئین : نفاذ ۱۹۷۳ء مع چند ترامیم کے جو ۱۹۸۵ء میں ہوئیں۔

دستور سازی : پہلا ۱۹۵۶ء، دُوسرا ۱۹۶۲ء، تیسرا ۱۹۷۳ء

اہم برآمدات	اہم درآمدات
چاول	چائے
خام کپاس	پٹرولیم اور اُس کی مصنوعات
سوتی دھاگا	کیمیائی کھاد
سوتی کپڑا	ڈیری مصنوعات
مچھلی اور اُس کی مصنوعات	زرعی مشینری
قالین اور غالیچے	مواصلاتی سامان
چمڑے اور اُس کی مصنوعات	کیمیائی اشیاء
انجینئرنگ کا سامان ۔ کھیلوں کا سامان	ادویات

مرکزی حکومتیں

گورنر جنرل

۱۔ قائداعظم محمد علی جناح	۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء تا ۱۱/ستمبر ۱۹۴۸ء
۲۔ خواجہ ناظم الدین	۱۴/ستمبر ۱۹۴۸ء تا ۱۷/ اکتوبر ۱۹۵۱ء
۳۔ ملک غلام محمد	۱۹/ اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۵/ اکتوبر ۱۹۵۵ء
۴۔ میجر جنرل اسکندر مرزا	۶/ اکتوبر ۱۹۵۵ء تا ۲۲/ مارچ ۱۹۵۶ء

صدور: ۲۳/ مارچ ۱۹۵۶ء کو پاکستان کو جمہوریہ قرار دیا گیا تو گورنر جنرل کا عہدہ از خود ہی ختم ہو گیا! چنانچہ میجر جنرل اسکندر مرزا نے پاکستان کے پہلے صدر کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اُٹھایا دیگر صدور کے نام یہ ہیں۔

۱۔ میجر جنرل اسکندر مرزا	۲۳/ مارچ ۱۹۵۶ء تا ۲۷/ اکتوبر ۱۹۵۸ء
۲۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں	۲۷/ اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۲۵/ مارچ ۱۹۶۹ء
۳۔ جنرل آغا محمد یحییٰ خاں	۲۵/ مارچ ۱۹۶۹ء تا ۲۰/ دسمبر ۱۹۷۱ء
۴۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو	۲۰/ دسمبر ۱۹۷۱ء تا ۱۳/ اگست ۱۹۷۳ء
۵۔ مسٹر فضل الٰہی چودھری	۱۴/ اگست ۱۹۷۳ء تا ۱۶/ ستمبر ۱۹۷۸ء
۶۔ جنرل محمد ضیاء الحق	۱۶/ ستمبر ۱۹۷۸ء ـــ تاحال

نائب صدر: بزرگ سیاستدان جناب نورالامین ۲۰/ دسمبر ۱۹۷۱ء تا ۱۴/ اگست ۱۹۷۳ء ملک کے پہلے نائب صدر رہے۔

وزراء اعظم

۱۔ نوابزادہ لیاقت علی خاں	۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء تا ۱۶/ اکتوبر ۱۹۵۱ء
۲۔ خواجہ ناظم الدین	۱۹/ اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۱۷/ اپریل ۱۹۵۳ء

۳۔ محمد علی بوگرہ	۱۷راپریل ۱۹۵۳ء	تا ۱۱راگست ۱۹۵۵ء
۴۔ چودھری محمد علی	۱۱راگست ۱۹۵۵ء	تا ۱۲رستمبر ۱۹۵۶ء
۵۔ حسین شہید سہروردی	۱۲رستمبر ۱۹۵۶ء	تا ۱۸راکتوبر ۱۹۵۷ء
۶۔ آئی آئی چندریگر	۱۸راکتوبر ۱۹۵۷ء	تا ۱۶ردسمبر ۱۹۵۷ء
۷۔ ملک فیروز خاں نون	۱۶ردسمبر ۱۹۵۷ء	تا ۷راکتوبر ۱۹۵۸ء
۸۔ جنرل محمد ایوب خاں	۲۴راکتوبر ۱۹۵۸ء	تا ۲۷راکتوبر ۱۹۵۸ء
۹۔ مسٹر نورالامین (نامزد)	۷ردسمبر ۱۹۷۱ء	تا ۲۰ردسمبر ۱۹۷۱ء
۱۰۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو	۱۴راگست ۱۹۷۳ء	تا ۵رجولائی ۱۹۷۷ء
۱۱۔ مسٹر محمد خاں جونیجو	۲۳رمارچ ۱۹۸۵ء	تا ۲۹ مئی ۱۹۸۸ء

نائب وزیر اعظم

۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران میں ۷ردسمبر ۱۹۷۱ء تا ۲۰ردسمبر ۱۹۷۱ء مسٹر ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے نامزد نائب وزیر اعظم کی حیثیت سے کام کرتے رہے؛ حالانکہ انہوں نے اپنے عہدے کا حلف بھی نہ اُٹھایا تھا۔

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر

۱۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں	۷راکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۸ جون ۱۹۶۲ء
۲۔ جنرل آغا محمد یحییٰ خاں	۲۵رمارچ ۱۹۶۹ء تا ۲۰ردسمبر ۱۹۷۱ء
۳۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو	۲۰ردسمبر ۱۹۷۱ء تا ۲۱راپریل ۱۹۷۲ء
۴۔ جنرل محمد ضیاء الحق	۵رجولائی ۱۹۷۷ء تا ۳۰ردسمبر ۱۹۸۵ء

نگران حکومت

محمد اسلم خاں خٹک — ۹ جون ۱۹۸۸ء تا حال

قائدِ اعظم کا دورِ حکومت

ابتدائی مشکلات

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو قائد اعظم محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت میں دنیا کے نقشے پر پاکستان کے نام سے ایک نئی مملکت کا ظہور ہوا اور اس طرح ان کے عزم صمیم کے سامنے علامہ اقبال کے خواب نے حقیقت کی شکل اختیار کر لی۔ بلا شبہ یہ قائد اعظم کا عظیم کارنامہ تھا؛ کیونکہ انگریزوں اور ہندوؤں کے نزدیک اس کا قیام ممکن نہ تھا۔

جونہی پاکستان کی علیحدگی کا اعلان ہُوا تو ہندوؤں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بھارت میں مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کر دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ پاکستان کو یہ اُمید تھی کہ مسلم اکثریت کے علاقے پاکستان میں شامل کر دیئے جائیں گے، لیکن ریڈکلف نے انتہائی بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بہت دیر سے ریڈکلف ایوارڈ کے نتائج کا اعلان کیا۔ چنانچہ ہندوؤں نے بھارت میں نہ صرف مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کر دیا بلکہ انتقالِ آبادی کے تحت پاکستان آنے والے مسلمانوں کو انتہائی بے دردی سے قتل کیا، ان کے قافلے لُوٹ لئے اور اُن کے بچّوں کو اُن کے سامنے سنگینوں پر اُچھالا نیز بے بس اور مجبور خواتین کی عزتوں کو بھی لُوٹنے سے دریغ نہ کیا۔ ان حالات میں مسلمانوں نے انتہائی صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اور نوزائیدہ مملکت کی تعمیر و ترقی میں مصروف ہو گئے۔ حضرت قائدِ اعظم کی ہدایت پر بھارت سے آنے والے تقریباً ایک کروڑ افراد کو ملک کے مغربی اور مشرقی حصّے میں آباد کرنے کے لیئے متعدد منصوبوں پر عمل درآمد کیا گیا اور اس مقصد کے حصول کے لئے اکتوبر ۱۹۴۷ء میں مہاجرین اور آبادکاری کی وزارت قائم کی گئی جس کے نتیجے میں ۱۱ نومبر ۱۹۴۷ء تک ملک میں انتقالِ آبادی کا کام مکمل ہو گیا۔ نیز ملک کے ممکنہ اور میسر وسائل کو بروئے کار لانے میں کسی قسم کا کوئی دقیقہ نہ چھوڑا گیا۔

بھارتی حکمرانوں کے خیال میں پاکستان کا قیام ناممکن تھا اس لئے کہ انہوں نے اسے اکھنڈ بھارت میں شامل کرنے کے لئے طرح طرح کے منصوبے بنا رکھے تھے ابتداء میں جب ریڈکلف ایوارڈ کا

اعلان ہوا تو بھارت میں مسلم اکثریت کے علاقوں میں قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا بعد ازاں کشمیر میں جنگ چھیڑ دی گئی لیکن انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں پاکستان کی مسلح افواج اور عوام نے دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کشمیر کے ایک تہائی حصے پر قبضہ کر کے دنیا بھر میں اپنی برتری کا لوہا منوالیا۔

ان دنوں صوبہ سرحد میں کانگریس کی حکومت قائم تھی۔ کانگریسی رہنماؤں نے صوبہ سرحد کو بھارت میں شامل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر صوبہ سرحد کے غیور اور امن و آشتی کے دلدادہ اور اسلام کے بنیادی اصولوں سے آشنا عوام نے ریفرنڈم کے ذریعے کانگریس کے اس منصوبے کو ناکام بنا دیا جو اس نے صوبہ سرحد کو پاکستان سے علیحدہ کرنے کے لئے تیار کیا تھا۔

اسی طرح بھارت اور پاکستان میں اثاثوں کی تقسیم نے پاکستان کو معاشی اور اقتصادی بدحالی سے دوچار کر دیا اور بھارت نے ۵۰ کروڑ روپے کے کیش بیلنس میں سے پاکستان کو صرف بیس کروڑ روپے ادا کئے۔

کشمیر کے علاوہ حیدرآباد، جوناگڑھ، مانا وذر اور مانگرول پر بھارت نے زبردستی قبضہ کر لیا۔ چونکہ ہندوؤں نے پاکستان کے قیام کو صدق دل سے قبول نہ کیا تھا اس لئے اس نے اقتصادی حربوں اور دیگر ذرائع سے پاکستان کو ہر ذک پہنچائی جو اس کی رسائی میں تھی لیکن پاکستان کے عوام نے حضرت قائداعظم کی راہنمائی میں ان کے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہ کیا۔

ابتدا میں پاکستان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ان کی تفصیل آئندہ صفحات میں ملاحظہ کریں۔

حالاتِ قائداعظم

قائداعظم محمد علی جناح ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو کراچی میں ایک ممتاز تاجر پونجا جناح کے ہاں پیدا ہوئے۔ انہوں نے سندھ مدرستہ الاسلام اور کرسچین مشن سکول کراچی میں تعلیم پائی۔ ۱۸۹۳ء میں لنکن ان (برطانیہ) میں داخلہ لیا اور تین سال کے بعد اسی درسگاہ سے ۱۸۹۶ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔

بیرسٹری کا امتحان پاس کرنے کے بعد بمبئی آ گئے اور وکالت شروع کر دی۔ ۱۹۰۰ میں انہوں نے مجسٹریٹ کی حیثیت سے چھ ماہ تک کام کیا۔ ۱۹۰۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس میں شمولیت اختیار کر کے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا اسی سال وہ گوپال کرشنا گوکھلے (۱۸۶۶ء - ۱۹۱۵ء) کے ہمراہ (کانگریس کے وفد میں) لندن گئے تاکہ برصغیر کی آزادی کے لئے راہ ہموار کی جا سکے۔

ایک سال بعد انہوں نے آل انڈیا نیشنل کانگریس کے صدر دادا بھائی نوروجی (۱۸۲۵ء - ۱۹۱۷ء) کے سیکرٹری کی حیثیت سے کام کیا۔ جو ان کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ دسمبر ۱۹۰۶ء

میں کلکتہ میں منعقد ہونے والے کانگریس کے اجلاس میں پہلی سیاسی تقریر کی۔ تقریر کا موضوع خود مختار حکومت کے سلسلے میں تھا۔ جنوری ۱۹۰۹ء میں وہ امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ قائداعظم نے ہندو مسلم اتحاد کی بھی بڑی کوششیں کیں۔ وہ ۱۹۱۳ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ ۱۹۱۶ء کا میثاقِ لکھنؤ انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ یہ پہلا معاہدہ تھا جو آل انڈیا نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ کے مابین طے پایا تھا۔ ۱۹۱۷ء میں اُن کا شمار ہندوؤں اور مسلمانوں کے بہت بڑے راہنماؤں میں ہونے لگا۔ وُہ نہ صرف کانگریس اور امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں مقبول تھے بلکہ مسلم لیگ اور ہوم رول لیگ بمبئی شاخ کے صدر بھی تھے۔ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں جب گاندھی ہوم رول لیگ کے صدر بنے تو انہوں نے اس کے آئین میں تبدیلی کرنا چاہی تو قائداعظم نے استعفیٰ دے دیا اور کہا کہ آپ کا یہ انتہا پسندانہ وقتی قدم ناتجربہ کار نوجوانوں اور لاعلم اور ناخواندہ لوگوں کے خیالات کو جھنجھوڑ کر رکھ دے گا۔ اس کا مطلب بدانتظامی ہے۔ ۲۸ رمارچ ۱۹۱۹ء کو رولٹ ایکٹ کے خلاف احتجاج کے طور پر امپیریل کونسل کی رکنیت سے مستعفی ہوگئے۔ نومبر ۱۹۲۳ء میں دوبارہ مرکزی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ ۲۳ ردسمبر ۱۹۲۸ کو کلکتہ میں منعقدہ آل پارٹیز نیشنل کنونشن میں مسلمانوں کا نقطۂ نظر پیش کیا اور ۲۸ رمارچ ۱۹۲۹ء کو اپنے مشہور چودہ نکات پیش کئے۔ ۱۲ رنومبر ۱۹۳۰ء کو ہندوستانی مسلمانوں کے مؤقف کی وضاحت کے لئے گول میز کانفرنس میں شرکت کی۔ ۴ رمارچ ۱۹۳۴ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ ۲۳ رمارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں اُن کی صدارت میں قرارداد لاہور منظور ہوئی جسے بعدازاں قراردادِ پاکستان کا نام دیا گیا۔

۳ رجون ۱۹۴۷ کو آل انڈیا ریڈیو سے برِصغیر کی تقسیم کے منصوبے پر تقریر کی۔ ۱۴ راگست ۴۷ء کو انہیں پاکستان کا گورنر جنرل مقرر کیا گیا اور اس سے قبل ۱۱ راگست کو دستور ساز اسمبلی کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۵ راگست کو پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اُٹھایا۔ بالآخر ۱۱ رستمبر ۴۸ ۱۹ء کو ہمارے محسن اس دُنیائے فانی سے ایک طویل علالت کے بعد انتقال کرگئے اُن کا مزار کراچی میں ہے جسے صدر ایوب نے تعمیر کرایا۔

پاکستان ۱۹۴۷ء میں

آزادی کے وقت اس کا شمار دنیا کی پانچ بڑی مملکتوں میں ہوتا تھا۔ یہ دو حصّوں مغربی پاکستان (صوبہ پنجاب، صوبہ سندھ، صوبہ بلوچستان اور صوبہ سرحد) اور مشرقی پاکستان پر مشتمل تھا۔ اس کا کُل رقبہ (ریاستوں کے اخراج سے) ۲۲۳۱۰۰ مربع میل تھا۔

جس میں مغربی پاکستان کا کل رقبہ ۔۔۔ ۱۷۹ مربع میل اور مشرقی پاکستان کا رقبہ ۔۔۵۴ مربع میل تھا۔ کراچی ملک کا صدر مقام قرار پایا ۔ اُس وقت پاکستان کی آبادی سات کروڑ نفوس پر مشتمل تھی ۔

آزادی کے وقت مشرقی پاکستان کے حصے میں ایسی معیشت آئی جو مغربی پاکستان سے کم ترقی یافتہ تھی۔ اپنی زرعی پیداوار کی صنعتی تیاری، فاضل پیداوار کی برآمد اور ضروری اشیائے صرف کی فراہمی کے لئے مشرقی صوبہ کلیتہً مغربی پاکستان اور خاص کر کے کلکتہ کا دست نگر تھا ۔ جدید صنعتی کارخانوں کی پیداواری گنجائش بہت کم تھی اور اقتصادی زریں ڈھانچہ جیسے پانی اور بجلی اور ذرائع آمدورفت کی دستیابی ترقیات کی پرورش کے لئے بالکل ناکافی تھیں ۔

نصب شدہ کارخانوں میں شکر کی پیداوار مشرقی پاکستان میں ۔۔۔ ۳۸ ٹن اور مغربی میں ۔۔۔ ۳۰ ۵ ٹن تھی ۔ سوتی دھاگا بنانے کے لئے ملک بھر میں ۔۔۔ ۱۷۷ تکلے تھے جس میں سے مشرقی پاکستان میں ۹۸۰۰۰ اور مغربی میں ۔۔۔ ۷۹ تھے ۔ مشرقی پاکستان میں کچھ پٹ سن کے گٹھے باندھنے کے پریس تھے، اور ۱۱۵ چائے کے باغات جو کہ تمام غیر ملکی ہاتھوں میں تھے ۔ مغربی پاکستان میں بجلی کی نصب شدہ پیداواری صلاحیت مشرقی پاکستان میں ۱۹۴۸ء میں ۱۶۴۹۸ کلو واٹ تھی جب کہ مغربی حصہ میں ۔۔ ۱۱۲۶ تھی ۔

پاکستان میں بسوں اور ٹرکوں کی تعداد مشرقی پاکستان میں ۴۴۱۰ اور مغربی میں ۲۱۴۲۵ تھی ۔ ریلوے لائنوں کا فاصلہ مشرقی حصہ میں ۱۶۱۹ میل اور مغربی میں ۵۳۱۷ میل تھا۔ مشرقی پاکستان میں قدرتی دریائی راستے موجود تھے تاہم اس کے پاس صرف ایک سمندری بندرگاہ چٹاگانگ تھی تاہم مغربی پاکستان میں کراچی کی بندرگاہ تھی جہاں سے تیس لاکھ ٹن سالانہ کے مال کی نقل و حرکت ہوتی تھی ۔

اس کا ہر دسواں شہری مہاجر تھا ملک کے دونوں حصوں (مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان) کے حالات ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے اور جن کے درمیان ۔۔ ۱۱ میل کا طویل فاصلہ تھا۔ حکومت موجود نہ تھی ملک کی معیشت حد درجہ پسماندہ تھی ملک میں کوئی قابل ذکر صنعت نہ تھی بجلی کی بہم رسانی نہ ہونے کے برابر تھی اور تقریباً یہی حالت بنکاری اور تجارتی نظاموں کی تھی ۔ فی کس آمدنی کا اندازا تقریباً ساٹھ ڈالر سالانہ تھا غرض پاکستان دُنیا کے غریب ترین ملکوں میں سے ایک تھا ۔ اور اس پر طرہ یہ کہ ترقی کی کوئی بنیاد موجود نہ تھی ملک میں معدنیات کا فقدان تھا اور ایندھن کی فراہمی ناکافی تھی عوام میں کسانوں اور مزدور پیشہ لوگوں کی اکثریت تھی ۔

اس کی صنعتی پیداوار پستی کی آخری منزل پر تھی ۱۹۴۷ء میں برطانوی ہند میں ۱۴۶۵۹ صنعتی اداری تھے جن میں صرف ایک ہزار چار سو ادارے ان علاقوں میں واقع تھے جو پاکستان میں شامل ہیں۔

پاکستان میں شامل علاقوں کی آبادی اگرچہ غیر منقسم ہندوستان کی آبادی کی بیس فیصد تھی لیکن اس کی صنعتی پیداوار بمشکل دس فیصد تھی۔

ریڈکلف ایوارڈ

۳ رجون ۱۹۴۷ء کے منصوبے میں ایک دفعہ یہ رکھی گئی تھی کہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم کی صورت میں وائسرائے ایک ایک سرحدی کمیشن مقرر کرے گا چنانچہ اس کے تحت ۳۰ رجون ۱۹۴۷ء کو بنگال اور پنجاب کی تقسیم کے لئے بنگال باؤنڈری کمیشن اور پنجاب باؤنڈری کمیشن کا قیام عمل میں لایا گیا۔ پنجاب کمیشن سر سائرل ریڈکلف (چیئرمین) (برطانیہ) مسٹر جسٹس دین محمد (پاکستان) مسٹر جسٹس محمد منیر (پاکستان) مسٹر جسٹس مہر چند مہاجن (بھارت) اور مسٹر جسٹس تیجہ سنگھ (بھارت) پر مشتمل تھا۔ پنجاب باؤنڈری کمیشن میں سکھ نمائندہ بلدیو سنگھ بھی شامل تھا۔

جب کہ بنگال باؤنڈری کمیشن سر سائرل ریڈکلف (چیئرمین) (برطانیہ) مسٹر جسٹس بی کے مکرجی (بھارت) مسٹر جسٹس سی سی بسواس (بھارت) مسٹر جسٹس ابو صالح محمد اکرم (پاکستان) اور مسٹر جسٹس ایس اے رحمان (پاکستان) پر مشتمل تھا۔

تقسیم کا کام اس لئے عمل میں لایا گیا تھا کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن برصغیر پاک و ہند کے مشترکہ گورنر جنرل بننا چاہتے تھے لیکن قائداعظم کے ۲ رجولائی ۱۹۴۷ء کے اعلان سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو اس وقت سخت مایوسی ہوئی جب انہوں نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو پاکستان کے گورنر جنرل نہ بنوانے کا اعلان کیا تھا اس کے نتیجے میں انتہائی جانبداری سے کام لیتے ہوئے ریڈکلف نے وہ علاقے بھی ہندوستان میں شامل کر دیئے جنہیں اصولی طور پر پاکستان میں شامل ہونا چاہیئے تھا۔ پنجاب باؤنڈری کمیشن نے ۲۲ رجولائی کو کام شروع کیا۔ ۱۷ راگست کو ایوارڈ کا اعلان کر دیا گیا۔ حد بندی کی صوبہ وار تفصیل اس طرح ہے۔

صوبہ پنجاب: لاہور ڈویژن۔ گوجرانوالہ، شیخوپورہ، لاہور اور سیالکوٹ کے اضلاع ضلع لاہور میں تحصیل چونیاں اور تحصیل لاہور کو شامل کیا گیا۔ جہاں تک ضلع گورداسپور کا تعلق ہے صرف شکر گڑھ تحصیل کو سیالکوٹ میں شامل کر دیا گیا۔

ملتان ڈویژن: ملتان، ڈیرہ غازی خاں، جھنگ، لائل پور، منٹگمری اور مظفر گڑھ کے اضلاع۔

راولپنڈی ڈویژن : اٹک، راولپنڈی، گجرات، جہلم، شاہ پور اور میانوالی کے اضلاع۔

صوبہ مشرقی بنگال :- اس میں چٹاگانگ اور ڈھاکہ کی ڈویژنیں شامل کی گئیں۔ راجشاہی ڈویژن کے اضلاع رنگپور، بوگرہ، راجشاہی، پٹنہ اور کھلنا کو پاکستان میں شامل کر دیا گیا۔

ضلع گورداسپور کی غیر منصفانہ تقسیم کے باعث ہی تنازعہ کشمیر کی ابتدا ہوئی۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح نے ریڈکلف ایوارڈ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "یہ ایوارڈ غیر منصفانہ' ناقابلِ فہم بلکہ غیر معقول ہے۔ ہم چونکہ اس پر عمل کرنے کا عہد کر چکے ہیں اس لئے اسے ماننا ہم پر لازم ہے۔"

ریڈکلف ایوارڈ کے بارے میں پاکستان کے ریٹائرڈ چیف جسٹس کارنیلیس نے ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو لاہور میں جسٹس شمیم حسین قادری کی کتاب 'تخلیق پاکستان' کی تقریب رونمائی میں کہا:

"ریڈکلف بھی برصغیر کی تقسیم کے آخری کھیل کا ایمپائر تھا۔ قائدِ اعظم یہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے کہ ریڈکلف جیسا اعلیٰ پائے کا قانون دان مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی کرے گا۔ لیکن اس ایمپائر نے بھی قائدِ اعظم کے اعتماد کو دھوکا دیا۔

ریڈکلف ایوارڈ کی وجہ سے پاکستان کو نقصانات :-

ریڈکلف ایوارڈ کی وجہ سے پاکستان کو بے شمار مشکلات سے دوچار ہونا پڑا مثلاً

۱۔ کلکتہ سے ملحق علاقوں مرشد آباد اور نادیہ وغیرہ میں مسلمان اکثریت میں تھے ریڈکلف ایوارڈ کے تحت ان اکثریتی علاقوں کو مغربی بنگال میں شامل کر کے پاکستان کو کلکتہ کی بندرگاہ سے محروم کر دیا گیا۔

۲۔ گورداسپور۔ جالندھر، ہوشیارپور اور فیروزپور کے اضلاع میں بھی مسلمانوں کی اکثریت تھی انہیں پاکستان میں شامل کرنے کی بجائے بھارت میں شامل کر دیا گیا۔

۳۔ گورداسپور۔ جالندھر۔ ہوشیارپور اور فیروزپور کی بھارت میں شمولیت کی بناء پر بھارتی سرحد کشمیر سے ملحق ہو گئی چنانچہ وہاں کے ہندو راجا ہری سنگھ ڈوگرہ نے مسلمانوں کی مرضی کے بغیر کشمیر کا الحاق بھارت سے کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس طرح پاکستان کو کشمیر جیسے خوبصورت خطے سے محروم کر دیا گیا۔

۴۔ پاکستان میں بہنے والے دریاؤں کے منبعے مقبوضہ کشمیر میں ہیں اس لئے زرعی طور پر مفلوج کرنے کے لئے اسے ان دریاؤں کے پانی سے محروم کرنے کی سازش کی گئی۔

۵- مقبوضہ کشمیر جانے والے تمام راستے پاکستان سے جاتے ہیں چنانچہ مقبوضہ کشمیر کو بھارت میں شامل کر کے پاکستان کے لئے تجارتی مشکلات پیدا کر دی گئیں۔

۶- گورداسپور- جالندھر- ہوشیارپور اور فیروزپور کے علاقوں کی بھارت میں شمولیت سے مسلمانوں کو نقل مکانی کرنا پڑی جس سے لاکھوں قیمتی جانیں تلف ہوگئیں اور ہزاروں عورتیں اپنی عصمت و عزت کھو بیٹھیں- نیز مسلمان کروڑوں کی زرعی اور صنعتی جائداد سے محروم ہو گئے۔

۷- مسلمانوں کی بھارت سے نقل مکانی کی وجہ سے پاکستان میں ان کی آبادکاری ایک مسئلہ بن گئی۔

۸- ریڈکلف ایوارڈ کی وجہ سے پاکستان اور بھارت کے مابین جنگ چھڑ گئی اور اس طرح پاکستان کو دفاعی اعتبار سے بھی کمزور کرنے کی کوشش کی گئی۔

۹- فیروزپور کا ہیڈ ورکس بھارت کے حوالے کر دیا گیا تاکہ اس سے نکلنے والی نہروں کے پانی سے پاکستان کو محروم کیا جا سکے۔

صوبہ سرحد میں ریفرنڈم

قیام پاکستان سے قبل پاکستان کو مسلم اکثریتی صوبوں سے محروم کرنے کے لئے بنگال اور پنجاب کی تقسیم کا مسئلہ کھڑا کرنے کے علاوہ ۹۶ فیصد مسلم اکثریت والے صوبہ سرحد میں بھی ریفرنڈم لازمی قرار دیا گیا۔ اور اس کا جواز یہ پیش کیا گیا کہ وہاں کانگریس کی حکومت قائم ہے لہٰذا وہاں کے باشندوں کی مرضی معلوم کی جائے کہ آیا وہ پاکستان سے الحاق کرنا چاہتے ہیں یا بھارت سے۔ قائدِ اعظم سے بُغض رکھنے کی بناء پر صوبہ سرحد کی کانگریسی حکومت، خان عبدالغفار خان اور ڈاکٹر خان صاحب نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ اس صوبے کو پاکستان میں شامل نہ کیا جائے۔ وزیراعلیٰ سرحد ڈاکٹر خان صاحب نے اس ضمن میں یہ مطالبہ پیش کیا کہ صوبے میں ریفرنڈم کرایا جائے اور عوام سے یہ رائے لی جائے کہ وہ آزاد پختونستان چاہتے ہیں۔

اس مطالبے کی پذیرائی اس بناء پر نہ ہو سکی کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے ۴ رجون ۱۹۴۷ء کو صاف صاف کہہ دیا تھا کہ کسی صوبہ کو آزادی کا حق نہیں دیا جائے گا۔ لہٰذا پختونستان کا مطالبہ تو اپنی موت خود ہی مر گیا۔

دوسری طرف کابل نے یہ راگ الاپنا شروع کر دیا کہ یہ صوبہ افغانستان کا حصہ ہے اس لئے اسے افغانستان کو واپس کیا جائے۔

سرحدی گاندھی عبدالغفار نے جب یہ دیکھا کہ ان کے عزائم کی تکمیل نہیں ہو رہی تو انہوں نے پاکستان کو تسلیم کرنے کے لئے تین مطالبات پیش کئے۔

۱۔ صوبہ سرحد کو مکمل خود مختاری دی جائے۔

۲۔ مغربی پنجاب کے علاقوں کو قبائلی علاقوں میں شامل کیا جائے۔

۳۔ صوبے کے عوام کو اختیار دیا جائے کہ وہ قیام پاکستان کے بعد جب بھی چاہیں اس سے علیحدگی اختیار کر لیں۔

خان عبدالغفار خان نے اپنے مطالبات تسلیم کرانے کی غرض سے مہاتما گاندھی کے ذریعے قائداعظم سے ملاقات کا پروگرام بنایا لیکن جب قائداعظم کو سرحدی گاندھی کے عزائم کا پتہ چلا تو انہوں نے ملاقات سے انکار کر دیا۔ قائداعظم کے انکار کرنے پر سرحدی گاندھی صوبہ سرحد کو خود مختاری دینے کے موقف سے ہٹ گئے۔ اور انہوں نے اس نکتے میں ترمیم کر کے صوبے کو دفاع، امورِ خارجہ اور مواصلات کے سوا دیگر تمام شعبوں میں مکمل خود مختاری دینے کی رٹ لگائی۔

سرحدی گاندھی جب اپنے مطالبات منظور کرانے میں ناکام رہے تو انہوں نے صوبے میں قتل و غارت کا بازار گرم کرنے کا پروگرام بنایا چنانچہ اُن کے بھائی ڈاکٹر خان صاحب (جو صوبے کے وزیراعلیٰ تھے) نے اپنے آدمیوں کو اسلحے کے چھ ہزار لائسنس جاری کر دیئے۔ اور یہ اعلان کر دیا کہ کانگریس صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں حصّہ نہیں لے گی۔ صوبہ سرحد کے گورنر سراولاف کیرو ریفرنڈم کے حق میں تھے چنانچہ انہیں ہٹانے کے منصوبے بنائے گئے۔ دریں اثنا مسلم لیگ نے مطالبہ کیا کہ ریفرنڈم سے قبل صوبے کی کانگریسی وزارت کو اقتدار سے الگ کیا جائے اور صوبے میں دفعہ ۹۳ کے تحت گورنر راج کا نفاذ عمل میں لایا جائے لیکن مسلم لیگ کی اس سنجیدہ تجویز کو تسلیم کرنے کی بجائے گورنر کیرو کی جگہ پر لاکہارٹ کو نیا گورنر مقرر کر دیا گیا۔ شدید مخالفت کے باوجود ۶ اور ۷ جولائی ۱۹۴۷ء کو صوبہ سرحد میں ریفرنڈم ہوا۔ ریفرنڈم میں بھاری اکثریت نے پاکستان کا ساتھ دیا اور کل رائے دہندگان میں سے ۵۰.۴۹ فیصد لوگوں نے ریفرنڈم میں حصّہ لیا۔

ریفرنڈم میں پاکستان کے حق میں ۲,۸۹,۲۴۴ ووٹ جب کہ ہندوستان کے حق میں تین ہزار سے بھی کم ووٹ آئے۔ ریفرنڈم میں خان عبدالقیوم خاں۔ خان فدا محمد خاں۔ پیر صاحب مانکی شریف۔ پیر صاحب زکوڑی شریف۔ ارباب سکندر خاں خلیل۔ سردار بہادر خاں اور دیگر مسلم لیگی راہنماؤں نے اہم کردار ادا کیا۔

صوبہ سرحد میں ایک اور استصواب

پروفیسر ایل ایف رش بروک ویلمز اپنی کتاب PAKISTAN UNDER CHALLENGE کے صفحہ ۵۷ اور ۵۸ پر لکھتے ہیں :-

"صوبہ سرحد میں شامل اضلاع میں اس باضابطہ استصواب کے علاوہ قبائلی پٹی میں ایک اور استصواب بھی ہوا تھا جس میں قبائل نے رضاکارانہ طور پر پاکستان میں شامل رہنے کے حق میں رائے دی یہ حقیقت اہم تر ہے کہ اس مقابلے میں قبائلی اگر چاہتے تو افغانستان کے ساتھ شامل ہونے کا حق استعمال کر سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ صوبہ سرحد کے گورنر سر جارج کننگھم نے یکے بعد دیگرے کئی جرگے بلائے کیوں کہ قبائلیوں کی آزادانہ مرضی اور خواہش معلوم کرنے کا یہی واحد مسلمہ طریقہ ہے جسے قبائلی قوانین اور رسوم کی منظوری حاصل ہے۔ انہوں نے یکم نومبر ۱۹۴۷ء کو خیبر ہاؤس پشاور میں آفریدی جرگہ بلایا پھر یکم دسمبر کو میران شاہ میں شمالی وزیرستان قبائل وانا اور احمد زئی وزیری قبائل اور پارا چنار میں محسود قبائل کے جرگے بلائے اور ۷ دسمبر کو شب قدر میں زیریں کرم قبائل کا جرگہ بلایا۔ اس کے علاوہ پولیٹیکل ریذیڈنٹ نے یکم نومبر ۱۹۴۷ء کو اورکزئی اور درۂ خیبر کے آفریدی قبائل کا جرگہ بلایا ان جرگوں میں تمام قبائل نے پاکستان کے ساتھ وفاداری کا حلف اٹھایا اور اس پر اتفاق کیا کہ وہ اپنے اور پاکستان کے درمیان بالکل وہی تعلقات چاہتے ہیں جو ان کے اور برطانوی حکومت کے درمیان قائم تھے گورنر نے پاکستان کی طرف سے ان سے وعدہ کیا کہ ان کے ساتھ وہی سلوک روا رکھا جائے گا اور ان کی پہلے کی طرح مدد وحمایت کی جائے گی بشرطیکہ وہ اپنی ذمہ داریاں پوری کریں اس طرح اس عہد وپیمان کو سربمہر کر دیا گیا۔

دوسرے ممالک کے بعض مصنفین نے پہلے استصواب کو تسلیم کیا لیکن وہ دوسرے استصواب کے جواز یعنی قبائلی جرگوں میں روایتی طریقے سے ووٹ دینے کو تسلیم کرنے میں پس وپیش کرتے ہیں۔

پاکستان کے مؤرخین بھی اس استصواب کے بارے میں خاموش ہیں۔

سلہٹ میں ریفرنڈم

سلہٹ میں ۹ رجون ۱۹۴۷ء کو ریفرنڈم کا اعلان ہوا تو مسلم لیگ کے راہنماؤں جن میں مولانا عبدالحمید خاں بھاشانی، مولانا فضل الحق، مولوی عبداللہ نورالحق، مسٹر فضل القادر چودھری (چٹاگانگ)، محمود علی اور خان عبدالصبور خان شامل ہیں

نے پاکستان کے حق میں فضا ہموار کرنے اور ریفرنڈم کو کامیاب بنانے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔

۹ر جون کو ریفرنڈم کے اعلان کے ساتھ ہی مسلم لیگ نے آسام میں سول نافرمانی کی تحریک کو ختم کر دیا اور ۷ر جولائی ۱۹۴۷ء میں سلہٹ میں تاریخی ریفرنڈم ہوا۔ ضلع کے مسلمانوں کی بھاری اکثریت نے ریفرنڈم میں حصہ لیا اور سلہٹ کے پاکستان میں الحاق کے حق میں ووٹ دیئے۔ نتائج کا اعلان ۱۶ر جولائی ۱۹۴۷ء کو ہوا۔

بلوچستان میں ریفرنڈم

بلوچستان میں سرداروں ہی کو شاہی جرگے کی میٹنگ میں اس بات کا فیصلہ کرنا تھا کہ بلوچستان پاکستان میں شامل کیا جائے یا بھارت میں۔ کانگریسی لیڈر خان عبدالصمد اچکزئی اور ان کے ساتھی بلوچستان کے پاکستان سے الحاق کے لئے خوش نہ تھے اس لئے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تاہم مسلم لیگ ہی کو کامیابی ہوئی۔

ریفرنڈم کے سلسلے میں انڈیا ونز فریڈم میں مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں۔

"صوبہ سرحد میں ایک جذباتی انقلاب واقع ہوگیا تھا ڈاکٹر خان صاحب نے دیکھا کہ صوبہ سرحد میں ان کی چودھراہٹ قائم رکھنے کی صرف ایک ہی شکل ہے کہ وہ پختونستان کا مطالبہ پیش کر دیں۔ بہت سے پٹھان یہ پسند کریں گے کہ ان کی ایک چھوٹی سی ریاست قائم ہوجائے کیونکہ انہیں یہ خوف تھا کہ پنجاب ان پر غلبہ حاصل کر لے گا۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ کانگریس تقسیم کے لئے پابند ہوچکی ہے تو ان کی سمجھ میں اور کچھ نہ آیا یہ استصواب (ریفرنڈم) سے انکار کر نہیں سکتے تھے کیونکہ ان کی طرف سے یہ کمزوری کا اعتراف ہوتا۔ وہ صوبہ سرحد واپس گئے اور دوستوں سے مشورہ کرنے کے بعد صوبہ سرحد کے لئے خود مختاری کا نعرہ لگایا۔ یہ مطالبہ نہ مانا گیا تو خان بھائیوں نے اعلان کیا کہ وہ استصواب کا مقاطع کریں گے اور پٹھانوں سے بھی انہوں نے کہا کہ وہ ریفرنڈم کا مقاطع کریں۔

خان برادران کی جانب سے پختونستان کا نعرہ صوبہ سرحد کی کانگرسی حکومت کی جانب سے پیش کردہ قرارداد میں پیش کیا گیا تھا۔ اس قرارداد میں کہا گیا تھا کہ ایک آزاد اور خودمختار ریاست جس میں تمام پختون شامل ہوں قائم کی جائے۔

انڈیا آفس لائبریری کے ریکارڈ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خان برادران کی جانب سے پختونستان کا نعرہ صوبہ سرحد کے انگریز گورنر سراولف کے مشورے اور ہدایت پر لگایا گیا تھا۔ اس کا انکشاف گورنر سرحد کے اس خفیہ خط سے بھی ہوتا ہے جو انہوں نے گورنر کیمپ پارا چنار سے

۲۲ مئی ۱۹۴۷ء کو بمبئی کے گورنر لیفٹیننٹ کرنل سر جان کالویل کے نام لکھا تھا۔

صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب کی حکومت کی برخاستگی

قیام پاکستان کے وقت صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب (کانگریس) کی حکومت قائم تھی۔ انہوں نے اعلان کیا تھا کہ اگر ریفرنڈم پاکستان کے حق میں ہوا تو وہ مستعفی ہو جائیں گے لیکن ریفرنڈم کے بعد انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح پاکستان کی تعمیر کے کام میں سارے شہریوں سے بلا لحاظ ماضی میں سیاسی اختلافات اور وفادارانہ تعاون چاہتے تھے اسی حکمتِ عملی کے تحت انہوں نے ڈاکٹر خان صاحب اور ان کے وزیروں کو عہدوں پر برقرار رہنے کی اجازت دے دی لیکن انہوں نے پاکستانی پرچم کو سلامی دینے سے انکار کر دیا اور پاکستان کی مخالفت کے اپنے سابقہ رویئے میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ لہٰذا ۲۲ اگست ۱۹۴۷ء کو قائدِ اعظم کے احکام پر گورنر صوبہ سرحد نے ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت برطرف کر دی اور ان کی جگہ مسلم لیگی راہنما عبدالقیوم خان کو وزیر اعلیٰ بنا دیا۔

افغانستان کی جانب سے پاکستان کی اقوام متحدہ میں شمولیت کی مخالفت

قیام پاکستان کے فوراً بعد پاکستان نے اقوام متحدہ میں شمولیت کی درخواست دی افغانستان نے اس بنا پر اقوام متحدہ میں پاکستان کی رکنیت کی مخالفت کی کہ افغانستان نے شمال مغربی سرحدی صوبے کو پاکستان کا حصہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا کیوں کہ وہ اسے پشتونستان یا پختونستان کا نام دے کر اسے افغانستان میں شامل کرنے کا متمنی تھا لیکن قائدِ اعظم محمد علی جناح کی دانشمندانہ قیادت میں افغانستان اپنے اس مذموم ارادے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں ناکام رہا۔ اور اس طرح پاکستان ۳۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو دُنیا کے سب سے بڑے ادارے اقوام متحدہ کا رکن بن گیا۔

پاکستان کا نظام حکومت

۱۴ فروری ۱۹۴۸ء کو سبی دربار میں تقریر کرتے ہوئے بانیٔ پاکستان حضرت قائدِ اعظم نے فرمایا کہ حتمی طور پر ملک کا دستور پاکستان کی دستور ساز اسمبلی مرتب کرے گی لیکن اس میں ڈیڑھ سال کا عرصہ لگ جائے گا تاہم میں اس وقت کا انتظار کئے بغیر فی الفور ایک ابتدائی، ایک عارضی، ایک چھوٹا سا مگر اہم اقدام کرنا چاہتا ہوں اس کے ساتھ ہی انہوں نے گورنر جنرل کے لئے ایک نامزد مجلس شوریٰ کے

قیام کا اعلان کیا اور کہا کہ اگرچہ یہ ایک نامزد مجلس ہے لیکن یہ صرف برائے نام ادارہ نہیں ہے۔ مثلاً بجٹ کی جانچ پڑتال۔ اس کی تمام جزئیات کے ساتھ پہلے پہل مجلس مشاورت کرے گی اور پھر اپنی آزادانہ مرضی سے اپنی تجاویز کے ساتھ گورنر جنرل کو سفارش کرے گی۔ بانیٔ پاکستان نے نظام حکومت کے لئے اسے ایک ابتدائی قدم قرار دیا۔

دستور سازی اور پرچم پاکستان

کسی ملک کا نظم ونسق چلانے کے لئے جو اُصول وضع کئے جاتے ہیں اُن کے مجموعے کو آئین کہا جاتا ہے۔ اس میں انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ کے اختیارات وضاحت کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر آئین ایک ایسی دستاویز ہوتی ہے جسے عوام کی فلاح وبہبود کے لئے مرتب کیا جاتا ہے۔ چونکہ قیام پاکستان کے وقت اس قسم کی کوئی دستاویز موجود نہ تھی۔ اس لئے تقسیم سے چند روز پہلے ۱۰ راگست ۱۹۴۷ء کو کراچی میں پاکستان کی پہلی آئین ساز اسمبلی کا اجلاس سندھ اسمبلی کی عمارت میں پاکستان کے نامزد وزیر قانون مسٹر جوگندر ناتھ منڈل کی صدر نشینی میں منعقد ہُوا۔ اجلاس سے قبل مولانا شبیر احمد عثمانی نے تلاوت کی۔ یہ اجلاس ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ اس میں ۷۲ میں سے مشرقی بنگال کے چوالیس، پنجاب کے سترہ، سرحد کے تین، بلوچستان کا ایک اور سندھ کے چار نمائندوں نے حصّہ لیا شرکا اجلاس میں بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح، نوابزادہ لیاقت علی خان، خواجہ ناظم الدین، مولوی فضل الحق، سردار عبدالرب نشتر، ڈاکٹر آئی ایچ قریشی۔ ڈاکٹر عمر حیات ملک، مولانا شبیر احمد عثمانی اور خان عبدالغفار خان شامل تھے۔

صوبہ وار اراکین دستوریہ کے نام یہ ہیں:

مشرقی بنگال (مسلم)

(۱) اے ایم اے حمید (۲) مسٹر عبداللہ المحمود (۳) مولانا محمد عبدالحی باقی (۴) مسٹر ابوالقاسم خاں (۵) مولانا محمد اکرم خاں (۶) مسٹر عزیز الدین احمد (۷) مسٹر ابراہیم خاں (۸) مسٹر اے کے فضل الحق (۹) مسٹر فضل الرحمان (۱۰) مسٹر غیاث الدین پٹھان (۱۱) مسٹر حمید الحق چودھری (۱۲) مسٹر حسین شہید سہروردی (۱۳) پروفیسر اشتیاق حسین قریشی (۱۴) مسٹر اے ایچ اصفہانی۔ (۱۵) مسٹر لیاقت علی خاں (۱۶) مسٹر حفیظ الدین احمد (۱۷) ڈاکٹر محمود حسین (۱۸) ڈاکٹر اے ایم مالک (۱۹) مسٹر مرتضےٰ رضا چودھری (۲۰) مسٹر نورالامین (۲۱) مسٹر سراج الاسلام (۲۲) مولانا شبیر احمد عثمانی (۲۳) مسٹر محمد علی (۲۴) مسٹر محمد حبیب اللہ بہار (۲۵) خواجہ ناظم الدین (۲۶) مسٹر نور احمد۔

۲) مسٹر تمیز الدین خاں (۲۸) خواجہ شہاب الدین (۲۹) بیگم شائستہ سہروردی (۳۰) مسٹر عبدالحمید
۳۱) مسٹر عبدالمتین چودھری۔

غیر مسلم (۳۲) مسٹر جوگندر ناتھ منڈل (۳۳) پریم ہری برمن (۳۴) دھریندر ناتھ دتا
(۳۵) مسٹر کے ایس رائے (۳۶) مسٹر راج کمار چکرورتی (۳۷) مسٹر سریش چندر چیٹرجی (۳۸) مسٹر
بھوپیندر اکمار دتا (۳۹) جنیندر چندر راموجمدار (۴۰) مسٹر بیرت چندر منڈل (۴۱) مسٹر دھنن جائے رائے
(۴۲) مسٹر سچندر نرائن سنیال (۴۳) سریندر کمار شر (۴۴) مسٹر بسنت کمار داس۔

صوبہ مغربی پنجاب (مسلمان) (۱) میاں افتخارالدین (۲) چودھری نذیر احمد خاں (۳)
ملک محمد فیروز خاں نون (۴) میاں ممتاز دولتانہ (۵) شیخ کرامت علی (۶) ملک عمر حیات (۷)
بیگم جہاں آرا شاہنواز (۸) سردار شوکت حیات (۹) راجا غضنفر علی (۱۰) سردار عبدالرب نشتر۔
(۱۱) ایم اے جناح (۱۲) خان افتخار حسین ممدوٹ۔

غیر مسلم (۱۳) لالہ نرائن گجرال (۱۴) بھیم سین سچر (۱۵) رائے بہادر گنگا سرن (۱۶)
سردار کرتار سنگھ (۱۷) سردار اجل سنگھ۔

صوبہ سندھ (۱) پیرزادہ عبدالستار عبدالرحمان (۲) مسٹر محمد ہاشم گزدر (۳) مسٹر
ایم اے کھوڑو (۴) مسٹر جے رام داس دولت رام۔

صوبہ سرحد: (۱) خان عبدالغفار خان (۲) سردار بہادر خاں (۳) نام معلوم نہیں ہوسکا۔

صوبہ بلوچستان: نواب محمد خاں جوگیزئی۔

قائداعظم محمد علی جناح دستور ساز اسمبلی کے پہلے صدر اور مولوی تمیز الدین سپیکر منتخب ہوئے۔ اجلاس میں یہ طے پایا کہ سردست گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کو بعض ترامیم کے ساتھ حکومت پاکستان کے آئین کی شکل دی جائے اس کے تحت گورنر جنرل کو احکام جاری کرکے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی دفعات اپنانے کا اختیار حاصل ہو گیا۔ اور اسی اختیار کو استعمال کرتے ہوئے گورنر جنرل نے پاکستان کے (عبوری آئین) حکم ۱۹۴۷ء کو نافذ کیا۔ اس طرح مذکورہ حکم کے بموجب گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء، قانون آزادی ہند، دیگر احکام جو گورنر جنرل نے قانون آزادی ہند ۱۹۴۷ء کے تحت جاری کئے اور مقننہ کے منظور کردہ قوانین ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء تک ملک کا آئین رہے۔ ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو دستور ساز اسمبلی نے پرچم پاکستان کی منظوری دے دی۔ اور اس ضمن میں وزیراعظم پاکستان خان لیاقت علی خان نے کہا:

یہ جھنڈا کسی ایک سیاسی جماعت یا فرقے کا نہیں ہے یہ پاکستان کا قومی پرچم ہے اس حکومت کا پرچم جس کا قیام ۱۴ راگست کی رات وجود میں آئے گا۔ جھنڈے کے کپڑے کی کوئی اہمیت نہیں ہوا کرتی، اصل اہمیت اس قوم کی ہوتی ہے جھنڈا اس کی ترجمانی کرتا ہے یہ بات میں کسی تردید کے خوف کے بغیر کہہ سکتا ہوں کہ یہ جھنڈا ان تمام لوگوں کی آزادی اور مساوات کا نشان ہے جو پاکستان کے جھنڈے سے وفادار رہیں گے۔ یہ جھنڈا ہر شہری کے حقوق کی حفاظت کرے گا اور ریاست کے اتحاد کو قائم رکھے گا مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ جھنڈا تمام اقوام عالم سے اپنے وقار اور عزت کا لوہا منوائے گا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ پاکستان کی حکومت ایسی حکومت ہوگی جس میں نہ تو کسی کے لئے خاص مراعات ہوں گی اور نہ ہی کسی کے لئے خصوصی حقوق۔ یہاں ہر شخص کو مساوی درجہ حاصل ہوگا اور مساوی مواقع ملیں گے۔

قومی پرچم کراچی میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے جبکہ ڈھاکا میں ظفر احمد عثمانی نے لہرایا تھا۔

دستور ساز اسمبلی کا دوسرا اجلاس

۲۲ رفروری ۱۹۴۸ء کو دستور ساز اسمبلی کا دوسرا اجلاس منعقد ہوا جس میں مولوی تمیز الدین نے یہ قرارداد پیش کی کہ ضابطہ کار کے قواعد کا مسودہ منظور کر لیا جائے۔ اسی روز بیگم شائستہ سہروردی اکرام اللہ نے پہلی مرتبہ تقریر کی اور پروفیسر چکرورتی نے قائداعظم کی موجودگی میں کہا کہ اسمبلی کا ایک اجلاس سال بھر میں کم از کم ایک مرتبہ ڈھاکہ میں ضرور منعقد کیا جانا چاہیئے۔

۲۵ رفروری ۱۹۴۸ء کو دستور ساز اسمبلی میں ایک اور ترمیم پیش کی گئی کہ مشرقی پاکستان کے ارکان کو قومی اسمبلی میں بنگلہ زبان میں تقریر کی اجازت دی جائے۔ لیکن نوابزادہ لیاقت علی خاں نے اس کی مخالفت کی اور کہا صرف اردو ہی ایسی زبان ہے جو مشرقی بنگال اور مغربی پاکستان کے عوام کو اکٹھا رکھ سکتی ہے۔

۱۴ ردسمبر ۱۹۴۸ء کو پھر دستور ساز اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ قائداعظم نے اس میں شرکت نہ کی کیونکہ ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس اجلاس میں مولوی تمیز الدین صدر منتخب ہوئے۔ دستور ساز اسمبلی نے پبلک اینڈ ری پریزنٹیٹو بل ۱۹۴۹ء کی منظوری دی۔ اس کا مقصد عوام کو بدعنوانی اور رشوت ستانی، اقربا پروری جیسی لعنتوں سے نجات دلانا تھا۔ تیسرا اجلاس ۴ مارچ ۱۹۴۹ء کو منعقد ہوا اس میں قرارداد مقاصد منظور کی گئی۔ ازاں بعد بھی اس کے اجلاس ہوئے۔ ۶ راکتوبر ۱۹۵۰ء کو کمیٹی نے بنیادی حقوق، شہریوں اور اقلیتی امور کے

بارے میں بھی ایک رپورٹ پیش کی۔

فوجی اثاثوں کی تقسیم کا مسئلہ

۳ / جون ۱۹۴۷ء کو جب تقسیم ہند کے منصوبے کا اعلان کیا گیا تو اس میں فوجوں کی تقسیم کے بارے میں کسی قسم کا کوئی ذکر موجود نہ تھا لیکن ازاں بعد ۳۰ / جون ۱۹۴۷ء کو وائسرائے ہند کی صدارت میں فوجی اثاثوں کی تقسیم کے سلسلے میں تشکیل شدہ کونسل کے اجلاس میں ہندوستانی افواج کی تقسیم کے بارے میں طریق کار طے کرنے کا سمجھوتہ طے پایا۔

کونسل کے اجلاس میں بانیٔ پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح بھی موجود تھے۔ یکم جولائی کو کونسل نے چند اصول وضع کئے جن کی تفصیل نیچے درج ہے۔

۴ / جولائی ۱۹۴۷ء کو وزیراعظم مسٹر ایٹلی نے آزادی ہند کا جو بل پیش کیا اس میں فوجوں کی تقسیم کی ایک شق موجود تھی اس شق پر عملدرآمد کرنے کے لئے ایک کمیٹی قائم کی گئی۔

فوجی اثاثوں کی تقسیم کے منصوبے کا مسودہ وائسرائے ہند کے چیف آف سٹاف لارڈ ازمے اور کمانڈر انچیف ہند فیلڈ مارشل سر کلاڈ آکنلک نے مرتب کیا تھا۔ تقسیم کے معاہدے کی رُو سے ایک لاکھ پینسٹھ ہزار ٹن فوجی سامان پاکستان کے حصے میں آیا اس میں سے ۳۱ / مارچ ۱۹۴۸ء تک پاکستان کو صرف ۴,۷۰۳ ٹن سامان دیا گیا۔

تقسیم کے منصوبے کے اہم نکات یہ تھے:

(۱) کونسل نے یہ طے کیا کہ ہندوستانی افواج کو دو حصوں میں اس وقت تک تقسیم نہ کیا جائے جب تک کہ دونوں مملکتیں اپنی اپنی افواج کی بنیادی ضروریات کو پورا نہ کرسکیں لہٰذا انہیں ایک ہی انتظامی وحدت میں کام کرنا ہوگا۔

(۲) تقسیم ہند کے منصوبے کی تکمیل تک فیلڈ مارشل سر کلاڈ آکنلک سپریم کمانڈر کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیں گے۔ تاہم امن عامہ کے سلسلے میں ان پر کسی قسم کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔ البتہ ایک دوسرے ملک میں منتقل ہونے والی یونٹوں کے بارے میں اقدامات کرسکیں گے۔

(۳) دونوں مملکتوں کے فوجی کمانڈروں کا انتخاب جلد عمل میں آجائے گا اور وہ ۱۵ / اگست تک متعلقہ ممالک میں اپنی اپنی افواج کی کمان سنبھال سکیں گے۔

(۴) ابتداء میں ان یونٹوں کی تقسیم عمل میں آئے گی جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہو۔ اسی طرح جن یونٹوں میں غیر مسلموں کی اکثریت ہوگی انہیں بھارت منتقل کرنے کے انتظامات کیے جائیں گے۔

تقسیم کے وقت فوج میں سویلین افسروں سمیت ۱۱۸۰۰ افسر اور ۵۰۰,۰۰۰ جوان تھے۔ اس تعداد کا ۶۴ فیصد حصّہ بھارت کو اور ۳۶ فیصد پاکستان کو دیا جانا تھا۔ لیکن صرف ایک تہائی اثاثہ پاکستان کو دیا گیا۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے پاس سامان کمک، تربیت یافتہ عملہ، اسلحہ کے ڈپو اور سنٹرل ریکارڈز میں سے ایک چیز بھی موجود نہ تھی۔ تاہم اس مسئلے کو جلد حل کر لیا گیا۔ نیز فوجی افسروں کی تربیت کے لئے یکم جنوری ۱۹۴۸ء کو کاکول میں پاکستان ملٹری اکاڈمی قائم کی گئی۔ اس طرح پاکستان فضائیہ کا قیام کراچی میں ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو رائل پاکستان ایئر فورس کے طور پر عمل میں آیا۔ تقسیم کے سلسلے میں مندرجہ ذیل چیزیں اس کے حصّے میں آئیں۔

(الف) نمبر ۵ اور نمبر ۹ جنگ باز دستہ (ب) نمبر ۶ دستہ حمل و نقل۔

(ج) ہوائی دیکھ بھال کا شعبہ (د) ایک نام و پیام کا شعبہ۔

۱۴ اگست کو کراچی کے سمندروں میں کوئی قابل ذکر بحری بیڑہ موجود نہ تھا اور اس کمی کو طارق اور ٹیپو نامی جہاز خرید کر پُورا کیا گیا۔

کراچی بحریہ کا صدر دفتر قرار پایا۔

دیگر اثاثوں کی تقسیم کا مسئلہ

اثاثوں کی تقسیم کے سلسلے میں پاکستان اور بھارت کے نمائندوں پر مشتمل ایک سٹیرنگ کمیٹی قائم کی گئی۔ پاکستان کی جانب سے چودھری محمد علی اور بھارت کی جانب سے ایچ ایم پٹیل اس کے رُکن بنے۔ کمیٹی نے چار ارب روپے کے کیش بیلنس میں سے پچھتر کروڑ روپے پاکستان کو ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔

بھارتی راہنما چونکہ ہندوستان کی تقسیم کے حق میں نہ تھے اس لئے وُہ پاکستان کو اقتصادی بدحالی میں مبتلا کر کے اسے مفلوج کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے پاکستان کی معیشت کو پارا پارا کرنے کے لئے پچھتر کروڑ روپے میں سے صرف بیس کروڑ روپے نقد ادا کئے۔ اور بقیہ رقم کی ادائیگی اس الزام کے ساتھ روک دی کہ پاکستان کشمیر کی جنگ میں مکمل طور پر ملوث ہے اور وُہ ۵۵ کروڑ روپے کی بقیہ رقم میں سے اسلحہ اور گولہ بارود خرید کر اسے ہندوستان کے خلاف استعمال کرے گا۔ ہندوستان نے پچپن کروڑ روپے کی رقم تا حال (۱۹۸۸ء) ادا نہیں کی۔ حالانکہ ۶ دسمبر ۱۹۴۷ء کو دونوں حکومتوں کے درمیان عارضی نوعیت کا ایک مالی سمجھوتہ بھی طے پا گیا تھا۔ جس پر پاکستان کی جانب سے وزیر خزانہ مسٹر غلام محمد اور بھارت کی جانب سے وزیر بے محکمہ

گوپال سوامی نے دستخط کئے۔ اس طرح یہ پہلا مالی سمجھوتہ تھا جو دونوں آزاد حکومتوں کے مابین طے پایا تھا۔

کرنسی اور سکہ جات

تقسیم ہند کی تجویز کا اعلان ۳ ؍ جون ۱۹۴۷ء کو کیا گیا تھا اور بھارت اور پاکستان کو دو علیحدہ علیحدہ مملکتیں قائم کرنے کی آخری تاریخ ۱۵ ؍ اگست ۱۹۴۷ء مقرر کی گئی تھی اس قلیل عرصہ میں کرنسی کو علیحدہ کرنا ممکن نہ تھا چنانچہ بعض عملی امور پر غور و خوض کرنے کے بعد یہ انتظام کیا گیا۔

(۱) ہندوستان کے موجودہ نوٹ ۳۱ ؍ مارچ ۱۹۴۸ء تک جاری کئے جائیں اور ۳۰ ؍ ستمبر ۱۹۴۸ء تک انہیں جائز سکہ تسلیم کیا جائے۔

(۲) یکم اپریل ۱۹۴۸ء سے حکومت ہند اور ریزرو بنک آف انڈیا کے نوٹوں پر حکومت پاکستان لکھا جائے اور انہیں پاکستانی نوٹوں کے طور پر جاری کیا جائے۔

(۳) ہندوستانی سکے اس وقت تک سکہ رائج الوقت رہیں جب تک کہ پاکستانی سکے ان کی جگہ نہ لے لیں۔

ان انتظامات کے باوجود یہ کوشش کی گئی کہ فوری طور پر پاکستانی نوٹ اور سکے جاری کئے جائیں چنانچہ پانچ روپے اور اس سے اونچی مالیت تک کے نئے پاکستانی نوٹ یکم اکتوبر ۱۹۴۸ء کو جاری کر دیئے گئے۔ ایک روپے اور دو روپے کے نوٹ یکم مارچ ۱۹۴۹ء کو منظر عام پر آئے۔

ہندوستانی نوٹوں کی واپسی کا سلسلہ ۳۰ ؍ جون ۱۹۴۹ء تک جاری رہا۔ ہندوستان کے واپس شدہ نوٹوں کی مجموعی تعداد ایک ارب ۹، کروڑ ۷۵، لاکھ روپے تھی۔

یکم نومبر ۱۹۴۹ء سے ان ہندوستانی نوٹوں کو جن پر "حکومت پاکستان" لکھا ہوا تھا۔ ممنوع قرار دے دیا گیا۔

سٹیٹ بنک آف پاکستان کا قیام

پاکستان کے معرض وجود میں آتے ہی شعبہ بنکاری کو سخت دھچکا لگا کیونکہ غیر مسلم بنکر اور ان کا عملہ بھارت چلا گیا تھا لہٰذا تجارت و اقتصادیات کو امداد دینے کی غرض سے بنکاری کی سہولتوں کو معمول پر لانے کی کوشش کی گئی اور غیر مسلم بنکوں کو خاص آسانیاں بہم پہنچائی گئیں کہ وہ باہر نہ جائیں۔ یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو تین کروڑ روپے کے سرمائے سے سٹیٹ بنک آف پاکستان

کا قیام بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اسٹیٹ بنک کے فنی عملے کی دقت دُور کرنے کے لئے پاکستانی باشندوں کو پاکستان اور انگلستان کے بعض بنکوں میں تربیت دینے کے انتظامات کئے گئے۔

اسٹیٹ بنک آف پاکستان کے قیام سے انتقال زر کی سہولتوں اور صنعتی ترقی کو فروغ حاصل ہُوا۔

اسٹیٹ بنک کے قیام کے ساتھ ہی ملک بھر میں وسیع پیمانے پر بنکوں کا جال بچھ گیا۔ اسٹیٹ بنک آف پاکستان میں مرکزی حکومت نے ۵۱ فیصد اور دیگر صنعت کار حضرات نے ۴۹ فیصد سرمایہ لگایا۔

پاکستان کا پہلا بجٹ ۱۳۰۰۰ء ۸۵ء ۵ روپے

پاکستان نے تقسیم کے صرف سات ماہ بعد یعنی مارچ ۱۹۴۸ء میں اپنا پہلا بجٹ پیش کیا جس کے نتیجے میں اس کی تجارت، اقتصادیات اور بنکاری میں نہ صرف نئی زندگی نے جنم لیا بلکہ ان شعبوں میں اس قدر استحکام پیدا ہوگیا کہ پاکستان بھاری مشینوں کی درآمدی مشکلات کے باوجود کپڑے اور دیگر صنعتیں لگانے میں کامیاب ہوگیا۔

لاہور میں مشترکہ دفاعی کونسل کا اجلاس

مسئلہ کشمیر پر غور کرنے کے لئے لاہور میں مشترکہ دفاعی کونسل کا اجلاس لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی صدارت میں منعقد ہُوا۔ بھارت کی جانب سے سردار ولبھ بھائی پٹیل، سردار بلدیو سنگھ، مسٹر این گوپال سوامی آئنگر اور پاکستان کی جانب سے سردار عبدالرب نشتر، مسٹر محمد علی سیکرٹری جنرل اور کرنل اسکندر مرزا نے شرکت کی۔ لیاقت علی خان اور پنڈت نہرو اس کانفرنس میں شریک نہ ہو سکے۔ یہ اجلاس سر کلاڈ آکنلک کی تجویز پر ۲۹ راکتوبر ۱۹۴۷ء کو ہونا قرار پایا تھا لیکن پنڈت نہرو نے بیماری کا بہانہ بنا کر کانفرنس میں شرکت سے معذوری چاہی۔ پنڈت نہرو کے اس اقدام سے یہ اخذ کیا گیا کہ بھارت دانستہ طور پر کانفرنس کو ناکام بنانا چاہتا ہے۔ چنانچہ پاکستان نے اعلان کیا کہ ہندوستان سے کشمیر کا الحاق فریب اور تشدد پر مبنی ہے۔ اس لئے اسے تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے قبل بھارتی وزیراعظم نے اعلان کیا تھا کہ مسئلہ کشمیر کا آخری فیصلہ ریاست کے عوام کریں گے۔ چنانچہ پاکستان کے اعلان کے بعد انہوں نے ۳۱ راکتوبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے وزیراعظم کو ایک تار بھیجا جس میں یہ کہا گیا تھا کہ

ہمارا یہ وعدہ کہ امن قائم ہوتے ہی ہم اپنی فوجیں واپس بلالیں گے اور ریاست کے مستقبل کا فیصلہ ریاست کے عوام پر چھوڑ دیں گے یہ وُہ وعدہ ہے جو صرف آپ کی حکومت سے نہیں بلکہ کشمیر کے عوام اور پوری دنیا کے ساتھ ہے۔

قائدِاعظم کی تجاویز

یکم نومبر ۱۹۴۷ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور قائدِاعظم کے مابین لاہور میں ایک ملاقات ہوئی جس کے دوران تنازعہ کشمیر طے کرنے کے لئے قائدِاعظم نے ماؤنٹ بیٹن کو مندرجہ ذیل تجاویز پیش کیں۔

(۱) دونوں گورنر جنرل یہ اعلان کریں کہ ۴۸ گھنٹے کے اندر اندر دونوں فریق جنگ ختم کر دیں اور قبائلیوں کو انتباہ کیا جائے کہ اگر وُہ فی الفور جنگ بندی کا حکم نہیں مانیں گے تو پھر دونوں ملکوں کی فوجیں ان کے خلاف کارروائی کریں گی۔

(۲) ہندوستان کی افواج اور قبائلی بیک وقت ریاست سے نکل جائیں۔

(۳) دونوں گورنر جنرلوں کو ان کی حکومتیں یہ اختیار دیں کہ وُہ ریاست میں امن و امان قائم کریں۔ ریاست کا انتظام خود سنبھال لیں اور بلا تاخیر مشترکہ کنٹرول اور نگرانی میں رائے شماری کا بندوبست کریں۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے وعدہ کیا کہ ان تجاویز کو بھارتی کابینہ کے سامنے پیش کریں گے ۲ ر نومبر کو بھارتی وزیرِاعظم پنڈت نہرو نے ایک نشری تقریر میں قائدِاعظم کی تجاویز کے جواب میں کہا کہ پہلے پاکستان حملہ آوروں کو کشمیر سے نکالنے کا وعدہ کرے دوسرے بھارتی فوج اس وقت تک ریاست میں موجود رہے گی جب تک کہ حملہ آور باہر نکل نہیں جاتے پنڈت نہرو کے نزدیک کشمیر میں بھارتی فوج کے خلاف شریکِ جہاد سارے مجاہدین حملہ آور تھے ان میں کشمیری مجاہدین اور قبائلی بھائی جو ان کی مدد کو آئے تھے سب شامل تھے درا صل پنڈت نہرو کی شرائط فوجی طاقت کے ذریعے کشمیر کو ہضم کرنے کے لئے بھارت کے فریب کاری کی پہلی قسطیں تھیں۔

دسمبر ۱۹۴۷ء میں مشترکہ دفاعی کونسل توڑ دی گئی۔

انتظامی امُور

مرکز میں انتظامی امُور کی انجام دہی کے لئے کابینہ کی تقرری کے علاوہ قائدِاعظم محمد علی جناح نے صوبہ پنجاب میں سر فرانسس موڈی، صوبہ سرحد میں سر جارج کننگھم اور مشرقی پاکستان میں سر فریڈرک بولن کو گورنر مقرر کیا۔ بلوچستان چیف کمشنر کا صوبہ تھا وہاں جیوفرے پرائر کو چیف کمشنر مقرر کیا گیا جب کہ صوبہ سندھ ہی ایک واحد صوبہ تھا جہاں

مسلمان گورنر (شیخ غلام حسین ہدایت اللہ) کا تقرر عمل میں لایا گیا۔

وزیراعلیٰ کی حیثیت سے صوبہ پنجاب، صوبہ سندھ، شمال مغربی سرحدی صوبہ، مشرقی پاکستان میں علی الترتیب خان افتخار حسین ممدوٹ، مسٹر محمد ایوب کھوڑو، خان عبدالقیوم خاں اور خواجہ ناظم الدین کو مقرر کیا گیا۔

ملک کی سب سے بڑی عدالت فیڈرل کورٹ کہلاتی تھی اور اس کے پہلے سربراہ کی حیثیت سے مسٹر جسٹس میاں عبدالرشید نے حلف اُٹھایا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے مسلح افواج کے لئے بھی انگریز سربراہ مقرر کئے جن کے نام یہ ہیں۔ بری فوج، جنرل سر فرینک میسروی۔

(۱۴ اگست ۱۹۴۷ء - ۱۰ فروری ۱۹۴۸ء) جنرل سر ڈگلس گریسی۔

(۱۱ فروری ۱۹۴۸ء تا ۱۶ جنوری ۱۹۵۱ء) فضائی فوج، ایئر وائس مارشل پیری کین ۱۴ اگست ۱۹۴۷ تا ۱۸ فروری ۱۹۴۹ء)

اور بحری فوج ریئر ایڈمرل جیفورڈ جیمز دلفریڈ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تا ۲ فروری ۱۹۵۳ء)

تعلیمی کانفرنس کا انعقاد

نومبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی پہلی تعلیمی کانفرنس وزیر تعلیم مسٹر فضل الرحمٰن کی زیر صدارت کراچی میں منعقد ہوئی۔ اس موقع پر قائدِاعظم نے اپنے پیغام میں کہا۔

”اس صورت کامل ہمیں صدق دِل سے تلاش کرنا چاہیئے اور اپنی تعلیمی حکمتِ عملی اور نظامِ کارکو ان اُصولوں پر ڈھالنا چاہیئے جو ہمارے قومی مزاج کے مطابق اور ہماری تاریخ اور تہذیب سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ دورِ جدید کے حالات اور ان عظیم تغیرات کا لحاظ رکھتے ہوں جو تمام روئے زمین پر ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس امر کی فوری اور شدید ضرورت ہے کہ ہماری قوم کو سائنسی اور تکنیکی تعلیم دی جائے تاکہ ہماری آئندہ معاشی زندگی کی تعمیر ہو سکے۔ اور یہ اہتمام ہو کہ ہماری قوم سائنس، تجارت، کاروبار اور بالخصوص صحیح طور پر منظم صنعتوں کی طرف مائل ہو۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں اپنی آئندہ نسل کی سیرت کی تعمیر و استحکام کا سامان کرنا ہے ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ صحیح قسم کی تعلیم کے ذریعے سے اپنی آئندہ نسل میں اعلیٰ درجے کی شرافت، دیانت، ذمہ داری اور قوم کی بے لوث خدمت کا جذبہ پیدا کریں۔

اس کانفرنس کی چند اہم سفارشات یہ تھیں کہ ہمارے نظام تعلیم کی بنیاد اسلامی عقائد پر

رکھی جائے اور اس سلسلے میں اخوت انسانی، رواداری اور معاشرتی انصاف کا خاص لحاظ رکھا جائے۔ کانفرنس نے ایک تعلیمی مشاورتی بورڈ، تکنیکی تعلیم کی ایک کونسل اور انٹر یونیورسٹی بورڈ کے قیام کی بھی تجویز کی۔ ان سفارشات کی بنیاد پر یونیورسٹیوں کی تعداد دگنی ہو گئی۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی تقسیم

قیام پاکستان کے بعد مسلم لیگ کو از سر نو منظم کرنے کے لئے قائداعظم کی صدارت میں کراچی میں ۱۴ر دسمبر ۴۷ء کو مسلم لیگ کونسل نے ایک قرارداد منظور کی جس کی رو سے طے پایا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ یہ یونٹ آل انڈیا مسلم لیگ اور پاکستان مسلم لیگ کے نام سے منسوب ہوئے۔ لیاقت علی خان پاکستان مسلم لیگ کے اور نواب محمد اسماعیل خان آل انڈیا مسلم لیگ کے کنوینر منتخب ہوئے۔ ۲۶ر فروری ۱۹۴۸ء کو پاکستان مسلم لیگ کا آئین منظور ہوا اور چودھری خلیق الزمان اس کے پہلے چیف آرگنائزر مقرر ہوئے۔ بعد ازاں انہوں نے صدر پاکستان مسلم لیگ کا عہدہ سنبھالا۔

سفارتی تعلقات کا قیام

قائداعظم محمد علی جناح تمام ملکوں سے دوستانہ تعلقات کے خواہاں تھے چنانچہ انہوں نے دولت مشترکہ کے ممالک سے ہائی کمشنروں کے تبادلے اور دولت مشترکہ کے باہر ممالک سے سفارتی تعلقات کے قیام پر فوری توجہ دی۔ امیر کویت پہلے سربراہ مملکت تھے جو ۳ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے دورے پر آئے اور انہوں نے ذاتی دوستی کی بنا پر قائد کو ایک پرانی تلوار تحفے میں دی، ۲۲ر اگست کو پاکستان اور ایران کے سفارتی تعلقات قائم ہوئے راجا غضنفر علی خان ایران میں پاکستان کے پہلے سفیر مقرر ہوئے۔ ۲۰ر ستمبر کو سوئٹزرلینڈ نے پاکستان کے ساتھ سفارتی تعلقات کے قیام کا فیصلہ کیا۔ ۲۳ر ستمبر کو مسٹر پال ایچ ایلنگ پاکستان میں امریکہ کے سفیر مقرر ہوئے۔ ۳۰ر ستمبر کو پاکستان اقوام متحدہ کا رکن بنا۔ ۱ر اکتوبر ۴۷ء کو عراق کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم ہوئے، اسی طرح دیگر ممالک کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم ہوئے۔

پیپلز پارٹی آف پاکستان کا قیام

۱۳ر مئی ۱۹۴۸ء کو صوبہ سرحد کے سیاسی راہنما خان عبدالغفار خان نے پیپلز پارٹی آف پاکستان کے نام سے ایک سیاسی جماعت قائم کی۔ اس طرح یہ قیام پاکستان کے بعد قائم ہونے والی پہلی سیاسی جماعت قرار پائی، اس جماعت کے قیام کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ خدائی خدمت گار

تنظیم کو نئی سیاسی جماعت کی رضاکار فوج کی حیثیت دی جائے۔

۱۶ مئی ۱۹۴۸ء کو خان عبدالغفار خاں کی پیپلز پارٹی اور خدائی خدمت گار پر پاکستان کے خلاف سرگرمیوں میں حصّہ لینے کی بنا پر پابندی لگادی گئی اور خان عبدالغفار خان کو گرفتار کرلیا گیا۔

پہلی حزبِ اختلاف

قائداعظم کی زندگی تک مسلم لیگ کے صدر کو حکمران بنانیکی روایت نہ تھی لیکن جونہی قائدِ اعظم کا انتقال ہُوا تو اس جمہوری روایت سے ہٹ کر ملک کا حکمران پارٹی کے حکمران کو مقرر کیا جانے لگا ان حالات میں نومبر ۱۹۴۸ء میں محمود الحق عثمانی نے پیر صاحب مانکی شریف، ارباب سکندر خان خلیل، ارباب عبدالغفور، مولانا عبدالحمید بھاشانی اور عطاء الرحمان نے ملکر عوامی مسلم لیگ کی بنیاد رکھی ۱۹۴۹ء میں حسین شہید سہروردی پاکستان آئے تو انہوں نے بھی اس جماعت میں شمولیت اختیار کرلی اس طرح ملک میں پہلی حزب اختلاف کا قیام عمل میں لایا گیا۔

مہاجرین کی آباد کاری کا مسئلہ

قیامِ پاکستان کے وقت پاکستانی عوام کو جس دورِ ابتلاءُ اور خونیں واقعات کا سامنا کرنا پڑا تاریخِ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ تقسیم کے نتیجے میں ہونے والے واقعات کی وجہ سے لاکھوں مسلمانوں کو مشرقی پنجاب سے مغربی پنجاب کو ہجرت کرنا پڑی۔ ہندوؤں اور سکھوں نے بھی یہی روش اختیار کی اس دوطرفہ سلسلۂ آمد و رفت کی وجہ سے مغربی پنجاب کے لئے صوبے میں اقتصادی اور انتظامی اعتبار سے زبردست اختلال پیدا ہوگیا۔ قائدِ اعظم کو اس سلسلے میں بڑی تشویش تھی اسی لئے انہوں نے ۱۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو مہاجرین کے مسائل حل کرنے کے لیے وزارتِ مہاجرین تشکیل کی اور یکم ستمبر ۱۹۴۷ء کو مہاجرین کیمپوں کا لاہور میں دورہ کیا اور کہا ہمت کے ساتھ آگے بڑھتے چلیں مہاجرین کی آباد کاری کے لیے محنت سے کام کریں۔ نیز انہوں نے قائداعظم ریلیف فنڈ بھی قائم کیا۔

تقسیم کے وقت مغربی پنجاب کی تمام تر تجارت، بنکاری اور صنعت و حرفت پر غیر مسلموں کا قبضہ تھا۔ اور یہی لوگ اعلیٰ انتظامی عہدوں پر فائز تھے۔ فنی اعتبار سے بھی ان کی حیثیت مسلم تھی۔ چونکہ یہ سب لوگ ہندوستان چلے گئے اس لئے بنک، تجارتی مرکز اور فیکٹریاں بند ہوگئیں عام تجارتی وسیلے مسدود ہو گئے۔ غذا کی اجناس کو کھیتوں سے منڈیوں یا فیکٹریوں

تک پہنچانے کے تمام ذرائع مفقود ہو گئے۔ ہسپتال اور دیگر بڑے بڑے اداروں کے دفاتر بند پڑے تھے۔ بھارت نے نہری پانی کی رسد بھی روک دی۔

اس صورت حال کی موجودگی میں پاکستان میں روزانہ پچاس ہزار افراد داخل ہوتے، دونوں حکومتوں نے باہمی طور پر یہ انتظامات کئے کہ حکومت کی زیر نگرانی جلد سے جلد ہندوستان سے پچاس ساٹھ لاکھ مسلمانوں کا اور پاکستان سے ۳۵ لاکھ ہندوؤں اور سکھوں کا انخلا کیا جائے۔ اس غرض سے فریقین نے ملٹری ایویکوایشن آرگنائزیشن (انخلا کرنے والی فوجی جماعت) قائم کی۔ تقریباً چار ماہ کی قلیل مدت میں پچپن لاکھ مسلمانوں کو مشرقی پنجاب اور ملحقہ علاقوں سے بذریعہ ریل اور موٹر لایا گیا، ہزارہا اشخاص پیدل بھی آئے اس دوران ۳۵ لاکھ ہندو اور سکھ ہندوستان بھیج دیئے گئے۔

ان لاکھوں بے خانماں مسلمانوں کی امداد و اعانت اور آباد کاری کے لئے مخصوص کمیٹیاں اور رضا کار جماعتیں تشکیل دی گئیں اکتوبر، ۱۹۴۷ء میں ان وقتی جماعتوں کو ایک ادارہ میں مدغم کر کے محکمہ مہاجرین و بحالیات قائم کیا گیا جس نے مشترکہ مہاجر کونسل کی ہدایات کے مطابق اپنے فرائض انجام دیئے۔ اس کونسل میں مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے نمائندے شامل تھے۔

یکم جنوری ۱۹۴۸ء کے آخر تک ۵،۷ لاکھ مہاجرین پاکستان پہنچ چکے تھے۔ ان کے خورد و نوش، ایندھن، پینے کا پانی اور دیگر ضروریات زندگی مہیا کرنے کے علاوہ طبی امداد کا بھی انتظام کیا گیا۔ چونکہ ہسپتالوں کا سینئر عملہ ہندوستان جا چکا تھا اس لئے میڈیکل کے طلباء نے رضاکارانہ خدمات انجام دیں۔

خواتین نے بھی اس موقع پر اہم کردار ادا کیا۔ اپریل ۱۹۴۸ء تک پچاس لاکھ سے زائد مہاجرین کو مفید کاموں پر لگا کر عارضی طور پر آباد کر دیا گیا تھا۔

اکتوبر ۱۹۴۸ء تک مہاجر کیمپوں کو مہاجرین سے خالی کر دیا گیا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ مہاجرین کا مسئلہ ختم ہو گیا۔

مہاجرین کی آبادکاری کے سلسلے میں سندھ دوسرے نمبر پر تھا مئی ۱۹۴۸ء تک اس صوبے میں تقریباً ڈھائی لاکھ مہاجر داخل ہو چکے تھے اس صوبے سے کثیر تعداد میں غیر مسلم ہندوستان گئے تھے اس لئے پنجاب سے سات لاکھ بے خانماں افراد کو سندھ بھیج دیا گیا۔ فروری ۱۹۵۰ء میں پھر ہنگامے شروع ہو گئے اور کافی مسلمانوں نے جودھپور کے راستے سندھ کا رخ کیا۔

شمال مغربی سرحدی صوبے، بلوچستان اور ریاست بہاولپور میں بھی مہاجرین کو آباد کیا گیا۔
اسی طرح مشرقی پاکستان میں مغربی بنگال کے ہنگاموں اور فسادات کے نتیجے میں دس لاکھ
مہاجرین داخل ہوئے۔
قائداعظم محمد علی جناح نے مہاجرین کی آباد کاری کے لئے ایک فنڈ بھی قائم کیا جسے قائداعظم
ریلیف فنڈ کا نام دیا گیا۔

پاکستان کے اندر قادیانی ریاست کے لئے منصوبہ

قیام پاکستان کے بعد قادیانیوں کی سب سے گھناؤنی سازش یہ تھی کہ اس نئی اسلامی مملکت کو ایک قادیانی حکومت میں تبدیل کر دیا جائے جس کے کرتا دھرتا قادیانی ہوں۔ مملکت پاکستان میں سے ایک حصہ کاٹ کر ایک قادیانی ریاست قائم کی جائے۔ قیام پاکستان کے ایک سال جس کے اندر قادیانیوں کے سربراہ نے ۲۳ جولائی ۱۹۴۸ کو کوئٹہ میں ایک تقریر کی جو ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء کے روز نامہ الفضل ربوہ میں شائع ہوئی۔
اس اخبار کے ذریعے قادیانی سربراہ نے اپنے مقلدوں کو مندرجہ ذیل نصائح دیں۔
برطانوی بلوچستان جسے اب پاک بلوچستان کا نام دیا گیا ہے اس کی کل آبادی پانچ لاکھ ہے اگرچہ اس صوبے کی آبادی دوسرے صوبوں کی آبادی سے کم ہے لیکن ایک اکائی کے اعتبار سے بہت اہم ہے ایک مملکت میں اس کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے ایک معاشرے میں ایک فرد کی۔ اس کی مثال کے لئے آدمی امریکہ کے دستور کا حوالہ دے سکتا ہے۔ امریکہ میں ہر ریاست کو سینٹ میں برابر نمائندگی ملتی ہے چاہے کسی ریاست کی آبادی دس ملین ہو یا ایک سو ملین۔ مختصر یہ ہے کہ اگرچہ پاک بلوچ کی آبادی صرف پانچ لاکھ ہے یا ریاستوں کی آبادی ملا کر دس لاکھ سے زیادہ ہے۔ ایک یونٹ کے لحاظ سے اس کی اپنی اہمیت ہے۔ ایک بڑی آبادی کو احمدی بنانا مشکل ہے لیکن ایک چھوٹی آبادی کو احمدی بنانا آسان ہے اس لئے اگر قوم پوری طرح اس معاملے کی طرف توجہ دے تو اس صوبے کو تھوڑے سے ہی عرصے میں احمدیت کی طرف لایا جا سکتا ہے یاد رکھیں ہمارا تبلیغی مشن کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک ہمارا ایک مضبوط اڈہ نہ ہو۔ تبلیغ کے لئے ایک مضبوط اڈہ ابتدائی ضرورت ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ کو سب سے پہلے اپنے اڈے کو مضبوط بنانا چاہیئے کسی مقام پر اپنا اڈہ بنائیے یہ اڈہ کہیں بھی ہو جائے اگر ہم اس سارے صوبے کو احمدی بنا لیں تو ہم کم از کم ایک صوبے کو اپنا صوبہ کہہ سکتے ہیں اور

یہ کام بآسانی کیا جاسکتا ہے۔

قادیانیوں کے سربراہ کی یہ تقریر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ قادیانیوں نے کس طرح قیام پاکستان کے فوراً بعد پاکستان کے اندر اپنا علیحدہ ملک بنانے کا منصوبہ بنایا تھا جیسا کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کو کاٹ کر اپنی ایک اُمت بنالی تھی۔

نہری پانی کا مسئلہ

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو اسے ورثے میں کشمیر کے علاوہ اور بھی کئی مسائل ملے جن میں نہری پانی کا مسئلہ خاص طور پر لائق ذکر ہے۔

ریڈکلف ایوارڈ کے تحت سرحدوں کی اس انداز سے حد بندی کی گئی تھی کہ جو دریا پاکستان کی سرزمین میں بہتے ہیں ان کا اصل کنٹرول بھارت کے پاس تھا جس کے نتیجے میں ان نہروں کے ہیڈ ورکس (فیروز پور) جنہوں نے مغربی پاکستان کی اراضی کو سیراب کرنا تھا، بھارتی سرزمین میں رہ گئے۔ حضرت قائداعظم محمد علی جناح نے یہ مسئلہ اٹھایا مگر انہیں بھارتی حکومت نے یقین دلایا کہ یہ کوئی متنازعہ مسئلہ نہیں ہے اور اس ضمن میں بھارت پاکستان کو کسی بھی مرحلہ پر تنگ نہیں کرے گا اس کے علاوہ بھارتی حکومت نے یہ بھی کہا کہ پاکستان بجا طور پر ان دریاؤں کا پانی استعمال کرسکتا ہے جو اس کی سرزمین میں بہتے ہیں پاکستان نے بھارت کی یہ بات تسلیم کر لی اور اس لئے اس مسئلے کو کوئی اہمیت نہ دی گئی۔ مگر پاکستان کو اس وقت بڑی پریشان کن صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا جب یکم اپریل ۱۹۴۸ء کو بھارت نے یہ کہہ کر پانی کی فراہمی بند کردی کہ پاکستان اس پانی پر کوئی حق نہیں رکھتا جو اس کی سرزمین پر بہتا ہے اور یہ بھارت کی مرضی ہے کہ وہ اسے پانی کی فراہمی بند کر دے یا بحال کر دے۔ چونکہ پاکستان کی اسی لاکھ ایکڑ اراضی کا انحصار نہری پانی پر تھا اس لیئے اس نے بھارت کے ساتھ عبوری معاہدہ طے کر لیا۔ اسی سال کے اواخر میں بھارت نے پھر نہری پانی بند کرنے کی دھمکی دی اور یہ مطالبہ کیا کہ عبوری معاہدہ ہی کو مستقل حیثیت دی جائے مگر حکومتِ پاکستان نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا بھارت نے اس اقدام پر پاکستان پر واضح کر دیا کہ عبوری معاہدہ مستقل شکل اختیار کر چکا ہے اور نیز اس پر عمل درآمد بھی شروع ہو چکا ہے۔ پاکستان نے اس مسئلے کو بین الاقوامی عدالت انصاف کے سامنے پیش کرنے کا ارادہ ظاہر کیا مگر بھارت نے پاکستان کی یہ تجویز مسترد کر دی۔ دریں اثنا بھارت نے پاکستان کو نہری پانی سے محروم رکھنے کے لئے مختلف ڈیموں اور

نہروں کی تعمیر شروع کر دی اور اس کے بعد یہ مسئلہ ۱۲ سال تک کھٹائی میں پڑا رہا۔ اس دوران ۱۳ر اکتوبر ۱۹۵۰ء کو بھارت نے عالمی بنک کو مطلع کیا کہ وُہ عالمی بنک کے زیر اہتمام پاکستان کے ساتھ نہری پانی کے تصفیے کی بات چیت میں مزید تین ماہ تک جاری رکھنے کو تیار ہے۔ بھارت نے اپنی شرائط میں مزید کہا کہ وُہ تصفیے کی بات چیت کی آخری میعاد ۱۹۶۲ء سے آگے نہیں بڑھائے گا۔ ۲۹ر نومبر ۱۹۵۷ء کو بھارت اور پاکستان کے نمائندوں کے مابین نئی دہلی میں مذاکرات شروع ہوئے۔ بالآخر ۱۹ر ستمبر ۱۹۶۰ء کو کراچی میں پاکستان اور بھارت کے مابین نہری پانی کا معاہدہ طے پا گیا۔ پاکستان کی طرف سے صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں اور بھارت کی جانب سے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے کراچی میں دستخط کئے۔ اس معاہدے کے تحت تین مغربی دریا جن میں جہلم، چناب اور سندھ شامل ہیں پاکستان کو اور تین مشرقی دریا ستلج، بیاس اور راوی بھارت کی تحویل میں دے دیئے گئے۔ علاوہ ازیں معاہدے میں کہا گیا تھا کہ عبوری مدت ——— ۱۹۷۰ء میں ختم ہو گی بھارت پاکستان کو مقررہ مقدار میں پانی فراہم کرنے کا پابند ہے چنانچہ تین مشرقی دریاؤں سے پیدا ہونے والی پانی کی کمی متبادل تعمیرات سے پوری کرنے کے لئے ایک منصوبہ بنایا گیا جسے سندھ طاس کے منصوبے کا نام دیا گیا تفصیل کے لئے دیکھئے صدر ایوب کا دورِ حکومت۔

جوناگڑھ پر بھارتی قبضہ

کاٹھیا واڑ کے جنوبی ساحل پر واقع ریاست جوناگڑھ کا رقبہ ۳۳۳۷ مربع میل اور آبادی آٹھ لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ اس کے ۱۵۰ میل طویل ساحل پر پانچ بندرگاہیں ہیں۔ ان میں سب سے بڑی بندرگاہ کا نام ویراول ہے۔ زمانۂ قدیم میں یہ بندرگاہ کراچی سے مربوط تھی اور دونوں بندرگاہوں کے تاجر بلالحاظ مذہب و ملت باہم تجارت کرتے تھے۔ اس طرح اہلِ سندھ سے اس کا رشتہ قدرتی امر تھا۔

قیامِ پاکستان کے وقت تقسیم ہند کے منصوبے کے تحت ریاست کے مسلمان حکمران نواب مہابت خاں نے ۱۵ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کیا۔ اور اس کے نتیجے میں ایک معاہدہ طے پایا جس پر بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے دستخط کئے۔ اس طرح یہ پہلی ریاست تھی جس نے پاکستان سے الحاق کیا۔

جوناگڑھ کے پاکستان سے الحاق کے اعلان کے ساتھ ہی بھارت کے طول و عرض میں صفِ ماتم بچھ گئی اور عوام نے بھارتی حکومت پر زور دیا کہ کسی طرح سے اس فیصلے کو تبدیل کرا

جائے۔ چونکہ ذاتی طور پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن بھی پاکستان کے خلاف تھے اس لئے انہوں نے اور مسٹر گاندھی نے مل کر مسلمانوں اور ریاست کے خلاف ہندوؤں کے دلوں میں نفرت کی آگ بھڑکائی اور انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ ریاست کے پاکستان سے الحاق کی بناء پر ہندوؤں سے سومنات کا مندر بھی چھین لیا جائے گا۔

مہاتما گاندھی نے ہندو ریاست جام نگر کے مہاراجا کو اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنے کو کہا لیکن وُہ بھی اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ بھارتی راہنماؤں نے یہ بھی مشہور کر دیا کہ چونکہ اس ریاست کی ۸۵ فیصد آبادی ہندوؤں اور غیر مسلموں پر مشتمل ہے اس لئے اس کا الحاق قدرتی طور پر بھی بھارت سے ہوتا ہے۔

معاہدہ پر دستخط ہونے کے فوراً بعد ہندو غنڈوں نے ریاست میں جارحیت اور غنڈہ گردی کا آغاز کیا اور گاندھی جی کے بھتیجے رمل داس نے ریاست میں متوازی حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ بھارتی حکومت نے بین الاقوامی اُصولوں اور ضوابط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انگریز گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی رہنمائی میں ریاست کے نہتے عوام پر حملہ کر دیا۔ ریاست کی ایک ہزار سپاہیوں کی فوج بھارت کے لشکر جرار اور طیاروں کا مقابلہ نہ کر سکی اور اس طرح جارحیت کے ذریعے ۸ر نومبر ۱۹۴۷ء کو ریاست پر قبضہ کر لیا، حالانکہ اس دوران بھارت نے ریاست میں ۲۵ر ستمبر کو ریفرنڈم کرانے کی تجویز بھی پیش کی تھی۔ فروری ۱۹۴۸ء میں وہاں بھارتی تلواروں کے سائے میں ریفرنڈم ہوا جس کے نتیجے میں تمام ووٹ بھارت کو ملے۔

حکومت پاکستان نے بھارتی جارحیت اور بین الاقوامی اُصولوں اور ضابطوں کی خلاف ورزی کرنے پر جوناگڑھ کا مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کیا۔ اقوام متحدہ میں متعدد ممالک نے بھارت کو جارح قرار دیا اور پاکستان کی حمایت کا اعلان کیا۔ اقوام متحدہ میں اس مسئلے پر بڑی بحث ہوئی بالآخر اسے سلامتی کونسل کے سپُرد کر دیا گیا۔ تاحال یہ مسئلہ سلامتی کونسل کے سرد خانے میں پڑا ہوا ہے۔

بھارت کے ریاست پر فوجی مداخلت کے بعد ۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو نواب مہابت خاں پاکستان آ گئے۔

مانا ودر کا مسئلہ تقسیم ہند کے منصوبے کے تحت اس ریاست کے حکمران نے ۱۰ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان سے الحاق کرنے کی درخواست کی، جسے

قائدِ اعظم محمد علی جناح نے ۲۴ ستمبر کو منظور کر لیا۔ لیکن جوناگڑھ کی طرح بھارت نے اس ریاست پر بھی ۲۲ اکتوبر کو فوج کشی کر دی اور ریاست کے مسلمان حکمران کو طاقت کے بل بوتے پر راجکوٹ منتقل کر کے ریاست کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ۳ نومبر کو ایک ہزار سے زائد مسلح فوجی مانا ودر میں داخل ہو گئے اور انہوں نے نواب کے محل پر قبضہ کر لیا اس طرح یہ ریاست بھی جارحیت کے ذریعے بھارت میں شامل کر لی گئی۔

حیدرآباد پر بھارتی قبضہ

تقسیم ہند کے بعد نظام دکن میر عثمان علی خان ریاست کو ایک آزاد اور خود مختار مملکت کی حیثیت دینا چاہتے تھے۔ لیکن جب اُن کی یہ اُمید بر نہ آئی تو ستمبر ۱۹۴۸ء میں بھارتی فوجوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ ریاست کا رقبہ ۸۲۷۰۰ مربع میل اور آبادی تقریباً ڈیڑھ کروڑ نفوس پر مشتمل تھی۔

مسئلہ کشمیر

قیام پاکستان سے ہی مسئلہ کشمیر پاکستان کے لئے دردِ سر بنا ہوا ہے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے پاکستان اور بھارت کے مابین تین جنگیں بھی ہو چکی ہیں۔ لیکن برطانوی سامراج کی پیداوار یہ مسئلہ پھر بھی حل نہ ہو سکا۔

ریاست جموں و کشمیر برصغیر کے شمال میں کوہ ہمالیہ کے دامن میں واقع ہے اس کا کل رقبہ ۸۴۰۰۰ مربع میل اور آبادی ۶۰ لاکھ سے زائد نفوس پر مشتمل ہے۔ رقبہ کے اعتبار سے ریاست جموں و کشمیر برطانیہ سے کچھ چھوٹی ہے۔ ریاست کی کل آبادی میں سے ۸۰ فیصد مسلمان ہیں اور یہ دینی، ثقافتی اور خونی رشتوں کے اعتبار سے پاکستان کے لئے شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے علاوہ ازیں پاکستان اور کشمیر کے مابین اقتصادی تعلقات قائم ہیں۔ ریاست میں داخل ہونے کے تمام راستے بھی پاکستان ہی سے جاتے ہیں۔ پاکستان کی سرزمین پر بہنے والے دریاؤں کے منبعے بھی کشمیر میں ہیں۔

تاریخی پس منظر

تیسری صدی ق م میں وادی کشمیر کو اشوک کی سلطنت میں شامل کیا گیا اور کنشک کے عہد میں بدھ مت کے مرکز کی حیثیت سے اسے بڑی شہرت ملی۔ ۱۵۸۷ء میں اسے مغلیہ سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ اور اس ضمن میں اکبر اعظم نے کئی بار وادی کشمیر کا دورہ بھی کیا کیونکہ مغل بادشاہ ہندوستان کے میدانی علاقوں میں پڑنے والی گرمی اور گرد سے سخت نفرت کرتے تھے اس لئے انہوں نے اس خوبصورت وادی میں رہائش اختیار کی اور یہاں بہت سی تاریخی عمارات تعمیر کرائیں۔

۱۸۴۶ء میں ریاست جموں اور کشمیر کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے صرف ۷۵ لاکھ روپے کے عوض راجا گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت کر دیا راجا کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ہری سنگھ جانشین بنا۔ اور یہیں سے کشمیر میں آباد مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کے ناروا سلوک کی ابتداء ہوئی۔ مسلمانوں نے اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے مسلم کانفرنس کے نام سے اپنی ایک سیاسی جماعت قائم کی۔ مہاراجا نے اس تحریک کو دبانے کی ہر ممکن سعی کی مگر جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کوئی قوم ہمیشہ کے لئے زیر نگیں نہیں رہ سکتی چنانچہ اس کے نتیجے میں مہاراجا کو مسلمانوں کے چند مطالبات تسلیم کرنے پڑے۔ ۳۴-۱۹۳۳ء میں لیجسلیٹو اسمبلی کے جو انتخابات منعقد ہوئے اس میں مسلم کانفرنس نے ۲۱ میں سے ۱۶ نشستیں جیت لیں۔ ۱۹۳۹ء میں مسلم کانفرنس کے ارکان میں پھوٹ پڑ گئی چنانچہ شیخ محمد عبداللہ کی سربراہی میں نیشنل کانگریس کے نام سے ایک نئی جماعت ابھری جون ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے منصوبے کا اعلان ہوا۔ اس کے تحت تمام ریاستی حکمرانوں کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ پاکستان یا بھارت سے الحاق کر سکتی ہیں۔ مسلم کانفرنس نے کشمیر کے پاکستان سے الحاق کے حق میں فیصلہ دیا۔ ادھر لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور کانگریسی رہنماؤں نے راجا کو سبز باغ دکھائے۔ راجا نے اس مسئلہ کو نفسیاتی طریقے سے حل کرنے کے لئے پاکستان اور بھارت کی حکومتوں کے ساتھ معاہدہ کرنے کی یہ پیشکش کی کہ پاکستان اور بھارت دو سال تک ریاست کشمیر کے ساتھ اسی قسم کے تعلقات قائم رکھیں گے جو ریاست کے برطانوی حکومت کے ساتھ تھے۔ پاکستان نے اس تجویز کو تسلیم کرتے ہوئے راجا سے دو سال کے لئے معاہدہ طے کر لیا۔ لیکن بھارتی وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے اس معاہدے کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ مہاراجا کو اس قسم کا معاہدہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں چنانچہ ہری سنگھ نے ریاست کا الحاق بھارت سے کرنے کی درخواست دی جسے قبول کر لیا گیا۔ کشمیری عوام نے راجا کے اس اقدام کی مخالفت کرتے ہوئے صدائے احتجاج بلند کی جس کے نتیجے میں ستمبر ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کی ڈوگرہ راجا کے خلاف بغاوت عروج پر پہنچ گئی تو بھارت نے نام نہاد قبائلی حملے کا بہانہ بنا کر ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو بھارت کے ساتھ الحاق کا اعلان قبول کر لیا اور اس کے فوراً بعد بھارتی افواج کشمیر میں داخل ہو گئیں اور انہوں نے کشمیری عوام کا قتل عام شروع کر دیا۔ اس دوران میں کشمیری حریت پسندوں نے کشمیر کے وسیع و عریض رقبے پر قبضہ کر کے آزاد کشمیر حکومت کے قیام کا اعلان کیا (۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء) تراڑ کھل نئی حکومت کا صدر مقام قرار دیا۔

اور سردار ابراہیم اس کے پہلے صدر بنے۔ یکم جنوری ۱۹۴۸ء کو بھارت نے مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ میں پیش کیا۔ پاکستان نے جوابی کارروائی کے طور پر ۱۶ جنوری کو اپنی شکایت سلامتی کونسل میں پیش کر دی اور اس طرح اس مسئلے کو ایک بین الاقوامی تنازعہ کی حیثیت حاصل ہو گی۔ ۲۸ جنوری ۴۸ ۱۹ء کو سلامتی کونسل کے صدر نے پاکستان اور بھارت کے نمائندوں کے ساتھ صلاح مشورہ کرنے کے بعد سلامتی کونسل کے اجلاس میں کہا کہ فریقین کے مابین تین نکات پر سمجھوتہ ہو گیا ہے جو یہ ہیں :-

(۱) ریاست کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لئے استصواب کرایا جائے گا۔

(۲) استصواب رائے کے سلسلے میں مکمل غیر جانبداری کی ضمانت دی جائے گی۔

(۳) استصواب رائے اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہو گا۔

سلامتی کونسل کے صدر نے ان نکات کی روشنی میں سلامتی کونسل میں ایک قرارداد پیش کی اس قرارداد میں کہا گیا تھا کہ (۱) کشمیر سے تمام غیر ملکی فوجیں نکال دی جائیں (۲) استصواب کے لئے غیر جانبدار انتظامیہ قائم کی جائے (۳) استصواب اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہو۔

بعد ازاں سلامتی کونسل کے اجلاسوں میں ۵ جنوری ۴۸ ۱۹ء سے ۲۱ اپریل ۱۹۴۸ء کے مابین اس مسئلہ پر بحث ہوئی جس کے نتیجے میں ۲۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندو پاک کی منظوری دی گئی۔ کمیشن ایڈمرل نمٹز کی سربراہی میں ۶ جولائی کو برصغیر پہنچا کمیشن نے فریقین سے طویل تبادلۂ خیالات کے بعد انہیں ایک بین الاقوامی معاہدہ کرنے پر رضامند کر لیا یہ معاہدہ اقوام متحدہ کی ۱۳ اگست ۴۸ ۱۹ء اور یکم جنوری ۱۹۴۹ء کی قرارداد پر مشتمل تھا اسی معاہدے کے تحت یکم جنوری ۴۹ ۱۹ء کو ریاست میں جنگ بند ہو گئی۔ اور بھارت اور پاکستان کی رضامندی سے ایڈمرل نمٹز کو ناظم رائے شماری مقرر کیا گیا۔ ، ماہ کے بعد ۲۷ جولائی ۴۹ ۱۹ء کو خط متارکہ جنگ کا تعین کر دیا گیا۔ ۳۰ جولائی کو دونوں حکومتوں نے جنگ بندی لائن کی توثیق کر دی۔ دریں اثنا مارچ ۴۹ ۱۹ء میں اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہند و پاک نے بھارتی اور پاکستانی نمائندوں کی ایک مشترکہ کمیٹی کا اجلاس طلب کیا جس میں اس بات پر اتفاق رائے ہو گیا کہ ریاست سے فوجوں کے انخلاء کے متعلق بھارت اور پاکستان دونوں اپنی اپنی تجاویز پیش کریں، لیکن بھارت نے پہلے تو مزید مہلت کی درخواست کی بعد ازاں اس فیصلے پر عمل درآمد کرنے سے انکار کر دیا۔

کئی ماہ تک مسلسل کوشش کرنے کے بعد اقوام متحدہ کا کمیشن برائے پاک و ہند اس نتیجے پر

پہنچا کہ بھارت ریاست کشمیر سے اپنی فوجوں کی کثیر تعداد کو نہیں نکالنا چاہتا اور صاف انکار کرنے کی بجائے وُہ اس مسئلے کو مزید اُلجھا رہا ہے۔

۲۰ رجولائی ۱۹۵۰ء کو پاکستان اور بھارت کے وزراء اعظم کی کانفرنس اقوام متحدہ کے نمائندے سراودن ڈکسن کی نگرانی میں منعقد ہوئی۔ لیکن یہ بھی بے نتیجہ ثابت ہوئی۔

صدر ایوب خاں کے عہد میں پنڈت نہرو پاکستان کے دورے پر آئے تو ان کے دورہ کے اختتام پر جاری ہونے والے مشترکہ اعلامیہ میں اس مسئلہ پر غور کرنے کا عزم کیا گیا۔ پنڈت نہرو کے اس دورے کے نتیجے میں دونوں ممالک نے وزارتی سطح پر مذاکرات کا آغاز کیا یہ مذاکرات راولپنڈی میں ۲۷ تا ۳۰ ردسمبر ۱۹۶۲ء، نئی دہلی میں ۱۶ تا ۱۹ رجنوری ۱۹۶۳ء، کراچی میں ۸ تا ۱۱ رفروری ۱۹۶۳ء کلکتہ میں ۱۲ تا ۱۴ رمارچ، کراچی میں ۲۲ تا ۲۵ راپریل اور دہلی میں ۱۵ تا ۱۶ رمئی جاری رہے۔

مذاکرات میں پاکستان نے بھارت سے مطالبہ کیا کہ وُہ اس مسئلے کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے ذریعے حل کرے، لیکن بھارت نے نہ صرف ایسا کرنے سے انکار کر دیا بلکہ ۱۶ رمئی ۱۹۶۳ء کو بھارتی وزیرخارجہ نے ایک بیان میں کہا کہ بھارت ریاست جموں وکشمیر کے ۸۴۰۰۰ مربع میل علاقہ میں سے ۳۴۰۰۰ مربع میل علاقہ پاکستان کے حوالے کرنے کو تیار ہے مگر پاکستان نے کشمیر کی تقسیم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

امریکہ اور چین نے بھی اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھیں، لیکن بھارت نے نہ صرف کشمیری عوام کے حق خودارادیت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا بلکہ ۱۹۶۵ء میں پاکستان پر بھرپور حملہ بھی کیا۔ جنوری ۱۹۶۶ء میں دونوں ملکوں کے مابین جنگ ستمبر کے نتائج کے سلسلے میں معاہدہ تاشقند طے پایا اس معاہدہ میں بھی یہ کہا گیا تھا کہ بھارت اور پاکستان اپنے تنازعات بات چیت کے ذریعے بین الاقوامی اُصولوں اور آئین کے مطابق حل کریں گے۔ بعدازاں ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کے نتیجے میں معاہدہ شملہ طے پایا تو بھی اسی اُصول کا اعادہ کیا گیا۔

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاءالحق نے بھی متعدد بار یہ کہا ہے کہ بھارت اس بات کا پابند ہے کہ وُہ کشمیر کا مسئلہ بات چیت کے ذریعے حل کرے۔

قائداعظم بحیثیت گورنرجنرل

۳ راگست ۱۹۴۷ء کو حضرت قائداعظم کا تقرر بطور گورنر جنرل پاکستان ہُوا۔ ۷ راگست کو قائداعظم نئی مملکت کا کاروبار سنبھالنے کے لیئے دہلی سے کراچی تشریف لائے۔ ۱۱ راگست کو پاکستان کی دستورساز اسمبلی

کا پہلا اجلاس منعقد ہوا جس میں قائداعظم کو اس کا پہلا صدر مقرر کیا گیا ۱۱ راگست کو قائدِ اعظم نے دستور ساز اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"ہمیں اس مملکت کے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ایک جگہ پر جمع ہونا چاہیئے۔ ۱۵ اراگست ۱۹۴۷ء کو قائداعظم نے پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ حلف اٹھانے کی تقریب کا آغاز تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس عبدالرشید نے حلف لیا۔ جونہی قائداعظم نے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالا تو انہیں ۳۱ توپوں کی سلامی دی گئی اسی روز قائداعظم نے قوم کے نام اپنے پہلے خطاب میں کہا۔

"اس موقع پر میرے ذہن میں ان دلیروں اور مجاہدوں کا خیال بھی موجود ہے جنہوں نے پاکستان کا حصول ممکن بنانے کے لئے اپنا سب کچھ حتیٰ کہ اپنی جانیں بھی قربان کر دیں بھارت میں بسنے والے چار کروڑ مسلمانوں کے بارے میں قائداعظم نے فرمایا کہ ہمارے ان بھائیوں کو جو بھارت میں اقلیت بن چکے ہیں یقین رکھنا چاہیئے کہ ہم انہیں نظر انداز یا فراموش نہیں کریں گے مجھے تسلیم ہے کہ برصغیر کے مسلم اقلیت والے صوبوں نے ہی قیام پاکستان کی جد وجہد کا آغاز کیا تھا۔ ان کو نئے اور مشکل حالات کے مطابق خود کو ڈھالنا ہوگا کیونکہ ہندو ان سے اس وجہ سے نفرت کرتے ہیں کہ انہوں نے پاکستان کی حمایت کی۔

پہلی کابینہ کی تقرری

قائداعظم محمد علی جناح نے مندرجہ ذیل اصحاب کو پہلی کابینہ کے لئے نامزد کیا۔ نامزد وزیر اعظم نوابزادہ لیاقت علی خاں نے وزراء سے حلف لیا۔

(۱) سردار عبدالرب نشتر وزیر مواصلات (۲) راجا غضنفر علی خاں وزیر خوراک وزراعت اور صحت
(۳) مسٹر فضل الرحمان وزیر تعلیم اور امور داخلہ (۴) مسٹر آئی آئی چندریگر تجارت، صنعت اور ورکس۔
(۵) مسٹر غلام محمد وزیر مالیات (۶) جوگندر ناتھ منڈل وزیر قانون۔

وزیر اعظم نوابزادہ لیاقت علی خاں نے اپنے پاس وزارتِ عظمیٰ کے علاوہ امور خارجہ، دولت مشترکہ اور دفاع کے محکمے رکھے۔

قائداعظم کی خدمات بحیثیت گورنر جنرل

قائدِ اعظم محمد علی جناح نے جب انتہائی بے سرو سامانی کی حالت میں مملکت پاکستان کا کاروبار سنبھالا تو انہیں بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اُن کے سامنے ان گنت مسائل تھے

وُہ جلد از جلد پاکستان کو دُنیا کے نقشے پر ایک ترقی یافتہ مملکت کی حیثیت سے اُبھارنا چاہتے تھے اسی بنا پر انہوں نے پاکستان کے لئے دن رات کام کیا اور اس کے لئے اپنی جان تک قربان کر دی۔

انتظامی اُمور کی انجام دہی کے لئے انہوں نے دستور ساز اسمبلی کا افتتاح کیا، مالی مشکلات پر قابو پانے کے لئے سٹیٹ بنک کا قیام عمل میں لایا گیا۔ مہاجرین کی آباد کاری اور امن و امان قائم کرنے کے لئے قائداعظم ریلیف فنڈ قائم کیا۔ قائداعظم کی کوششوں سے دونوں ملکوں کے وزرائے اعظم نے پنجاب کے سرحدی علاقوں کا دورہ کیا اور متاثرین کو ہر قسم کی امداد فراہم کی۔ پاکستان کی صنعتی ترقی کے لئے صرف پانچ ہفتے بعد قائدِ اعظم نے ۲۶ ستمبر ۱۹۴۷ء کو کراچی میں ولیکا ٹیکسٹائل ملز کا افتتاح کیا، ۲۷ نومبر کو کراچی میں کل پاکستان تعلیمی کانفرنس کا افتتاح کیا اور اس ضمن میں نئی نسل پیغام دیتے ہوئے فرمایا ''تعلیم اور صحیح قسم کی تعلیم کی اہمیت سب پر واضح ہے اگر ہمیں حقیقی تیز رفتار اور نتیجہ خیز ترقی کرنی ہے تو ہمیں تعلیم کے مسئلے پر خصوصی توجہ دینی ہوگی۔ ہمیں اپنی تعلیمی حکمتِ عملی اور پروگرام کو ان خطوط پر چلانا ہوگا جو ہمارے عوام کے مزاج کے مطابق ہوں جو ہماری تاریخ و ثقافت سے ہم آہنگ ہوں اور جو دُنیا بھر میں ہونے والی وسیع ترقیوں اور عصری تقاضوں کے مطابق ہوں۔'' ۲۲ دسمبر ۱۹۴۷ء کو انہوں نے کراچی میں پاکستان کے پہلے چیف اسکاؤٹ کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اُٹھایا اور نوجوان طالب علموں کو نظم و ضبط برقرار رکھنے اور باہمی تعاون کی تلقین فرمائی اور اسی روز پاکستان ریڈ کراس سوسائٹی کے قیام کا آرڈی ننس جاری کیا۔ ۳ فروری ۱۹۴۸ء کو پاکستان میں مقیم اقلیتی باشندوں کو تحفظ کا یقین دلایا۔ نیز مختلف ممالک سے سفارتی تعلقات کے قیام پر زور دیا۔ مسئلہ فلسطین کے سلسلے میں ۱۹ دسمبر ۱۹۴۷ء کو بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ

اس برصغیر کے مسلمان تقسیم فلسطین کے متعلق اقوام متحدہ کے ظالمانہ، ناجائز اور غیر منصفانہ فیصلے کے خلاف شدید ترین احتجاج کرتے رہے ہیں ظاہر ہے کہ برصغیر کے مسلمان امریکہ یا کسی اور ملک کی مخالفت مول نہیں لینا چاہتے لیکن ہماری حس انصاف ہمیں مجبور کرتی ہے کہ فلسطین میں اپنے عرب بھائیوں کی ہر ممکن طریقے سے مدد کریں۔

گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالنے کے بعد انہوں نے چاروں صوبوں کا دورہ کیا اور وہاں کے عوام کی مشکلات سُننے کے بعد انہیں ملکی وسائل کے مطابق حل کرنے کی کوشش کی۔ اُردو کو

ملک کی قومی زبان قرار دیا۔

رسالپور کے فضائی تربیتی مرکز کا نام تبدیل کر کے اُسے رائل پاکستان ایئر فورس کالج کا نام دیا۔ متعدد مقامات پر سرکاری حکام سے خطاب کرتے ہوئے افسروں کو تلقین کی کہ وُہ اپنی تمام تر صلاحیتیں مملکت اور اس کے باشندوں کے لئے وقف کر دیں۔

۲۷ / اپریل ۱۹۴۸ء کو چیمبر آف کامرس کے اجلاس میں شمولیت اختیار کر کے انہوں نے تاجروں کو تحفظ اور کاروباری آزادی کا یقین دلایا۔ سندھ میں محمد ایوب کھوڑو اور میر غلام علی تالپور - پیر الٰہی بخش اور پنجاب میں میاں افتخار حسین ممدوٹ، میاں ممتاز دولتانہ اور سردار شوکت حیات خاں کے مابین باہمی چپقلش کو دُور کرنے کے لئے اپنی متعدد مصروفیات ختم کر دیں اور متذکرہ بالا سیاسی راہنماؤں کو محاذ آرائی کی پالیسی ترک کرنے پر مجبور کیا۔ نیز گورنر سندھ کی سفارش پر وزیر اعلیٰ محمد ایوب کھوڑو کو برطرف کر دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح کی کوششوں سے کاکول اکیڈیمی میں فوجی افسروں کا پہلا کورس شروع ہوا۔

۹ / فروری ۱۹۴۸ء کو انہوں نے کراچی کو پاکستان کا مستقل دارالحکومت قرار دیا۔ اُن کی صدارت میں ۲۳ فروری ۱۹۴۸ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا دوسرا اجلاس منعقد ہُوا۔ سب سے پہلے قائداعظم اور ان کے بعد ۵۴ ارکان نے حلف اُٹھایا جن میں آٹھ ہندو تھے۔ قائدِاعظم کے حکم پر فرقہ وارانہ فسادات پر قابو پانے کے لئے اقلیتوں کے جان و مال کے تحفظ کے سلسلے میں کلکتہ میں ایک معاہدہ طے پایا جس میں کہا گیا تھا کہ بھارت اور پاکستان میں ہر شہری کو خواہ وُہ کسی مذہب یا فرقے سے تعلق رکھتا ہو کو مساوی حقوق دیئے جائیں۔

نوجوانوں میں سپاہیانہ قوت پیدا کرنے اور قومی زندگی کے ہر شعبے میں کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لئے قائداعظم نے ۲۳ / اپریل ۱۹۴۸ء کو کراچی میں پہلی قومی کھیلوں کا افتتاح کیا۔ غرض قائداعظم نے بطور سربراہِ مملکت صرف ایک سال اور ایک ماہ کے عرصے میں زندگی کے تمام شعبوں میں باہمی ربط پیدا کرنے اور انہیں ترقی دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

تحریک پختونستان کی ابتداء

۳ / جون ۱۹۴۷ء کو جب تقسیم ہند کے منصوبے کا اعلان کیا گیا تو خان عبدالغفار نے مہاتما گاندھی سے کہا کہ شمال مغربی سرحدی صوبے میں ایک خوفناک تقدیر ہمارا انتظار کر رہی ہے ہم نہیں جانتے کہ کیا کریں۔

اس پر مسٹر گاندھی نے کہا :

"خاں صاحب عدم تشدد مایوسی نہیں جانتا ، یہ آپ کی آزمائش کا وقت ہے ۔ آپ یہ اعلان کر سکتے ہیں کہ پاکستان آپ کے لئے قطعی ناقابل قبول ہے اور آپ بدترین حالات کا مقابلہ کریں ۔ ان لوگوں کے لئے کون سا خوف ہو سکتا ہے جو مرنے یا مارنے کا عہد کر چکے ہیں ۔

۲۱ رجون ۱۹۴۷ء کو بنوں میں خدائی خدمت گاروں ، پختون زلمے صوبہ سرحد کی کانگریس کمیٹی اور کانگریس کی پارلیمانی پارٹی کا جو مشترکہ اجلاس منعقد ہوا اس کی صدارت صوبہ سرحد کی کانگریس کمیٹی کے صدر امیر محمد خاں نے کی اور اس اجلاس نے متفقہ طور پر مندرجہ ذیل قرارداد منظور کی ۔

"سارے پختونوں کا ایک آزاد پٹھانستان قائم کیا جائے اس مملکت کا آئین اسلامی تصورات ، جمہوریت ، مساوات اور معاشرتی انصاف کی بنیاد پر بنایا جائے گا یہ اجلاس سارے پٹھانوں سے اپیل کرتا ہے کہ اس محبوب مقصد کے حصول کے لئے متحد ہو جائیں اور کسی غیر پختون غلبے کے آگے نہ جھکیں ۔"

جون ۱۹۴۷ء میں عوامی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے خان عبد الغفار خان نے کہا کہ "ہم نے پٹھانستان قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو تمام پٹھانوں کی ایک آزاد ریاست ہو گی ۔"

"مائی لائف اینڈ سٹرگل" کے صفحہ ۲۳۷ پر خان عبد الغفار لکھتے ہیں ۔

میرا یہ یقین اور عقیدہ ہے کہ تمام لوگ جو اس ملک میں رہتے ہیں جو دریائے جہلم سے ہرات کے دُور دراز علاقے میں دریائے آمو تک پھیلا ہوا ہے وہ افغانی ہیں یہ سب کے سب پختون ہیں اور یہ ملک انہی کا ہے ۔

خان عبد الغفار خان نے ۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو کراچی میں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے (جس کا حوالہ ڈی جی ٹنڈلکر کی کتاب صفحہ ۴۵۶ میں ملتا ہے) کہا :

ہمارے پٹھانستان کا کیا مطلب ہے میں ابھی آپ کو بتاتا ہوں ۔ اس صوبے میں بسنے والے لوگ سندھی کہلاتے ہیں اور ان کے ملک کا نام سندھ ہے اسی طرح بنگالی ہیں ۔ اسی طریقے سے شمال مغربی سرحدی صوبہ ہے ہم ایک قوم ہیں اور پاکستان کے اندر ہماری سرزمین ہے ۔ ہم بھی چاہتے ہیں کہ ملک کے نام کا محض ذکر کرنے سے لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ یہ پختونوں کی سرزمین ہے کیا یہ اسلام کے اصولوں کے تحت کوئی گناہ ہے ۔ پٹھان تو فرقہ کا نام ہے اور ہم ملک کا نام پختونستان رکھیں گے میں یہ وضاحت کر دوں کہ ہندوستان کے لوگ ہمیں پٹھان کہا کرتے تھے ۔

اور اہل فارس افغان کہتے ہیں۔ ہمارا اصل نام پختون ہے اور ہم پختونستان چاہتے ہیں اور ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ڈیورنڈ لائن کے اس طرف کے سارے پٹھان پختونستان میں مل جائیں اور متحد ہو جائیں آپ اس میں ہماری مدد کریں۔ اگر آپ یہ دلیل دیں کہ اس سے پاکستان کمزور ہو جائے گا تو میں یہ کہوں گا کہ علیحدہ سیاسی یونٹ کے قیام سے پاکستان کبھی کمزور نہیں ہو سکتا یہ اور مضبوط ہو جائے گا۔

قیام پاکستان کے بعد افغانستان نے خان عبدالغفار خاں کے ان بیانات کی روشنی میں پاکستان کی اقوام متحدہ میں شمولیت کی شد و مد سے مخالفت کی تھی۔ بعد ازاں یہی مسئلہ پاکستان اور افغانستان کے مابین ایک عرصہ تک وجہ تنازعہ بنا رہا۔

چونکہ خان غفار خاں کے سوا کسی نے بھی اس مسئلے کو ہوا نہ دی اس لئے یہ مسئلہ جلد ہی اپنی موت آپ مر گیا۔

پاکستان کے بارے میں قائداعظم کے اقتصادی نظریات

قائداعظم محمد علی جناح اقتصادی اعتبار سے پاکستان کو بڑا ترقی یافتہ دیکھنا چاہتے تھے اس ضمن میں انہوں نے متعدد مقامات پر اپنی تقاریر میں برملا اس کا ذکر بھی کیا ہے اور اس کے لئے متعدد طریقے بھی بتلائے ہیں۔ مثلاً ۱۹۴۶ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"ابھی ہمارا مکمل طور سے دیوالیہ تو نہیں نکلا لیکن ہم نے اپنی قومی زندگی کے تجارتی پہلو سے افسوسناک غفلت اختیار کر رکھی تھی اور ہمیں اس کمی کو دور کرنے کی فوری کوشش کرنی چاہیئے۔ منصوبہ بندی کمیٹی پاکستان کے علاقوں کا سروے کر کے یہ معلوم کرے گی کہ وہاں کیا کیا قومی اور معدنی دولت پائی جاتی ہے اور ان علاقوں میں صنعتوں کے قیام کے امکانات کیا ہیں۔ ان علاقوں میں بہت سے وسائل پہلے ہی موجود ہیں، لیکن ہمیں ایسے مناسب اہلیت رکھنے والے لوگ ٹیکنیشن، سائنس دان اور تجارتی ماہرین درکار ہیں جو پاکستان کے علاقوں کی اقتصادی اور صنعتی زندگی کو ترقی دے سکیں میں ایسے آدمیوں کو پچھلے دو مہینوں سے تلاش کر رہا ہوں اور اللہ نے چاہا تو میں مستقبل قریب میں کمیٹی کے اراکین کے ناموں کا اعلان کر سکوں گا۔

۲۷ مارچ ۱۹۴۷ء کو میمن چیمبر آف کامرس کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے حضرت

قائدِ اعظم نے فرمایا:

میں مسلمانوں کی تعلیمی، اقتصادی اور معاشرتی ترقیوں کے لئے بہت سے منصوبوں پر غور کر رہا ہوں، میرے خیال میں مسلمان تاجروں کی بہتری کا سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں کہ وہ ہر ممکن طریقے سے اقتصادی تنظیم پیدا کریں مسلمانوں کو ٹاٹا جیسی مہم جویانہ اور جرأت آزما صنعتوں کی ہمسری کرنی چاہیئے۔

یکم اپریل ۱۹۴۸ء کو کراچی میں نوٹوں کے اجراء کے موقع پر فرمایا۔ "مجھے پاکستان کے روشن مستقبل کا یقین کامل ہے شرط صرف یہ ہے کہ پاکستان کے لامحدود وسائل سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا جائے۔ ہمارا نصب العین مضبوط اور خوشحال پاکستان کی تعمیر ہے۔ ممکن ہے کہ اس مقصد کے حصول میں ہمیں مصائب کا سامنا کرنا پڑے۔ دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنا پڑے، لیکن ہمارے عزم واستقلال کے سبب سب مشکلات ہیچ ہیں اور ہم انشاءاللہ اپنے نصب العین کے حصول میں ضرور کامیاب ہوں گے۔

۲۷/اپریل ۱۹۴۸ء کو کراچی چیمبر آف کامرس کے استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظم نے فرمایا۔

میں آپ کی توجہ حکومت پاکستان کی اس خواہش کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ ملک کو صنعتی بنانے کے ہر مرحلے پر نجی سرمایہ کاری کو شریکِ عمل رکھا جائے حکومت نے اپنے انتظام وانصرام میں جن صنعتوں کو لے رکھا ہے ان میں جنگی نوعیت کا اسلحہ، برقابی طاقت کی افزائش، ریلوے کے ڈبے بنانا، ٹیلیفون، تار اور بے تار برقی کے آلات بنانا، دوسری تمام صنعتی سرگرمیاں نجی سرمائے کے لیئے کھلی رکھی گئی ہیں جسے ہر وہ سہولت دی جائے گی جو ایک حکومت صنعت کے قیام اور ترقی کے لئے دے سکتی ہے۔ حکومت ایسے حالات پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گی جن میں صنعت اور تجارت کو فروغ حاصل ہو سکتا ہو۔ پاکستان کے معدنی وسائل کے جائزے لئے جائیں گے۔ نقل وحمل کے ذرائع کی ترقی کے منصوبے بنائیں گے بندرگاہیں تعمیر کی جائیں گی۔ صنعتی سرمایہ کاری کی کارپوریشن قائم کی جائے گی۔

یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو حضرت قائد اعظم نے سٹیٹ بنک آف پاکستان کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا:

متحدہ ہندوستان میں بنکاری غیر مسلموں کے گھر کی لونڈی بنی ہوئی تھی! چنانچہ ان کے

ترکِ پاکستان کے نتیجے میں ہمارے نوزائیدہ ملک کی اقتصادی زندگی میں خاصا خلا محسوس ہونے لگا اس مقصد کے لئے کہ کاروبار تجارت اور صنعت کی مشینری بدستور چلتی رہے یہ امر ازبس ضروری ہے کہ غیر مسلموں کے چلے جانے کے بعد اس میدان میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے اُسے بلا تاخیر پُر کر لیا جائے مجھے مسرّت ہوئی ہے کہ اس میدان میں بھی پاکستانیوں کی تربیت کی سکیمیں شروع ہو چکی ہیں میں ان سکیموں کا تمام تر مطالعہ جاری رکھوں گا اور مجھے پُوری اُمید ہے کہ سٹیٹ بنک آف پاکستان کو اس ضمن میں تمام متعلقہ اداروں کا جن میں بنک اور یونیورسٹیاں شامل ہیں پُورا تعاون حاصل ہوگا تاکہ یہ سکیمیں کامیاب رہیں۔ بینکاری ایک ایسا نیا میدان پیش کر رہی ہے جس میں ہمارے نوجوان پُورا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

مغرب کے اقتصادی نظام نے نوع انسانی کے لئے عجیب عجیب لاینحل مسئلے کھڑے کر دیئے ہیں اور ہم میں سے بہت سے یہ خدشہ محسوس کرتے ہیں کہ آنے والی تباہی کو شاید کوئی معجزہ ہی روک سکے گا کیونکہ اس نظام نے انسان کے ہاتھوں انسان کے ساتھ انصاف ختم کر دیا ہے اور بین الاقوامی فضا میں سے منافقت اور خلفشار کو بھی دُور کرنے میں ناکام ہو گیا ہے اس کے برعکس یہ نظام پہلے ہی نصف صدی کے اندر اندر دو عالمگیر جنگوں کا باعث بن چکا ہے۔ مغربی دنیا ہزار تکنیکی اور صنعتی ترقی کے دعوے کرے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس کی حالت اتنی کبھی زبوں اور خراب تر نہیں تھی جتنی کہ آج ہے۔ ہم نے یہ سرزمین ایک ایسا معاشرہ قائم کرنے کے لئے حاصل کی ہے جو ہر لحاظ سے مسرور اور مطمئن ہو مگر اقتصادی نظریات ہمیں یہ مقصد پُورا کرنے میں ہرگز کوئی مدد نہیں دے سکیں گے ہمیں اپنی تقدیر کو ایک بنانا ہے اور انسانی مساوات، معاشرتی انصاف اور اسلامی تصورات کے تحت دُنیا کے سامنے ایک مثالی اقتصادی نظام پیش کرنا ہے ہم ایسا کریں تو جبھی ہم بحیثیت داعیانِ اسلام اپنا صحیح مقام حاصل کر سکیں گے اور اسی طرح ہم دنیا کو ایسی امن دوستی کا پیغام پہنچا سکیں گے جس میں نوع انسانی کی فلاح و بہبود، خوشحالی اور ترقی کی راہیں کھلی ہوں۔

قائدِ اعظم کی خارجہ پالیسی

قائدِ اعظم محمد علی جناح پاکستان کی خارجہ پالیسی کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنا چاہتے تھے انہوں نے ملک کے لئے غیر جانبدار خارجہ پالیسی وضع کی اور مسلم ممالک کے ساتھ گہرے برادرانہ روابط قائم کئے۔ ۱۴ رجولائی ۱۹۴۷ء کو ایک پریس کانفرنس میں قائدِ اعظم نے پاکستان کی خارجہ پالیسی

کے بارے میں فرمایا کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی کی کلید یہ ہوگی کہ دُنیا کی تمام اقوام کے ساتھ انتہائی دوستانہ تعلقات قائم کئے جائیں ہم پوری دنیا میں امن کے خواہش مند ہیں اور عالمی امن قائم کرنے کے لئے اپنی استطاعت اور توفیق کے مطابق اپنے حصّے کا کردار خوش اسلوبی سے سرانجام دیں گے۔

قائداعظم نے خارجہ پالیسی کی بنیاد مندرجہ ذیل آٹھ اصُولوں پر رکھی تھی۔

(۱) عالمی امن، خوشحالی اور ترقی کو فروغ دے پاکستان فعال کردار ادا کرے۔

(۲) بڑی طاقتوں کی باہمی کش مکش میں شریک ہونے سے گریز کیا جائے۔

(۳) تمام محکوم قوموں کی جدوجہد آزادی میں ہر ممکن مدد دی جائے۔

(۴) عالمی مسائل، دیانت اور انصاف کے اصُولوں کے مطابق حل کئے جائیں۔

(۵) اقوام متحدہ کے اصُولوں کی بھرپور حمایت کی جائے۔

(۶) خارجہ پالیسی کے تعین میں جغرافیائی سیاسی تقاضوں کو مدِنظر رکھا جائے اور ہمسایہ ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات کے قیام کو ترجیح دی جائے۔

(۷) غیر ملکی امُور میں مداخلت سے گریز کیا جائے۔

(۸) تیسری دنیا کے ممالک کے مابین یکجہتی اور اتحاد کے لئے جدوجہد کی جائے۔

وفاتِ قائداعظمؒ

قیام پاکستان کے بعد حکومتِ پاکستان کا نظم و نسق چلانے کی تمام تر ذمہ داری بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے کندھوں پر آن پڑی چنانچہ انہوں نے پاکستان کی خوشحالی اور ترقی کے لئے شب و روز کام کیا جس کے نتیجے میں قائد کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی چنانچہ معالجین کے مشورے پر آرام کرنے کی غرض سے سرکاری اعلان کے مطابق ۲۵ مئی ۱۹۴۸ء کو کراچی سے کوئٹہ پہنچے وہاں سے انہیں زیارت لایا گیا اور چند روز کے بعد کراچی چلے گئے لیکن طبیعت خراب ہونے کی بناء پر ۵ رجولائی ۱۹۴۸ء کو حضرت قائداعظم کوئٹہ روانہ ہوئے پھر وہاں سے زیارت تشریف لے گئے۔ تقریباً ایک ماہ قیام کرنے کے بعد زیارت سے کوئٹہ کی جانب روانہ ہوئے۔ ۱۰ ستمبر کو ان کی حالت تشویشناک ہوگئی چنانچہ ڈاکٹروں کے مشورے سے انہیں کراچی لایا گیا۔ ۱۱ ستمبر کی رات کو ۱۰ بجکر ۲۵ منٹ پر وُہ اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے۔

۱۲ ستمبر کو علامہ شبیر احمد عثمانی نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اس موقع پر انہوں نے کہا کہ:

"برصغیر میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے بعد اتنا بڑا مسلمان پیدا نہیں ہوا، جس کے غیر متزلزل ایمان اور اٹل ارادے نے دس کروڑ شکست خوردہ افراد کی مایوسیوں کو کامرانیوں میں بدل دیا۔"

وزیر اعظم نوابزادہ لیاقت علی خاں کا عہدِ حکومت

(۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء - ۱۶ر اکتوبر ۱۹۵۱ء)

نوابزادہ لیاقت علی خاں پرانے پارلیمنٹرین تھے اور تقسیم سے قبل بھی وزارتی عہدہ پر فائز رہ چکے تھے تقسیم کے بعد وزیر اعظم کی حیثیت سے انہوں نے خود کو بہت اچھا منتظم اور سیاسی مدبر ثابت کیا۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح بھی ان کے فہم و فراست سے متاثر تھے اور متعدد بار انہیں خراجِ تحسین پیش کر چکے تھے۔ عوام و خواص کو ان سے محبت تھی نیز ان کی کابینہ کو ان پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ پارلیمانی طرزِ حکومت میں چونکہ اختیارات وزیر اعظم کے پاس ہوتے ہیں اس لئے انہوں نے پاکستان میں جمہوریت کو فروغ دینے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ ہو سکتا ہے کہ بعض سیاست دانوں کو ان کی چند حکمت عملیوں جیسے کشمیر میں جنگ بندی، کشمیر کے مسئلے کو اقوامِ متحدہ میں پیش کرنا اور روس کی دعوت کو ٹھکرا کر امریکہ کی دعوت قبول کرنے سے اتفاق نہ ہو تاہم انہوں نے ملکی تعمیر و ترقی میں شب و روز محنت کی اور کچھ ایسے کام بھی کئے جن کے لئے قوم ہمیشہ کے لئے ان کی احسان مند رہے گی مثلاً صنعتوں کو فروغ دینے کے لئے انہوں نے روپے کی قیمت کم کرنے سے انکار کر دیا اور بھارت کا تجارتی مقاطعہ کرنے کے باوجود ملکی معیشت اور تجارت کو بحال رکھا۔ بالآخر بھارت کو ان کا فیصلہ تسلیم کرنا پڑا۔

۱۹۵۱ء کی دوسری سہ ماہی (۱۶ر جولائی ۱۹۵۱ء) میں جب بھارت نے پاکستان کی سرحدوں پر فوجیں جمع کر کے پاکستان کو طاقت کے بل بوتے پر مرعوب کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے اپنا "مکا" دکھا کر قوم کے دفاعی عزم کا اظہار کیا بعد میں یہی مکا پاکستان کے عزم و ہمت اور دفاع کا قومی نشان بن گیا جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے اس بروقت اقدام سے اہلِ پاکستان ایک بڑی جنگ سے محفوظ ہو گئے۔

ملک کو اسلامی جمہوریت کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے ان کی کوششوں سے دستور ساز اسمبلی میں قرار دادِ مقاصد منظور کی گئی۔ تاکہ اس کے ذریعے پاکستانی عوام اپنی زندگی کے ہر شعبے

میں اسلامی اصولوں کو اپنا سکیں (قرار داد مقاصد کا پورا متن اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں)۔

قرار داد مقاصد کی منظوری کے بعد پاکستان کے عوام نے پُرجوش انداز میں اس کا خیر مقدم کیا کیوں کہ یہ قرار داد صحیح معنوں میں پاکستانی عوام کے جذبات کی ترجمان اور ان خوابوں کی تعبیر تھی جو اہلِ پاکستان نے وطنِ عزیز کے حصول سے پیشتر دیکھے تھے۔

اس قرار داد میں پاکستان کے آئین کو جمہوریت کے اسلامی نظریہ کے مطابق ڈھالنے کے عزم کا اظہار کیا گیا تھا۔

وزیر اعظم پاکستان کی جانب سے اقلیتی معاہدہ بھی ایک اہم کارنامہ ہے اس معاہدے کے ذریعے دونوں ملکوں کے درمیان جنگ کا خطرہ ٹل گیا۔ نیز وزیر اعظم کے اس دانشمندانہ اور بروقت اقدام سے دونوں ممالک مختصر مدت کے لئے ایک تجارتی معاہدے اور اس کے بعد بین المملکتی ریلوے معاہدے پر رضامند ہو گئے۔ منقولہ املاک کے بارے میں بھی ایک معاہدہ طے کیا گیا جو دونوں ملکوں کے عوام کے لئے نفع بخش ثابت ہوا۔

ان تمام امور کے باوجود کشمیر میں جنگ کی سی صورت حال رہی اور ۱۹۴۹ء میں بمشکل جنگ بندی سے علاقے میں امن دامان کی صورتِ حال بحال ہو سکی۔

وزیرِ اعظم نے ۱۹۵۰ء میں امریکہ کا دورہ کیا جس کے نتیجے میں دونوں ملکوں کے تعلقات استوار کرنے میں بڑی مدد ملی۔ مجموعی لحاظ سے وزیر اعظم لیاقت علی خاں کا دور بہتر رہا۔

حالات لیاقت علی خاں

نوابزادہ لیاقت علی خاں یکم اکتوبر ۱۸۹۵ء کو کرنال کے ایک متمول گھرانے میں پیدا ہوئے۔ وہ خان رکن الدولہ شمشیر جنگ نواب رستم علی خاں کے دوسرے صاحبزادے تھے۔

ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد ایم اے او کالج علی گڑھ میں داخلہ لیا ۱۹۱۸ء میں بی اے کیا اور اعلیٰ تعلیم کے لئے آکسفورڈ چلے گئے جہاں سے انہوں نے قانون کی ڈگری لی۔ قیامِ انگلستان کے دوران میں انہوں نے سیاسیات میں گہری دلچسپی لی اور ہندوستان سوسائٹی کے خزانچی منتخب ہوئے۔

انگلستان سے واپسی کے بعد یو پی میں رہائش اختیار کی ۱۹۲۲ء میں آل انڈیا مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی ۱۹۲۶ء میں یو پی اسمبلی کے انتخابات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے اور ۱۴ سال تک اسی اسمبلی سے وابستہ رہے۔

۱۹۳۷ء میں کل ہند مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے اور شبانہ روز محنت کر کے سارے ہندوستان میں اپنی قابلیت کی دھاک بٹھا دی۔ قوم کے ہر فرد نے اُن کی خدمات کو سراہا۔ حضرت قائدِاعظم تو اُن سے اس قدر متاثر تھے کہ انہیں اپنا دستِ راست کہا کرتے تھے۔

۱۹۴۰ء میں مرکزی اسمبلی کے رکن اور بعدازاں مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے ڈپٹی لیڈر چنے گئے۔ قیام پاکستان کی تحریک میں بھی قائدِاعظم کا ہاتھ بٹایا۔

۱۹۴۵ء میں شملہ کانفرنس میں مسلم لیگ کے نمائندے کی حیثیت سے شرکت کی،
۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ نے جب ہندوستان کی عارضی حکومت میں شریک ہونے کا فیصلہ کیا تو انہیں وزارتِ خزانہ کا قلمدان سونپا گیا وہ اس اعتبار سے پہلے ہندستانی تھے جنہوں نے برطانوی عہد میں ہندوستان کا میزانیہ پیش کیا ان کے میزانیے پر کانگریس اور ہندوستان کے بڑے بڑے سرمایہ دار جزبز ہوئے اور انہوں نے اس میزانیے کو غریب آدمی کے میزانیہ کے نام سے تعبیر کیا۔

قیامِ پاکستان پر ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے پہلے وزیرِاعظم کی حیثیت سے عہدہ سنبھالا۔ ۸ر اکتوبر ۱۹۵۰ء کو آل پاکستان مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔

وزارتِ عظمیٰ کے دوران انہوں نے پاکستانی عوام کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا اور شبانہ روز محنت سے عوام کے دل موہ لئے، پاکستانی عوام قائدِ ملت کا یہ احسان کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔

۱۶ر اکتوبر ۱۹۵۱ء کو وہ راولپنڈی کے کمپنی باغ (لیاقت باغ) میں تقریر کرنے کے لئے اُٹھے اور ابھی انہوں نے تعارفی جملہ ہی کہا تھا کہ سید اکبر نامی پٹھان نے پے درپے دو گولیاں چلائیں اور وہ وہیں شہید ہو گئے۔ ۱۷ر اکتوبر کو اُن کا جسدِ خاکی فوجی اعزاز کے ساتھ کراچی میں قائدِاعظم کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

آئینی پیش رفت

بنیادی اُصولوں کی مجلس (BASIC PRINCIPLES COMMITTEE)

پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے ۱۲ر مارچ ۱۹۴۹ء کو ایک قرارداد (قراردادِ مقاصد) منظور کی جس کی روشنی میں ایک چوبیس رکنی مجلس تشکیل دی گئی اس مجلس کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ

وُہ قرار داد مقاصد کی روشنی میں ملک کے آئندہ دستور کے لئے اپنی سفارشات مرتب کرے۔ یہ قرار داد نوابزادہ لیاقت علی خاں نے پیش کی تھی۔

دستور سازی کے کام کو سہل بنانے کے لئے بنیادی اصُولوں کی مجلس نے ایک اور مجلس جسے (Steering Committee) کا نام دیا گیا قائم کی۔ اس مجلس نے بُنیادی اصُولوں کی مجلس کی رسائی، فرائض منصبی اور طریق کار کے بارے میں ایک بیانیے میں یہ سفارشات پیش کیں کہ اس ضمن میں مندرجہ ذیل تین ذیلی مجالس قائم کی جائیں۔

(الف) ذیلی مجلس برائے وفاقی وصوبائی امُور اور تقسیم اختیارات

Sub-Committee on Federal and Provincial Constitutions & Distribution of Power

(ب) ذیلی مجلس برائے حق رائے دہی (Sub Committe On Franchise)

(ج) ذیلی مجلس برائے عدلیہ (Sub-Committee On Judiciary)

پہلا عبوری بیانیہ

ذیلی مجالس نے پورے ملک کا دورہ کیا اور ماہرین سے اس ضمن میں رائے طلب کی ان کی روشنی میں بنیادی اصُولوں کی مجلس نے ۲۸ ستمبر ۱۹۵۰ء کو دستور ساز اسمبلی میں پہلا عبوری بیانیہ پیش کیا جس میں یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ پاکستان میں وفاقی طرزِ حکومت قائم کیا جائے نیز پانچ پانچ سال کی مدّت کے لئے دو ایوانی (ایوانِ بالا اور ایوانِ زریں) مقننہ عمل میں لائی جائیں۔ ایوانِ بالا میں تمام صوبوں کو مساوی نمائندگی کا حق دیا جائے جب کہ ایوانِ زریں عوام کے منتخب نمائندوں پر مشتمل ہو۔ صوبوں کے لئے ایک ایک مقننہ ہو۔ بیانیے میں قانون سازی کے اختیارات مرکز اور صوبوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔

بیانیے پر غور و خوض کرنے کے لئے یہ کام ملتوی کر دیا گیا تاکہ عوام کو اپنی آراء اور تجاویز بھیجنے کا پُورا پُورا حق دیا جا سکے۔ اس کے لئے ۳۱ جنوری ۱۹۵۱ء آخری تاریخ مقرر کی گئی۔

قرار داد مقاصد ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے قرار داد مقاصد منظور کی۔ اس قرار داد کا متن حسبِ ذیل ہے۔

۱- اللہ تعالیٰ کل کائنات کا بلاشرکتِ غیرے حاکم مطلق ہے اور اسی نے جمہور کی وساطت سے مملکتِ پاکستان کو اختیارِ حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لئے نیابتاً عطا فرمائے ہیں۔ چونکہ یہ اختیارِ حکمرانی ایک مقدس امانت ہے جس کی رُو سے مملکت جملہ حقوق و اختیارات حکمرانی جمہور کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے سے استعمال کرے گی۔

۲- جس کی رُو سے اصُول جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری، عدل اور عمرانی کو جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے۔ پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے گا جس کی رُو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وُہ انفرادی اور اجتماعی طور پر خود کو اسلامی تعلیمات کے مطابق جو قرآن اور سُنتِ رسُولؐ میں متعین ہیں تربیت دے سکیں۔

۳- جس کی رُو سے اس امر کا قرار واقعی انتظام کیا جائے کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی عقیدوں پر قائم رہ سکیں اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔

۴- جس کی رُو سے وُہ علاقے، جو اب پاکستان میں داخل ہیں یا شامل ہو گئے ہیں، اور ایسے دیگر علاقے جو آئندہ پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں، ایک وفاقیہ بنائیں گے جس کے ارکان مقرر کردہ حدود و اربعہ و متعینہ اختیارات کے ماتحت آزاد ہوں گے۔ جس کی رُو سے بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے اور ان حقوق میں قانون اور اخلاق عامہ کے ماتحت مساوات قانون کی نظر میں برابری، عمرانی، اقتصادی اور سیاسی عدل، اظہار خیال، عقیدہ، دین، عبادت اور ارتباط کی آزادی شامل ہے۔

۵- جس کی رُو سے اقلیتوں اور پس ماندہ و پست طبقوں کے جائز حقوق کے تحفظ کا انتظام کیا جائے جس کی رُو سے نظامِ عدل کی آزادی کامل طور پر محفوظ ہو۔

۶- جس کی رُو سے وفاقیہ کے علاقوں کی ضمانت اور اس کی آزادی اور اس کے جُملہ حقوق کا جن میں بر و بحر اور فضا پر سیادت کے حقوق شامل ہیں، تحفظ کیا جائے۔

۷- تاکہ پاکستان کے عوام فلاح و خوش حالی کی زندگی بسر کر سکیں۔ وہ اقوام عالم کی میں اپنا جائز اور ممتاز مقام حاصل کر سکیں اور امن عالم کے قیام اور بنی نوع انسان کی و بہبود میں اضافہ کر سکیں۔

۸- اس قرار داد کو مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) کے ہندو اراکین کے سوا سب نے قبول کر لیا۔ ہندو اراکین کا کہنا تھا کہ اب جب کہ پاکستان بن گیا ہے مذہب پر اصرار

کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے پاکستان کو لادینی حکومت قرار دیا جائے۔ پاکستان کا وجود اس کی سب سے بڑی تردید تھا اس لئے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے ارکان کی بھاری اکثریت نے ان کے اعتراض کو رد کر دیا اور قرار داد بھاری اکثریت سے منظور کر لی گئی۔

تاریخ پاکستان میں ہر دور میں اس قرار داد کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۸۵ء میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے اسے آئین کا حصہ بنا دیا بلاشبہ لیاقت علی خاں کا یہ عظیم کارنامہ ہے۔

۱۲ر مارچ ۱۹۴۹ء کو اسمبلی میں قرار داد مقاصد پیش کرتے ہوئے وزیر اعظم لیاقت علیخاں نے ایک یادگار تقریر کی تھی جس کا ایک اقتباس یہ ہے انہوں نے فرمایا:

"جناب والا! میں آج کے دن کو اس ملک کی زندگی کا اہم ترین دن سمجھتا ہوں۔ اس دن پر اگر کسی اور دن کو فوقیت حاصل ہے تو صرف یوم آزادی کو اور آزادی کا مطلب بھی یہی تھا کہ ہمیں ایک ایسا موقع ملا ہے کہ ہم وطنِ عزیز اور اس کے سیاسی نظام کی تعمیر اپنے نظریات اور مقاصد کے مطابق کر سکیں اور جناب والا! میں ایوان کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اس موضوع پر بابائے قوم قائدِ اعظم کئی مرتبہ اظہارِ خیال کر چکے ہیں اور پوری قوم ان کے ان خیالات کی واضح طور پر تائید کر چکی ہے۔ قائدِ اعظم نے فرمایا تھا کہ قیام پاکستان اس لئے ضروری ہے کہ برصغیر کے مسلمان اسلام کی تعلیمات اور روایات کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں اور وہ پوری دنیا پر واضح کر سکیں کہ آج بھی اسلام ان تمام بیماریوں کے لئے تریاق کا درجہ رکھتا ہے جو بنی نوع انسان کو لاحق ہو چکی ہیں۔

لہٰذا جنابِ والا! آپ دیکھیں گے کہ قرار داد مقاصد کے ابتدائیے میں اس حقیقت کا واضح طور پر یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ تمام حاکمیت احکام خداوندی کے تابع ہونی چاہیئے اور ہم پاکستان کے عوام اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ ہر قسم کی حاکمیت اسلام کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق استعمال کی جانی چاہیئے تاکہ اس حاکمیت کا غلط استعمال نہ ہو سکے یہ حاکمیت درحقیقت ایک مقدس امانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہے تاکہ ہم اس کے بندوں کی خدمت کے لئے استعمال کر سکیں۔

اسلامی آئین کی تدوین کے سلسلے میں علماء کے بائیس ۲۲ نکات

پاکستان کے آئین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے ۱۲ تا ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ بمطابق ۲۱ تا ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء کراچی میں مولانا سید سلیمان ندوی کی صدارت میں جید علماء کا ایک اجتماع ہوا جس میں مندرجہ ذیل علماء کرام نے شرکت کی۔

(۱) علامہ سید سلیمان ندوی (۲) مولانا شمس الحق افغانی
(۳) مولانا محمد بدر عالم (۴) مولانا احتشام الحق تھانوی۔
(۵) مولانا محمد عبدالحامد بدایونی (۶) مولانا مفتی محمد شفیع (کراچی)
(۷) مولانا محمد ادریس کاندھلوی (۸) مولانا خیر محمد صاحب (ملتان)
(۹) مولانا مفتی محمد حسن جامعہ اشرفیہ لاہور (۱۰) پیر محمد امین الحسنات مانکی شریف
(۱۱) مولانا محمد یوسف بنوری (کراچی) (۱۲) حاجی خادم الاسلام خلیفہ حاجی ترنگ زئی۔
(۱۳) قاضی عبدالصمد صاحب سربازی بلوچستان (۱۴) مولانا اطہر علی (مشرقی پاکستان)
(۱۵) مولانا ابوجعفر محمد صالح (مشرقی پاکستان) (۱۶) مولانا راغب احسن (مشرقی پاکستان)
(۱۷) مولانا محمد حبیب الرحمٰن (مشرقی پاکستان) (۱۸) مولانا محمد علی جالندھری ملتان
(۱۹) مولانا داؤد غزنوی (۲۰) مفتی جعفر حسین (شیعہ حضرات سے)
(۲۱) مفتی کفایت حسین مجتہد شیعہ (۲۲) مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہ اہلحدیث
(۲۳) مولانا حبیب اللہ ظہیری خیرپور (۲۴) مولانا احمد علی انجمن خدام الدین لاہور
(۲۵) مولانا محمد صادق مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ (۲۶) پروفیسر عبدالخالق۔
(۲۷) مولانا شمس الدین فرید پوری مشرقی پاکستان (۲۸) مفتی محمد صاحب داد (کراچی)
(۲۹) پیر محمد ہاشم مجددی (سندھ) (۳۰) سید ابوالاعلیٰ مودودی۔
(۳۱) محمد ظفر احمد انصاری۔

یہ نکات پاکستان کے جید علماء اور تمام اسلامی فرقوں کے نمائندگان نے مرتب کر کے دستور پاکستان کی اساس بنانے کے لئے پیش کئے تھے۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے رب العالمین ہے۔

(۲) ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہوگا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جا سکے گا۔

نہ کوئی ایسا حکم دیا جا سکے گا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

(تشریحی نوٹ) اگر ملک میں پہلے سے کچھ ایسے قوانین جاری ہوں جو کتاب و سنت کے خلاف ہوں تو اس کی تصریح بھی ضروری ہے کہ وُہ بتدریج ایک معینہ مدت کے اندر ممنوع یا شریعت کے مطابق تبدیل کر دیئے جائیں گے۔

(۳) مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ ان اصُول اور مقاصد پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہُوا ضابطہ حیات ہے۔

(۴) اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ کتاب و سُنّت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے منکرات کو مٹائے اور شعائرِ اسلام کے احیاء اعلاء اور متعلقہ اسلامی فرقوں کے لئے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

(۵) اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وُہ مسلمانانِ عالم کے رشتۂ اتحاد و اخوّت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی، لسانی، علاقائی یا دیگر مادری امتیازات کے اُبھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملتِ اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔

(۶) مملکت بلا امتیاز مذہب و نسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور قیام کی کفیل ہوگی جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگار ہوں، بیماری یا دُوسرے وجوہ سے فی الحال سعی اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

(۷) باشندگان ملک کو وُہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعتِ اسلامیہ نے ان کو عطا کئے ہیں یعنی حدود قانون کے اندر تحفظ جان و مال و آبرو، آزادئ مذہب و مسلک، آزادئ عبادت، آزادئ ذات، آزادئ اظہارِ رائے، آزادئ نقل و حرکت، آزادئ اجتماع، آزادئ اکتسابِ رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی ادارت سے استفادے کا حق۔

(۸) مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سندِ جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع صفائی و فیصلہ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

(۹) مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود قانون کے اندر پُوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔ وُہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ ان کے قاضی یہ یہ فیصلے کریں گے۔

(۱۰) غیر مسلم باشندگان مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب وعبادت، تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پُوری آزادی ہوگی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم رواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

(۱۱) غیر مسلم باشندگان مملکت سے حدودِ شریعت کے اندر جو معاہدات کئے گئے ہیں، ان کی پابندی لازمی ہوگی اور جن حقوق شہری کا ذکر دفعہ نمبر ۷ میں کیا گیا ہے ان میں غیر مسلم باشندگانِ ملک برابر کے شریک ہوں گے۔

(۱۲) رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کے تدین، صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہور یا ان کے مختلف نمائندوں کو اعتماد ہو۔

(۱۳) رئیس مملکت ہی نظم مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا البتہ وُہ اپنے اختیارات کا کوئی جزو کسی فرد یا جماعت کو تفویض کر سکتا ہے۔

(۱۴) رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی یعنی وُہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگان جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے سکتا ہے۔

(۱۵) رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وُہ دستور کو کلاً یا جزواً معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

(۱۶) جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی وُہ کثرت آرا سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

(۱۷) رئیس مملکت شہری حقوق میں عامتہ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہوگا۔

(۱۸) ارکان و عمال حکومت اور عام شہریوں کے لئے ایسا ہی قانون و ضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

(۱۹) محکمہ عدلیہ، محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہوگا تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئت انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو۔

(۲۰) ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ واشاعت ممنوع ہوگی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول ومبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

(۲۱) ملک کے مختلف ولایات واقطاع مملکت واحدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے۔ ان کی حیثیت نسلی، لسانی یا قبائلی وحدہ جات کی نہیں بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہوگی جنہیں انتظامی اختیارات کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

(۲۲) دستور کی کوئی ایسی تدبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب وسُنّت کے خلاف ہو۔

متروکہ جائیدادوں کا مسئلہ

تقسیم کے فوراً بعد پاکستان اور بھارت دونوں کے لئے ضروری ہوگیا کہ تارکانِ وطن کی جائیدادوں کی دیکھ بھال کے لئے مناسب اقدام کیا جائے چنانچہ مشرقی پنجاب اور مغربی پنجاب کی حکومتوں نے اپنے اپنے صوبوں میں متروکہ جائداد کے کسٹوڈین کی تقرری کے لئے قوانین نافذ کئے۔

دسمبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان اور بھارت کے نمائندوں کی ایک کانفرنس میں دونوں حکومتوں نے اس اصُول کو تسلیم کیا کہ جائداد منقولہ ہو یا غیر منقولہ اس شخص کی ملکیت رہے گی جو ترکِ وطن سے قبل اس کا مالک تھا جنوری ۱۹۴۹ء میں دونوں ملکوں کے مابین ایک معاہدہ طے پایا جس میں متروکہ جائدادوں کے انتظام سے متعلق چند موٹے موٹے اصُولوں کے علاوہ زرعی املاک سے متعلق ان شرائط کا اطلاق بھی تسلیم کیا گیا۔

۱۔ پاکستان میں ——— مغربی پاکستان کے تمام صوبے اور الحاق شدہ ریاستیں۔

۲۔ ہندوستان میں ——— مشرقی پنجاب، دہلی اور ہماچل پردیش کے صوبے اور مشرقی پنجاب کی ریاستیں اور بھرت پور، الور اور بیکانیر کی ریاستیں۔

غیر منقولہ شہری متروکہ جائداد کے ضمن میں یہ معاہدہ طے پایا کہ معاہدے کی دفعات کا اطلاق زرعی جائداد کے تسلیم شدہ علاقوں کے علاوہ چند اور علاقوں پر بھی ہوگا۔ جہاں سے فسادات کی وجہ سے بڑے پیمانے پر تیزی کے ساتھ مسلمانوں نے ہجرت کی۔

مئی ۱۹۴۹ء میں بمبئی کی حکومت نے پاکستان کو مطلع کئے بغیر صوبہ بمبئی میں جو تسلیم شدہ

علاقوں میں شامل نہیں تھا ایک ایکٹ نافذ کیا۔ جس کی رُو سے پاکستان چلے آنے والے یا تارکانِ وطن کی تعریف میں آنے والے مسلمانوں کی جائداد پر قبضہ کرنے کے لئے ایک کسٹوڈین مقرر کیا گیا۔ جون ۱۹۴۹ء میں حکومت بھارت نے حکومت پاکستان کو ایک آرڈی ننس کا مسودہ بھیجا جو حکومتِ بھارت مرکزی حکومت کے زیرِ انتظام علاقوں میں نافذ کرنا چاہتی تھی اور جس نے بعد میں دُوسرے صوبے میں اس قسم کے قوانین کے لئے مثال کا کام دیا۔

اکتوبر ۱۹۴۹ء میں حکومت بھارت نے ایک اور آرڈی ننس جاری کیا جو کئی اعتبار سے اپنے پیش رو آرڈی ننس سے زیادہ سخت تھا جس میں بھارت کے مسلمانوں کو ایذا دینے کے لئے ایک نئی اصطلاح ترکِ وطن کا ارادہ کرنے والے اختراع کی گئی۔

۲۶ رجون ۱۹۵۰ کو نئی دہلی میں متروکہ جائدادوں کے سوال پر غور کرنے کے لئے دونوں ملکوں کی کانفرنس شروع ہوئی جو ۲۸ رجون ۱۹۵۰ء کو تارکینِ وطن کی منقولہ جائدادوں سے متعلق سمجھوتے پر منتج ہوئی۔

نیشنل بنک آف پاکستان کا قیام

۸ رنومبر ۱۹۴۹ء کو گورنر جنرل پاکستان خواجہ ناظم الدین نے نیشنل بنک آف پاکستان کے قیام کے سلسلے میں آرڈی ننس جاری کیا۔ وزارتِ مالیات نے بنک کے بارے میں جو اعلان جاری کیا اُس میں کہا گیا تھا کہ یہ ملک بنک کی تجارتی حالت کے اصلاح کے لئے قائم کیا جا رہا ہے اس وقت ملک کی تجارتی ترقی کے لئے کوئی بنک موجود نہیں جو تاجروں کے لئے فوری امداد دے سکے۔ لہٰذا حکومتِ پاکستان نے اس بنک کو قائم کرنے کا فیصلہ کیا، تاکہ ملک کی تجارتی حالت مضبوط ہو سکے۔ اس بنک کو نومبر ۱۹۵۰ء میں قائم کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔

پیرودڈا

۱۹۴۹ء میں دستور ساز اسمبلی نے پیرودڈا کا قانون منظور کیا۔ اس قانون کا اصل مقصد یہ تھا کہ وزراء بدعنوانیوں کا ارتکاب نہ کریں نیز اس کے قانون کے ذریعے اربابِ اختیار کی طرف سے اختیارات کے ناجائز استعمال میں بھی رکاوٹ ڈالی گئی تھی۔

پاکستانی سکے کی قیمت میں کمی نہ کرنے کا فیصلہ

ستمبر ۱۹۴۹ء میں برطانوی حکومت

نے پونڈ اسٹرلنگ کی قیمت میں تخفیف کردی جس سے پوری دنیا کی معاشی حالت انتہائی ابتر ہوگئی۔ لیکن پاکستان نے اپنے سکّے کی قیمت بحال رکھنے کا فیصلہ کیا نیز اسٹرلنگ کی قیمت کم ہوجانے کے بعد کھلی تجارت کا عام اجازت نامہ ختم کردیا گیا۔ بھارت نے بھی اپنے سکّے کی قیمت گرا دی اس طرح اس کے ساتھ تجارتی جمود پیدا ہوگیا۔ کیونکہ اس نے پاکستان کے سکّے کی شرح کو قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔ یہ جمود سات ماہ تک جاری رہا بالآخر وزیر اعظم پاکستان نوابزادہ لیاقت علی خاں کی دانشمندانہ قیادت اور سیاسی تدبّر کی بناء پر یہ مسئلہ حل ہوگیا اور دونوں حکومتیں اپریل ۱۹۵۰ء میں تین ماہ کے لئے ایک تجارتی معاہدے پر متفق ہوگئیں۔ اِس طرح بھارت کو پاکستان کا فیصلہ قبول کرنا پڑا اور یہ عارضی بحران عمدہ طریقے سے ختم ہوگیا۔

پاک و ہند اقلیتی معاہدہ

۱۹۵۰ء کے آغاز میں بھارت کے مختلف حصّوں میں پھر فرقہ وارانہ فسادات شروع ہوگئے ان میں مغربی بنگال سب سے زیادہ متاثر ہُوا اس کا اثر مشرقی بنگال (اب بنگلہ دیش) پر بھی پڑا، لیکن صوبائی اور مرکزی حکومت کے سخت اقدام کی وجہ سے اگرچہ صورت حال پر جلد قابو پالیا گیا تاہم دونوں علاقوں کے عوام کے اندر خوف و ہراس پیدا ہوچکا تھا۔ اور ۱۹۴۷ء کی طرح بڑے پیمانے پر ہجرت شروع ہوگئی تھی۔ بھارتی اخبارات نے تو یہاں تک لکھنا شروع کردیا کہ پاکستان کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا جائے اور دونوں بنگالوں کو جبریہ طور پر متحد کیا جائے۔

جنوری ۱۹۵۰ء میں بھارتی وزیر اعظم پنڈت جواہرلال نہرو نے یہ تجویز پیش کی کہ دونوں حکومتوں کو مشترکہ طور پر یہ اعلان کردینا چاہیئے کہ ہم اپنے باہمی اختلافات کے تصفیے کے لئے باہم جنگ نہیں کریں گے۔ وزیر اعظم پاکستان نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور اہم تر مسائل طے کرنے کے لئے کچھ ٹھوس تجاویز پیش کیں۔ دونوں وزراء اعظم کی ملاقات اپریل کے اوائل میں نئی دہلی میں ہوئی جس کا نتیجہ اقلیتی معاہدہ کی صورت میں نمودار ہوا۔ اس معاہدے پر ۸ اپریل ۱۹۵۰ء کو وزیر اعظم پاکستان جناب لیاقت علی خاں اور بھارتی وزیر اعظم پنڈت نہرو نے دستخط کئے۔ اس معاہدے میں دونوں مملکتوں کی اقلیتوں کے جان و مال، تہذیب و تمدن اور بنیادی حقوق کے مکمل تحفظ کے لئے طریق کار مقرر کیا گیا۔ عوام میں اعتماد بحال کرنے کے لئے دونوں حکومتوں نے اپنا ایک ایک وزیر مقرر کیا تاکہ وُہ متاثرہ علاقوں میں مقیم رہے دونوں حکومتوں نے اس بات پر بھی اتفاق کیا کہ مشرقی بنگال، مغربی بنگال اور آسام

کی وزارتوں میں اقلیتوں کا ایک ایک نمائندہ شامل کیا جائے۔ اس معاہدے کی رُو سے فرقہ وارانہ تشدد، مخالفانہ پروپیگنڈے اور اس پروپیگنڈے کی بھی روک تھام کی گئی جو کسی علاقے کی سالمیت کے خلاف ہو۔ اس میں متروکہ املاک کے متعلق انخلاء کنندگان کا حق ملکیت وفروختگی، انتقال اور تبادلہ کو بھی تسلیم کیا گیا۔

پاکستان بھر میں اس معاہدے کا خیر مقدم کیا گیا اور اس معاہدے کی وجہ سے بھارت و پاکستان کے تعلقات بڑی حد تک سازگار ہو گئے۔

حقیقتاً یہ معاہدہ قائدِ ملت نوابزادہ لیاقت علی خاں کی سیاسی حکمتِ عملی کا عظیم شاہکار تھا۔

وزیرِ اعظم پاکستان کا دورۂ امریکہ

۱۹۴۹ء کے اوائل میں وزیرِ اعظم پاکستان نوابزادہ لیاقت علی خاں کو رُوس کی جانب سے ماسکو آنے کی دعوت دی گئی جسے وزیرِ اعظم نے قبول کر لیا، لیکن بوجوہ وزیرِ اعظم روس کا دورہ نہ کر سکے اور امریکہ کے صدر ٹرومین کی دعوت پر ۳ رمئی ۱۹۵۰ء کو اپنی اہلیہ کے ہمراہ امریکہ کے دورہ پر گئے۔ وزیرِ اعظم نے وہاں دو ماہ تک قیام کیا اور اس دوران میں متعدد اہم اجتماعات میں امریکی عوام کو پاکستان کے صحیح حالات اور اس کی مشکلات سے آگاہ کیا اور اپنے بیانات اور تقاریر کے ذریعہ اُن پر اسلامی جمہوریت کی بنیادیں اور اصول واضح کئے جن کی اساس پر مملکتِ پاکستان کا آئندہ آئین تیار ہونا تھا۔ وزیرِ اعظم نے کانگریس کے دونوں ایوانوں میں تقاریر بھی کیں اور فنی، سائنسی اور تعلیمی اداروں کا معائنہ کیا۔ اس دورے سے سب سے زیادہ فائدہ یہ ہُوا کہ امریکی عوام پاکستان سے اچھی طرح روشناس ہو گئے اس سے قبل انہیں یا تو پاکستان کے متعلق کچھ علم نہ تھا اگر تھا تو برائے نام۔

وزیرِ اعظم کی اہلیہ نے بھی امریکی عورتوں کو پاکستانی عورتوں کی اہمیت سے آگاہ کیا۔

وزیرِ اعظم نے اس دورے میں مختلف امریکی تاجروں، صنعت کاروں کے ساتھ پاکستان کی صنعتی اور زراعتی ترقی میں اہم کردار ادا کرنے سے متعلق مذاکرات کئے۔ دورۂ امریکہ کے دوران کولمبیا یونیورسٹی نے ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے ۸ رمئی ۱۹۵۰ء کو ڈاکٹر آف لاز کی اعزازی ڈگری دی۔

آزاد کشمیر اور پاکستان کا پہلا باہمی معاہدہ

۱۹۴۹ء میں جنگ بندی کے فوراً بعد پاکستان اور آزاد کشمیر کے درمیان باقاعدہ تحریری معاہدہ طے پایا اس معاہدے پر پاکستان کی جانب سے نواب مشتاق احمد گورمانی (وزیر بے محکمہ) اور آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی طرف سے قائد کشمیر چودھری غلام عباس اور سردار محمد ابراہیم نے دستخط کئے۔

حکومت پاکستان کا دائرہ کار

۱۔ دفاع (۲) آزاد کشمیر کی خارجہ پالیسی (۳) بیرون پاکستان اور پاکستان میں پبلسٹی (۴) مہاجرین کی امداد اور آبادکاری کے انتظامات کی ترتیب۔

(۵) رائے شماری کے سلسلے میں پبلسٹی کی ترتیب۔

(۶) کشمیر کے سلسلے میں پاکستان میں تمام سرگرمیاں۔

(۷) مثلاً غلہ حاصل کرنا، سول سپلائز، ٹرانسپورٹ، مہاجرین کے کیمپوں کو چلانا اور طبی امداد۔

(۸) گلگت و لداخ کے تمام معاملات پولیٹیکل ایجنٹ کے کنٹرول میں ہیں۔

حکومت آزاد کشمیر کا دائرہ کار

۱۔ آزاد کشمیر کے علاقے کے نظم و نسق کی پالیسی۔
۲۔ آزاد کشمیر کے علاقے میں نظم و نسق کی دیکھ بھال۔
۳۔ آزاد کشمیر حکومت اور انتظامیہ کے سلسلے میں پالیسی۔
۴۔ وزیر بے محکمہ کو اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہند و پاک کے سلسلے میں مشورہ دینا۔
۵۔ آزاد کشمیر کے علاقے کے اقتصادی ذرائع کی ترقی۔

مسلم کانفرنس کا دائرہ کار

۱۔ آزاد کشمیر کے علاقے میں پبلسٹی۔
۲۔ مقبوضہ کشمیر کے بارے میں فیلڈ پبلسٹی۔
۳۔ آزاد کشمیر کے علاقے میں سیاسی سرگرمیاں۔
۴۔ رائے شماری کے لئے تنظیم۔
۵۔ رائے شماری میں ابتدائی انتظامات۔

۶- پاکستان میں کشمیری مہاجرین میں سیاسی کام اور پبلسٹی۔
۷- وزیر بے محکمہ کو کمیشن برائے ہندو پاک سے بات چیت کے سلسلے میں مشورہ دینا۔

دستخط	دستخط	دستخط
ایم اے گورمانی	غلام عباس	محمد ابراہیم خاں
وزیر بے محکمہ مرکزی حکومت	صدر آل جموں وکشمیر	صدر حکومت
	مسلم کانفرنس	آزاد جموں وکشمیر

راولپنڈی سازش کیس

۲۳ر فروری ۱۹۵۱ء کو پاکستان کی بری فوج کے چیف آف جنرل اسٹاف میجر جنرل محمد اکبر خاں (نشانِ امتیاز) کی اقامت گاہ پر فوجی افسروں کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں کشمیر پر بھارت کے ناجائز قبضے اور جنگ بندی پر بحث ہوئی۔ لیکن اس کے برعکس ۹ر مارچ ۱۹۵۱ء کو وزیر اعظم پاکستان نوابزادہ لیاقت علی خاں نے اس ضمن میں جو بیان جاری کیا اُس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اجتماع حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لئے ہوا تھا۔ وزیراعظم نے جو بیان جاری کیا اُس کا متن یہ ہے۔

"پاکستان کے دشمنوں کی تیار کردہ ایک سازش کا انکشاف ابھی ہوا ہے اس انکشاف کی غرض وغایت یہ تھی کہ متشدد ذرائع سے ملک میں ہلچل پیدا کی جائے حکومت کو اس سازش کا علم بروقت ہوگیا چنانچہ آج (۹ر مارچ) سازش کے سرغنہ اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کرلیا گیا ہے جو (۱) میجر جنرل اکبر خان چیف آف دی جنرل اسٹاف' (۲) بریگیڈیئر ایم اے لطیف خاں بریگیڈیئر کمانڈر کوئٹہ' (۳) کرنل محمد صدیق راجا' (۴) کیپٹن نیاز محمد ارباب' (۵) میجر ضیاء الدین' (۶) کیپٹن حسن خاں' (۷) لیفٹیننٹ ظفر اللہ پوشنی' (۸) لیفٹیننٹ خضر حیات' (۹) کیپٹن محمد اسحاق' (۱۰) لیفٹیننٹ کرنل نذیر احمد (۱۱) گروپ کیپٹن محمد خان جنجوعہ (۱۲) فیض احمد فیض ایڈیٹر پاکستان ٹائمز' (۱۳) سجاد ظہیر' (۱۴) بیگم نسیم اکبر خاں' (۱۵) میجر خواجہ شریف' (۱۶) محمد حسین عطا' اور (۱۸) میجر خواجہ محمد یوسف پر مشتمل ہے۔

سازش میں شریک دونوں اعلیٰ فوجی افسروں کو برطرف کردیا گیا ہے۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ یہ سازش جڑیں پکڑنے سے پیشتر منکشف ہوگئی یقیناً میری طرح پاکستان کے عوام کو بھی سازش کی اس اطلاع سے سخت صدمہ پہنچے گا' لیکن مجھے یقین ہے کہ عوام اچھی طرح محسوس کریں گے

کہ قومی تحفظ کے وجوہ کی بنا پر میرے لئے یہ بتانا ناممکن ہے کہ جو لوگ سازش میں شریک تھے اُن کی اسکیم کیا ہے میں اس موقع پر صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ ان لوگوں کی اسکیم کامیاب ہو جاتی تو اس سے ہماری قومی زندگی کی بنیاد پر کاری ضرب لگتی اور پاکستان کا استحکام درہم برہم ہو جاتا۔ اگر یہ سازش ناکام ہوئی ہے تو اس کا سہرا اُن لوگوں کے سر ہے جو پاکستانی فوجوں کی سلامتی کے تحفظ کے ذمہ دار ہیں یقیناً اس سازش کی ناکامی پاکستان کی مسلح افواج کے غیر متزلزل وفاداری کے لئے ایک خراج تحسین ہے جو چند شر انگیز غدار سازشیوں کی شرارت سے بالکل متاثر نہ ہوئے اور انہوں نے پاکستان کے ان دشمنوں کی ساری ناپاک کوششوں پر پانی پھیر دیا ہم سب کو ان کی چوکسی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔

۱۳ر اپریل ۱۹۵۱ء کو راولپنڈی سازش کی سماعت کے لئے ایک خصوصی ٹریبونل قائم کیا گیا جو جسٹس سر عبدالرحمٰن، جسٹس چودھری محمد شریف اور جسٹس امیر الدین احمد پر مشتمل تھا۔ ٹریبونل کا قیام دستور ساز اسمبلی میں پیرزادہ عبدالستار کی جانب سے پیش کردہ ایک بل کی منظوری کے ذریعہ عمل میں آیا۔

فرد جرم میں قتل، شاہ برطانیہ کو سلطنت کے ایک حصّے (پاکستان) سے جبراً محروم کرنے اور دُوسرے حصّے (بھارت) پر حملہ آور ہونے اور ملک معظم کے اغوا کی منصوبہ بندی کا ذکر کیا گیا تھا۔

۳۰ر مئی ۱۹۵۱ء کو میجر جنرل اکبر خاں اور ان کی اہلیہ کو جسٹس محمد شریف کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ ۱۵ر جون کو لیفٹیننٹ کرنل صدیق راجا اور میجر خواجہ محمد یوسف راولپنڈی سازش کیس کے سلطانی گواہ بن گئے۔ ۱۸ر جون کو اس مقدمہ میں استغاثہ کا بیان مکمل ہوگیا۔ یکم اگست کو بیگم نسیم اکبر اور اکبر خاں کے وکیل زیڈ ایچ لاری نے سرکاری گواہ پر جرح ختم کرلی۔ ۵ر جنوری ۱۹۵۳ء کو راولپنڈی سازش کے فیصلے کا اعلان کر دیا گیا۔ ۱۵ ملزمان میں سے چار کو سزائے قید و جرمانہ سُنائی گئی۔ ملزمین میں سے ۱۱ فوجی افسر اور ۴ شہری شامل تھے بیگم نسیم اکبر خاں کو بری کر دیا گیا۔ جب کہ سابق میجر جنرل محمد اکبر خاں کو ۱۲ سال۔ ایر کموڈور ایم کے جنجوعہ کو ۷ سال۔ میجر محمد صادق کو ۷ سال، بریگیڈیر ایم لطیف کو ۵ سال، میجر ضیاء الدین کو ۵ سال، کیپٹن نیاز محمد ارباب کو ۵ سال، خضر حیات خاں کو ۴ سال، لیفٹیننٹ ظفر اللہ کو ۴ سال، فیض احمد فیض کو ۴ سال، سجاد ظہیر کو ۴ سال۔ محمد حسین عطاء کو ۴ سال قید بامشقت اور لیفٹیننٹ کرنل نذیر احمد کو تا برخاست عدالت

قید کی سزا دی گئی۔

قائدِ ملت نوابزادہ لیاقت علی خاں کی شہادت

قائدِ ملت نوابزادہ لیاقت علی خاں ۱۶ر اکتوبر ۱۹۵۱ء کو پونے چار بجے کمپنی باغ راولپنڈی (اب لیاقت باغ) میں شہری اور کنٹونمنٹ مسلم لیگ کے جلسہ عام میں تقریر کرنے کے لئے تشریف لائے ان کی تقریر سننے کے لئے ۱۵ ہزار لوگ باغ میں موجود تھے۔

قائدِ ملت کی آمد پر حاضرین نے پرجوش تالیوں سے اپنے محبوب راہنما کا استقبال کیا جلسے کی کارروائی کا باقاعدہ آغاز تلاوتِ کلام پاک سے کیا گیا۔ بلدیہ راولپنڈی کے چیئرمین شیخ مسعود صادق نے سپاسنامہ پڑھا۔ صدر مقامی مسلم لیگ محمد عمر نے اہالیان راولپنڈی کی جانب سے نوابزادہ لیاقت علی خاں کو خوش آمدید کہا اور اُن سے درخواست کی کہ وہ حاضرین سے خطاب فرمائیں۔

قائدِ ملت عوام سے خطاب کرنے کے لئے مائیک کی طرف لپکے تو حاضرین نے تالیاں بجا کر انہیں خراجِ تحسین پیش کیا۔ ابھی انہوں نے برادرانِ ملت کے الفاظ ہی کہے تھے کہ منظم سازش کے تحت سید اکبر نامی ایک شخص نے ان پر دو گولیاں چلا دیں قائدِ ملت نے دو مرتبہ کلمہ طیبہ کا ورد کیا اور ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا "خدا پاکستان کی حفاظت کرے۔ اس دوران قائدِ ملت کے سیاسی سیکرٹری نواب صدیق علی خاں اور دوسرے مسلم لیگی راہنما ڈائس پر آپہنچے اور انہوں نے اُسی وقت قائدِ ملت کو فوجی ہسپتال پہنچایا جہاں اُن کے جسم میں خون پہنچایا گیا اور آپریشن کر کے گولیوں کو نکال دیا گیا، لیکن وُہ زخموں کی تاب نہ لاکر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

قائدِ اعظم کا نوابزادہ لیاقت علی خاں کو خراجِ تحسین

قائدِ اعظم محمد علی جناح نوابزادہ لیاقت علی خاں پر اسقدر اعتماد کرتے تھے کہ انہیں اپنا دستِ راست کہتے تھے۔ اس ضمن میں ۲۶ر دسمبر ۱۹۴۳ء کو کراچی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

"لیاقت علی خاں میرے دستِ راست ہیں جو تحریکِ پاکستان اور مسلم لیگ کے لئے دن رات کام کرتے ہیں یہ حقیقت شاید چند افراد کو معلوم ہے کہ انہوں نے مسلم لیگ کے کام کا کتنا زیادہ بوجھ اپنے کندھوں پر اُٹھا رکھا ہے۔ ان کے متعلق مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ انہیں ہندوستان کے تمام مسلمانوں کا اعتماد حاصل ہے وُہ نوابزادہ ضرور ہیں لیکن اپنی ذہنی ساخت کے لحاظ سے ایک عام آدمی ہیں میں اُمید رکھتا ہوں کہ ملک کے دُوسرے نواب اور جاگیر دار بھی اُن کی تقلید کریں گے۔

خواجہ ناظم الدین کا دَورِ وزارت

(۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۱ء تا ۱۷ر اپریل ۱۹۵۳ء)

وزیر اعظم نواب زادہ لیاقت علی خاں کی شہادت کے بعد قومی اسمبلی کو اعتماد میں لئے بغیر صرف کابینہ کے مشورے سے خواجہ ناظم الدین نے ۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۱ء کو وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالا اور اس طرح پاکستان میں جمہوریت کی بنیادیں کھوکھلی کرنے کے لئے پہلا قدم اُٹھایا گیا۔ ملک غلام محمد اُن کی جگہ نئے گورنر جنرل بنے۔

خواجہ ناظم الدین کا دور آزمائش و ابتلاء کا دور تھا ان کے عہد میں جنگِ کوریا زوروں پر تھی اور اس کی وجہ سے پاکستان نے بہت سا زرِ مبادلہ کمایا، لیکن خواجہ ناظم الدین میں انتظامی اور عوامی قیادت کی صلاحیتیں مفقود تھیں اس لئے اسے بے دریغ استعمال کیا گیا۔ جنگِ کوریا کے خاتمے پر پاکستانی برآمدات خاصی حد تک کم ہوگئیں جس کے نتیجے میں پٹ سن، کپاس اور دیگر زرعی اجناس کی قیمتیں گر گئیں اس طرح ادائیگیوں کا توازن بھی بگڑ گیا۔ ان کے دَور میں اسمگلنگ بھی زوروں پر تھی جس کی وجہ سے خوردنی اجناس چور دروازوں سے ہمسایہ ملکوں میں پہنچائی جارہی تھیں اس صورتِ حال میں ملک میں قحط کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ فروری ۱۹۵۲ء میں لاہور میں آٹے کی عدم فراہمی کی وجہ سے جلوس نکالے گئے۔ غلّہ کی کمی کو دُور کرنے کے لئے ستمبر ۱۹۵۲ء میں ایک معاہدے کے ذریعے ڈیڑھ کروڑ ڈالر کا قرضہ لیا گیا پھر نمک کا مصنوعی بحران پیدا کر دیا گیا۔ اور مشرقی پاکستان اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہوگیا۔ مشرقی پاکستان میں اس کا شدید ردِ عمل ہوا۔ ان حالات میں خواجہ ناظم الدین کے سیاسی مخالفین نے ان کی حکومت کے خلاف خوب کیچڑ اچھالا۔

خواجہ ناظم الدین ہی کے زمانے میں ختمِ نبوت کی تحریک نے زور پکڑ لیا جس کے نتیجے میں لاہور میں ۶ر مارچ ۱۹۵۳ء کو مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ جو اپریل کے اواخر تک جاری رہا۔ ۲۰ اپریل ۱۹۵۴ء کو تحریکِ ختمِ نبوت کے سلسلے میں تحقیقاتی رپورٹ شائع ہوئی۔ پھر بنگلہ کو قومی زبان کا درجہ دینے کے سلسلے میں لسانی تنازعہ پیدا ہوگیا۔ بنگالی طلباء نے اس ضمن میں ہنگامے شروع کر دیئے

جس کے نتیجے میں ۲۰ر فروری ۱۹۵۲ء کو ڈھاکہ میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی۔ طلباء نے خلاف ورزی کی تو پولیس نے انہیں گولیوں کا نشانہ بنایا۔ بالآخر حکومت کو بنگالیوں کے سامنے جھکنا پڑا اور ۱۹ راپریل ۱۹۵۴ء کو مسلم لیگ اسمبلی پارٹی نے اردو کے علاوہ بنگالی کو بھی قومی زبان قرار دینے کا فیصلہ کیا۔

آئین سازی کے سلسلے میں خواجہ ناظم الدین کے عہدِ حکومت میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ منظرِ عام پر آئی مگر پنجاب کے لئے یہ رپورٹ قابلِ قبول نہ تھی کیوں کہ اس میں وفاق کا جو منصوبہ پیش کیا گیا تھا وہ پنجاب کے حق میں نہ تھا اسی بناپر خواجہ ناظم الدین اور ممتاز دولتانہ میں کشیدگی پیدا ہوگئی۔

۸ر جنوری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں پولیس نے طلباء کے احتجاجی جلوس پر گولی چلائی جس سے ۸ طالب علم ہلاک ہوگئے ملک بھر میں اس بات کا بھی شدید ردِّ عمل ہوا اور عوام نے خواجہ ناظم کی حکومت کو برطرف کرنے کا مطالبہ کیا۔

۲۶ر جنوری ۱۹۵۳ء کو سندھ مسلم لیگ کے صدر اور سابق وزیر اعلیٰ مسٹر ایوب کھوڑو اور سندھ کی مسلم لیگی وزارت کے ایک اور سابق وزیر قاضی فضل اللہ کو بالترتیب ۶ سال اور ۴ سال کے لئے سرکاری عہدوں اور اسمبلی کی رکنیت کے لئے نااہل قرار دے دیا گیا۔

ان کے عہد میں نہری پانی کے مسئلے کا خاطر خواہ حل تلاش نہ کیا جا سکا۔

صوبہ سرحد میں انتخابات ہوئے جن کے نتیجے میں پورے صوبے میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خان عبدالقیوم خان یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی جماعت کے سوا کوئی دوسری جماعت برسر اقتدار آئے اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے نہ صرف امیدواروں کو ڈرایا دھمکایا بلکہ جناح عوامی مسلم لیگ کے سربراہ مسٹر حسین شہید سہروردی کے صوبہ بھر میں داخلے پر بھی پابندی لگا دی۔ وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین خاموش تماشائی بنے رہے اور اس ضمن میں کوئی کارروائی نہ کر سکے۔ خان قیوم نے ان کی شرافت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے تمام امیدوار (ماسوائے چار امیدواروں کے جن کا تعلق جناح عوامی مسلم لیگ سے تھا) کامیاب کرائے۔ گورنر جنرل غلام محمد نے وزیر اعظم سے کہا کہ وہ اس ضمن میں ٹھوس اقدامات کریں۔ چنانچہ وزیرِ اعظم نے مندرجہ ذیل فیصلے کئے۔

۱۔ وزیر اعلیٰ پنجاب مسٹر ممتاز محمد خان دولتانہ کو وزارت سے مستعفی ہونے کی ہدایت کی۔

نیز انہیں صوبائی مسلم لیگ کے صدر کا عہدہ بھی خالی کرنے کو کہا گیا۔

۲۔ ممتاز دولتانہ کی جگہ سر فیروز خاں نون پنجاب کے وزیر اعلیٰ مقرر کیئے گئے۔

۳۔ مشرقی پاکستان کے گورنر سر فیروز خاں نون کی جگہ چودھری خلیق الزمان کو نیا گورنر مقرر کیا گیا۔

خواجہ ناظم الدین مسلم لیگ کے صدر بھی منتخب ہوئے۔

حالاتِ زندگی خواجہ ناظم الدین

ستمبر ۱۹۴۸ء میں قائداعظم محمد علی جناح کے انتقال کے بعد پاکستان کے دُوسرے گورنر جنرل کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اُٹھایا۔ وُہ ڈھاکہ کے نواب خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور اُن کا شمار بنگال کے بزرگ ترین سیاستدانوں میں ہوتا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان کے پہلے وزیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔

وُہ ۱۹ر جولائی ۱۸۹۴ء کو احسن منزل ڈھاکہ میں خواجہ نظام الدین کے ہاں پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے ایم اے او کالج علی گڑھ، ڈن سٹیبل گرامر سکول اور ٹرنٹی ہال کیمرج میں تعلیم مکمل کی۔ اگست ۱۹۲۴ء میں بنگال کے مشہور زمیندار مسٹر کے ایم اشرف کی بیٹی مس شاہ بانو سے شادی کی۔ ۱۹۲۲ء میں سیاست کی پُرخار وادی میں قدم رکھا۔ اور بلدیہ ڈھاکہ کے چیئرمین منتخب ہوئے۔ سات سال تک اس عہدہ پر فائز رہنے کے بعد بنگال کے وزیرِ تعلیم مقرر ہوئے اس دوران میں ڈھاکہ یونیورسٹی کی ایگزیکٹو کونسل میں رُکن کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

وزیرِ تعلیم کی حیثیت سے ۱۹۳۰ء میں بنگال لیجسلیٹو اسمبلی میں لازمی تعلیم کا بل پیش کیا، مئی ۱۹۳۴ء میں بنگال ایگزیکٹو کونسل کے رُکن بنے۔

۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کے تحت اپریل ۱۹۳۷ء میں جب بنگال میں پہلی وزارت تشکیل دی گئی تو انہوں نے وزیر داخلہ کا عہدہ سنبھالا اور دسمبر ۱۹۴۱ء میں اس عہدے سے مستعفی ہوئے۔

۱۹۴۲ء تا مارچ ۱۹۴۳ء بنگال لیجسلیٹو اسمبلی میں مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی اور حزبِ اختلاف کے قائد رہے۔ ۲۴ر اپریل ۱۹۴۳ء کو مسلم لیگ کو منظم کیا اور سول ڈیفنس کے علاوہ وزارت داخلہ کا چارج بھی سنبھالا۔ وہ مسلسل دس سال (۱۹۳۷ء - ۱۹۴۷ء) تک آل انڈیا مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے رُکن رہے۔

وُہ ہندوستان کے اُس خوراک وفد کے رُکن تھے جو امریکہ گیا تھا۔ انہوں نے ۱۹۴۶ء میں جنیوا میں منعقد لیگ آف نیشنز کے آخری اجلاس میں ہندوستان کی نمائندگی کی۔

انہوں نے "دی سٹار آف انڈیا" کے نام سے کلکتہ سے مسلمانوں کا پہلا انگریزی روز نامہ شائع کیا، نیز کے بی عبدالمومن کے تعاون سے کلکتہ میں مسلم چیمبرز آف کامرس کی بنیاد ڈالی۔

وہ کرکٹ، ہاکی، فٹ بال اور ٹینس کے دلدادہ تھے۔ ۱۹۳۸ء، ۱۹۳۹ء اور ۱۹۴۰ء میں انڈین ہاکی فیڈریشن کے صدر اور ۱۹۳۷ء تا ۱۹۴۶ء کلکتہ کے محمڈن سپورٹنگ کلب کے صدر رہے۔

۱۹۳۶ء میں حج کیا۔ قیام پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان کے وزیر اعلیٰ بنے۔ قائداعظم کی وفات کے بعد گورنر جنرل کا اور نوابزادہ لیاقت علی خاں کی شہادت کے بعد ۱۹۵۱ء میں وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھالا۔ ۱۷ راپریل ۱۹۵۳ء کو ان کو وزارتِ عظمیٰ کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا۔

ازاں بعد ۱۹۶۲ء تک گوشہ نشینی کی زندگی گزاری۔ پھر مسلم لیگ کے احیاء کی مہم شروع کی، لیکن ستمبر ۱۹۶۲ء میں کراچی میں منعقدہ مسلم لیگیوں کے کنونشن میں شریک نہ ہو سکے بلکہ انہوں نے مسلم لیگی کونسلروں کا اجلاس بلایا جس میں مسلم لیگ کو پھر سے قائم کیا گیا اور وُہ اس کے سربراہ منتخب ہوئے۔ انہوں نے دوسرے اپوزیشن لیڈروں سے مل کر ملک میں مکمل جمہوریت کی بحالی، تمام بنیادی حقوق کے حصول اور پارلیمانی نظام حکومت کے لئے زبردست مہم چلائی اور مقصد کے حصول کے لئے چار سیاسی جماعتوں، جماعتِ اسلامی، نظامِ اسلام پارٹی، نیشنل عوامی پارٹی اور عوامی لیگ کے ساتھ مل کر متحدہ محاذ قائم کیا۔ ازاں بعد انہوں نے ذاتی دلچسپی لے کر ملک میں جمہوری شعور کو پروان چڑھانے کی غرض سے قائداعظم کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح کو صدارتی انتخاب میں اپوزیشن کی متفقہ اُمیدوار کی حیثیت قبول کرنے کے لئے آمادہ کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ۱۹۶۴ء میں محترمہ فاطمہ جناح کی انتخابی مہم کے سلسلے میں انہوں نے مغربی پاکستان کا دورہ کیا۔

بالآخر ۲۲ راکتوبر ۱۹۶۴ء کو ڈھاکہ میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کیا۔

قائدِاعظم کا خواجہ ناظم الدین کو خراجِ تحسین

قائدِاعظم محمد علی جناح خواجہ ناظم الدین کو اپنا معتمد ساتھی سمجھتے تھے۔ انہوں نے ۱۵ رفروری ۱۹۴۲ء کو بنگال مسلم لیگ کانفرنس کے اجلاس منعقدہ سراج گنج میں فرمایا:

خواجہ ناظم الدین ذمہ دار راہنما ہیں اور پاکیزہ کردار کے مالک ان کا ریکارڈ بالکل صاف ستھرا ہے انہوں نے اپنی پوری عملی زندگی میں اپنا دامن ہر الزام سے پاک و بے داغ رکھا ہے

قیام پاکستان کے بعد جب خواجہ ناظم الدین سے کہا گیا کہ وُہ قائداعظم کے جانشین ہیں، تو انہوں نے کہا:

"میں قائدِ اعظم کا جانشین نہیں، ان کا سایہ ہوں اور بس اتنا ہی میرے لئے باعثِ فخر ہوگا"۔

خارجہ پالیسی میں تبدیلی

خواجہ ناظم الدین نے جانبدارانہ خارجہ پالیسی کو اپنایا اس کا اندازا اس بات سے ہوتا ہے جب نہر سویز کے سلسلے میں ۱۹۵۱ء میں اینگلو مصری تنازعہ پیدا ہوگیا تو انہوں نے برطانیہ کو جارح قرار دینے کی بجائے مصالحت کرانے کے لئے اپنے تعاون کی پیش کش کی۔ اسی بنا پر مصر کا جھکاؤ بھارت کی طرف ہوگیا۔ اندرونِ ملک بھی اس کا ردِ عمل ہوا اور ۴ رنومبر کو راولپنڈی میں طلباء نے برطانیہ کے خلاف اور مصر کی حمایت میں جلوس نکالا، دیگر شہروں کے باشندوں نے بھی اس کی تقلید کی حتیٰ کہ وزیرِ اعظم کو پشاور میں یہ کہنا پڑا کہ پاکستان نے ہمیشہ اسلامی ممالک کی جدوجہد آزادی کا ساتھ دیا ہے۔

۱۹۵۱ء میں جب ڈاکٹر مصدّق ایران کے وزیرِ اعظم بنے تو انہوں نے اینگلو ایرانین آئل کمپنی کو قومی تحویل میں لے لیا جس سے ایران اور برطانیہ کے تعلقات کشیدہ ہوگئے۔ خواجہ ناظم الدین کی حکومت نے اس موقع پر بھی برطانیہ کی مخالفت مول نہ لی اور اگر ۱۹۵۳ء میں امریکہ کی امداد اور تعاون سے شاہ ایران ڈاکٹر مصدّق کو برطرف نہ کرتے تو پاکستان کے ایران کے ساتھ تعلقات بھی کشیدہ ہوجاتے۔

گورنر جنرل غلام محمد

خان لیاقت علی خاں کی شہادت کے بعد گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین ملک کے وزیرِ اعظم اور ملک غلام محمد نے پاکستان کے تیسرے گورنر جنرل کی حیثیت سے اپنا عہدہ سنبھالا۔

وُہ ۲۹ر اگست ۱۸۹۵ء کو لاہور میں پیدا ہوئے انہوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ایم اے ایل ایل بی کی ڈگریاں لیں اور انڈین آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس میں ملازمت اختیار کی۔ ۳۲۔۱۹ء تک حکومت بہاولپور کے مالی امُور کی اصلاح کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ۱۹۳۲ء تا ۱۹۳۴ء ریاست بھوپال کے ڈیویلپمنٹ کمشنر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۱۹۳۴ء میں حکومتِ ہند کے پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف ڈیپارٹمنٹ میں ڈپٹی اکاؤنٹنٹ جنرل بنا دیئے گئے۔ دُوسری جنگِ عظیم میں حکومتِ ہند کے سپلائی کے محکمے میں ایڈیشنل سیکرٹری کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۵ء تک نظام حیدر آباد دکن کے وزیرِ مالیات رہے۔ تقسیم سے کچھ عرصہ قبل بھارت کے مشہور صنعتی ادارے ٹاٹا کے حصّہ دار اور مشیر اقتصادیات تھے اور اس کمپنی سے ماہانہ بیس ہزار روپیہ وصول کرتے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد مرکزی وزیرِ خزانہ تعینات ہوئے اس

حیثیت سے انہوں نے سٹیٹ بنک آف پاکستان، زرعی مالیاتی کارپوریشن اور صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کے قیام میں اہم کردار ادا کیا۔ خان لیاقت علی خاں کے انتقال کے بعد خواجہ ناظم الدین کی جگہ پاکستان کے گورنر جنرل مقرر ہوئے۔ انہوں نے اس دوران گورنر جنرل کے اختیارات استعمال کرتے ہوئے ۱۹۵۴ء میں آئین ساز اسمبلی توڑ دی اور مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کو ملاکر ون یونٹ قائم کیا۔ ۲۹ راگست ۱۹۵۶ء کو انتقال کیا۔

تحریکِ ختمِ نبوت

اُنیسویں صدی کے آواخر اور بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں مرزا غلام احمد قادیانی نے مختلف اوقات میں مختلف دعوے کیے۔ قادیانیت کا گہرا مطالعہ کرنے والوں نے ان کے دعووں کی تاریخ کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دور ۱۸۵۸ء سے ۱۸۷۹ء تک ہے جس میں انہوں نے خود کو مبلغ ظاہر کیا یعنی ایک ایسا مبلغ جو شمالی پنجاب میں عیسائی مشنریوں، ہندو پنڈتوں اور آریا سماجی ردّ والوں سے مذہبی مباحثوں میں مصروف رہتا تھا۔

دُوسرا دور ۱۸۷۹ء سے ۱۸۸۸ء تک کا ہے اس دَور میں انہوں نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تجدید دین کے لئے بھیجا ہے اور وُہ مثلِ مسیح ہیں۔

تیسرا دَور ۱۸۸۸ء سے ۱۹۰۱ء تک کا ہے اس دَور میں انہوں نے مسیح موعود یا ظلی نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔

چوتھا دَور ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۸ء تک کا دَور ہے اس دَور میں انہوں نے دعویٰ نبوت کیا اور کہا کہ وُہ لفظ نبی کے مکمل معنوں میں نبی ہیں۔

تضادات پر مبنی ان دعووں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں نے مرزا صاحب اور ان کے پیروکاروں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ علامہ اقبال نے تو انہیں غدار تک کہا تھا۔ علامہ اقبال ہی نے پہلی بار اس مسئلے کا آئینی حل تجویز کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہندوستان کے حکمرانوں کے لئے بہترین طریقِ کار میرے خیال میں یہ ہے کہ وُہ قادیانیوں کو ایک علیحدہ قوم قرار دے دیں۔ یہ بات خود قادیانیوں کے اپنے طریق کار کے عین مطابق ہوگی اور ہندوستانی مسلمان ان کو ویسے ہی برداشت کرلیں گے جیسا کہ وُہ باقی مذہبوں کے پیروؤں کو برداشت کرتے ہیں، لیکن برطانوی حکومت کے لئے علامہ اقبال کا یہ نظریہ قابلِ قبول نہ تھا کیوں کہ مرزا صاحب نے ایک بار کہا تھا کہ قادیانیت حکومتِ برطانیہ کا خود کاشتہ پودا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے عوام اور حکومت نے قادیانیوں کے حق میں بڑی رواداری کا ثبوت دیا انہیں پاکستان آنے اور قادیان سے اپنا مرکز ربوہ منتقل کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ ان کے ممتاز راہنما سر ظفر اللہ خاں کو وزارتِ خارجہ کا منصب عطا کیا گیا، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود قادیانیوں نے اپنی اسلام دشمن سرگرمیوں سے اجتناب نہ کیا اور انہوں نے مسلمانوں کو کافر کہنا شروع کر دیا حتیٰ کہ وزیرِ خارجہ سر ظفر اللہ خاں نے بابائے قوم قائدِ اعظم کی نمازِ جنازہ میں بھی شرکت نہ کی کیونکہ وُہ اپنے عقیدے کے مطابق قائدِ اعظم کو مسلمان نہ سمجھتے تھے۔

تحریکِ ختمِ نبوت کا آغاز ۱۸ رمئی ۱۹۵۲ء کو اُس وقت ہوا جب کراچی میں منعقدہ احمدیوں کے ایک جلسہ سے وزیرِ خارجہ سر ظفر اللہ خاں نے سرکاری انتظام کے تحت خطاب کیا، عوامی احتجاج پر ۵۲ گرفتاریاں بھی عمل میں آئیں جس کے نتیجے میں بندر روڈ پر واقع احمدیہ کتب خانہ کو شدید نقصان پہنچا۔ ملک بھر میں اس واقعہ کو تشویش کی نگاہ سے دیکھا گیا؛ چنانچہ علمائے کرام نے احمدیوں کے خلاف منظم تحریک چلانے کا عزم کیا اور قادیانی فتنے سے نبٹنے کے لئے مجلس عمل تحفظِ ختمِ نبوت قائم کی اور ختمِ نبوت کے سلسلے میں تین مطالبات پیش کئے۔ یعنی

(۱) قادیانی وزیرِ خارجہ مسٹر ظفر اللہ خاں کی وزارت سے علیحدگی۔

(۲) آئین میں مسلمان کی تعریف شامل کی جائے۔

(۳) قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور انہیں کلیدی عہدوں سے برطرف کیا جائے نیز ایسے افراد کو ملازمین مقرر نہ کیا جائے۔

مجلس تحفظِ ختمِ نبوت نے ازاں بعد چودہ دینی جماعتوں کا ایک کنونشن طلب کیا اور کنونشن میں مذکورہ بالا مطالبات کو تمام جماعتوں نے متفقہ طور پر منظور کر لیا۔ ان کی منظوری کے بعد باقاعدہ تحریک کا آغاز ہوا۔ جن نمایاں شخصیات نے جلسوں اور جلوسوں کی قیادت کی ان میں مولانا مودودی، مولانا احتشام الحق تھانوی، علامہ سید احمد سعید کاظمی، مولانا ابوالحامد بدایونی، خواجہ قمر الدین سیالوی، عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا محمد داؤد غزنوی، خواجہ غلام نظام الدین تونسوی، صوفی ایاز خاں نیازی، مولانا محمود احمد رضوی، مولانا عارف اللہ شاہ قادری، علامہ عبدالغفور ہزاروی، مفتی محمد حسین نعیمی، مولانا غلام محمد ترنم، مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، مولانا عبدالستار خاں نیازی، سید خلیل احمد قادری، میاں جمیل احمد شرقپوری، شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین، مفتی اعجاز ولی، مولانا منظور احمد ہاشمی، مولانا محمد ابراہیم علی چشتی، مولانا غلام قادر اشرفی، پیر سید

غلام محی الدین گولڑوی، پیر محمد فضل شاہ جلالپوری شامل ہیں۔

مولانا ابو الحسنات احمد قادری مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے صدر تھے۔ تحریک ختم نبوت فروری ۱۹۵۳ء میں اس قدر زور پکڑ گئی کہ ۲۸ فروری ۱۹۵۳ء کو تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں ۱۳۰ افراد گرفتار ہوئے۔ یکم مارچ کو لاہور میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی احمدیوں کے خلاف جلوس پر لاٹھی چارج سے کئی افراد مجروح ہو گئے مولانا اختر علی اور دو سو کے قریب رضا کار گرفتار کرلئے گئے۔ ۴ مارچ کو قادیانیوں کے خلاف ہنگاموں میں حصہ لینے والے افراد نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کو گولی مار دی۔ مشتعل ہجوم پر پولیس فائرنگ سے ایک شخص ہلاک اور ایک مجروح ہوا۔ قادیانیوں کے خلاف سیالکوٹ میں تحریک چلانے پر کرفیو نافذ کر دیا گیا اور شہر کا نظم و نسق فوج نے سنبھال لیا۔ ۵ مارچ کو لاہور میں حالات نے نازک صورت اختیار کرلی شہر میں ۱۲½ گھنٹے کا کرفیو نافذ رہا۔ مشتعل ہجوم نے ۱۸ منی بسوں، ایک پولیس ٹرک اور دو ڈاکخانوں کو آگ لگا دی۔ پولیس کو ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے گولی چلانا پڑی جس سے متعدد افراد ہلاک ہو گئے۔

۶ مارچ کو احمدیوں کے خلاف تحریک پر قابو پانے کے لئے پولیس ناکام ہو گئی اسی بنا پر لاہور شہر اور چھاؤنی میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ فوج نے انتظام سنبھال لیا میجر جنرل اعظم خان کو مارشل لاء کا ناظم اعلیٰ، حافظ عبدالمجید اور بریگیڈیئر ایف آر کلو کو نائبین مارشل لاء مقرر کیا گیا میجر جنرل اعظم خان نے ریڈیو پاکستان سے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ امن وامان قائم کرنے کے سلسلے میں عوام ان سے تعاون کریں انہوں نے سماج دشمن عناصر کو افواہیں پھیلانے سے گریز کرنے کو کہا اور انہیں انتباہ کیا کہ اگر وہ اپنے ارادوں سے باز نہ آئے تو ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔

۷ مارچ کو لاہور میں حالات معمول پر آ گئے ۸ مارچ کو میجر جنرل اعظم خان نے کہا کہ لاہور کے جس علاقے میں ناخوشگوار واقعہ ہوا اس علاقہ کے مکینوں کو اجتماعی جرمانہ کیا جائے گا، ۵ اپریل کو مرزا ناصر احمد کو ۵ سال قید کی سزا اور ۵ ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنائی گئی نیز مولانا عبدالستار خان نیازی، مولانا خلیل احمد قادری اور مولانا مودودی کو مسلمانوں میں جذبہ شہادت کو ابھارنے کے الزام میں سزائے موت سنائی گئی جسے بعد ازاں ۱۴ سال قید میں تبدیل کر دیا گیا اور اس واقعہ کے تقریباً دو سال بعد ان کی رہائی عمل میں آئی۔

اگرچہ عارضی طور پر پنجاب کے مختلف شہروں (سیالکوٹ، راولپنڈی، گوجرانوالہ، لائل پور اور منٹگمری) میں امن وامان کی صورت حال بحال ہو گئی اور وقتی طور پر طاقت کے بل بوتے پر

اس تحریک کو دبا دیا گیا۔ تاہم اس تحریک کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔
بعد ازاں جسٹس منیر کو اس مسئلے پر انکوائری کرنے کو کہا گیا جسٹس منیر نے جو رپورٹ مرتب کی اُسے ۲۱ اپریل ۱۹۵۴ء کو احمدیوں کے خلاف تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ شائع کر دیا گیا۔ یہ رپورٹ ایک لاکھ الفاظ اور ۱۹۵۳ پیراگرافوں پر مشتمل تھی۔

لیاقت علی خاں قتل کی تحقیقاتی رپورٹ

۲۴ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو خواجہ ناظم الدین نے نوابزادہ لیاقت علی خاں کے قتل کے سلسلہ میں تحقیقات کرنے کے لئے مسٹر جسٹس محمد منیر کی قیادت میں ایک کمیشن قائم کیا۔ کمیشن نے گواہوں کے بیانات قلمبند کرنے کے بعد ۱۷ اگست ۱۹۵۲ء کو اپنی رپورٹ شائع کر دی اس رپورٹ میں قتل کے متعلق تین وجوہ پر بحث کی گئی تھی اوّل یہ کہ آیا قاتل سید اکبر کا فعل اس کے دماغ کی خرابی کا نتیجہ تھا یا اسے مسئلہ کشمیر کے معاملے میں وزیر اعظم کی پالیسی سے اختلاف تھا یا اس نے دینی تعصب کے شدید جذبات کے ماتحت قتل کے فعل کا ارتکاب کیا ہے۔ ۱۸ اگست کو بیگم لیاقت علی خاں نے کہا کہ تحقیقاتی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسٹر لیاقت علی خاں کے قتل کی سازش کی گئی تھی۔

جنگ کوریا کا پاکستان پر اثر

۲۵ جون ۱۹۵۰ء کو شمالی کوریا کی فوج نے جنوبی کوریا پر حملہ کر دیا۔ امریکہ اور اقوامِ متحدہ کے دیگر ۱۵ ارکان نے جنوبی کوریا کی امداد کے لئے اپنی افواج بھیجیں چین بھی شمالی کوریا کی حمایت کے لئے میدان میں آگیا۔ اور بالآخر جولائی ۱۹۵۳ء میں جنگ بند ہوگئی اس دوران اقتصادی گرم بازاری پیدا ہوگئی اسلحہ بندی اور سامان کے حصول کے متعلق امریکی پروگراموں کے نتیجہ میں پاکستان سے برآمد کی جانے والی پٹ سن اور روئی کی قیمتوں میں تیزی کے ساتھ اضافہ ہوگیا اور اس طرح پاکستان کی ملکی اور غیر ملکی زرمبادلہ کی آمدنی بہت بڑھ گئی جس کی وجہ سے ملک کی اقتصادی خوشحالی کے امکانات روشن ہوگئے۔ لیکن ناظم الدین کی حکومت نے پیسے کا بے دریغ استعمال کیا جس کی وجہ سے پاکستان میں لوگوں کا معیارِ زندگی بلند نہ ہوسکا۔

بنگالی کو قومی زبان قرار دینے کا مسئلہ

قیام پاکستان کے فوراً بعد مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) میں اردو کے ساتھ بنگلہ کو بھی قومی زبان قرار دینے کا مطالبہ کیا گیا اسی بنا پر متعدد پاکستانی راہنماؤں (جن میں بانیٔ پاکستان

حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناح، شہید ملت لیاقت علی خاں اور خواجہ ناظم الدین شامل تھے) نے مختلف اوقات میں کہا کہ

اُردو پاکستان کی قومی زبان قرار دی گئی ہے صرف اُردو ہی مغربی و مشرقی پاکستان کو متحد رکھ سکتی ہے اس لئے اُردو اور صرف اُردو ہی پاکستان کی سرکاری زبان ہوگی۔

۱۹ مارچ ۱۹۴۸ء کو جب گورنر جنرل قائدِ اعظم محمد علی جناح مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) کے سرکاری دورے پر ڈھاکہ گئے تو اس مطالبے کا پھر اعادہ کیا گیا، لیکن قائدِ اعظم نے ۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ یونیورسٹی کے سالانہ کانووکیشن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"پاکستان کی مشترک زبان صرف ایک ہو سکتی ہے اور وہ زبان اُردو ہونی چاہیئے۔ قائدِ اعظم کے بعد خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل بنے اور وزیراعظم پاکستان شہیدِ ملت خان لیاقت علی خاں کی وفات کے بعد خواجہ ناظم الدین نے وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھالا تو بنگالیوں کا یہ مطالبہ پھر زور پکڑ گیا۔ ۲۰ فروری ۱۹۵۲ء کو ڈھاکہ میں صورتِ حال اس قدر کشیدہ ہوگئی کہ طلباء کے ہنگاموں اور مظاہروں کی وجہ سے حالات بے قابو ہو گئے؛ چنانچہ انتظامیہ کو دفعہ ۱۴۴ نافذ کرنا پڑی، لیکن حکومت کا یہ حربہ کارگر ثابت نہ ہوا۔ اور طلباء نے خلاف ورزی کرتے ہوئے جلوس نکالے اور ہنگامے کئے۔ انتظامیہ نے ان پر قابو پانے کے لئے گولی کا سہارا لیا جس سے چند طالب علم ہلاک اور متعدد زخمی ہو گئے۔

۲۵ فروری ۱۹۵۲ء کو مشرقی بنگال کے وزیرِاعلیٰ مسٹر نورالامین نے پاک دستوریہ سے بنگالی کو سرکاری زبان بنانے کی سفارش کی۔ مغربی پاکستان کے اخبارات نے بنگالی کو سرکاری زبان بنانے کی قرارداد پر سخت احتجاج کیا اور لکھا کہ اگر قائدِ اعظمؒ آج زندہ ہوتے تو اُردو زبان سے غداری کی بنگال کبھی جرأت نہ کرتا۔

آل پاکستان جناح عوامی لیگ کے کنوینر مسٹر حسین شہید سہروردی نے کہا کہ پاکستان کی قومی زبان کا مسئلہ بڑا نازک ہے۔ پاک دستوریہ میں کانگریس کے ہندو رکن مسٹر سریش چندر نے کلکتہ میں اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ بنگال کے مسلمان بھی موجودہ تحریک میں بنگالی زبان کی حمایت کر رہے ہیں۔

۲۱ مارچ ۱۹۵۲ء کو ڈھاکہ میں پھر ہنگامے ہوئے اور طلباء پر فائرنگ کی گئی جس کے نتیجے میں مشرقی بنگال اسمبلی کا اجلاس ۲۴ مارچ تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ بالآخر ۱۹ اپریل

۱۹۵۴ء کو مسلم لیگ اسمبلی پارٹی نے اُردو کے علاوہ بنگالی کو بھی قومی زبان قرار دینے کا فیصلہ کیا۔

آئینی پیش رفت

بُنیادی اُصولوں کی مجلس کا بیانیہ ۱۹۵۲ء :-

۲۲ دسمبر ۱۹۵۲ء کو عوام کی آراء اور تجاویز کی روشنی میں وزیراعظم خواجہ ناظم الدین نے دستور ساز اسمبلی میں بنیادی اصولوں کی مجلس کا بیانیہ (REPORT) پیش کیا۔ بیانیے میں پہلی بار ملک کے دونوں صوبوں کو مساوی نمائندگی کا حق دیا گیا اور یہ تجویز دی گئی کہ ملک کے دونوں حصوں سے مرکز میں ۶۰، ۶۰ نمائندے لئے جائیں۔ جب کہ ایوانِ زیریں کے نمائندوں کی تعداد ۴۰۰ ہو' ان میں ۲۰۰ مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) سے بالغ رائے دہی کے ذریعے منتخب کئے جائیں جب کہ بقایا ۲۰۰ ارکان کا انتخاب مغربی پاکستان سے کیا جائے۔ بیانیے میں ہر صوبے کو یہ اختیار دیا گیا کہ وُہ بھی اپنے اپنے صوبوں میں دستور سازی کے لئے اپنے نمائندے منتخب کریں مگر ان کی کم از کم تعداد ۷۵ اور زیادہ سے زیادہ ۳۵۰ ہونی چاہیئے۔ بیانیے میں مزید کہا گیا تھا کہ کوئی قانون ایسا نہیں بنانا چاہیئے جو قرآن وسنت سے متصادم ہو۔

بیانیے میں یہ سفارش بھی کی گئی کہ ایسی ۵ رکنی مجلس (BOARD) تشکیل دی جائے جو اسلامی قوانین پر پُورا پُورا عبور رکھتی ہو تاکہ وُہ صدرِ مملکت کو یہ مشورہ دے سکے کہ یہ قانون اسلام کی رُوح سے متصادم نہیں ہے۔ اسی قسم کی ایک مجلس صوبوں میں بھی قائم کرنے کی سفارش کی گئی۔

صدرِ مملکت کے بارے میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ اُسے دونوں ایوان منتخب کریں نیز اس کا انتخاب دو مرتبہ سے زیادہ نہ کیا جائے اس میں معزولی کی صورت میں ۲/۳ کی اکثریت کا ہونا لازمی قرار پایا۔ صوبائی سربراہ (گورنر) کی علیحدگی کے لئے اسی قسم کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ نیز صدر کی عمر چالیس سال سے کم نہ ہو۔

ملک میں پارلیمانی نظامِ حکومت کے قیام کے لئے سفارش کی گئی تھی نیز اس میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ وزیرِاعظم اور اُس کی کابینہ عوام کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔

مرکزی مقننہ کی میعاد پانچ سال ہوگی۔ اسی طرح صوبائی مجالس قانون ساز بھی ہر پانچ سال کے بعد منتخب کی جائیں گی۔

یہ رپورٹ بھی نقائص سے پُر تھی اس لئے عوام کی اکثریت نے اسے مسترد کر دیا۔

محمد علی بوگرہ دورِ حکومت

(۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء تا ۱۱ اگست ۱۹۵۵ء)

خواجہ ناظم الدین کی وزارتِ عظمیٰ سے برطرفی کے بعد گورنر جنرل ملک غلام محمد نے امریکہ میں متعین پاکستانی سفیر جناب محمد علی بوگرہ کو وزارت بنانے کی دعوت دی۔ ان دنوں محمد علی بوگرہ نہ تو دستور ساز اسمبلی کے رُکن تھے اور نہ ہی قومی سطح پر شناسا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب محمد علی بوگرہ کو امریکہ سے بُلایا گیا تھا تو وُہ اس بات سے لاعلم تھے کہ انہیں وزارتِ عظمیٰ جیسے عہدہ جلیلہ پر فائز کیا جا رہا تھا۔ ان دنوں چونکہ گورنر جنرل ملک غلام محمد ملکی سیاست پر چھائے ہوئے تھے اور ان کا اثر ورسوخ اتنا زیادہ تھا کہ انہوں نے ہی محمد علی بوگرہ اور اُن کے وزراء کی نامزدگی کے علاوہ محکموں کا تعین بھی کیا۔ نیز گورنر جنرل ملک غلام محمد نے محمد علی بوگرہ کو مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کا سربراہ بھی منتخب کرایا۔

محمد علی بوگرہ کے دَور کا اہم ترین کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے امریکہ سے کثیر مقدار میں گندم تحفے کے طور پر حاصل کرلی اور اس طرح وُہ غذائی صورتِ حال پر قابو پانے میں کامیاب ہوگئے جس کا ایک سبب وزیراعظم خواجہ ناظم الدین کی وزارت سے برطرفی تھا۔

دوسرا اہم واقعہ امریکہ کی طرف حکومت کا جھکاؤ تھا اس ضمن میں پاکستان اور امریکہ میں مئی ۱۹۵۴ء میں ایک معاہدہ بھی طے پایا تھا۔ اسی سال مارچ ۱۹۵۴ء میں مشرقی پاکستان میں عام انتخابات منعقد ہوئے تو چھوٹی چھوٹی مقامی مخالف سیاسی جماعتوں نے جگتو فرنٹ کے نام سے متحدہ محاذ قائم کیا۔ اس محاذ نے مسلم لیگ کو عبرت ناک شکست دے کر مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ کی رہی سہی ساکھ کو بھی ختم کر دیا۔

انتخابات کے فوراً بعد جگتو فرنٹ کے راہنماؤں (مولوی فضل الحق، حسین شہید سہروردی اور مولانا عبدالحمید بھاشانی) نے دستور ساز اسمبلی سے مشرقی پاکستان کے نمائندوں کو مستعفی ہونے اور صوبے سے نئے نمائندے بھیجنے کا مطالبہ کیا۔ ۲ اپریل ۱۹۵۴ء کو فضل الحق نے وزارت بنائی۔

۳۰ رمئی ۱۹۵۴ء کو مشرقی پاکستان میں اُس وقت گورنر راج کا نفاذ عمل میں آیا جب مشرقی پاکستان کے وزراء نے کراچی سے ڈھاکہ جاتے ہوئے کہا کہ وہ صوبوں کی خود مختاری کے حق میں ہیں چنانچہ فضل الحق وزارت برطرف کر دی گئی اور دفعہ ۹۲ الف کے تحت گورنر کو اختیارات سنبھالنے کی ہدایت کی گئی۔ میجر جنرل سکندر مرزا نئے گورنر مقرر ہوئے۔ ۳ رجون ۱۹۵۵ء کو وزیر اعظم مسٹر محمد علی نے مشرقی پاکستان میں گورنر راج ہٹانے اور پارلیمانی حکومت بحال کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۶ رجون کو مسٹر شہاب الدین گورنر کے عہدے سے مستعفی ہو گئے اور ابو حسین سرکار نے نئی وزارت بنائی۔ جون ۱۹۵۴ء میں میاں امین الدین کی جگہ حبیب ابراہیم رحمت اللہ پنجاب کے گورنر مقرر ہوئے۔ جون ۱۹۵۵ء میں نہری پانی کے عبوری سمجھوتے پر واشنگٹن میں بھارت اور پاکستان کے مابین دستخط ہوئے۔

مشرقی پاکستان میں کمیونسٹ پارٹی کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے پیش نظر ۵ رجولائی ۱۹۵۴ء کو خلافِ قانون قرار دے دیا گیا۔

انہی کے عہد میں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے ۲۰ رجولائی ۱۹۵۴ء کو کراچی کو پاکستان کا مستقل طور پر وفاقی دارالحکومت قرار دینے کا فیصلہ کیا۔

مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ کی شکست کی بناء پر مسٹر محمد علی بوگرہ کی سیاسی پوزیشن کمزور ہو گئی۔ ستمبر ۱۹۵۴ء میں محمد علی بوگرہ نے اسمبلی میں ایک مسودہ قانون پیش کیا جس کے تحت گورنر جنرل کو کابینہ برخواست کرنے کا اختیار نہ تھا اور انہوں نے اعلان کیا کہ جلد ہی پاکستان کا دستور منظور کر کے یکم جنوری کو پاکستان کو جمہوریہ قرار دے دیا جائے گا۔ لیکن ۲۴ راکتوبر ۱۹۵۴ء کو گورنر جنرل غلام محمد نے دستور ساز اسمبلی کو غیر نمائندہ کہہ کے توڑ دیا جسے سندھ چیف کورٹ میں چیلنج کیا گیا، لیکن سندھ چیف کورٹ کے فیصلے کو فیڈرل کورٹ نے تسلیم نہ کیا۔ ۶ رجون ۱۹۵۵ء کو ابو حسین سرکار مشرقی صوبے کے وزیر اعلیٰ بنے۔

ان کے عہد میں پاکستان سیٹو کے دفاعی معاہدے میں شامل ہوا۔ جس کے نتیجے میں بھارت نے یہ واویلا شروع کر دیا کہ یہ معاہدہ بھارت کی سالمیت کے خلاف ہے۔ بھارت نے اس معاہدے کے خلاف اس شدومد سے پراپیگنڈہ کیا کہ اس نے بیرونی ممالک سے بے پناہ اسلحہ حاصل کر لیا۔ مارچ ۱۹۵۵ء میں افغانستان نے پاکستانی پرچم کی توہین کی وزیر اعظم محمد علی بوگرہ کے جرأت مندانہ اعلان کے ساتھ ہی افغانستان نے آبرومندانہ تلافی کر دی۔

اپریل ۱۹۵۵ء میں بنڈونگ کانفرنس میں مسٹر محمد علی بوگرہ نے چین کے وزیراعظم مسٹر چو این لائی سے ملاقات کی۔ پاکستانی وزیراعظم کی چینی وزیر اعظم سے یہ پہلی ملاقات تھی اس ملاقات میں محمد علی بوگرہ سے چینی وزیراعظم اس قدر متاثر ہوئے کہ دونوں ملکوں کے مابین دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے۔ اسی کانفرنس میں وزیراعظم محمد علی بوگرہ نے سیٹو میں شمولیت کے بارے میں اپنا مؤقف اس انداز سے پیش کیا کہ پاکستان کی وضاحت کو چین نے درست قرار دے دیا۔ وزیراعظم چین نے جناب محمد علی بوگرہ کو چین آنے کی دعوت بھی دی مگر پاکستان میں حکومت کی تبدیلی کی وجہ سے وُہ چین کا دورہ نہ کر سکے۔ ان کے زمانے میں قومی ترانہ منظور ہوا۔

۱۱ اگست ۱۹۵۵ء کو انہیں وزارتِ عظمیٰ کے عہدے سے علیحدہ کر دیا گیا اور ان کی جگہ چودھری محمد علی نئے وزیرِ اعظم بنے، اس دوران گورنر جنرل غلام محمد ۶ اگست کو خرابیٔ صحت کی بناء پر دو ماہ کے لئے رخصت پر چلے گئے۔

حالاتِ زندگی

محمد علی بوگرہ ۱۹۰۹ء میں بوگرہ (مشرقی بنگال) میں ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے انہوں نے ۱۹۳۰ء میں پریذیڈنسی کالج کلکتہ سے بی اے کیا۔ ۱۹۳۷ء میں بنگال کی صوبائی دستور ساز اسمبلی کے رُکن منتخب ہوئے اسی حیثیت سے وہ کئی اہم کمیٹیوں کے رُکن رہے۔ ۱۹۳۷ء اور ۱۹۳۸ء میں ضلع مسلم لیگ کے صدر تھے۔ ۱۹۴۳ء میں متحدہ بنگال کے وزیرِ اعلیٰ کے پارلیمنٹری سیکرٹری اور ۱۹۴۶ء میں صوبائی وزیر خزانہ وصحت مقرر ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد پہلی دستور ساز اسمبلی کے رُکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں برما میں پاکستان کے سفیر اور ایک سال کے بعد کینیڈا میں پاکستان کے پہلے ہائی کمشنر اور فروری ۱۹۵۲ء میں امریکہ میں سفیر مقرر ہوئے، اپریل ۱۹۵۳ء میں پاکستان کے وزیراعظم بنا دیئے گئے۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۵۳ء کو آئین ساز اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر منتخب ہوئے۔ ۱۹۵۴ء میں دستور ساز اسمبلی کی تنسیخ پر اپنی کابینہ میں ردو بدل کیا اپریل ۱۹۵۵ء میں ایشیائی افریقی ممالک کی جو کانفرنس بنڈونگ میں منعقد ہوئی اس میں چینی وزیراعظم مسٹر چو این لائی سے ملاقات کی اور دونوں ملکوں کے مابین دوستانہ تعلقات استوار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ۱۹۵۵ء تک ملک کے وزیراعظم رہے۔ بعد ازاں پھر امریکہ میں سفیر بنا دیئے گئے۔ جون ۱۹۶۲ء میں انہیں ملک کا وزیر خارجہ مقرر کیا گیا اور وُہ وفات تک اسی عہدے پر فائز رہے۔ ۲۳ جنوری ۱۹۶۳ء کو انتقال کیا۔

کرشک سرامک پارٹی کا قیام

۲۷ر جولائی ۱۹۵۳ء کو مولوی فضل الحق نے کرشک سرامک پارٹی کے قیام کا اعلان کیا۔ یہ جماعت ۱۹۲۵ء میں مولوی فضل الحق نے قائم کی تھی اور اس کا نام کرشک پرجا پارٹی رکھا تھا۔

اس جماعت کی تجدید کے بعد ۱۹۵۴ء میں مشرقی پاکستان میں عام انتخابات منعقد ہوئے۔ جس میں اس جماعت نے متحدہ محاذ میں شامل ہو کر مسلم لیگ کو شکست دینے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔

آئینی پیش رفت

نئی دستور ساز اسمبلی کی طلبی

۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۴ء کو گورنر جنرل غلام محمد نے دستور ساز اسمبلی توڑ دی تو اس کے بعد کراچی کے یوسف پٹیل کے مقدمے کا ۱۳ر اپریل ۱۹۵۵ء کو فیڈرل کورٹ کی جانب سے فیصلہ آیا اس میں کہا گیا تھا کہ آئینی قوانین کی توثیق صرف دستوریہ ہی کر سکتی ہے اس طرح فیڈرل کورٹ نے مستقبل کا آئین بنانے کے سلسلے میں گورنر جنرل کی کوشش اور ارادہ کا خاتمہ کر دیا اور اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ نئی مجلس دستور ساز بنائے چنانچہ ۱۵ر اپریل ۱۹۵۴ء کو گورنر جنرل غلام محمد نے دستوری کنونشن طلب کر لیا۔ ۱۶ر اپریل کو گورنر جنرل نے سابق دستوریہ کے وضع کردہ ان ۳۵ قوانین کی منظوری دی جن کا حوالہ گورنر جنرل کے ایمرجنسی پاورز آرڈی ننس ۵۵ کے شیڈول میں دیا گیا تھا۔ ان میں راولپنڈی سازش کیس ایکٹ بھی شامل ہے۔

اس موقع پر پاکستان کے سابق چیف جسٹس میاں عبدالرشید نے کہا کہ حکومت فیڈرل کورٹ سے یہ رائے طلب کرے کہ آیا مجوزہ دستوری کنونشن قانونی طور پر آئین مرتب کرنے کی مجاز ہے یا کہ نہیں۔

۷ر مئی ۱۹۵۴ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی ایک رپورٹ میں ترمیم منظور کر کے اردو اور بنگالی دونوں کو پاکستان کی سرکاری زبان تسلیم کر لیا۔ پاکستان دستور ساز اسمبلی کے اس فیصلے پر مسلم لیگ پارٹی کے ارکان نے شدید احتجاج کیا۔ ۸ر مئی کو دستور ساز اسمبلی نے گورنر جنرل کو پنشن دینے کا مسودہ قانون منظور کر لیا۔ ۱۱ر مئی کو دستور ساز اسمبلی نے صدر مملکت کو ملک میں ہنگامی حالت کے نفاذ کا اختیار دینے کا قانون منظور کیا۔

۲۷ رمئی ۱۹۵۴ء کو مجلس دستور ساز نے آئین میں ترمیم کے لئے نئے طریق کار کے متعلق دفعہ منظور کرلی جس کے تحت صوبائی گورنروں کو صوبوں میں نائب وزرا مقرر کرنے کا اختیار دے دیا گیا۔

۲۲ رمئی ۱۹۵۵ء کو دستوریہ نے ۱۹۴۹ء کی دستوریہ کی نشستوں کی تعداد میں اضافہ اور ان کی از سرنو تقسیم کے بارے میں جو قانون منظور کیا تھا گورنر جنرل نے اس کی توثیق کردی۔ ۲۸ رمئی کو گورنر جنرل نے ایک حکم جاری کیا جس کے مطابق نئی دستور ساز اسمبلی کو ۲۱ رجون کو منتخب کرنے کا اعلان کیا گیا اس کے مطابق پنجاب سے ۲۱ (مسلم ۲۰ غیر مسلم ۱) مشرقی پاکستان سے ۴۰ (مسلم ۳۱ غیر مسلم ۹) سندھ سے ۵ (۴ مسلم، غیر مسلم ۱) صوبہ سرحد سے ۴، سرحدی ریاستوں سے ۱، قبائلی علاقوں اور بہاولپور سے ۲ اور بلوچستان، بلوچستان ریاستی یونین، خیرپور اور کراچی سے ایک ایک نمائندہ لیا گیا۔

۲۱ رجون کے انتخابات میں مغربی پاکستان کی ۳۲ نشستوں کے انتخابی نتائج کا اعلان کیا گیا، جس کے مطابق پنجاب سے کرنل عابد حسین، میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ، چودھری محمد حسین چٹھہ، ملک فیروز خاں نون، مظفر علی قزلباش، صوفی عبدالحمید، علمدار حسین گیلانی، چودھری عزیز الدین، پیر محی الدین، میاں مشتاق احمد گورمانی، میجر جنرل سکندر مرزا، چودھری محمد علی، سردار امیر اعظم خاں، افتخار حسین ممدوٹ، عبدالغنی گھمن، عبدالحمید دستی، امیر محمد خاں نواب آف کالا باغ، میاں عبدالباری، مسٹر سی ای گبن، میاں افتخار الدین اور شیر مزاری کو منتخب کیا گیا۔

دستوریہ کے سلسلے میں ہنگامی اختیارات کا استعمال

جب فیڈرل کورٹ آف پاکستان نے پہلی دستور ساز اسمبلی کی تمام کارروائی کو ختم کردیا تو ملک میں ایک قانونی اور سیاسی بحران پیدا ہوگیا، چنانچہ حکومت نے اس بحران پر قابو پانے کے لئے ہنگامی قانون، ہنگامی اختیارات نمبر ۹ مصدرہ ۱۹۵۵ وضع کئے جس کی رُو سے یہ قرار پایا گیا کہ

۱۔ پاکستان میں آئین وضع کرنا۔

۲۔ مغربی پاکستان کا ایک صوبہ بنانا۔

۳۔ ان قوانین کی توثیق جنہیں دستور ساز اسمبلی نے منظور کیا، لیکن گورنر جنرل کی منظوری حاصل نہ تھی۔

۴۔ مرکزی بجٹ کی توثیق۔
۵۔ مشرقی بنگال کو مشرقی پاکستان کا نام دینا۔

لیکن فیڈرل کورٹ نے حکومت کی اس کارروائی کو بھی غیر قانونی قرار دیا جس کے لئے حکومت نے دستور ساز کنونشن طلب کیا۔

صوبہ سرحد سے: سردار عبدالرشید، میاں جعفر شاہ، ایم آر کیانی، خان جلال الدین۔
سندھ سے ایم اے کھوڑو، پیر علی محمد راشدی، میر غلام علی تالپور، حاجی مولابخش سومرو، میرومل کرپال، ڈاکٹر خان صاحب، یوسف عبداللہ ہارون۔

۲۲ رجون کو مشرقی پاکستان کی دستوریہ کے کامیاب ارکان کے ناموں کا اعلان کر دیا گیا۔

آئین ساز اسمبلی کا اجلاس

۷ رجولائی کو میاں مشتاق احمد گورمانی کو پاکستان کی نئی دستور ساز اسمبلی کا عارضی چیئرمین منتخب کر لیا گیا۔ اسی روز مری میں آئین ساز اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا۔ محمد علی بوگرہ کا خیال تھا کہ وہ کرشک سرامک پارٹی کے تعاون سے وزارت بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن گورمانی دولتانہ اتحاد کی بنا پر وہ اپنے مقصد کے حصول میں ناکام رہے۔ ۱۳ رجولائی کو دستور ساز اسمبلی نے سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کے انتخاب سے متعلق بل بھی منظور کر لیا۔

دریں اثناء وزیر قانون مسٹر حسین شہید سہروردی نے ون یونٹ کی تشکیل کے سلسلے میں ایک بل پیش کیا جس کی رو سے مغربی پاکستان اسمبلی میں پنجاب کو ۴۰ فیصد نشستیں ملیں۔

دستوریہ کی برطرفی اور مولوی تمیز الدین کیس

مجلس دستور ساز نے ۲۱ ستمبر ۱۹۵۴ء کو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں پانچویں ترمیم منظور کی اس ترمیم کے ذریعے پیروڈا کا قانون منسوخ کر دیا گیا اور وزیر اعظم اور دیگر وزراء کی تقرری اور تنزلی کے اختیارات گورنر جنرل سے سلب کر لئے اس ترمیم کا اصل مقصد آئین کو برطانوی خطوط پر چلانا تھا۔

گورنر جنرل نے اپنے اختیارات میں کمی کو دل سے قبول نہ کیا اور اس ضمن میں پیروڈا Public & Representative Officers Disqualification Act کے تحت دی گئی سزائیں معاف کر دیں نیز یہ اعلان کیا کہ

چونکہ مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ کو شکست سے دوچار ہونا پڑا ہے لہٰذا اس دستوریہ کی نمائندہ

حیثیت برقرار نہیں رہی چنانچہ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۴ء کو دستوریہ کو توڑ دیا گیا اور ملک میں ہنگامی حالت نافذ کر دی گئی۔

دستور ساز اسمبلی کے سپیکر مولوی تمیز الدین نے نئے مقرر کردہ وزراء کے خلاف رٹ آف کو وارنٹو (استفساری حکمنامۂ عدالت) کے لئے اور اسپیکر کے عہدے پر خود اپنی بحالی کی غرض سے رٹ آف مینڈمس (تاکیدی حکمنامۂ عدالت) کے سندھ چیف کورٹ میں اس بنیاد پر آئین کی دفعہ ۲۲۳ الف کے تحت درخواست دی کہ گورنر جنرل کو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت مجلس آئین کو توڑنے یا انہیں اسپیکر کے عہدے سے معزول کرنے کے اختیارات نہیں ہیں۔

سندھ چیف کورٹ میں مولوی صاحب کی درخواست کے حق میں برطانوی وکیل مسٹر ڈی این پرٹ نے بحث کی۔ سندھ چیف کورٹ نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی دفعہ ۲۲۳ الف کے تحت ۹ر فروری ۱۹۵۵ء کو حکمنامہ جاری کر دیا اور فیصلہ دیا کہ دستور ساز اسمبلی کی تنسیخ غیر قانونی تھی۔

مرکزی حکومت نے اس فیصلے کے خلاف فیڈرل کورٹ میں ۱۷ر فروری ۱۹۵۵ء کو اپیل کی۔ یہ درخواست مسٹر فیاض علی ایڈووکیٹ جنرل نے دائر کی۔ فیڈرل کورٹ کے چیف جسٹس محمد منیر نے فیصلہ دیا کہ رٹ مذکورہ جاری نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ جس ایکٹ کے ذریعے یہ دفعہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں شامل کی گئی تھی اُسے گورنر جنرل کی منظوری حاصل نہیں تھی جو مجلس آئین ساز کے سارے قوانین کے لئے لازمی آئینی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ہی فیڈرل کورٹ میں یہ دلیل بھی پیش کی گئی کہ آئین ساز اسمبلی ۴۴ قوانین منظور کرا چکی ہے اور اگر یہ فیصلہ برقرار رکھا گیا کہ گورنر جنرل کی منظوری کے بغیر کوئی قانون قانونی حیثیت نہیں رکھتا تو آج تک بنائے گئے تمام قوانین از خود ختم ہو جائیں گے۔ اس طرح گورنر جنرل کی کارروائی کی توثیق ہوگی۔ اور نئی دستوریہ منتخب کرنے کی راہ ہموار ہوگی۔

۳ر مارچ ۱۹۵۵ء کو پاکستان فیڈرل کورٹ میں فاضل ججوں نے سندھ چیف کورٹ کے فیصلے کے خلاف حکومت پاکستان کی اپیل کی سماعت کے دوران میں فریقین کو ہدایت کی کہ وہ باہم گفت وشنید کر کے صلح کر لیں۔

۱۰ر مئی ۱۹۵۵ء کو فیڈرل کورٹ نے رائے دی کہ گورنر جنرل دستور ساز اسمبلی کو توڑنے میں حق بجانب تھے۔

۱۶ر مئی کو گورنر جنرل کے استفسارات کے بارے میں فیڈرل کورٹ کی مفصل رپورٹ شائع کر دی گئی۔

وَن یونٹ کے قیام کا اعلان

۲۲ر نومبر ۱۹۵۴ء کو وزیرِ اعظم پاکستان جناب محمد علی بوگرہ نے وحدت مغربی پاکستان کے قیام کے سلسلہ میں ریڈیو پاکستان سے اعلان کیا۔ انہوں نے اپنے نشریے میں کہا کہ مغربی پاکستان کی تمام صوبائی اسمبلیوں سے اس ضمن میں منظوری لی جائے گی۔ ۲۵ر نومبر ۱۹۵۴ء کو وزیرِ اعلیٰ سرحد سردار عبدالرشید نے اسمبلی میں وَن یونٹ کے قیام کی قرارداد پیش کی جسے متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا۔ ۳۰ر نومبر ۱۹۵۴ء کو پنجاب اسمبلی نے ایک یونٹ کی قرارداد منظور کر لی تاہم صوبہ سندھ کے وزیرِ اعلیٰ پیرزادہ عبدالستار نے ون یونٹ کے قیام کی شدید مخالفت کی جس کے نتیجے میں گورنر جنرل ملک غلام محمد نے ان کی وزارت کو برطرف کر دیا اور اُن کی جگہ مسٹر محمد ایوب کھوڑو وزیرِ اعلیٰ بنے۔ ۱۱ر دسمبر ۱۹۵۴ء کو سندھ اسمبلی نے بھی ون یونٹ کے قیام کی حمایت کا اعلان کر دیا ازاں بعد کراچی میں ۱۴ر دسمبر ۱۹۵۴ء کو ایک اعلیٰ سطحی کانفرنس میں مرکزی وزراء، گورنروں اور ریاستی حکمرانوں نے بھی وَن یونٹ بنانے کا قطعی فیصلہ کیا۔ ۱۵ر دسمبر کو ایک یونٹ کے انتظامی ڈھانچے کے متعلق متعدد تفصیلات طے کی گئیں۔ ۱۶ر دسمبر کو پاکستان مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے بھی اس کی توثیق کر دی۔ ۱۷ر دسمبر کو گورنر جنرل غلام محمد نے مغربی پاکستان کی انتظامی کونسل کے قیام سے متعلق پاکستان آرڈر ۴ ۱۹۵۴ء جاری کیا۔ جو فوراً نفاذ پذیر ہوا۔ اس حکم کے تحت مغربی پاکستان کے صوبے کو پچاس اضلاع اور دس کمشنریوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ یکم جنوری ۱۹۵۵ء کو بلوچستان کی ریاستوں نے بھی ون یونٹ میں شامل ہونے کے لئے معاہدے پر دستخط کر دیئے۔

گورنر جنرل غلام محمد نے وحدت کی تفاصیل طے کرنے کے لئے نواب مشتاق احمد گورمانی کی قیادت میں ایک کمیٹی قائم کی۔ بعد ازاں چار سب کمیٹیاں تشکیل دی گئیں جنہوں نے ۵ر جنوری ۱۹۵۵ کو اپنی رپورٹ مکمل کر لی۔ ۸ر جنوری کو گورنر جنرل نے بلوچستانی ریاستوں کے ادغام سے متعلق معاہدے پر دستخط کر دیئے۔

۱۲ر جنوری کو مغربی پاکستان کی صوبائی اور ریاستی مسلم لیگوں کی مجالس عاملہ نے یہ فیصلہ کیا کہ مغربی پاکستان کے مسلم لیگ کے ارکان صدر، وزیر، گورنر اور سربراہ مملکت کا عہدہ قبول نہیں کریں گے۔

۱۴ر جنوری کو لاہور میں مغربی پاکستان کے صوبوں اور ریاستوں کے خفیہ پولیس کے محکموں کے ادغام کے سلسلے میں کانفرنس منعقد ہوئی کانفرنس نے مغربی پاکستان وَن یونٹ کے

سلسلے میں حمایت کا اعلان کیا گیا۔ ۲۷ر جنوری کو ون یونٹ کے سیکرٹریٹ کی تنظیمی کمیٹی نے کام ختم کرلیا۔

۲۶ر فروری ۱۹۵۵ء کو گورمانی کمیٹی نے ون یونٹ کے قیام کے سلسلے میں مرکزی حکومت کو اپنی رپورٹ پیش کی۔ رپورٹ کے مطابق مغربی پاکستان کی حکومت کے لئے پندرہ محکمے تجویز کئے گئے تھے۔

۳ر مارچ کو مرکزی وزیر مواصلات ڈاکٹر خاں صاحب مغربی پاکستان کونسل کے رکن نامزد ہوئے۔ ۲۰ر مارچ کو گورنر جنرل نے ایک آرڈی ننس کے ذریعے ایمرجنسی پاورز آرڈی ننس کی دفعہ ۲ کے تحت خصوصی اختیارات حاصل کرلئے۔

دریں اثناء افغان حکومت نے ون یونٹ کے قیام کے خلاف پاکستان سے شدید احتجاج کیا جسے حکومت پاکستان نے ۲ر اپریل ۱۹۵۵ء کو مسترد کر دیا۔ ۴ر اپریل کو گورنر جنرل نے میاں مشتاق احمد گورمانی کو صوبہ مغربی پاکستان کا گورنر اور ڈاکٹر خان صاحب کو وزیراعلیٰ مقرر کیا۔ جبکہ مسٹر این اے فاروقی نئے صوبے کے چیف سیکرٹری مقرر کئے گئے۔ ۱۲ر اپریل ۱۹۵۵ء کو فیڈرل کورٹ آف پاکستان نے گورنر جنرل کی جانب سے ۲۰ر مارچ ۱۹۵۵ء کو جاری کردہ ایمرجنسی پاورز آرڈی ننس کی دفعہ ۲ جس کے تحت سابق دستوریہ کے ۳۵ قوانین کی توثیق کی گئی تھی غیر قانونی قرار دے دیا اور اس طرح ون یونٹ کے قیام کے سلسلے میں عارضی طور پر رکاوٹ پیدا ہوگئی۔

۱۴ر جولائی کو مسلم لیگ نے بھی ون یونٹ کے مسئلے پر قرارداد منظور کرلی۔

مغربی پاکستان اسمبلی کا کوٹہ

۸ر اگست ۱۹۵۵ء کو وحدتِ مغربی پاکستان کے قیام کا مسودہ قانون ارکان دستوریہ میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ مغربی پاکستان اسمبلی ۳۱۰ ارکان پر مشتمل ہوگی جس میں سے پنجاب کو ۱۰ فیصد نمائندگی ملے گی صوبائی اسمبلی میں ۸ جنرل نشستیں ہوں گی دس نشستیں مسلم خواتین کے لئے اور دو عیسائیوں کیلئے ہوں گی۔ پنجاب کے لئے ۱۳۴، سندھ کے لئے ۷۵، سرحد کے لئے ۴۱، قبائلی علاقوں کے لئے ۲۲، سرحدی علاقوں کے لئے ۱۰، بہاولپور کے لئے ۲۳، خیرپور کے لئے ۱۴، بلوچستان اور بلوچستان کے قبائلی علاقوں کے لئے ۸، بلوچستان ریاستی یونین کے لئے ۷، اور کراچی کے لئے ۱۴ نشستیں ہوں گی۔

پیرودا کی تنسیخ

محمد علی بوگرہ کی کوششوں سے ۱۹۴۹ء میں نافذ کیا جانے والا نا اہلی

کا ایکٹ ۲۰ ستمبر ۱۹۵۴ء کو منسوخ کر دیا گیا۔

مسلم لیگ کو مشرقی پاکستان میں شکست

محمد علی بوگرہ کے عہد میں مشرقی پاکستان کے انتخابات کو اہمیت حاصل ہے کیونکہ عوامی لیگ، کرشک سرامک پارٹی اور دیگر پارٹیوں نے مل کر جگتو فرنٹ قائم کیا اور ان کے راہنماؤں مولانا عبدالحمید خاں بھاشانی، مسٹر حسین شہید سہروردی اور مولوی اے کے فضل الحق نے مسلم لیگ کو انتخابات میں شکست دینے کے سلسلے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔

انتخابات میں مسلم لیگ نے ۳۰۹ نشستوں میں سے صرف ۹ نشستیں حاصل کیں۔

۲۵ مارچ ۱۹۵۴ء کو فضل الحق کو مخلوط حکومت بنانے کی دعوت دی گئی۔ انتخابات کے بعد متحدہ محاذ نے آئین ساز اسمبلی سے کہا کہ مشرقی پاکستان کے نمائندے مستعفی ہو جائیں تاکہ نئے ارکین کو مشرقی پاکستان کے عوام کی نمائندگی کا موقع مل سکے۔

انتخابات میں کمیونسٹوں کو بھی ۲۲ نشستیں ملی تھیں اس لئے انہوں نے ۳۰ مارچ ۱۹۵۴ء کو کرنافلی ملز میں فسادات کرائے پھر آدم جی جوٹ ملز میں اس عمل کو دہرایا، نارائن گنج کے علاقے میں ۴۰۰ اشخاص کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ فسادات بے قابو ہونے کی بنا پر صنعتوں پر بڑا اثر پڑا اور سیاسی حالات اس قدر خراب ہو گئے کہ صوبے میں گورنر راج نافذ کرنا پڑا۔

گورنر جنرل کی علیحدگی

۶ اگست ۱۹۵۵ء کو ملک غلام محمد خرابی صحت کی بنا پر دو ماہ کے لئے رخصت پر چلے گئے اور اسی روز سے اُن کی جگہ میجر جنرل اسکندر مرزا کو پاکستان کا قائمقام گورنر جنرل مقرر کیا گیا۔

حالات زندگی میجر جنرل سکندر مرزا

سکندر علی مرزا ۱۳ نومبر ۱۸۹۹ء کو بمبئی میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم سینٹ زیویئر سکول میں پائی اور یہیں سے الفنسٹن کالج سے گریجوایشن کی۔ اُن کے والد نواب فتح علی مرزا مرشد آباد کے نواب تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد فوج میں بھرتی ہو گئے۔ وُہ ہندوستان سے سینڈ ہرسٹ بھیجے جانے والے پہلے ہندوستانی گروپ میں شامل تھے۔ اس گروپ میں وہ پہلے ہندوستانی تھے جنہوں نے ۱۹۲۰ء میں کنگز کمیشن حاصل کیا۔ پہلے ہندوستانی تھے جنہیں برطانیہ کی سرکار نے سیاسی خدمات کے لئے منتخب کیا۔ وُہ صوبہ اڑیسہ اور صوبہ سرحد میں خدمات انجام دیتے رہے قیام پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان کے گورنر بنے پھر پاکستان کے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالا اور ۱۹۵۶ء میں آئین کے تحت

صدر کے عہدے کا حلف اُٹھایا۔

۱۹۵۸ء کے مارشل لاء میں (جو خود اُن کے ایما پر لگایا گیا تھا) جنرل ایوب خاں نے اقتدار سے محروم کر کے پاکستان چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔ اقتدار کی محرومی کے بعد وُہ مستقل طور پر لندن چلے گئے اور وہاں ایک ہوٹل چلاتے رہے۔ انہوں نے ایک کتاب "مائی کنفیشن (میرے اعترافات) بھی لکھی اور محض اس ڈر سے نہ چھپوائی کہ کہیں صدر ایوب خاں ان کی پنشن بند نہ کر دیں۔

وُہ پاکستان کے چوتھے گورنر جنرل اور ۱۹۵۶ء کے آئین کے تحت ملک کے پہلے صدر تھے۔ ان کا انتقال ۱۳ رنومبر ۱۹۶۹ء کو ہُوا۔ وہ ۱۳ رنومبر ہی کو پیدا ہوئے تھے اور انہیں اُن کی وصیت کے مطابق تہران میں دفن کر دیا گیا۔

مری سمجھوتہ

۷ رجولائی ۱۹۵۵ء کو مری میں دستور ساز اسمبلی کا اجلاس شروع ہُوا اور اس دوران آئین سازی کے لئے پاکستان مسلم لیگ، عوامی لیگ اور کرشک سرامک پارٹی میں ایک سمجھوتہ طے پایا۔ سمجھوتے کے مطابق آئین سازی کے لئے پانچ راہنما اصُول مدون کئے گئے۔ جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ نئے آئین کے مطابق پاکستان صرف دو حصّوں مشرقی اور مغربی پر مشتمل ہوگا۔ مغربی حصے میں شامل تمام صوبوں کو متحد کر کے ایک صوبہ قائم کیا جائے گا۔

۲۔ دونوں صوبوں کو مکمل خود مختاری دی جائے گی۔

۳۔ مرکزی مقننہ میں دونوں صوبوں کو مساوی نمائندگی دی جائے گی۔ نیز حکومت کے ہر شعبے اور معاشی ترقی میں پاکستان کے دونوں صوبوں کو مساوی حصّہ دیا جائے گا۔

۴۔ انتخابات کے سلسلے میں مخلوط طریق انتخاب رائج کیا جائے گا اور مرکزی وصوبائی اسمبلیوں میں کسی بھی فرقے کے لئے نشستیں مخصوص نہیں کی جائیں گی۔

۵۔ اردو اور بنگالی کو پاکستان کی قومی زبان کی حیثیت حاصل ہوگی۔

اس سمجھوتے کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا اور اس کے صرف چھ ۶ ماہ بعد ۱۹۵۶ء کا آئین مکمل کر لیا گیا۔ نیز وحدتِ مغربی پاکستان کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔

محمد علی بوگرہ فارمولا

جب محمد علی بوگرہ نے وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھالا تو پاکستان کی سرزمین اُس وقت تک بھی نیا آئین حاصل نہ کر سکی۔ سب سے بڑا مسئلہ مرکزی مقننہ میں مشرقی پاکستان کی نمائندگی کا تھا اور اس مسئلے کا حل بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی

رپورٹ میں بھی پیش نہیں کیا گیا تھا۔ چنانچہ محمد علی بوگرہ نے مشرقی پاکستان کے مرکزی مقننہ میں نمائندگی کے مسئلے کو جلد حل کرنے کے لئے اپنی طرف سے ایک فارمولا پیش کیا جسے محمد علی بوگرہ فارمولے کا نام دیا گیا۔

۵ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کی توثیق کے ساتھ ہی اس کا اعلان کر دیا گیا۔ اس فارمولے میں مندرجہ ذیل تجاویز پیش کی گئی تھیں۔

۱۔ وفاقی پارلیمان کے دو ایوان ہوں گے اور دونوں ایوانوں کو مساوی اختیارات حاصل ہوں گے۔

۲۔ ایوانِ بالا کے ارکان کی تعداد پچاس ہوگی یعنی ہر صوبے سے دس دس ارکان اس میں شامل ہوں گے۔

جب کہ ایوانِ زیریں میں ارکان کی تعداد ۳۰۰ ہوگی ان میں آبادی کے لحاظ سے ۱۶۵ نشستیں مشرقی پاکستان کے لئے اور ۱۳۵ مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کے لئے مختص ہوں گی۔

۳۔ صدر کے انتخاب، عدم اعتماد، اعتماد کے معاملات میں دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس طلب کیا جائے گا۔ اگر دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس کچھ اُمور کا فیصلہ نہ کر سکے تو صدر کو اختیار حاصل ہوگا کہ وُہ دونوں ایوانوں کو کالعدم قرار دے دے۔

۴۔ اس فارمولے میں سپریم کورٹ کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وُہ دونوں ایوانوں کے منظور شدہ کسی بھی قانون کے بارے میں یہ فیصلہ دے سکتا ہے کہ آیا یہ قانون قرآن وسنّت کے منافی تو نہیں ہے۔

۵۔ ۲۵ سال کے عرصے کے لئے مالیاتی اُمور پر اسلامی قوانین کا اطلاق نہ ہوگا۔

پاکستان کی بیشتر سیاسی جماعتوں نے محمد علی فارمولا کو قبول کر لیا اور اس طرح یہ اُمید پیدا ہو گئی کہ ملک کا نیا آئین جلد بن جائے گا۔ مگر اسی دوران دستور سازی کے لئے ماہرین پر مشتمل ایک کمیٹی کا قیام عمل میں آ گیا۔

قومی ترانہ

قومی ترانے کی تخلیق کا کام اگرچہ ۲۳ فروری ۱۹۴۹ء ہی سے شروع ہو چکا تھا۔ تاہم اس کی تکمیل ۱۹۵۴ء میں ہوئی۔ جنوری ۱۹۵۴ء میں مرکزی حکومت کی منظوری کے بعد ۱۳ اگست ۱۹۵۴ء کو اس کے خالق جناب حفیظ جالندھری کی آواز میں ہی ریڈیو پاکستان سے نشر کیا گیا۔ ۱۴ اگست ۱۹۵۵ء کو حکومتِ پاکستان نے جناب حفیظ جالندھری سے اس کے

حقوق خرید لئے۔

قومی ترانہ شاعری کی مخمس شکل میں ہے اس میں کل پندرہ مصرعے ہیں۔ پورا قومی ترانہ بجنے میں ایک منٹ ۲۰ سیکنڈ لگتے ہیں۔ اس میں صرف 'کا' لفظ ایسا ہے جو اُردو زبان کا ہے۔ باقی تمام الفاظ فارسی زبان کے ہیں۔

پاکستان ترکی معاہدہ اپریل ۱۹۵۴ء میں پاکستان اور ترکی کے مابین ایک معاہدہ طے پایا جس کی رُو سے دونوں ممالک نے اقتصادی ثقافتی اور دفاعی اُمور میں ایک دُوسرے کی مدد کرنے کا عہد کیا۔

پاکستان اور امریکہ کے مابین باہمی دفاعی اعانت کا معاہدہ:

۱۷ر مئی ۱۹۵۴ء کو پاکستان اور امریکہ کے درمیان کراچی میں باہمی دفاعی اعانت کے معاہدے پر دستخط ہوئے معاہدے پر دستخط کرنے کے ساتھ ہی دونوں حکومتوں نے واضح کیا کہ

۱۔ اس معاہدے کے ذریعے ہر دو ممالک کے مابین کوئی فوجی (جارحانہ) اتحاد قائم نہیں کیا گیا۔

۲۔ اس کے ذریعے پاکستان پر ایسی کوئی ذمّہ داری عائد نہیں ہوتی کہ وُہ امریکہ کو فوجی اڈے بھی مہیا کرے۔

۳۔ معاہدے کے تحت پاکستان آنے والے امریکی فوجی افسروں کو سفارتی حقوق حاصل ہوں گے۔

میاں افتخارالدین نے اس معاہدے پر تبصرہ کرتے ہوئے ۲۴ر مئی کو کراچی میں کہا کہ پاکستان نے امریکہ کے ساتھ فوجی امداد کے معاہدے پر دستخط کر کے ملک کی آزادی کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔

نہری پانی کے عبوری سمجھوتے پر دستخط ۲۳ر جون ۱۹۵۵ء کو مسٹر محمد علی بوگرہ کے عہد میں واشنگٹن میں پاکستان اور بھارت کے درمیان نہری پانی کے عبوری سمجھوتے پر دستخط ہوئے۔ یہ سمجھوتہ یکم اپریل ۱۹۵۵ء سے ۳۰ر ستمبر ۱۹۵۵ء تک قابلِ عمل ہو رہا۔

معاہدہ سیٹو (SOUTH EAST ASIA TREATY ORGANIZATION)

اس دفاعی تنظیم کا مقصد جنوب مشرقی ایشیا کے میثاق (سیٹو) کے رُکن ممالک کے عوام کے لئے اس تحفظ کا بندوبست کرنا تھا جس کی انہیں امن و آزادی سے رہنے اور اقتصادی اور معاشرتی ترقی کے منصوبوں کو آگے بڑھانے کے لئے ضرورت تھی یہ میثاق صرف جارحانہ حملوں اور تخریبی سرگرمیوں کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔

اس کی بنیاد ۸ ستمبر ۱۹۵۴ء کو فلپین کے دارالحکومت منیلا میں رکھی گئی اس کے ارکان میں برطانیہ، امریکہ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، پاکستان، تھائی لینڈ، فرانس اور فلپین شامل تھے۔

معاہدے کی شرائط حسبِ ذیل تھیں۔

اس معاہدے کے حلیف تمام حلیفوں کی خود مختارانہ برابری کو تسلیم کریں گے۔ اس لئے اس معاہدے کے حلیف مندرجہ ذیل باتوں پر متفق ہو گئے۔

دفعہ ۱ : حلیف ممالک نے باہمی جھگڑوں کو پُرامن طریقے سے طے کرنے کا وعدہ کیا اور کہا کہ وُہ بین الاقوامی امن و امان اور عدل و انصاف کو خطرے میں نہیں پڑنے دیں گے اور وُہ اپنے بین الاقوامی تعلقات میں کسی ایسے انداز میں دھمکیاں دینے یا طاقت استعمال کرنے سے پرہیز کریں گے جو اقوامِ متحدہ کے مقاصد سے مطابقت نہ رکھتا ہو۔

دفعہ ۲ : اس میثاق کو مؤثر بنانے کے لئے حلیف ممالک نے مسلسل اور موثر طور پر اپنی مدد آپ کرنے اور ایک دوسرے کو مدد دینے، الگ الگ اور مشترکہ طور پر مسلح حملہ کی مدافعت کرنے اور اپنی علاقائی سالمیت اور سیاسی استحکام کے خلاف خارجی رہنمائی میں ہونے والی مخالف تخریبی سرگرمیوں کا سدِباب کرنے کے لئے اپنی انفرادی اور اجتماعی صلاحیت کو برقرار رکھنے کا عہد کیا۔

دفعہ ۳ : حلیف ممالک نے یہ عہد بھی کیا کہ وُہ اپنے آزاد اداروں کو تقویت پہنچائیں گے اور مفید معاشی تدابیر کو جن میں صنعتی امداد بھی شامل ہے مزید آگے بڑھانے کے لئے تعاون کریں گے۔

دفعہ ۴، فقرہ ۱ ، ہر حلیف ملک نے یہ تسلیم کیا کہ میثاق کے علاقہ میں حلیف ممالک میں سے کسی کے خلاف، یا کسی ایسے ملک یا علاقے کے خلاف جسے حلیف ممالک متفقہ طور پر

نامزد کر چکے ہوں، مسلح حملہ کی شکل میں جارحانہ کارروائی سے خود اس کا اپنا امن وامان خطرہ میں پڑ جائے گا۔ نیز ہر حلیف ملک نے اس بات سے اتفاق کیا کہ ایسی صورت میں وہ میثاق کے آئینی طریقِ کار کے مطابق مشترکہ خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے قدم اٹھائے گا۔ نیز اس ضمن میں جو اقدامات کئے جائیں گے ان کی فوری اطلاع اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کو دے دی جائے گی۔

فقرہ ۲ : اگر حلیف ملکوں میں سے کسی کی رائے میں میثاق کے علاقے میں کسی حلیف ملک یا کسی دوسرے ایسے ملک یا علاقے کی جس پر دفعہ ہذا کے فقرہ ۱ کی شرائط کا وقتاً فوقتاً اطلاق ہوتا رہا ہو۔ سالمیت یا حرمت یا خود مختاری یا سیاسی آزادی کو مسلح حملہ کے سوا کسی اور قسم کا خطرہ لاحق ہو یا وہ کسی ایسی حقیقت یا صورتِ حال سے دوچار ہو یا اس کے لئے ایسی صورتحال پیدا کر دی گئی جس سے اس علاقہ کا امن خطرہ میں پڑ سکتا ہو تو حلیف ممالک فوراً ہی آپس میں صلاح و مشورہ کریں گے تاکہ ان اقدامات کے متعلق اتفاقِ رائے سے فیصلہ کیا جاسکے جو مشترکہ دفاع کے لئے ضروری سمجھے جائیں۔

فقرہ ۳ : یہ طے شدہ بات ہے کہ دفعہ ہذا کے فقرہ ۱ کے تحت اتفاق رائے سے مخصوص کئے جانے والے کسی ملک کی سرزمین یا اس طرح نامزد کئے ہوئے ملک کی سرزمین یا کسی نامزد علاقہ پر کوئی کارروائی بجز متعلقہ حکومت کی دعوت یا منظوری کے نہیں کی جائے گی۔

دفعہ ۵ : حلیف ممالک نے اس کی رُو سے ایک کونسل کے قیام کا اعلان کیا اس میں تمام حلیف ممالک کو نمائندگی دی گئی اس کونسل کے ذمہ یہ کام لگایا گیا وہ میثاق کے علاقہ کی صورت حال کی بناء پر وقتاً فوقتاً جس فوجی اور دوسری قسم کی منصوبہ بندی کی ضرورت ہوگی یہ کونسل اس کے لئے صلاح و مشورہ کا بندوبست کرے گی اس کونسل کی تنظیم اس طرح کی گئی کہ اس کا کسی وقت بھی اجلاس بلایا جاسکتا تھا۔

دفعہ ۶ : حلیف ممالک کو منشور اقوام متحدہ کے تحت جو حقوق حاصل ہیں اور ان پر جو فرائض عائد ہیں یہ میثاق ان پر اثر انداز نہیں ہوگا اور نہ اس کا کوئی ایسا مفہوم لیا جائے گا جو ان حقوق پر اثر انداز ہوسکتا ہو اور نہ ہی یہ میثاق اس ذمہ داری کو کسی طرح متاثر کرے گا جو بین الاقوامی امن وامان کے تحفظ کی برقراری کے لئے اقوام متحدہ پر عائد ہوتی ہے۔ ہر حلیف ملک نے یہ اعلان کیا کہ اس کے اور کسی دوسرے حلیف ملک یا کسی تیسرے فریق کے درمیان موجود کوئی بین الاقوامی بندوبست اس میثاق کی دفعات سے متصادم نہیں ہے اور یہ عہد

کیا کہ وُہ کسی ایسے بین الاقوامی معاہدے میں شامل نہیں ہو گا جو اس معاہدہ سے متصادم ہوتا ہو۔

دفعہ ۷ : کوئی اور ملک جو اس میثاق کے مقاصد کی تکمیل کر سکتا ہو اور اس علاقہ کی حفاظت میں حصہ لے سکتا ہو اسے حلیف ملکوں کی اتفاق رائے سے اس میثاق میں شامل ہونے کی دعوت دی جا سکتی ہے جس ملک کو اس طرح مدعو کیا جائے وہ اپنی دستاویز شرکت جمہوریہ فلپین کی حکومت کے سپرد کر کے اس میثاق کا رُکن بن سکتا ہے۔

جمہوریہ فلپین کی حکومت تمام رکن ملکوں کو اس قسم کی دستاویز شرکت کی وصولیابی کی اطلاع دے گا۔

دفعہ ۸ : اس معاہدے میں مستعملہ اصطلاح "میثاق کے علاقے" کا مفہوم جنوب مشرقی ایشیا کا عام علاقہ ہے جس میں ایشیا کی حلیف ملکوں کے علاقے اور جنوب مغربی بحر الکاہل کا عام علاقہ شامل ہے لیکن اس میں بحر الکاہل کا وہ علاقہ شامل نہیں ہے جو ½ ۲۱ درجہ عرض البلد شمالی کے شمال میں واقع ہے حلیف ممالک اتفاق رائے سے اس دفعہ میں ترمیم کر سکتے ہیں۔ اور میثاق کے حلقۂ عمل میں ہر اُس ملک کا علاقہ شامل کر سکتے ہیں جو دفعہ ۷ کے مطابق اس میثاق میں شامل ہو یا میثاق کے مصرحہ علاقے میں کوئی اور تبدیلی کر سکتے ہیں۔

دفعہ ۹، فقرہ ۱ : اس میثاق کی دستاویزات جمہوریہ فلپین کی حکومت کے محافظ خانہ میں رکھ دی جائیں گی اور وُہ حکومت اس کی باضابطہ مستند نقول میثاق پر دستخط کرنے والے دُوسرے ملکوں کو بھیجے گی۔

فقرہ ۲ : حلیف ممالک اپنے اپنے آئینی طریقِ کار کے مطابق اس میثاق کی توثیق کریں گے اور اس کی دفعات پر عمل درآمد کریں گے۔ اسناد توثیق جلد سے جلد جمہوریہ فلپین کی حکومت کے سپرد کر دی جائیں گی جو میثاق پر دستخط کرنے والے دُوسرے ملکوں کو ان کی وصولیابی کی اطلاع دے گی۔

فقرہ ۳ : جونہی اس میثاق پر دستخط کرنے والوں کو اکثریت اسناد توثیق دے دے گی۔ یہ معاہدہ ان ملکوں کے درمیان نافذ العمل ہو جائے گا جنہوں نے اس کی توثیق کی اور باقی ہر ملک کے سلسلہ میں اس کا نفاذ اُس تاریخ سے ہو گا جس تاریخ کو اس ملک نے میثاق کی سندِ توثیق پیش کی ہو۔

دفعہ ۱۰ : یہ میثاق غیر معین مدت تک نافذ رہے گا، لیکن کسی حلیف ملک کی رکنیت جمہوریہ فلپین کی حکومت کو معاہدہ کی رُکنیت سے علیحدگی کا نوٹس دینے کے ایک سال بعد

ختم ہوسکتی ہے جمہوریہ فلپین کی حکومت دوسرے حلیف ملکوں کی حکومتوں کو علیحدگی کے ہر نوٹس کی اطلاع دے گی۔

دفعہ ۱۱: حلیف ملکوں پر اس میثاق کے انگریزی متن کی پابندی لازمی ہوگی لیکن جب حلیف ممالک اس کے فرانسیسی متن پر متفق ہو جائیں گے اور جمہوریہ فلپین کی حکومت کو اس کی اطلاع دے دیں گے تو پھر فرانسیسی متن بھی اتنا ہی مستند اور حلیف ممالک کو اسی طرح پابند کرنے والا ہوگا جیسا کہ انگریزی متن ہے۔

انڈیا آفس لائبریری کی تقسیم

۱۸ رمئی ۱۹۵۵ء کو پاکستان اور بھارت کے درمیان نئی دہلی میں انڈیا آفس لائبریری کی تقسیم سے متعلق سمجھوتہ طے پایا۔

افغانستان کی جانب سے پرچم پاکستان کی توہین

۲۹ رمارچ ۱۹۵۵ء کو کابل میں پاکستانی پرچم کی توہین کی گئی اور کابل اور جلال آباد میں پاکستان کے سفارتی دفاتروں پر حملے کئے گئے جس سے پاکستان اور افغانستان کے سفارتی تعلقات کشیدہ ہوگئے۔ یکم اپریل کو وزیراعظم پاکستان مسٹر محمد علی بوگرہ نے کابل میں پاکستانی سفارت خانے پر حملہ اور پرچم کی توہین کے سلسلہ میں افغانستان کی حکومت کو زبردست انتباہ کیا۔

۶ رمئی ۱۹۵۵ء کو حکومتِ پاکستان نے افغانستان میں پاکستانی پرچم کی توہین اور دوسری پاکستان دشمن سرگرمیوں کے سلسلے میں آبرومندانہ تلافی کے لئے آخری تاریخ ۱۵ رمئی مقرر کردی۔ نیز اُسے یہ بھی انتباہ کیا گیا کہ اگر اس تاریخ کو حکومتِ افغانستان نے معافی نہ مانگی تو حکومتِ پاکستان کو افغانستان کے خلاف کوئی بھی اقدام کرنے کا حق ہوگا۔

۱۲ رمئی کو مصر کے صدر جمال عبدالناصر نے پاکستان اور افغانستان کے مابین مصالحت کی پیش کش کی اُسے حکومتِ پاکستان نے قبول کرلیا۔ ۱۳ رمئی کو حکومتِ پاکستان نے شاہ سعود کی پیش کش بھی قبول کرلی۔ ۱۴ رمئی کو ترکیہ، عراق اور ایران نے بھی مصالحت کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ ۲۹ رمئی کو پاکستان اور افغانستان کے درمیان سعودی عرب کے شہزادہ مساعد کی کوششوں سے بنیادی امور پر سمجھوتہ ہوگیا حکومت افغانستان نے پاکستانی پرچم کی توہین کی آبرومندانہ تلافی کرنے کا اعلان کیا بعد ازاں پاکستانی سفیر اور سعودی شہزادہ مساعد کے مابین مذاکرات شروع ہوگئے بالآخر ۱۰ رستمبر ۱۹۵۵ء کو دونوں ملکوں کے مابین ایک معاہدہ طے پایا۔ سمجھوتے کے تحت ۱۳ رستمبر ۱۹۵۵ء کو پورے اعزاز کے ساتھ پاکستانی پرچم کابل میں لہرا دیا گیا۔

چودھری محمد علی کا دَورِ حکومت

(۱۱راگست ۱۹۵۵ء تا ۱۲رستمبر ۱۹۵۶ء)

۱۱راگست ۱۹۵۵ء کو چودھری محمد علی نے وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھال لیا اور اپنی نشری تقریر میں کہا کہ کشمیر کے مسئلے کو تمام مسائل پر اوّلیت اور اہمیت حاصل ہے۔ چالیس لاکھ کشمیری عوام کو غیر معین عرصہ تک حقِ خود ارادیت سے محروم نہیں رکھا جا سکتا۔ حکومت جلد از جلد انتخابات منعقد کرانا چاہتی ہے۔ اس موقع پر انہوں نے مشرقی بنگال کے سیلاب زدگان کی امداد کے لئے ۲۵ لاکھ روپے کی امداد کا بھی اعلان کیا۔

چودھری صاحب انتہائی ذہین اور محنتی فرد تھے اور انتظامی صلاحیتوں سے مالا مال بھی۔ ان کے عہد کے زریں کارناموں میں ون یونٹ بل کی منظوری، دستور ساز اسمبلی کے اسپیکر، ڈپٹی سپیکر کا انتخاب، آل پارٹیز کشمیر کانفرنس کا انعقاد، ۱۹۵۶ء کے آئین کا نفاذ، پاکستان کو جمہوریہ قرار دینے، پہلے پنجسالہ منصوبے کا اجراء شامل ہیں۔

انہوں نے مسلم لیگ کے رُکن اور وزیرِ اعظم کی حیثیت سے صدر ہونے کی بنا پر مشرقی پاکستان کے ساتھ سمجھوتہ کر کے وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھالا۔

ون یونٹ کے مسئلے پر سندھ کے وزیرِ اعلیٰ پیرزادہ عبدالستار نے اختلاف کیا چنانچہ انہیں وزارت سے برطرف کر کے محمد ایوب کھوڑو کو سندھ کا وزیرِ اعلیٰ مقرر کیا تو چند دنوں میں سندھ اسمبلی نے متفقہ رائے سے ون یونٹ کے قیام کی قرارداد منظور کر لی، اس طرح چودھری محمد علی نے دانشمندانہ فیصلے کر کے ملک کو متحد رکھنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔

سیاسی میدان میں چودھری صاحب نے مسلم لیگ کی بجائے ری پبلکن پارٹی کے پروگراموں کو زیادہ اہمیت دی کیونکہ جب مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے ڈاکٹر خاں صاحب کی کابینہ میں شامل وزراءُ کو مسلم لیگ سے نکال دیا تو انہوں نے اس معاملہ میں کوئی مداخلت نہ کی۔ دُوسری بات یہ تھی کہ چودھری محمد علی پارلیمانی پارٹی کو پارلیمان سے باہر بھی جماعتی تنظیم سے بالاتر خیال کرتے تھے۔ یہ بات

جمہوری روایات پر پورا نہیں اترتی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم لیگ چودھری محمد علی کی حمایت سے دستکش ہوگئی اور انہیں مستعفی ہونا پڑا۔

حالاتِ زندگی چودھری محمد علی

۱۵ جولائی ۱۹۰۵ء کو ننگل انبیاء تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے انہوں نے اسلامیہ کالج لاہور میں تعلیم پائی ۱۹۲۷ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم ایس سی کی ڈگری لی۔ حصولِ تعلیم کے بعد اسلامیہ کالج لاہور میں کیمسٹری کے لیکچرار مقرر ہوئے، لیکن ۱۹۲۸ء میں انڈین آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس سروس میں شمولیت اختیار کرلی۔ ۱۹۳۲ء میں ریاست بہاولپور کے اکاؤنٹنٹ جنرل بنے۔ ۱۹۳۶ء میں دوبارہ حکومت ہند کی ملازمت میں آگئے اور مختلف اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔

قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے سیکرٹری جنرل مقرر ہوئے اکتوبر ۱۹۵۲ء میں وزیر مالیات بنا دیئے گئے جون ۱۹۵۵ء میں آئین ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اگست ۱۹۵۵ء تا ستمبر ۱۹۵۶ء وزیراعظم پاکستان کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

اس دوران انہوں نے پاکستان کے لئے جو خدمات انجام دیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔ انہوں نے مغربی پاکستان کے صوبوں کو متحد کرانے اور ۱۹۵۶ء کا آئین نافذ کرانے کے سلسلے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔

انہوں نے نظامِ اسلام پارٹی کے نام سے سیاسی جماعت بنائی اور ایک کتاب بھی مرتب کی۔ ایوب خاں کے دورِ حکومت میں ان کی پالیسیوں سے ہمیشہ اختلاف کرتے رہے۔ ۱۹۶۴ء میں جب مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح نے صدارتی امیدوار کی حیثیت سے صدر ایوب کے مقابلہ میں انتخاب میں حصہ لینے کا اعلان کیا تو انہوں نے اپنی تمام تر سرگرمیاں ان کے لئے وقف کر دیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب "انڈیا ونز فریڈم" میں بھی ان کی خدمات کو سراہا ہے۔

آخری عمر میں بیماری نے طول کھینچا بالآخر یکم دسمبر ۱۹۸۰ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے۔

آل پارٹیز کشمیر کانفرنس

پاکستان اور آزاد کشمیر میں مسئلہ کشمیر پر بھارتی قبضے کے سلسلے میں خاصی تشویش پائی جاتی تھی اس تشویش کو ختم کرنے اور مسئلہ کشمیر کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے یکم اگست ۱۹۵۵ء کو پاکستان کے وزیراعظم مسٹر محمد علی بوگرہ نے اپنی ماہانہ نشری تقریر میں آل پارٹیز کشمیر کانفرنس بلانے کا اعلان کیا، لیکن دس روز کے بعد ہی وہ وزارت سے سبکدوش کر دیئے گئے اس لئے وہ اپنی اس تجویز پر عملدرآمد نہ کرا سکے۔

مسٹر محمد علی بوگرہ کے مستعفی ہونے کے بعد چودھری محمد علی برسرِ اقتدار آئے تو ان کی کوششوں سے ۲۶ نومبر ۱۹۵۵ء کو کراچی میں آل پارٹیز کشمیر کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا۔ کانفرنس میں مسئلہ کشمیر کے تمام پہلوؤں کا بغور جائزہ لیا گیا جس کے نتیجے میں مثبت تجاویز سامنے آئیں۔ نیز چودھری محمد علی کی حکومت کو مخالف سیاسی جماعتوں کا اعتماد بھی حاصل ہو گیا۔

اس کانفرنس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ چودھری محمد علی نے امریکہ اور برطانیہ سے مسئلہ کشمیر کے حل کے سلسلے میں برملا یہ کہا کہ وہ "دو رنگی" حکمتِ عملی کو ترک کر کے پاکستان کا ساتھ دیں۔ نیز اس مسئلے کو سیٹو اور معاہدہ بغداد کی کونسلوں کے ایجنڈے پر لائیں۔ لیکن امریکہ اور برطانیہ نے اس جانب کوئی توجہ نہ دی کیونکہ وہ بھارت سے بھی دوستی قائم رکھنا چاہتے تھے۔

وَن یُونٹ بل کی منظوری

۔ ار اگست ۱۹۵۵ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں سردار امیر اعظم نے ایک یونٹ بل پیش کرنے کا نوٹس دیا جس کے تیرہ روز بعد انہوں نے ایوان میں اسے پیش کرنے کی تحریک کی، ۲۴ اگست کو بل کے عام اصولوں پر بحث شروع ہوئی جو ۱ ستمبر ۱۹۵۵ء تک جاری رہی۔ اس دوران میں مجموعی طور پر بل پر ۶۳ گھنٹے سے زیادہ عرصہ تک بحث ہوئی جس میں ۳۷ ارکان نے حصہ لیا عام اصولوں پر بحث ختم ہونے کے بعد بل پر شق وار بحث شروع کی گئی۔ پہلی خواندگی کے دوران میں مجموعی طور پر تین سو ترامیم پیش کی گئیں جن میں سے صرف ۴۲ منظور کی گئیں۔ مجموعی طور پر ۵۴ گھنٹوں کی بحث کے بعد ۲۹ ستمبر کو تمام دفعات ترمیم شدہ شکل میں منظور کر لی گئیں۔ دوسری خواندگی کی تکمیل کے بعد تیسری خواندگی کی جلد ہی تکمیل کر لی گئی اور ۳۰ ستمبر ۱۹۵۵ء کو دستوریہ کے ۴۲ ارکان نے بل کے حق میں ووٹ دے کر مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کو متحد کرنے کی راہ ہموار کر دی مخالفت میں صرف ۱۳ ووٹ آئے۔

۳ اکتوبر کو گورنر جنرل سکندر مرزا نے قیام مغربی پاکستان بل ۱۹۵۵ء کی منظوری دے دی۔ ۵ اکتوبر کو گورنر جنرل نے ۱۴ اکتوبر سے ون یونٹ کے قیام کا حکم جاری کر دیا۔ ۶ اکتوبر کو گورنر جنرل نے میاں مشتاق احمد گورمانی کو مغربی پاکستان کا گورنر مقرر کیا۔ نیز گورنر جنرل نے تمام علاقوں کے نظم و نسق کی ذمہ داری گورنر کو سونپ دی۔

وَن یُونٹ میں شامل علاقوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ پشاور ڈویژن : مردان، ہزارہ، کیمبلپور، پشاور، مردان، ہزارہ سے ملحق علاقے اور مالاکنڈ، مہمند اور خیبر کے علاقے۔

۲۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں ڈویژن : ڈیرہ اسماعیل خاں، بنوں، کوہاٹ، میاں والی، ڈیرہ اسماعیل خاں بنوں اور کوہاٹ سے ملحق علاقے اور کرم اور شمالی وزیرستان کی ایجنسیاں۔

۳۔ راولپنڈی ڈویژن : راولپنڈی، جہلم، گجرات، اور شاہ پور کے اضلاع۔

۴۔ لاہور ڈویژن : لاہور، شیخوپورہ، گوجرانوالہ اور سیالکوٹ کے اضلاع۔

۵۔ ملتان ڈویژن : ملتان، جھنگ، لائلپور، منٹگمری کے اضلاع۔

۶۔ بہاولپور ڈویژن : بہاولپور، بہاولنگر اور رحیم یار خاں، مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خاں کے اضلاع۔

۷۔ خیرپور ڈویژن : ریاست خیرپور، جیکب آباد، سکھر، لاڑکانہ اور نواب شاہ کے اضلاع۔

۸۔ حیدرآباد ڈویژن : حیدرآباد، ٹھٹھہ، دادو، میرپور خاص اور سانگھڑ کے اضلاع۔

۹۔ کوئٹہ ڈویژن : کوئٹہ، ژوب، لورالائی اور سبی ایجنسیاں۔

۱۰۔ قلات ڈویژن : بلوچستان ریاستی یونین اور چاغی۔

۹ر اکتوبر کو گورنر جنرل نے مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے قیام کا حکم جاری کیا۔

۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کو ون یونٹ کا قیام عمل میں آیا۔ اور مغربی پاکستان میں نئی حکومت قائم ہوئی۔ وزراء کے نام یہ ہیں یہ ڈاکٹر خاں صاحب کی نگرانی میں قائم ہوئی۔

۱۔ محمد ایوب کھوڑو ۔ مال، نوآبادیات، صنعت، تجارت، لیبر اور مہاجرین۔

۲۔ سردار بہادر خاں ۔ ترقیات، انہار، نوآبادیات، اطلاعات۔

۳۔ خان قربان علی ۔ قبائلی علاقوں کے امور۔

۴۔ میاں ممتاز دولتانہ۔ خزانہ، مواصلات اور تعمیرات۔

۵۔ سید عابد حسین ۔ خوراک، زراعت، معاشرتی بہبود اور لوکل گورنمنٹ۔

۶۔ سردار عبدالحمید دستی۔ تعلیم، صحت اور قانون۔

مغربی پاکستان اسمبلی کا پہلا اجلاس

۱۹ر مئی ۱۹۵۶ء کو مغربی پاکستان کی وحدت کے قیام کے آٹھ ماہ کے بعد مغربی پاکستان اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا، اجلاس میں موجود ۲۲۱ اراکین نے حلف اٹھایا۔ گورنر کی طرف سے سیکرٹری مغربی پاکستان نے گورنر کا اعلامیہ پڑھ کر سنایا۔ اجلاس میں مرزا ممتاز حسن قزلباش کو اسمبلی کا عارضی اسپیکر نامزد کیا گیا ازاں بعد مغربی پاکستان کے وزیراعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب کی

موجودگی میں وزراء نے حلف اُٹھایا۔

وَن یُونٹ بل پر تبصرہ

وزیراعظم چودھری محمد علی نے اپنی نشری تقریر میں کہا کہ آج ۱۴ر اکتوبر کے دن اس عظیم کارنامے کی تکمیل ہوئی ہے جس کی بنیاد قائداعظم نے ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو ڈالی تھی خدا کے فضل وکرم سے ہم مغربی پاکستان کا متحدہ صوبہ بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اس لئے صوبے کے قیام پر میں عوام کو مبارکباد دیتا ہوں۔

• مشرقی بنگال کے وزیر مالیات مسٹر بسنت کمار داس نے بل کی منظوری کے بعد ۲ راکتوبر ۱۹۵۵ء کو ڈھاکہ میں کہا کہ اس سے مشرقی بنگال کی مکمل خودمختاری کا راستہ ہموار ہو جائے گا۔ اور مغربی پاکستان کے متحد ہونے والے تمام علاقوں کو فائدہ پہنچے گا۔

وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خاں صاحب نے کہا آج کا دن ہماری قومی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا کیوں کہ مغربی پاکستان کی وحدت کا قیام پاکستان کے قیام کے بعد سب سے بڑا تاریخی واقعہ ہے اور یہ حقیقت ہے کہ صوبہ مغربی پاکستان کا استحکام پورے ملک کا استحکام ہے۔

صوبہ سرحد کے وزیراعلیٰ سردار عبدالرشید نے کہا کہ ون یونٹ کا مقصد ملک کی سلامتی اور یک جہتی کو برقرار رکھنا ہے۔

سردار بہادر خاں نے کہا کہ میرا یہ یقین ایمان کی حد تک پہنچ گیا ہے کہ مغربی پاکستان کا ایک یونٹ بن جانے سے اس منطقہ کے پسماندہ علاقوں بالخصوص صوبہ سرحد کو فائدہ ہوگا۔

وَن یونٹ کے فوائد

۱۔ اقتصادی نقطہ نگاہ سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ نظم ونسق کے فاضل اخراجات میں نمایاں کمی اور بچت ہوگئی۔

۲۔ وحدت کی شکل میں اخراجات کی کمی سے منصوبہ بندی میں آسانی پیدا ہوگئی اور نئے منصوبوں پر کام شروع ہوگیا۔

۳۔ اندرونِ ملک تجارتی توازن قائم ہوگیا اور قیمتوں میں کمی ہوگئی۔ نیز ان میں یکسانیت بھی پیدا ہوگئی۔

۴۔ صوبائی عصبیت کا قلع قمع کرنے میں مدد ملی۔

گورنر جنرل کو قوانین میں ترمیم و تنسیخ کا اختیار

دریں اثنا ۲۳ ستمبر ۱۹۵۵ء کو دستور ساز اسمبلی نے گورنر جنرل کو یہ اختیارات

دے دیئے کہ وہ ایک یونٹ کے نظم ونسق کے لئے قوانین میں ترمیم و تنسیخ اور ردو بدل کر سکتے ہیں گورنر جنرل کو یہ اختیارات ایک یونٹ بل کی دفعہ ۴ کے تحت ۶ مہینے کے لئے دیئے گئے اس دفعہ میں یہ بھی اختیار دیا گیا تھا کہ وہ قوانین میں ردو بدل اور ترمیم و تنسیخ کے اختیارات مغربی پاکستان کے گورنر کو بھی تفویض کر سکتے ہیں۔

دستور ساز اسمبلی کے اسپیکر اور ڈپٹی اسپیکر کا انتخاب

۱۲ر اگست ۱۹۵۵ء کو عبدالوہاب خاں دستوریہ کے سپیکر اور سی ای گبن ڈپٹی اسپیکر منتخب ہوئے ان کے انتخاب کے فوراً بعد آئین ساز اسمبلی کا اجلاس ۲۳ر اگست تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔

دستور ۱۹۵۶ء کے اہم نکات

ہرگاہ کہ پوری کائنات پر حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے اور اختیار حکمرانی مقدس امانت ہے جو پاکستان کے لوگ ان حدود کے اندر رہتے ہوئے استعمال کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دی ہیں۔

ہرگاہ کہ پاکستان کے بانی قائدِ اعظم محمد علی جناح نے اعلان کیا تھا کہ پاکستان جمہوری ریاست ہوگی جو عدل عمرانی کے اسلامی اصولوں پر مبنی ہوگی۔ لہٰذا دستور ساز اسمبلی نے پاکستانی عوام کی نمائندگی کرتے ہوئے طے کیا ہے کہ پاکستان کی آزاد خود مختار ریاست کے لئے دستور بنائے جس میں ریاست اپنے حقوق و اختیارات لوگوں کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی۔

جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کے اصولوں کو جیسا کہ اسلام نے ان کی تشریح کی ہے پوری طرح ملحوظ رکھا جائے گا۔

پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی اسلامی تعلیمات اور تقاضوں کے مطابق بسر کریں جیسا کہ قرآنِ پاک اور سنتِ رسولؐ میں بیان کیا گیا ہے۔

اقلیتوں کو اپنے عقیدہ و مذہب پر عمل کرنے اور اپنی ثقافت کو ترقی دینے کی آزادی ہوگی۔

بنیادی حقوق کی آزادی، قانون و اخلاق کی حدود کے اندر عدلیہ کی آزادی کی ضمانت دی گئی۔

پہلا حصّہ

دفعہ ۱ نام جمہوریہ اسلامیۂ پاکستان۔

دوسرا حصّہ

بنیادی حقوق

دفعہ ۲ تمام قوانین ورسوم جو اس حصّہ دستور میں بیان کردہ بنیادی حقوق سے متصادم ہوں کالعدم تصور ہوں گے۔

دفعہ ۲ (۲) ایسا کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا جو کسی حق کو ساقط کرتا ہو۔ کسی قانون کا وُہ حصّہ جو حقوق سے متصادم ہو کالعدم تصور ہوگا۔

دفعہ ۵ (۱) تمام شہری قانون کے سامنے یکساں تصور ہوں گے اور تحفظ کے حقدار ہیں۔

دفعہ ۵ (۲) کسی شخص کی جان اور آزادی کو قانون کے بغیر سلب نہیں کیا جاسکے گا۔

دفعہ ۶ کسی شخص کو کسی ایسے فعل پر سزا نہ دی جائے گی جو ارتکاب جرم کے وقت جرم تصور نہیں ہوتا تھا نہ اس سزا سے زائد سزا دی جائے گی جو ارتکاب جرم کے وقت مقرر تھی۔

دفعہ ۸ آزادئ اظہار رائے۔ معقول حدود کے اندر۔

دفعہ ۹ آزادئ اجتماع، اسلحے کے بغیر، معقول حدود کے اندر

دفعہ ۱۰ آزادئ جماعت سازی، معقول اخلاقی حدود میں۔

دفعہ ۱۱ عوامی مفاد میں کسی معقول پابندی کے سوا (الف) ہر شخص کو نقل وحرکت کی آزادی ہوگی اور (ب) تحصیل وتصرفِ جائداد کا حق ہوگا۔

دفعہ ۱۳ کسی شخص کو کسی درسگاہ میں اپنے مذہب کے علاوہ دُوسرے مذہب کی تعلیم یا عبادت میں شریک نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۵ عوامی ضرورت کے علاوہ کسی کی جائداد قانون کے بغیر حاصل نہیں کی جائے گی۔

دفعہ ۱۶ کسی شخص کو غلام نہیں بنایا جائے گا۔ ہر قسم کی بیگار ممنوع ہوگی۔

دفعہ ۱۷ ملازمتوں میں مذہب، نسل، صنف، رہائش اور پیدائش کی بنا پر تمیز نہیں کی جائے گی بشرطیکہ کوئی شخص ملازمت کا اہل ہو۔

دفعہ ۲۰ چھوت چھات کو ختم کر دیا گیا ہے اس تمیز کو جرم قرار دیا جائے گا۔

دفعہ ۲۲ بنیادی حقوق کی تنفید کا سپریم کورٹ کی معرفت حق۔

تیسرا حصّہ

راہنما اُصول

دفعہ ۲۳ (۲) ریاست اپنی پالیسیوں کے بنانے میں ان اصولوں سے راہنمائی حاصل کرے گی۔

دفعہ ۲۴ ریاست مسلم ممالک میں اتحاد کو مستحکم کرنے، امن و سلامتی اور تمام اقوام سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی کوشش کرے گی۔

دفعہ ۲۵ مسلمانوں کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی قرآن و سُنّت کے مطابق گزارنے کے قابل بنانے کے لئے اقدامات کئے جائیں گے۔ ریاست مسلمانوں کے بارے میں کوشش کرے گی کہ

(ل) انہیں ایسی سہولتیں میسر ہوں تاکہ وُہ قرآن و سُنّت کے مطابق زندگی کا منشا سمجھ سکیں۔

(ب) قرآن پاک کی تعلیمات لازمی ہوں۔

(ج) اتحاد کو مضبوط بنایا جائے اور اسلامی اخلاق کو فروغ ہو۔

(د) مساجد، زکوٰۃ، اوقاف کی تنظیم کا مناسب انتظام ہو۔

دفعہ ۲۶ ریاست علاقائی، گروہی، نسلی، قبائلی اور فرقہ وارانہ تعصبات کی حوصلہ شکنی کرے گی۔

دفعہ ۲۸ ریاست اس بات کی پوری کوشش کرے گی کہ

(ل) اسپیشل علاقوں، پسماندہ اقوام اور شیڈولڈ کاسٹس کی تعلیمی اور اقتصادی حالت کو خاص طور پر فروغ دینے کے لیے اقدامات کرے۔

(ب) جہالت دُور کرنے اور کم از کم مدّت میں مُفت پرائمری تعلیم کا انتظام کرے۔

(ج) منصفانہ اور انسانیت پرور شرائط کار کا انتظام کرے نیز یہ کہ عورتوں اور بچوں کو ان کی عمر اور صنف کے لئے ضرر رساں کام پر نہ لگایا جائے ملازم خواتین کو زچگی کی سہولتیں مہیا کی جائیں۔

(د) مختلف علاقوں کے لوگوں کو تعلیم و تربیت اور صنعتی ترقی کے ذریعے ہر قسم کے قومی کاموں میں حصّہ لینے کے قابل بنایا جائے۔

(س) قحبہ گری، جوا اور ضرر رساں ادویہ (نشہ آور اشیاء) کا استعمال بند کرے۔

(س) غیر مسلموں کی مذہبی اغراض اور طبی ضرورتوں کے سوا شراب کا استعمال بند کرے۔

دفعہ ۲۹ ریاست اس بات کی کوشش کرے گی کہ

(الف) بلا تمیز ذات پات تمام لوگوں کی بہبود کا انتظام کرے۔ عام لوگوں کا معیار زندگی بلند کرے اور ذرائع پیداوار اور دولت کو عام لوگوں کے مفاد کے خلاف چند ہاتھوں میں مرتکز ہونے سے روکے اور آجر اور اجیر، مالک اور مزارع کے حقوق میں منصفانہ توازن قائم کرے۔

(ب) ملک کو حاصل ذرائع کی حد تک شہریوں کے لئے کام اور روزگار کی سہولتیں مہیا کرے اور آرام کے اوقات کا بھی انتظام کرے۔

(ج) لازمی سوشل انشورنس کے ذریعے ملازمین (سرکاری و غیر سرکاری) کے لئے سوشل سیکیورٹی کا انتظام کرے۔

(د) بلا تمیز مذہب و ملت، ذات پات ایسے تمام شہریوں کو بنیادی ضروریاتِ زندگی، خوراک، لباس، مکان، تعلیم اور علاج مہیا کرے جو اپاہج، بیمار، بیکار ہونے کی وجہ سے مستقل یا عارضی طور پر کمانے کے قابل نہ ہوں۔

(ہ) معاوضوں کے تفاوت کو معقول حد تک کم کرے۔

(س) ربوٰا کو جس قدر جلد ممکن ہو بند کرے۔

دفعہ ۳۰ ریاست جس قدر جلد ممکن ہو عدلیہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کرے گی۔

دفعہ ۳۱ (ل) پاکستان کے تمام حصوں کے رہنے والے فوجی خدمت کے قابل بنائے جائیں گے۔

دفعہ ۳۲ (۲) وفاق کے تمام شعبوں میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان مساوات قائم کرنے کے لئے اقدامات کئے جائیں گے۔

چوتھا حصہ
وفاقی حکومت

دفعہ ۳۲ پاکستان کا ایک صدر ہوگا جسے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبران منتخب کریں گے صدر مسلمان اور چالیس سال سے زائد عمر کا ہوگا۔

دفعہ ۳۳ صدر کا انتخاب پانچ سال کے لئے ہوگا۔ کوئی بھی شخص دوبار سے زیادہ منتخب نہیں کیا جا سکے گا۔

دفعہ ۳۵ دستور کی خلاف ورزی یا کسی بداعمالی کے لئے صدر کو امپروچ کیا جا سکے گا۔

دفعہ ۳۶ صدر کابینہ کے مشورے کا پابند ہوگا ماسوائے ان امور کے جن کو وہ اپنی

منشاء سے سرانجام دے سکتا ہے۔ صدر اسمبلی میں سے ایسے رُکن کو وزیر اعظم نامزد کر دے گا جس کے ساتھ اراکین کی اکثریت ہو اور وُہ پھر اپنی کابینہ تجویز کرے گا۔

پارلیمنٹ

دفعہ ۴۳ - ۴۴ - پارلیمنٹ کو قومی اسمبلی کہا جائے گا اس کے تین سو اراکین ہوں گے نصف مغربی پاکستان سے اور نصف مشرقی پاکستان سے لیے جائیں گے۔

دس سال تک دس نشستیں عورتوں کے لئے مخصوص ہونگی۔ پانچ مغربی پاکستان سے اور پانچ مشرقی پاکستان سے۔

سال میں پارلیمنٹ کے دو اجلاس ہوں گے کورس چالیس ارکان کا ہوگا۔ صدر آرڈی ننس جاری کرسکے گا اور انہیں توثیق یا ترمیم کے لئے اسمبلی میں پیش کیا جائے گا۔

صوبائی گورنر

دفعہ ۶۷ گورنر کا تقرر صدر کابینہ کے مشورے سے کرے گا اس کی عمر بھی چالیس سال سے کم نہیں ہوگی اس کا تقرر بھی پانچ سال کے لئے ہوگا۔

دفعہ ۷۱ صوبائی کابینہ اسی طرح قائم ہوگی جیسے مرکزی کابینہ۔

صوبائی اسمبلی

دفعہ ۷۷ ۔صوبائی اسمبلی کے ارکان کی تعداد تین سو ہوگی دس نشستیں ان کے علاوہ خواتین کے لئے مخصوص ہوں گی۔

۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۶ء تک پنجاب کی نشستیں کل تعداد کا ۴۰٪ ہوں گی۔

دفعہ ۷۹ کوئی شخص بیک وقت دونوں اسمبلیوں کا ممبر نہیں بن سکے گا۔

دفعہ ۱۰۲ گورنر کے جاری کردہ آرڈی ننس اسمبلی میں توثیق یا ترمیم یا تنسیخ کے لئے پیش کئے جائیں گے۔

صوبائی خودمختاری

دفعہ ۱۰۷ جب پارلیمنٹ نے صوبوں کی مرضی سے ان کے لئے قانون سازی کی ہو تو ہر صوبائی اسمبلی اپنی مرضی سے اس قانون میں ردوبدل، ترمیم و تنسیخ کرسکے گی۔

دفعہ ۱۰۸ بین الاقوامی معاہدات وغیرہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پارلیمنٹ کو صوبائی فہرست میں مذکور معاملات میں قانون سازی کا اختیار ہوگا، لیکن صوبائی گورنر سے مشورے کے

بغیر ایسی قانون سازی نہیں کی جائے گی۔

دفعہ ۱۰۹: صوبائی مقننہ کو ایسے تمام معاملات میں قانون سازی کا اختیار ہوگا، جن معاملات کا تذکرہ ضمیمہ ۵ میں نہیں کیا گیا۔

دفعہ ۱۱۰ (۲) اگر پارلیمنٹ نے متوازی فہرست میں مذکور معاملات کے متعلق کوئی قانون بنایا ہو اور اسی سلسلے میں صوبائی اسمبلی بھی کوئی قانون بنائے اور اس قانون کو صدر کی منظوری حاصل ہو تو وہ قانون صوبائی حدود میں پارلیمنٹ کے قانون سے برتر ہوگا۔ اگرچہ پارلیمنٹ کو اسی معاملے میں مزید قانون سازی کا حق رہے گا۔

دفعہ ۱۱۹: کوئی صوبہ بین الصوبائی تجارت پر کوئی پابندی نہیں لگا سکے گا البتہ صحت عامہ کے نقطۂ نظر سے قانون سازی ہو سکے گی، لیکن ایسے قانون کی منظوری صدر سے حاصل کرنا ہوگی۔

کنٹرولر اور آڈیٹر جنرل

دفعہ ۱۲۱: آڈیٹر جنرل پاکستان میں کسی دوسری ملازمت میں لیا جا سکے گا اور اس کو منصب سے ہٹانے کے لئے وہی طریقہ ہوگا، جو ہائی کورٹ کے جج کے لئے مقرر ہے۔

دفعہ ۱۲۴ آڈیٹر جنرل کی رپورٹ قومی اسمبلی میں اور صوبائی امور کے بارے میں رپورٹ صوبائی اسمبلی میں پیش ہوگی۔

مرکز اور صوبوں کے انتظامی تعلقات

دفعہ ۱۲۵: مرکز کے فرائض میں یہ داخل ہوگا کہ صوبوں کی بیرونی حملوں سے حفاظت کرے اور یہ دیکھے کہ صوبائی حکومت دستور کے مطابق چلائی جا رہی ہے۔

دفعہ ۱۲۶ (ا) صوبے پارلیمنٹ کے منظور کردہ قوانین کی تکمیل کے ذمہ دار ہوں گے۔

(ب) مرکز کے احکام کے بارے میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کریں گے۔

دفعہ ۱۲۶ (۲) مرکزی حکومت صوبوں کو ایسی ہدایات جاری کر سکے گی جو اس کے قوانین کی تکمیل کے سلسلے میں ضروری ہوں۔ وہ یہ ہدایات بھی دے سکے گی۔

(ا) قومی اور فوجی اہمیت کے ذرائع رسل و رسائل کی تعمیر۔

(ب) ریلوے کی حفاظت کے انتظامات۔

(ج) امن و ضبط کے قیام کے متعلق صوبائی انتظامیہ کو ہدایات۔

نزاعات

دفعہ ۱۲۹ : مرکزی حکومت اور صوبائی حکومت کے درمیان ایسے تنازعات کے لئے جو سپریم کورٹ کے دائرہ اختیار میں نہ ہوں کوئی حکومت بھی چیف جسٹس پاکستان کی طرف رجوع کر سکے گی۔ جو اس معاملے میں تصفیے کے لئے ٹربیونل مقرر کرے گا۔

آٹھواں حصہ

انتخابات

دفعہ ۱۳۷ ایک الیکشن کمیشن قائم ہوگا جس کا چیف الیکشن کمشنر چیئرمین ہوگا۔ صدر کی مرضی کے مطابق الیکشن کمشنر ہوں گے جن کا تقرر صدر اپنی منشا سے کرے گا۔

دفعہ ۱۳۸ (۱) الیکشن کمشنروں کی شرائط ملازمت پارلیمنٹ طے کرے گی۔

(۲) چیف الیکشن کمشنر کو ہائی کورٹ کے جج کی طرح علیحدہ کیا جا سکے گا، لیکن دُوسرے الیکشن کمشنروں کو صدر چیف الیکشن کمشنر کے مشورے سے علیحدہ کر سکے گا۔

(۳) چیف الیکشن کمشنر اور دُوسرے الیکشن کمشنروں کی میعاد ملازمت پانچ سال ہوگی۔ عمر کی حد ۶۵ سال ہوگی۔

(۴) (الف) چیف الیکشن کمشنر کو میعاد ختم ہونے کے بعد دوسری بار بھی مقرر کیا جا سکے گا، لیکن کسی اور سرکاری منصب پر تقرر نہیں کیا جا سکے گا۔

(ب) دُوسرے الیکشن کمشنر بھی میعاد ختم ہونے پر دوبارہ مقرر کئے جا سکتے ہیں۔ عہدہ بالا پر بھی تقرر ہو سکتا ہے لیکن پاکستان کی کسی دُوسری سرکاری ملازمت میں نہیں لئے جا سکتے۔

(ج) ریجنل الیکشن کمشنروں کے لئے بھی مندرجہ بالا شرائط مقرر ہیں۔

دفعہ ۱۳۹ ، مرکزی اور صوبائی انتظامیہ کا یہ فرض ہوگا کہ وُہ الیکشن کمیشن کی طرح مدد کرے۔

دفعہ ۱۴۰ ، الیکشن کمیشن کے فرائض۔

(ا) فہرست رائے دہندگان تیار کرنا اور ہر سال اس پر نظر ثانی کرنا۔

(ب) قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کرانا۔

دفعہ ۱۴۱ ، جب اسمبلیاں توڑ دی جائیں تو چھ ماہ کے اندر انتخابات کرانے ہوں گے ضمنی انتخابات کے لئے تین ماہ کی حد مقرر کی گئی ہے۔

دفعہ ۱۴۲ : صدر اپنے اختیار تمیزی سے حد بندی کمیشن مقرر کرے گا اس کمیشن کا چیئرمین

ہائی کورٹ کا کوئی جج ہوگا۔ دُوسرے دو ارکان اسمبلی کے ارکان نہیں ہوں گے۔ حد بندی کے فیصلے کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکے گا۔

دفعہ ۱۴۳ پاکستانی شہری جو ۲۱ سال سے کم عمر کا نہ ہو، دماغی توازن خراب نہ ہو ووٹ ڈالنے کا حقدار ہوگا۔

دفعہ ۱۴۴ دستور کے مطابق پارلیمنٹ حسب ذیل اُمور کے متعلق قانون بناسکے گی۔

(ا) حد بندی، فہرستوں کی تیاری اور ان پر اعتراضات۔

(ب) انتخابات اور انتخابی عذر داریاں، تنازعات اور شکوک کا فیصلہ۔

(ج) انتخابی بدعنوانیوں اور جرائم سے متعلقہ امُور۔

(د) مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کی تشکیل سے متعلق اُمور، لیکن ایسا کوئی قانون الیکشن کمیشن کے اختیارات پر اثرانداز نہ ہوگا۔

دفعہ ۱۴۶: اسمبلیوں کے انتخاب پر کوئی اعتراض، سوائے انتخابی عذر داری کے نہ ہوگا۔

نواں حصّہ

عدلیہ

دفعہ ۱۴۹: چیف جسٹس پاکستان کا تقرر صدر کرے گا اور پھر چیف جسٹس کے مشورے سے بقیہ ججوں کا تقرر کرے گا۔ ججوں کی تقرری کے لئے ضروری ہوگا کہ ایسے شخص کو جج مقرر کیا جائے جو پاکستان کا شہری ہو۔ پانچ سال تک کسی ہائی کورٹ کا جج رہا ہو یا پندرہ سال سے کسی ہائی کورٹ کا وکیل رہا ہو۔ ججوں کی عمر کی حد ۶۵ سال ہوگی۔

دفعہ ۱۵۱: کسی جج کو برطرف کرنے کے لئے صدر اس وقت اقدام کرے گا جب

(۱) قومی اسمبلی کے ۱/۳ ارکان کی طرف سے نوٹس دیا جائے۔

(۲) قومی اسمبلی کے ۲/۳ حاضر ارکان تائید کریں۔

(۳) یہ ۲/۳ حاضر ارکان کل ارکان کی اکثریت سے کم نہ ہوں۔

(۴) قومی اسمبلی کی طرف سے صدر کی خدمت میں محضر نامہ پیش ہو۔

(۵) کسی ثابت شدہ بدعنوانی یا دماغی یا جسمانی خرابی کی بناء پر ہو۔

دفعات: ۱۵۶ سے ۱۵۹ سپریم کورٹ کو اور جنل اور اپیل کے اختیارات حاصل ہیں۔

دفعہ ۱۶۳: سپریم کورٹ کو ہدایات: احکام، پروانہ امر جو بھی مناسب ہو جاری کرنے کے اختیارات ہیں اور یہ احکام پورے پاکستان میں نافذ العمل ہوں گے۔

دفعات ۱۶۵ سے ۱۷۲: ہائی کورٹ اور ہائی کورٹ کے ججوں سے متعلق ہیں۔

دفعہ ۱۷۳: سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے جج مستعفی ہو سکیں گے۔

دفعہ ۱۷۴: کسی سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کے جج کو گورنر نہیں مقرر کیا جا سکے گا۔

دفعہ ۱۷۵ (۲) ماسوائے دفعہ ۱۵۱ کے کسی جج کا کردار کسی اسمبلی میں زیر بحث نہیں لایا جا سکے گا۔

دسواں حصّہ

سرکاری ملازمین

دفعہ ۱۸۱، ۱۸۲: کسی مستقل سول ملازم کو جواب دہی کا نوٹس دیئے بغیر ملازمت سے برطرف نہیں کیا جا سکے گا۔

علیحدگی گورنر یا صدر کے حکم سے ہو، تو نظر ثانی کے لئے درخواست کا حق ہوگا۔

پبلک سروس کمیشن

دفعہ ۱۸۶: پبلک سروس کمیشن کے چیئرمین اور ممبران کا تقرر صدر مرکز میں اور گورنر صوبے میں اپنے اختیار تمیزی سے کرے گا۔

کم از کم نصف ارکان ایسے ہوں گے جنہوں نے ۱۵ سال تک سرکاری ملازمت کی ہو۔ مدتِ تقرری ۵ سال ہوگی۔ چیئرمین کو کسی دوسری سرکاری ملازمت میں نہیں لیا جائے گا۔

دفعہ ۱۹۰ مرکزی اور صوبائی کمیشن اپنی اپنی رپورٹیں صدر اور گورنر کو پیش کریں گے اور ان رپورٹوں کو قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں پیش کیا جائے گا۔

گیارھواں حصّہ

دفعہ ۱۹۱ تا ۱۹۶: ہنگامی حالات سے متعلق ہیں۔

بارھواں حصّہ

اسلامی دفعات

1956

دفعہ ۱۹۷ (۱) صدر اسلامی تحقیقات اور اعلیٰ تعلیمات کا ایک ادارہ قائم کرے گا جو مسلم معاشرے کی صحیح اسلامی بنیادوں پر تعمیرِ نو کرنے میں مدد دے گا۔

(۲) پارلیمنٹ اس مقصد اور ادارے کے اخراجات کے لئے خصوصی ٹیکس صرف مسلمانوں پر لگا سکے گی۔

دفعہ ۱۹۸ (۱) کوئی قانون قرآن و سُنّت میں مذکور اسلامی احکام کے خلاف نہیں بنایا جا سکے گا اور موجودہ قوانین کو بھی قرآن و سُنّت کے مطابق بنایا جائے گا۔

(۲) شق ۱ پر عمل درآمد شق ۳ میں بیان کردہ طریق کار کے مطابق ہوگا۔

(۳) ایک سال کے اندر صدر ایک کمیشن مقرر کرے گا جو یہ سفارشات کرے گا کہ (۱) وُہ کونسی تدابیر ہوں جن سے موجودہ قوانین کو اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے اور (۲) ایسی تدابیر کو کس تدریج کے ساتھ رُو بہ عمل لایا جائے۔ یہ کمیشن اپنی آخری رپورٹ ۵ سال کے اندر اندر پیش کرے گا اور کوئی عبوری رپورٹ اس دوران میں بھی پیش کر سکے گا۔ رپورٹ خواہ عبوری ہو یا آخری موصول ہونے پر چھ ماہ کے اندر اندر قومی اسمبلی میں پیش کی جائے گی اور اسمبلی اس رپورٹ پر غور کرنے کے بعد قانون سازی کرے گی۔

دفعہ ۱۹۹ (۱) اس دفعہ کا اطلاق غیر مسلم شہریوں پر نہیں ہوگا نہ ان کے پرسنل لاء پر، نہ ان کے شہری مرتبے پر اور نہ ہی دستور کے کسی اور حصے پر۔

تشریح، اس دفعہ کا اطلاق اس طرح ہوگا کہ ہر مسلمان فرقے کے نزدیک قرآن و سُنّت کی جو تشریح ہے وہی مفہوم اس فرقے کے پرسنل لاء کے لئے معتبر ہوگا۔

متفرق

دفعہ ۲۰۸ (۱) صدر کی طرف سے فوجی یا عوامی خدمات کے اعتراف کے سوا ریاست کی طرف سے کوئی خطابات یا اعزاز نہیں دیئے جائیں گے۔

(۲) پاکستان کا کوئی شہری صدر کی اجازت کے بغیر کسی غیر ملک کا خطاب یا اعزاز قبول نہیں کرے گا۔

دفعہ ۲۱۴ پاکستان کی سرکاری زبانیں اُردو اور بنگلہ ہوں گی۔

دفعہ ۲۱۶ دستور میں ترمیم کل ارکان کی اکثریت اور حاضر ارکان کی ۲/۳ اکثریت سے ہو سکے گی۔

۱۹۵۶ء کے آئین پر چند اعتراضات

جب ۱۹۵۶ء کا آئین نافذ ہوا تو مختلف حلقوں نے اس پر چند اعتراضات کیے تاہم

سیاسی اور آئینی اعتبار سے یہ اتنی اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔

اعتراضات یہ تھے۔

(۱) ۱۹۵۶ء کا دستور غیر اسلامی ہے۔ اس کے بارے میں یہ دلیل پیش کی گئی کہ اس میں مسلمانوں کو تبدیل مذہب سے روکنے کی کوئی دفعہ شامل نہیں کی گئی۔

(۲) یہ مختلف عناصر میں ایک طرح کا سمجھوتہ ہے۔

(۳) اس نے اقتصادی مسائل کے حل کے لئے کوئی ٹھوس تجاویز نہیں دیں۔

(۴) اِس میں ون یونٹ اور پیرٹی کے مسائل کا فیصلہ کرنے کے لئے اسمبلی کے ارکان کی تعداد دو تہائی اکثریت پر رکھی گئی ہے۔

(۵) اس آئین کے نفاذ سے ون یونٹ، صوبائی خود مختاری، وفاقی و وحدانی نظام جیسے مسائل پیدا ہو جائیں گے۔

(۶) یہ دستور جمہوری روایات کا حامل نہیں ہے۔

(۷) آئین میں صدر کو اس امتیازی قانون کے ساتھ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ جب چاہے وزیر اعظم اور وزراء کو برطرف اور جب چاہے نئے وزراء اور وزیر اعظم کا تقرر کر سکتا تھا۔ اس روش نے سیاسی شخصیات کو ساز باز کر کے چور دروازہ سے اقتدار میں آنے کا طریقہ سکھا دیا۔

۱۹۵۶ء کا آئین اور سیاسی راہنماؤں کی آراء

۱۹۵۶ء کے آئین کے نفاذ پر ملک کے باشعور طبقے نے اس کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔ اس ضمن میں ذیل میں چند راہنماؤں کے تبصرے پیش کئے جا رہے ہیں۔

صدر پاکستان مسلم لیگ پاکستان مسلم لیگ کے صدر سردار عبد الرب نشتر نے نوائے وقت میں ایک بیان میں ۱۹۵۶ء کے آئین پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ

گزشتہ آٹھ برسوں میں بسا اوقات یوں نظر آیا کہ بدی کی قوتیں جمہوریت کو پاؤں تلے روندنے اور قیام پاکستان کا اصل مقصد ختم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی، لیکن بالآخر صداقت کو کامیابی حاصل ہوئی اور ہم ایک ایسا آئین حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے جو اپنی خامیوں

کے باوجود جمہوریت کی ضمانت دیتا ہے یہ امر بھی بموجب اطمینان ہے کہ اس آئین میں مرکزی لیجسلیچر میں دونوں منطقوں کے نمائندوں کو اکثریت کی حمایت حاصل ہے۔

ممتاز عالم دین مولانا احتشام الحق تھانوی

مولانا احتشام الحق تھانوی نے ان الفاظ میں ۱۹۵۶ء کے آئین کا خیر مقدم کیا:

"اسلامی آئین کی منظوری سے وہ مقصد پورا ہو گیا ہے کہ جس کی خاطر پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ اسلامی آئین کے نفاذ کے بعد مملکت اور شہریوں دونوں کا فرض ہو گا کہ وہ اسلامی ضابطہ حیات پر پورا اتریں۔

قائمقام صدر جمعیت العلمائے اسلام

ممتاز عالم دین اور جمعیت العلمائے اسلام پاکستان کے قائمقام صدر مولانا مفتی محمد شفیع نے ۱۹۵۶ء کے آئین کے بارے میں فرمایا:

"پاکستان کے لوگ اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے کہ اس کے فضل و کرم سے اس ملک کو طویل انتظار کے بعد ایسا دستور میسر آیا جس کے متعلق بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس میں عامۃ المسلمین کی آرزوؤں اور اسلام کے اہم تقاضوں کی خاص رعایت موجود ہے خامیوں سے پاک تو انسان کی بنائی ہوئی چیز نہیں ہو سکتی لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ فی الجملہ ایسا دستور حاصل ہو گیا ہے جس سے ہماری تعمیری سرگرمیوں کا ایک صحیح رُخ متعین ہو جاتا ہے۔

قائداعظم کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح

قائداعظم کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح نے ۱۹۵۶ء کے آئین کے بارے میں کہا:

آپ کو اپنے حقوق اور آزادی کی ضمانت مل گئی ہے۔ اب آپ بڑی احتیاط کے ساتھ ان حقوق اور آزادیوں کی حفاظت کریں۔ آٹھ سال کی جدوجہد کے بعد ملک آئین حاصل کر رہا ہے خدا کا شکر ہے کہ عام انتخابات جلد ہوں گے اور پاکستان ایک جمہوریہ بن جائے گا اب آپ کو اس آئیڈیالوجی کی تکمیل کرنا ہے جس کی خاطر پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔

پیر علی محمد راشدی

ممتاز صحافی پیر علی محمد راشدی نے کہا کہ

"پاکستان کے عوام نے ایک مہذب قوم کے شایانِ شان ایک مثالی دستور حاصل کر لیا ہے۔ تحریک پاکستان کی بنیاد اسلامی آئیڈیالوجی کی اس دستور میں ضمانت دی گئی ہے اور قرآن و سنت

کے مخالف کوئی قانون نہیں بنایا جاسکے گا۔

تحریک آزادئ کشمیر کے راہنما چودھری غلام عباس

تحریک آزادئ کشمیر کے راہنما چودھری غلام عباس نے کہا کہ:

آئین کا اسلامی پہلو اس کی سب سے بڑی خوبی اور اطمینان بخش خصوصیت ہے کیونکہ اس کے بغیر نہ پاکستان کے قیام کا جواز تھا اور نہ ہی عوام کی دلی آرزوؤں کی تکمیل ممکن تھی۔

شیخ مجیب الرحمٰن

مشرقی پاکستان کے رکن لیجسلیٹو اسمبلی شیخ مجیب الرحمٰن نے ۱۹۵۶ء کے دستور پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ:

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور مکمل ہونے پر وزیر اعظم پاکستان اور ان کے ساتھیوں کی ان تھک محنت اور دانش مندی قابلِ تعریف ہے۔

مولانا ابوالحسنات (جمعیت العلمائے پاکستان)

۱۹۵۶ء کے دستور کی تکمیل وزیر اعظم چودھری محمد علی کا وہ کارنامہ ہے جو یادگار رہے گا۔

میاں طفیل محمد (جماعتِ اسلامی)

جماعتِ اسلامی کے میاں طفیل محمد نے کہا کہ:

۱۹۵۶ء کا دستور پاکستان کی آئیڈیالوجی کو اطمینان بخش طور پر پورا کرتا ہے جمہوریت اور اسلام کی تمام باتیں اس میں موجود ہیں۔ بنیادی حقوق، بالغ رائے دہی اور براہِ راست انتخابات کا ذکر موجود ہے۔ عدلیہ آزاد اور خود مختار ہے۔ الیکشن کمیشن، پبلک سروس کمیشن، کنٹرولر جنرل کو ہائی کورٹ کے ججوں کا مرتبہ دیا گیا ہے تاکہ انتظامیہ ان پر کسی قسم کا دباؤ نہ ڈال سکے۔

قومی اسمبلی کا پہلا اجلاس

قومی اسمبلی کا پہلا اجلاس ۲۶ مارچ ۱۹۵۶ء کو کراچی میں منعقد ہوا، قومی اسمبلی کے اسپیکر مولانا عبدالوہاب خاں نے اجلاس کی صدارت کی۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے عوامی لیگ کے مسٹر ظہیر الدین نے کہا کہ سیٹو میں پاکستان کی رکنیت اور امریکہ کے باہمی دفاعی معاہدہ پر انہیں سخت تشویش ہے۔ مسلم لیگ کے میاں جعفر شاہ نے حکومت پاکستان کی خارجہ پالیسی پر کڑی نکتہ چینی کی۔ وقفہ سوالات کے بعد وزیرِ مملکت برائے پارلیمانی امور سردار امیر اعظم نے وزارتِ خارجہ اور دولتِ مشترکہ کے لیے بابت ۱۹۵۶-۵۷ء علی الترتیب ۲۹ لاکھ ۸۹ ہزار اور ۳۱ لاکھ ۲۸ ہزار روپیہ کے مطالبہ زر کی منظوری کی تحریک کی۔

۱۹۵۶ء کے آئین کی ناکامی کے اسباب

صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے ۱۹۶۱ء میں ۱۹۵۶ء کے آئین کی ناکامی کے اسباب معلوم کرنے اور نیا آئین مدون کرنے کے لئے جو کمیشن قائم کیا تھا اُس میں ۱۹۵۶ء کے آئین کی ناکامی کے مندرجہ ذیل اسباب بیان کئے گئے تھے کمیشن نے ۶ رمئی ۱۹۶۱ء کو یہ رپورٹ پیش کی تھی۔

(۱) اس آئین کی صرف عبوری دفعات کو عملی جامہ پہنایا گیا۔
(۲) مناسب انتخابات کا فقدان اور آئین میں خامیاں۔
(۳) وزارتوں اور سیاسی جماعتوں میں سربراہان مملکت کی اور صوبوں کی حکومت میں مرکزی حکومت کی نامناسب مداخلت۔
(۴) قیادت کا فقدان جس کے باعث پُوری طرح منظم اور نظم وضبط رکھنے والی جماعتوں کا فقدان پیدا ہو گیا۔
(۵) سیاست دانوں میں کردار کا عمومی فقدان اور نظم ونسق میں ان کی نامناسب مداخلت۔
(۶) آئین میں ترمیم کے ذریعے وزراء کے تقرر اور برطرفی کے سلسلہ میں گورنر جنرل کے اختیارات محدود کر دیئے گئے۔ یہ ترمیم اس قدر اچانک پیش کی گئی اور اسے منظور کرانے میں اتنی غیر معمولی عجلت سے کام لیا گیا کہ اسے ایک آئینی انقلاب کا نام دیا گیا۔

گورنر جنرل غلام محمد کا استعفٰے

۱۹۵۵ء ہی میں گورنر جنرل غلام محمد خرابیٔ صحت کی بناء پر تقریباً دو ماہ (۳ر اکتوبر تک) کے لئے رخصت پر چلے گئے اور اُن کی جگہ میجر جنرل اسکندر مرزا صدر بنے۔

سکندر مرزا کی تقرری بطور پہلے صدر

۱۹۵۶ء کے آئین کے تحت پاکستان کو اسلامی جمہوریہ قرار دیا گیا اس لئے گورنر جنرل کا عہدہ ختم کر دیا گیا۔ نیز ۵ رمارچ ۱۹۵۶ء کو میجر جنرل اسکندر مرزا کے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے پہلے صدر ہونے کا باضابطہ اعلان کر دیا گیا۔ ۱۹۵۶ء کے دستور میں صدر پاکستان کے اختیارات کو محدود کر دیا گیا تھا، اس لئے ذاتی طور پر انہیں صدر کا عہدہ پسند نہ تھا، لیکن چونکہ دستور ساز اسمبلی کے پچاس ارکان نے اُن کا نام بطور صدر تجویز کیا تھا اس لئے انہوں نے یہ عہدہ قبول کر لیا۔

پاکستان کا نام

۱۹۵۶ء کے آئین کے تحت پاکستان کو جمہوریہ قرار دیا گیا تھا اس لئے اس کا نام ۲۳ رمارچ ۱۹۵۶ء سے اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھ دیا گیا۔

ری پبلکن پارٹی کا قیام

۱۲ جنوری ۱۹۵۵ء کو مغربی پاکستان کی صوبائی اور ریاستی مسلم لیگوں کی مجالس عاملہ نے یہ فیصلہ کیا کہ مغربی پاکستان کے مسلم لیگی ارکان اور صدر، وزراء، گورنر اور سربراہ مملکت کا عہدہ قبول نہیں کریں گے۔ لیکن اس کے برعکس جب ون یونٹ کا قیام عمل میں آیا تو مسلم لیگی ارکان وزارت میں شامل ہو گئے۔ اس پاداش میں ۲۳ اپریل ۱۹۵۶ء کو پاکستان مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے متفقہ طور پر ڈاکٹر خان صاحب کی کابینہ کے سات مسلم لیگی وزراء کو جماعتی ڈسپلن توڑنے کے الزام میں مسلم لیگ کی تنظیم سے نکال دیا۔ مجلس عاملہ نے جن وزراء کو رکنیت سے برطرف کر دیا ان میں خان افتخار حسین ممدوٹ، سید جمیل حسین رضوی۔ سید عابد حسین، قاضی فضل اللہ، سردار عبدالحمید دستی، ارباب نور محمد اور مخدوم زادہ حسن محمود کے نام شامل تھے۔

انہیں نکالنے کا فیصلہ ۲ اپریل کی قرارداد کے مطابق کیا گیا جس میں کہا گیا تھا کہ مغربی پاکستان میں خالص مسلم لیگی وزارت کا قیام عمل میں لایا جائے۔ اسی روز (۲۳ اپریل) مسلم لیگ کی مرکزی مجلس عاملہ نے ڈاکٹر خان صاحب کی کابینہ میں شامل جن وزراء کے خلاف انضباطی کارروائی کی انہوں نے ڈاکٹر خاں صاحب کے ساتھ مل کر نئی سیاسی جماعت ری پبلکن پارٹی تشکیل دے دی۔

ڈاکٹر خاں صاحب نے نئی جماعت کی تشکیل کے سلسلے میں بتایا کہ اس مرحلہ پر عوام کی خدمت، جمہوریت کے تحفظ اور تخریب پسند عناصر کو شکست دینے کے لئے ایک نئی سیاسی پارٹی تشکیل بڑی ضروری تھی۔ ڈاکٹر خاں صاحب ہی اس پارٹی کے کنوینر بنے۔

۲۴ اپریل کو نئی جماعت کا منشور تیار کرنے کے لئے مخدوم زادہ حسن محمود کی قیادت میں ایک کمیٹی قائم کی گئی۔

اس جماعت کے قیام کے فوراً بعد مسلم لیگی زعما دھڑا دھڑ اس پارٹی میں شامل ہونے لگے۔

پہلا پنجسالہ منصوبہ

تقسیم ہند کی شدید دشواریوں کے باوجود حکومت پاکستان نے کسی تاخیر کے بغیر ترقیاتی کاموں کی طرف توجہ دینا شروع کر دی چنانچہ ۱۹۴۸ء کے آغاز میں ایک ترقیاتی بورڈ قائم کیا گیا جسے ترقیاتی منصوبے مرتب کرنے، اس امر کی سفارش کرنے کا کہ کس منصوبے پر پہلے کام شروع کیا جائے اور کس پر بعد میں، ترقیاتی منصوبوں پر کام کی رفتار کا جائزہ لینے اور کام کے متعلق کابینہ کے سامنے رپورٹ پیش کرنے کا مجاز کیا گیا۔ اس بورڈ کی امداد کے لئے مرکزی اور صوبائی حکومتوں نے کئی صنعتی بورڈ اور کمیٹیاں قائم کیں۔ ان

صنعتی بورڈوں اور کمیٹیوں نے ترقیاتی بورڈ کے تعاون سے ۲۷ صنعتوں کے لئے حدیں مقرر کیں۔
پہلے منصوبے کو اس وقت تقویت ملی جب مئی ۱۹۵۰ء میں کولمبو منصوبے میں شریک ممالک نے اس بات پر اتفاق کیا کہ ۱۹۵۱ء کے وسط سے مربوط چھ سالہ ترقیاتی منصوبوں پر عمل درآمد شروع کیا جائے۔ چنانچہ جولائی ۱۹۵۱ء سے جون ۱۹۵۷ء تک کے لئے پاکستان کا چھ سالہ ترقیاتی پروگرام تیار کیا گیا۔ مرکزی حکومت نے جنوری ۱۹۵۱ء میں منصوبہ بندی کا ایک نیا ادارہ قائم کیا، اور ترقیاتی بورڈ کے بجائے بیس ارکان پر مشتمل منصوبہ بندی کمیشن قائم کیا گیا۔ چنانچہ کمیشن نے شبانہ روز کی محنت کے بعد اس منصوبے کا خاکہ مکمل کر لیا جس کا اعلان ۱۵ مئی ۱۹۵۶ء کو وزیراعظم پاکستان (جو خود بھی ماہر اقتصادیات تھے منصوبے پر انتہائی غور و خوض کیا) نے کیا۔ یہ منصوبہ (۱۹۵۵ء - ۱۹۶۰ء) اقتصادی اور سماجی ترقیوں کے متعلق حوصلہ افزا رجحانات پیدا کرنے اور معیشت کی ٹھوس تعمیر کی ضرورت کا احساس دلانے میں کامیاب ہوا۔
پہلے پنجسالہ منصوبے کا تخمینہ دس ارب اور اسی کروڑ روپے لگایا گیا اس میں سے سرکاری شعبہ میں ۷۵۰ کروڑ روپے اور نجی شعبہ میں ۳۳۰ کروڑ روپے لگانے کا ہدف مقرر کیا گیا۔
اگرچہ منصوبے کی اشاعت ۱۹۵۶ء میں عمل میں آئی تاہم اس کی منظوری بعد میں دی گئی منصوبے پر کل رقم میں سے ۱۰ ارب ۵ کروڑ نوے لاکھ روپے کی سرمایہ کاری کی جا سکی۔
منصوبے کے لئے جو اہداف مقرر کئے گئے تکمیل پر یہ پورے نہ ہو سکے۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ قومی آمدنی میں ۱۵ فیصد اضافے کا اعلان کیا گیا لیکن صرف ۱۱ فیصد اضافہ ہو سکا۔
۲۔ فی کس آمدنی میں ۷ فیصد اضافے کی توقعات وابستہ کی گئیں تھی، لیکن صرف ۶ء۱ فیصد اضافہ ہوا۔
۳۔ زرعی شعبے میں ۹ فیصد اضافے کی بجائے ۴ فیصد اضافہ ہوا۔
۴۔ منصوبے میں ۵۲ ہسپتالوں کی تعمیر کا اعلان کیا گیا لیکن صرف ۳۲ ہسپتال تعمیر ہو سکے۔ اسی طرح ۲۰ کی بجائے ۱۸ گشتی شفا خانے قائم ہوئے۔
۵۔ تعلیم کے شعبے میں دس لاکھ بچوں کو داخلہ ملنے کا اعلان کیا گیا، لیکن صرف ۴ لاکھ بچے داخل ہو سکے۔
۶۔ چھوٹی صنعتوں میں آمدنی میں اضافے کا اعلان ۶۰ فیصد کیا گیا، لیکن درحقیقت یہ

اضافہ صرف ۸ فیصد ہوا۔

۷۔ بجلی کی پیداوار کا ہدف ۰.۷ ۵ میگاواٹ مقرر کیا گیا اس میں اضافہ ہوا۔

۸۔ بڑی صنعتوں کی ترقی ہدف کے مطابق ہوئی۔ ان میں کاغذ، گتہ، اخباری کاغذ، کھاد اور کیمیائی اشیاء شامل ہیں۔

۹۔ منصوبے میں ۱۷۰۲ دیہات کو ترقی دینے کا پروگرام بنایا گیا، لیکن دیہات سدھار کے پروگرام کے تحت ۱۷۰ دیہات کو ترقی دی گئی۔

۱۰۔ توازن ادائیگی میں ۳۰ کروڑ روپے کا خسارہ ہوا۔

پہلے پنجسالہ منصوبے کی ناکامی کے اسباب

اس کی ناکامیوں کے اسباب یہ ہیں:

۱۔ منصوبے کی منظوری ۱۵ اپریل ۱۹۵۹ء کو دی گئی اور اسی روز سے اس پر عملدرآمد شروع ہوا گویا یہ منصوبہ پنجسال کی بجائے ۳ سال کا رہ گیا۔ اور اس لئے یہ اپنے اہداف پورے کرنے میں ناکام رہا۔

۲۔ ۳ سال کے دوران موسم خراب رہے اس لئے پیداوار حسبِ توقع حاصل نہ کی جاسکی۔

۳۔ برآمدات کی قیمتوں میں کمی اور درآمدی اشیاء کی مہنگائی کی وجہ سے ادائیگیوں کا توازن بگڑ گیا۔

۴۔ غیر ملکی امداد توقع سے بہت کم ملی۔

۵۔ آبادی میں اضافے کی وجہ سے فی کس آمدنی تین فیصد ہوگئی۔

۶۔ بڑے پیمانے پر چیزوں کی تیاری کی شرح مجموعی پیداوار کی دس فیصد سے بھی کم ہوگئی۔

۷۔ متعدد شعبوں کے بارے میں جو تخمینے لگائے گئے وہ غلط تھے۔

۸۔ اندرونِ ملک افراطِ زر کی شرح میں کمی کی وجہ سے مطلوبہ اشیاء اور ساز و سامان کی قیمتیں بڑھ گئیں۔

مشرقی پاکستان میں صدر راج کا نفاذ

۲۶ مئی ۱۹۵۶ء کو صدر پاکستان میجر جنرل اسکندر مرزا نے مشرقی پاکستان میں مسٹر ابو حسین سرکار کی وزارت کو معطل کر دیا اور آئین کی دفعہ ۱۹۳ کے تحت مشرقی پاکستان میں صدر راج نافذ کر دیا۔

صدر راج کا نفاذ اس لئے عمل میں آیا کہ ۲۲ رمئی ۱۹۵۶ ءکو مشرقی پاکستان اسمبلی کے سپیکر نے مسٹر ابو حسین سرکار کو ایوان میں بجٹ پیش کرنے کی اجازت نہیں دی تھی اور اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مشرقی پاکستان اسمبلی کے بجٹ سیشن کے پہلے دن عوامی لیگ نے اعتراض کیا تھا کہ سرکاری وزارت کو بجٹ پیش کرنے کا کوئی آئینی اور قانونی حق حاصل نہیں۔ کافی بحث کے بعد سپیکر نے فیصلہ دیا کہ وزارت کو بجٹ پیش کرنے کا قانونی حق تو ہے لیکن بجٹ پر بحث اور منظوری کے لئے وقت بہت ہی کم رکھا گیا ہے جس کی بناء پر میں بجٹ پیش کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اس طرح صوبہ میں جو آئینی بحران پیدا ہوا اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے صدر نے صوبائی گورنر کی رپورٹ پر صوبہ میں آئین معطل کر دیا اور وزارت کی معطلی کے عرصہ میں تین ماہ کے لئے صوبائی بجٹ کی منظوری دے دی۔

یکم جون کو مشرقی پاکستان میں پارلیمانی حکومت بحال کر دی گئی اور مسٹر ابو حسین سرکار کی وزارت پھر برسر اقتدار آ گئی۔

مسٹر محمد علی کی وزارتِ عظمیٰ سے علیحدگی

۸ ر ستمبر ۱۹۵۶ ء کو مسٹر محمد علی وزیرِ اعظم کے عہدے اور پاکستان مسلم لیگ سے مستعفی ہو گئے۔ مگر صدر سکندر مرزا کی طرف سے انہیں یہ ہدایت کی گئی کہ وہ نئے وزیرِ اعظم کی نامزدگی تک اپنے فرائض انجام دیتے رہیں وزیرِ اعظم نے اس ضمن میں تین صفحات پر مشتمل ایک بیان بھی جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ مسلم لیگی قیادت کا ایک گروپ ان کی قومی خدمت کی راہ میں حائل رہا ہے نیز مسلم لیگ اس تعاون کی مستحق نہ تھی جو انہوں نے پیش کیا۔ مگر اس کے باوجود مسلم لیگ کے راہنماؤں نے ہمدردانہ رویہ اختیار نہیں کیا۔

حسین شہید سہروردی کا دورِ حکومت

(۱۲ ستمبر ۱۹۵۶ء تا ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۷ء)

صدر اسکندر مرزا ری پبلکن پارٹی کے حامیوں میں سے تھے اور وُہ ملک میں ہر صورت میں ری پبلکن پارٹی کو اقتدار میں دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اندرونِ خانہ حسین شہید سہروردی سے گٹھ جوڑ کر کے انہیں وزیرِاعظم بنا دیا جو پارلیمانی اور قانونی اُمور میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔

حسین شہید سہروردی نے ملک فیروز خاں نون (اُمورِ خارجہ اور دولتِ مشترکہ)، ابوالمنصور احمد (تجارت وصنعت)، سید امجد علی (خزانہ)، محمد عبدالخالق (محنت تعمیرات)، میر غلام علی تالپور (اُمورِ داخلہ) اے ایچ دلدار احمد (خوراک و زراعت)، سردار امیر اعظم خاں (اطلاعات، نشریات، پارلیمانی اُمور، قانون)، میاں جعفر شاہ (مواصلات) اور ظہیر الدین لال میاں (تعلیم، صحت، اقلیتی اُمور) کو قلمدانِ وزارت سونپ دیئے۔

ملک فیروز خاں نون، سید امجد علی، میر غلام علی تالپور، سردار امیر اعظم خاں اور میاں جعفر شاہ کا تعلق ری پبلکن پارٹی سے تھا جب کہ اے ایچ دلدار احمد، ابوالمنصور اور عبدالخالق عوامی لیگ سے متعلق تھے۔

معاہدہ بغداد اور سیٹو میں شمولیت کی بنیاد پر جناب حسین شہید سہروردی کی خارجہ پالیسی کا مکمل جھکاؤ امریکہ اور یورپ کی طرف تھا۔ ان کے دورِ اقتدار میں فرانس برطانیہ اور اسرائیل نے نہر سویز (مصر) پر ہمیشہ قابض رہنے کے لئے اکتوبر اور نومبر ۱۹۵۶ء میں حملہ کیا ۳۱ اکتوبر کو عوامی سطح پر پاکستان بھر میں مصر پر تینوں ملکوں کے حملے کے خلاف شدید احتجاج کیا گیا عوامی حلقوں نے حکومت پر زور دیا کہ وہ مصر کی امداد کرے لیکن عوامی سطح پر شدید مخالفت کے باوجود حکومت نے مصر کی امداد کرنے کی بجائے برطانیہ اور فرانس سے مطالبہ کہ وُہ مصر میں جنگ بند کر دیں۔ عوام کی اکثریت نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ حکومت پاکستان برطانوی دولت مشترکہ اور معاہدہ بغداد اور سیٹو سے علیحدہ ہو جائے بالآخر شدید عوامی دباؤ میں آکر وزیرِاعظم حسین شہید سہروردی نے

۲ر نومبر ۱۹۵۶ء کو ایک بیان میں کہا کہ اگر برطانیہ اور فرانس نے اقوام متحدہ کا فیصلہ تسلیم نہ کیا تو حملہ آوروں کے خلاف باقی ممالک مل کر اس وقت تک طاقت استعمال کرنے میں حق بجانب ہوں گے جب تک کہ دُنیا میں پھر قانون کی حکومت قائم نہ ہو جائے اور ممالک گفت وشنید کے ذریعے تنازعات طے کرنے کے لئے تیار نہ ہو جائیں۔

اس کے باوجود حسین شہید سہروردی کشمیر اور نہری پانی کے مسئلے پر یورپی ممالک کی حمایت حاصل نہ کر سکے۔ اُن کی ناکام خارجہ پالیسی کی بناء پر عوامی لیگ کی قوت کمزور پڑ گئی اور کرشک سرامک پارٹی نے ری پبلکن پارٹی سے ساز باز کر کے گورنر مغربی پاکستان میاں مشتاق احمد گورمانی کو برطرف کرنے کا مطالبہ کیا پھر اُن سے ون یونٹ توڑنے کو کہا لیکن سہروردی اس پر آمادہ نہ ہوئے، چنانچہ انہیں مستعفی ہونا پڑا۔ انہوں نے مشرقی پاکستان کے ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے جداگانہ طریق انتخاب کی بجائے مخلوط انتخاب کو ترجیح دی اور قومی اسمبلی سے اکتوبر ۱۹۵۶ء میں الیکٹوریٹ ایکٹ منظور کرایا۔

انہوں نے مہاجرین کی آبادکاری کے مسئلے کو بڑی اہمیت دی اور کراچی میں ان کا کنونشن منعقد کر کے اُن کی ہمدردیاں حاصل کر لیں۔

ان کے عہد میں ملک میں عام انتخابات منعقد کرانے کے سلسلے میں قومی اسمبلی کی تمام پارٹیوں کی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ انتخابات نومبر ۱۹۵۸ء کے پہلے ہفتے میں ہوں گے۔ ان کی وزارت کے دوران میں پاک ایران سرحدی معاہدہ طے پایا۔ ۱۷ستمبر ۱۹۵۷ء کو وحدت مغربی پاکستان کی تنسیخ کی قرارداد بھی ان کے عہد میں منظور کی گئی۔

حالات زندگی

حسین شہید سہروردی کا شمار تحریک پاکستان کے ممتاز راہنماؤں میں ہوتا ہے انہوں نے قیام پاکستان کے بعد وزیر اعظم پاکستان اور حزب اختلاف کے قائد کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

وُہ ۸ر دسمبر ۱۸۹۳ء کو مغربی بنگال کے شہر مدناپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کلکتہ کے مدرسہ عالیہ میں مکمل کرنے کے بعد اسی شہر کے سینٹ زیویرز کالج میں پڑھتے رہے۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کی غرض سے آکسفورڈ یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور وہاں سے ایم اے انگریزی اور قانون کی اعلیٰ ترین ڈگری بی سی ایل حاصل کی۔

انگلستان سے واپسی کے بعد کلکتہ میں وکالت شروع کی اور جلد ہی اُن کا شمار ممتاز وکلاً

میں ہونے لگا۔ اس کے ساتھ ساتھ سیاسی سرگرمیوں میں بھی حصہ لینا شروع کردیا اور ترک موالات کی تحریک کے بعد مسٹر سی آر داس (میئر کلکتہ) کے ساتھ ہی ڈپٹی میئر منتخب ہوئے۔ اس دوران بنگال لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن بھی بنے۔ پھر بنگال کی مسلم لیگی وزارت میں شمولیت اختیار کی۔ ۱۹۴۳ء تا ۱۹۴۵ء بنگال کے وزیر خوراک کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ وہ بنگال کی صوبائی مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری بھی رہے۔ تقسیم ہند کے بعد کچھ عرصہ تک بھارت میں قیام کیا اور مسٹر گاندھی کے ساتھ مل کر ہندو مسلم فسادات کی روک تھام کے لئے اہم کردار ادا کیا۔ اس بناء پر انہیں پاکستان کی مرکزی دستور ساز اسمبلی کی رکنیت سے خارج کر دیا گیا۔ تاہم کچھ عرصہ کے بعد پاکستان آ گئے اور لاہور میں وکالت شروع کی۔

مغربی پاکستان میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے سلسلہ میں حزب مخالف کو منظم کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور ان ہی کی کوششوں سے پہلے جناح عوامی لیگ اور پھر ۱۹۴۹ء میں عوامی لیگ کا قیام عمل میں آیا۔

۱۹۵۴ء میں مشرقی پاکستان میں صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں انہوں نے مولانا عبدالحمید خاں بھاشانی اور مولوی اے کے فضل الحق اور دیگر ممتاز راہنماؤں سے مل کر مخالف جماعتوں کا متحدہ محاذ قائم کیا۔ جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ کو بری طرح شکست ہوئی۔

۲۰ دسمبر ۱۹۵۴ء کو انہیں مرکزی حکومت میں وزیر خزانہ مقرر کیا گیا۔ اگست ۱۹۵۵ء میں حزب اختلاف کے لیڈر چنے گئے۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۵۶ء کو پاکستان کے ۵ ویں وزیر اعظم بنے اور ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۷ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ انہوں نے ۱۹۵۶ء کے آئین کی تیاری کے سلسلے میں بھی اہم خدمات انجام دیں۔ تاہم طریق انتخاب کے سوال پہ اختلاف کی بناء پر حکومت سے علیحدہ ہو گئے۔ ۱۹۶۰ء میں ان پر ایبڈو کی پابندیاں عائد کی گئیں۔

۱۹۶۳ء میں علاج کی غرض سے بیروت گئے وہیں ۵ دسمبر کو ان کا انتقال ہو گیا۔

پاک ایران سرحدی معاہدہ

۲۹ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو بلوچستان میں پاکستان اور ایران کی سرحدیں متعین کرنے کے لئے تہران میں دونوں ملکوں کے مابین جو بات چیت جاری تھی وہ کامیاب رہی اور حد بندی کے مسئلہ پر دونوں ملکوں کے مابین مکمل سمجھوتہ طے پا گیا۔ یہ حد بندی ان معاہدات کی بناء پر عمل میں آئی جو ۱۸۷۵ء اور ۱۹۰۵ء کے درمیانی دور میں حکومت ایران اور برطانوی ہند کے حکمرانوں میں ہوئے تھے ان معاہدوں کے سلسلے میں جو

ابہام پایا جاتا تھا وُہ اس معاہدے سے ختم ہو گئے۔

معاہدہ سنٹو (معاہدہ بغداد) یہ معاہدہ ابتداء میں ترکی اور عراق کے درمیان عراق کے دارالحکومت بغداد میں طے پایا اسی بناء پر اسے معاہدۂ بغداد کا نام دیا گیا۔ اس پر ۲۴ رفروری ۱۹۵۵ء کو ترکی کے وزیراعظم عدنان مندریز اور فواد کو پرولونے اور عراق کی جانب سے وزیراعظم نوری السعید اور برہان الدین بشیان نے دستخط ثبت کئے۔

اس معاہدے کا مقصد یہ تھا کہ معاہدے کے رُکن ممالک میں سے کسی ایک پر اگر تیسری طاقت حملہ کرے تو دوسرا فریق اس کی مدد کرے گا۔ نیز فلسطین کے بارے میں اقوامِ متحدہ کی تجاویز پر بھی عملدرآمد کیا جائے گا۔ ۳۰ مارچ ۱۹۵۵ء کو برطانیہ، ۲۳ ستمبر ۱۹۵۵ء کو پاکستان، ۳ نومبر ۱۹۵۵ء کو ایران نے شمولیت اختیار کی اور جون ۱۹۵۷ء میں امریکہ نے اس معاہدے میں شمولیت اختیار کی۔ امریکہ باقاعدہ رُکن نہ تھا مگر اسے مبصر کا درجہ حاصل تھا۔

۱۴ جولائی ۱۹۵۸ء کو عراق میں انقلاب رونما ہُوا تو عراق نے اس معاہدے سے علیحدگی اختیار کرلی چنانچہ اس کا صدر دفتر بغداد سے منتقل کر کے ترکیہ کے صدر مقام انقرہ لے جایا گیا۔ چونکہ یہ معاہدہ بے اثر ہو کر رہ گیا تھا اس لئے ۱۲ مارچ ۱۹۷۹ء کو پاکستان اور ایران نے اور ۱۵ مارچ کو ترکی نے اس سے علیحدگی اختیار کرلی۔ اور اس طرح یہ معاہدہ اپنی موت آپ مر گیا۔

معاہدہ سنٹو کے ذیلی ادارے اس کے ذیلی اداروں میں فوجی کونسل، جنرل کونسل، فوجی نمائندوں کی کمیٹی اور ماہرین معاشیات کی کمیٹی شامل تھیں۔ جنرل کونسل کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی اسے نومبر ۱۹۵۵ء میں قائم کیا گیا تھا۔ اراکین میں وزراء اعظم اور وزراء خارجہ شامل تھے۔ فوجی کمیٹی کا کام رُکن ممالک کے دفاعی اداروں کو مستحکم کرنا اور فوجی تحفظ کے لئے تعاون کرنا تھا۔ رکن ممالک کے فوجی سربراہ اس کی کارروائیوں میں حصہ لیتے تھے۔ اقتصادی ماہرین رُکن ممالک کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے لئے کوشاں رہتے تھے۔

معاہدہ سنٹو کی دفعات معاہدہ سنٹو کی آٹھ دفعات تھیں:

۱۔ اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق دونوں ممالک (ترکی اور عراق، چونکہ اس کے بانی رُکن تھے اس لئے اس شق میں دونوں کا ذکر آیا ہے) باہمی تحفظ اور دفاع کی خاطر اتحادِ عمل پر

رضامند ہوئے:

۲۔ فریقین مذکورہ بالا دفعہ نمبر ا کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریں گے۔

۳۔ فریقین ایک دُوسرے کے داخلی معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے۔ باہمی تنازعات پُرامن طریقے سے طے کئے جائیں گے۔

۴۔ دونوں ممالک نے اس بات کی توثیق کر دی کہ یہ معاہدہ کسی سابقہ معاہدہ کی مخالفت نہیں کرتا۔ فریقین اس معاہدہ کے خلاف کئے جانے والے کسی معاہدے میں شامل نہیں ہونگے۔

۵۔ عرب لیگ کا ہر رُکن اس معاہدہ میں شامل ہو سکے گا۔ اس کے علاوہ کوئی اور ملک جسے شرقِ اوسط کے تحفظ سے دلچسپی ہوگی اس معاہدے میں شامل ہو سکے گا۔

۶۔ جب اس معاہدے کے ارکان کی تعداد چار تک پہنچ جائے گی تو ایک مستقل کونسل تشکیل دی جائے گی جو معاہدہ کی شرائط کو عملی جامہ پہنائے گی۔

۷۔ اس معاہدہ کی میعاد پانچ سال ہوگی اور پھر پانچ سال کے لئے تجدید کی جاسکے گی اگر کوئی رُکن علیحدہ ہونا چاہے گا تو میعاد ختم ہونے سے چھ ماہ پہلے نوٹس دے گا۔

۸۔ اس معاہدہ کی توثیق دونوں ممالک کریں گے۔ معاہدہ ترکی، عربی اور انگریزی زبانوں میں شائع کیا جائے گا۔

سنٹو۔ تنقیدی جائزہ

معاہدہ سنٹو کے وجود میں آنے سے پاکستان کو کافی نقصانات اُٹھانا پڑے۔ مثلاً

۱۔ ۲۴ رفروری ۱۹۵۵ء کو جب اس معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد بھارتی وزیر اعظم پنڈت نہرو نے مسئلہ کشمیر پر مزید بات چیت کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ پاکستان کے فوجی معاہدوں میں شمولیت کی وجہ سے جنوبی ایشیا میں صورتِ حال تبدیل ہوگئی ہے اور ہم اقوام متحدہ کی قرار دادوں پر عمل کرنے کے پابند نہیں رہے۔

۲۔ پاکستان کو جانبدار ملک قرار دیتے ہوئے اسے غیر جانبدار تحریک میں شامل ہونے سے روکا گیا۔

۳۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں معاہدہ کے رکن ممالک نے بھارت کے جارحانہ حملہ کے جواب میں پاکستان کو کسی قسم کی امداد نہ کی۔ امریکہ نے پاکستان کی فوجی امداد بند کر دی۔

۴۔ ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ میں بھی اس معاہدے کے رُکن ممالک نے خاموشی اختیار

کئے رکھی اور پاکستان سے مشرقی پاکستان علیحدہ کر دیا گیا تو رکن ممالک محض تماشائی بنے رہے۔

(۵) ۱۹۷۰ء میں پیپلز پارٹی نے سنٹو سے علیحدگی اختیار کرنے کی حمایت کی تھی مگر اپنے دورِ اقتدار (۱۹۷۲ء-۱۹۷۷ء) میں علیحدگی اختیار نہ کی اور اس کا جواز یہ پیش کیا۔

(الف) اگست ۱۹۷۱ء میں ہندوستان اور روس کے درمیان معاہدہ ہو جانے کے باعث پاکستان کے بین الاقوامی ماحول میں ڈرامائی تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ دسمبر ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے دو ٹکڑے ہو گئے اور اس کے نتیجے میں جنوبی ایشیا میں طاقت کا توازن بگڑ گیا ہے۔

(ب) ایران اور ترکی کے ساتھ پاکستان کی گہری وابستگی ہے جنہوں نے ہر گھڑی میں پاکستان کی مدد کی ہے۔

(ج) امریکہ اور سوویت یونین کے درمیان تعلقات اور مفاہمت اور

(د) اس کے نتیجے میں سنٹو کے کردار میں تبدیلی

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے اس ضمن میں مزید کہا کہ اس وقت اس معاہدے کی پاکستان کو اشد ضرورت ہے اور اس سے علیحدہ ہونا پاکستان کے لئے مفید نہ ہوگا۔

(۶) مغربی دُنیا نے اس معاہدے کا پُرجوش خیر مقدم کیا مگر بیشتر عرب ممالک نے اس کی پُرزور مخالفت کی انہوں نے اسے عرب اتحاد کے خلاف ایک خطرناک سازش قرار دیا۔

(۷) روس نے بھی اس معاہدے کی شدومد سے مخالفت کی اور کہا کہ یہ معاہدہ رُوس کے مفادات کو نقصان پہنچانے کے لئے کیا گیا ہے۔ کیونکہ مشرقِ وسطیٰ میں اس کا داخلہ محدود ہو گیا۔

(۸) اس تنظیم کے وجود سے آنے کے بعد عملی طور پر عرب دو حصوں میں بٹ گئے۔

(۹) عراق میں جولائی ۱۹۵۸ء میں جو فوجی انقلاب آیا اس کے نتیجے میں کئی فوجی حکومتوں نے نے معاہدہ بغداد سے علیحدگی اختیار کر لی۔

(۱۰) ایرانی انقلاب کے بعد ۱۹۷۹ء میں اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک کر اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا گیا۔

(۱۱) اقوامِ متحدہ میں روس نے ہمیشہ پاکستان کی مخالفت کی اور پاکستان کی جانب سے جب بھی مسئلہ کشمیر پیش کیا گیا تو اس نے ویٹو کر دیا۔

(۱۲) یہ تنظیم رُوس کے بڑھتے ہوئے اثر کے خلاف ایک دفاعی حصار کے طور پر کام کرنے لگی۔

نیشنل عوامی پارٹی کا قیام

نومبر ۱۹۵۶ء میں ملک میں جمہوری اداروں کی بحالی کے سلسلے میں نیشنل پارٹی آف پاکستان کے نام سے ایک سیاسی جماعت کا قیام عمل میں آیا یہ پارٹی مغربی پاکستان کی چھ سیاسی جماعتوں آزاد پاکستان پارٹی (راہنما میاں افتخار الدین اور میاں محمود علی قصوری)، مسٹر جی ایم سید اور شاہ عبدالمجید سندھی کا سندھ عوامی محاذ، حیدر بخش جتوئی کی سندھی ہاری کمیٹی، ورور (بھائی) پختون آف بلوچستان (راہنما خان عبدالصمد خان اچکزئی اور مسٹر ہاشم خاں غلزئی)، شہزادہ عبدالکریم آف قلات اور میر غوث بخش بزنجو کی استمان گل (عوام جماعت) اور خان عبدالغفار خاں کی خدائی خدمت گار پر مشتمل تھی۔

جب مغربی پاکستان میں اس جماعت کی بنیادیں مستحکم ہوگئیں تو اس کے راہنماؤں نے مشرقی پاکستان کے راہنماؤں سے رابطہ قائم کیا جس کے نتیجے میں محمود الحق عثمانی اور مولانا عبدالحمید بھاشانی کی عوامی لیگ اور مسٹر محمود علی سلہٹی کی جماعت گنا تنتری دل کو نیشنل پارٹی میں ضم کر لیا گیا اس طرح ۲۵ رجولائی ۱۹۵۷ء کو ڈھاکہ کنونشن میں نیشنل عوامی پارٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔

اس جماعت کے راہنماؤں میں عبدالغفار خاں۔ جی ایم سید، غوث بخش بزنجو، عبدالصمد اچکزئی اور عبدالولی خاں تخلیقِ پاکستان کے خلاف کام کر چکے تھے اور اکھنڈ بھارت کے لئے کام کرتے رہے تھے۔

نیپ کے قیام کے فوراً بعد جماعتِ اسلامی کے امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ہر نومبر ۱۹۵۷ء کو لاہور میں دو ٹوک الفاظ میں کہا تھا کہ نیشنل عوامی پارٹی کا نام صریحاً غلط ہے کیونکہ یہ جماعت ملک کی مخالف جماعتوں میں سے ایک ہے اور اس کا مقصد ملک کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا ہے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ یہ جماعت اسلامی نظریات کی مخالفت کے سلسلے میں بیرونی امداد سے چلنے والی جماعت ہے۔ انہوں نے متنبہ کیا کہ اگر بھاشانی کارپوریشن کی خواہشات کی تکمیل ہوگئی تو پاکستان کے قیام کا مقصد ختم ہو جائے گا جس کے لئے اس کا قیام عمل میں آیا ہے۔

نیپ کے دستور میں دفاع، امورِ خارجہ اور کرنسی کو چھوڑ کر ملک کے دونوں حصوں کو مکمل خود مختاری دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

مغربی پاکستان کے لئے اس جماعت نے مطالبہ کیا کہ پرانے صوبوں کو ثقافت، زبان اور جغرافیائی بنیادوں پر از سر نو منظم کر کے پاکستان کی سب فیڈریشن قائم کی جائے۔

وحدتِ مغربی پاکستان کی تنسیخ کی قرارداد

۱۷ ستمبر ۱۹۵۷ء کو مغربی پاکستان اسمبلی نے بھاری اکثریت سے مغربی پاکستان کی وحدت کو ختم کرنے سے متعلق نیشنل عوامی پارٹی کی قرارداد منظور کرلی۔ مسلم لیگ نے رائے شماری یا بحث میں حصہ نہیں لیا تھا۔

اس قرارداد کا پس منظر یہ تھا کہ فروری ۱۹۵۶ء میں وحدتِ مغربی پاکستان کے قیام کے سلسلے میں ڈاکٹر خان صاحب کو وزیرِ اعلیٰ نامزد کیا گیا۔ مسلم لیگ نے اس نامزدگی کی شدّومد سے مخالفت کی اس کے نتیجے میں ڈاکٹر خان صاحب نے مسلم لیگ کے حامی ارکان کے تعاون سے ۲۹ اپریل ۱۹۵۶ء کو ری پبلکن پارٹی قائم کی۔ بعدازاں یہ پارٹی اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ اسی دوران میں مغربی پاکستان کی وحدت کے مخالف راہنماؤں نے نیشنل عوامی پارٹی کے نام سے ایک جماعت قائم کرلی جو آزاد پاکستان پارٹی، سندھ محاذ، خان عبدالغفار خاں اور عبدالصمد اچکزئی، گنتری دل اور عوامی لیگ پر مشتمل تھی۔

مغربی پاکستان میں مسلم لیگ اور ری پبلکن پارٹی کے مابین اقتدار کی رسہ کشی جاری رہی۔ نیشنل عوامی پارٹی نے مسلم لیگ سے اس شرط پر ری پبلکن پارٹی کی مخالفت کا وعدہ کیا کہ مغربی پاکستان کی وحدت کو ختم کر دیا جائے لیکن اُس وقت یہ منصوبہ ناکامی کی نذر ہوگیا۔ جب ری پبلکن وزیرِ اعلیٰ کی سفارش پر ۲۱ مارچ ۱۹۵۷ء کو وزارت کو توڑ کر صوبے میں دفعہ ۹۲ (ل) کا نفاذ عمل میں آیا اور اور ڈاکٹر خان صاحب کی جگہ جولائی ۱۹۵۷ء میں سردار عبدالرشید صوبے کے وزیرِ اعلیٰ بنے۔

۱۳ ستمبر ۱۹۵۷ء کو ری پبلکن پارٹی اور نیشنل عوامی پارٹی کے مابین وحدت مغربی پاکستان کی تنسیخ کا معاہدہ طے پایا۔

وحدتِ مغربی پاکستان کی تنسیخ کی قرارداد میں کہا گیا تھا کہ چاروں صوبوں کے عوام کی رائے کے بغیر زبردستی ون یونٹ قائم کر دیا گیا ہے۔ نیز چھوٹے صوبے بھی اس کے قیام کے بعد کوئی فوائد حاصل نہیں کرسکے جن کا قبل وعدہ کیا گیا تھا۔

صدر مملکت سکندر مرزا اور وزیرِ اعظم حسین شہید سہروردی نے اس قرارداد پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ وحدت مغربی پاکستان کو ہر قیمت پر بحال رکھا جائے گا۔

۲۴ ستمبر کو صوبائی کابینہ نے ایک گھنٹے سے زیادہ مدت تک ایک یونٹ کے متعلق صدر اور وزیرِ اعظم کے بیانات پر غور کیا اور فیصلہ کیا کہ ایک یونٹ کی بجائے چار یا اس سے زیادہ

خود مختار صوبوں کی ذیلی فیڈریشن بنانے سے متعلق قرارداد پر ری پبلکن پارٹی نے جو معاہدہ کیا تھا اس پر قائم رہا جائے۔ دریں اثنا مرکزی حکومت میں بھی ایک یونٹ کی تنسیخ پر شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔

مسلم لیگ اور نظام اسلام پارٹی نے صدر مملکت اور وزیر اعظم کے خیالات کی تائید کرتے ہوئے ۱۲ راکتوبر ۱۹۵۷ء کو ڈھاکہ میں ایک قرارداد منظور کی جس میں کہا گیا تھا کہ وحدت مغربی پاکستان کا قیام آئین کے مطابق عمل میں لایا گیا تھا اور اس صورتِ حال میں آئین میں تبدیلی ملکی استحکام اور سلامتی کے منافی ہے۔

عام انتخابات منعقد کرانے کے سلسلے میں گول میز کانفرنس

۱۰ ستمبر ۱۹۵۷ء کو ملک میں عام انتخابات جلد از جلد کرانے کے سلسلے میں کراچی میں وزیر اعظم حسین شہید سہروردی کی صدارت میں قومی اسمبلی کی تمام پارٹیوں کی گول میز کانفرنس منعقد ہوئی۔ اجلاس میں مرکزی وزراء کے علاوہ مسٹر چندریگر، مسٹر یوسف ہارون (مسلم لیگ)، مسٹر حمید الحق چودھری (متحدہ محاذ) مولوی فرید احمد (نظامِ اسلام)، میاں افتخار الدین (نیشنل عوامی پارٹی) اور سردار امیر اعظم (آزاد) نے شرکت کی۔ کانفرنس کی کارروائی کو منظرِ عام پر نہ لایا گیا البتہ اس ضمن میں آئندہ کانفرنس ۲۸ ستمبر کو منعقد کرانے کا اعلان کیا گیا۔

۲۸ ستمبر کو وزیرِ اعظم نے قومی اسمبلی میں مختلف سیاسی پارٹیوں اور گروپوں سے عام انتخابات کے متعلق معاملات پر بات چیت کی۔

۳۰ مئی کو وزیر اعظم سہروردی کی صدارت میں قومی اسمبلی میں عام انتخابات منعقد کرانے کے سلسلے میں جائزہ لیا گیا۔ وزیر اعظم سہروردی کی صدارت میں منعقدہ کانفرنس کے اختتام پر الیکشن کمیشن نے اعلان کیا کہ عام انتخابات نومبر ۱۹۵۸ء کے پہلے ہفتے میں ہوں گے۔

حسین شہید سہروردی کی برطرفی

حسین شہید سہروردی کا تعلق چونکہ عوامی لیگ سے تھا اس لئے وہ نہ چاہتے تھے کہ ری پبلکن پارٹی انکے مقابلے میں زیادہ مقبولیت حاصل کرلے۔ سہروردی اور مغربی پاکستان کے گورنر مشتاق احمد گورمانی کے مراسم انتہائی دوستانہ تھے اس لئے انہوں نے ری پبلکن پارٹی کے وزراء سے کہا کہ وہ حسین شہید سہروردی سے مشتاق احمد گورمانی کو برطرف کرنے کا مطالبہ کریں لیکن جب وہ آمادہ نہ ہوئے تو اس بنا پر وہ ری پبلکن پارٹی کی ہمدردیاں کھو بیٹھے۔ سہروردی نے جب قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے کی درخواست کی تو صدر نے کہا کہ اسکی ضرورت نہیں لہٰذا آپ مستعفی ہو جائیں

اسماعیل ابراہیم چندریگر کا دورِ وزارت

(۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۷ء تا ۱۱ر دسمبر ۱۹۵۷ء)

۱۱ر اکتوبر ۱۹۵۷ء کو صدر اسکندر مرزا کی خواہش پر وزیرِ اعظم حسین شہید سہروردی مستعفی ہو گئے اور ان کی جگہ نئی حکومت کے قیام کے لئے صدر نے مسلم لیگ، کرشک سرامک پارٹی اور ری پبلکن پارٹی کے راہنماؤں سے مذاکرات کر کے قائدِ حزبِ اختلاف اور قومی اسمبلی میں مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے لیڈر مسٹر آئی آئی چندریگر کو ۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۷ء کو نئی حکومت بنانے کی دعوت دی، لیکن انہوں نے ری پبلکن پارٹی کے ساتھ مل کر مخلوط حکومت بنانے سے معذوری کا اظہار کیا۔ کیونکہ مسلم لیگ اور ری پبلکن پارٹی کے مابین طریقِ انتخاب کے سوال پر بنیادی اختلافات موجود تھے، لیکن جب ری پبلکن پارٹی نے ملک کے حالات کے پیشِ نظر جُداگانہ طریقِ انتخاب کی حمایت کر دی تو مسٹر اسماعیل ابراہیم چندریگر ری پبلکن پارٹی کے ساتھ مخلوط حکومت بنانے پر آمادہ ہو گئے۔

یہ مخلوط حکومت ایک معاہدے کی بنیاد پر قائم ہوئی تھی جس کی تین شرائط میں سے ایک یہ تھی کہ ملک میں مخلوط طریقِ انتخاب کی جگہ جُداگانہ طریقِ انتخاب رائج کیا جائے اور مسلم لیگ کے ساتھ ری پبلکن پارٹی کے اسی باقاعدہ معاہدے کا نتیجہ تھا کہ مسٹر چندریگر مخلوط پارٹی بنانے پر رضامند ہو گئے۔

۱۸ر اکتوبر کو نئی مرکزی کابینہ کے بارہ ارکان نے حلف اُٹھایا۔ یہ مخلوط کابینہ تھی اور اس میں مسلم لیگ کے چار، ری پبلکن پارٹی کے چھ اور کرشک سرامک پارٹی کے تین وزیر شامل تھے۔ جن کے نام یہ ہیں:

۱۔	وزیرِ اعظم	مسٹر آئی آئی چندریگر	مسلم لیگ
۲۔	میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ	دفاع	مسلم لیگ
۳۔	مسٹر یوسف ہارون	امُورِ کشمیر اور پارلیمانی امور	مسلم لیگ
۴۔	مسٹر فضل الرحمان	تجارت اور قانون	مسلم لیگ

۲۰ر اکتوبر کو اپنے عہدے کا حلف اُٹھایا۔

۵ - ملک فیروز خاں نون — امور خارجہ اور دولتِ مشترکہ — ری پبلکن پارٹی
۶ - مسٹر امجد علی — خزانہ — ری پبلکن پارٹی
۷ - مسٹر مظفر علی قزلباش — صنعت — ری پبلکن پارٹی
۸ - مسٹر غلام علی تالپور — داخلہ — ری پبلکن پارٹی
۹ - میاں جعفر شاہ — ریاستیں، قبائلی علاقے، اطلاعات ونشریات — ری پبلکن پارٹی
۱۰ - مسٹر عبدالعلیم — آبادکاری — ری پبلکن پارٹی
۱۱ - مسٹر عبداللطیف لبواس — خوراک وزراعت — کرشک سرامک پارٹی
۱۲ - مسٹر مصباح الدین — مواصلات — کرشک سرامک پارٹی
۱۳ - مسٹر لطف الرحمٰن — صحت اور تعلیم — کرشک سرامک پارٹی
۱۴ - مسٹر فرید احمد — محنت

۲۳ راکتوبر ۱۹۵۷ء کو حاجی مولابخش سومرو اور مسٹر اے کے داس نائب وزیر بنے۔

۱۸ راکتوبر ۱۹۵۷ء کو مخلوط حکومت کے قیام پر انہوں نے قوم کے نام اپنی نشری تقریر میں کہا:

طریق انتخاب کی تبدیلی کے فیصلے کے پیشِ نظر عام انتخابات کے انتظامات کے سلسلے میں نئے پروگرام کے متعلق حلقہ بندی اور الیکشن کمشنوں کے سربراہوں سے صلاح ومشورہ کیا گیا ہے اور الیکشن پروگرام پر بھی نظرثانی کی گئی ہے بعدازاں کابینہ نے ایک بل کی منظوری بھی دی جس کا مقصد ملک میں مخلوط طریقِ انتخاب کی جگہ جُداگانہ طریق انتخاب رائج کرنا تھا اس کے علاوہ ایک اور بل بھی منظور کیا گیا جس کے ذریعے انتخابی فہرستوں کے قانون میں ضروری تبدیلیاں کی گئیں کابینہ مؤخر الذکر بل میں تبدیلیوں پر رضامند ہوگئی اور اس نے مغربی پاکستان کے اچھوتوں سے متعلق ایک بل کی بھی منظوری دے دی۔

دریں اثناء ۱۱ ردسمبر کو ری پبلکن پارٹی کے سربراہ ڈاکٹر خان صاحب نے صدرِ پاکستان میجر جنرل اسکندر مرزا کو ایک خط میں لکھا کہ ہم مسٹر چندریگر یا کسی دُوسرے مسلم لیگی وزیر اعظم کی حمایت نہیں کریں گے۔ اس دوران میں ری پبلکن پارٹی نے مخلوط طریق انتخاب کے حق میں قرارداد منظور کی اس طرح ری پبلکن پارٹی اپنے وعدے پر قائم نہ رہی اس لئے وزیر اعظم نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔

اُن کے استعفے پر تبصرہ کرتے ہوئے مشرقی پاکستان کے سابق وزیرِ اعلیٰ مسٹر نورالامین نے کہا

کہ مسٹر چندریگر مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے نظریۂ پاکستان کے تحفظ کا اصول پیشِ نظر رکھتے ہوئے استعفیٰ دیا۔ قوم ان لوگوں کو کبھی معاف نہیں کرے گی جنہوں نے مشرقی پاکستان کی مسلم آبادی کی اکثریت کی طرف سے جداگانہ طریقِ انتخاب کی حمایت کے باوجود نظریۂ پاکستان سے غداری کی مسلم لیگ بعض اصولوں کی علمبردار ہے اور وہ اقتدار کی بھوکی نہیں۔

۱۳ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو وزیر اعظم چندریگر نے کہا کہ میں جداگانہ طریق انتخاب کی بناء پر قومی اسمبلی کے ارکان کی اکثریت کی حمایت حاصل نہیں کر سکا لہٰذا صدر نے مجھے وزارت بنانے کی جو دعوت دی تھی اُسے میں نے واپس کر دیا ہے۔

۱۱ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو مسٹر اسماعیل ابراہیم چندریگر نے وزارتِ عظمیٰ سے استعفیٰ دے دیا۔ لیکن صدر سکندر مرزا نے مسٹر چندریگر سے اُس وقت تک اپنے عہدے پر کام کرنے کی درخواست کی جب تک نیا وزیر اعظم مقرر نہیں کیا جاتا۔ مسٹر چندریگر نے یہ دعوت منظور کر لی اور نئی حکومت بنانے کی تیاری شروع کر دی۔ دریں اثناء قومی اسمبلی نے ڈاکٹر خاں صاحب کو نیا وزیر اعظم نامزد کرنے کا اختیار دیا۔

حالاتِ زندگی

ابراہیم اسماعیل چندریگر ۱۸۹۷ء میں احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ بمبئی یونیورسٹی سے بی اے اور ایل ایل بی کے امتحانات پاس کئے اور ۱۹۲۰ء میں احمد آباد میں وکالت شروع کر دی، ۱۹۳۷ء میں بمبئی اسمبلی کے رُکن منتخب ہوئے ایک سال بعد انہیں مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کا ڈپٹی لیڈر چن لیا گیا۔ ۱۹۴۰ء تا ۱۹۴۵ء بمبئی مسلم لیگ کے صدر رہے۔ تقسیم کے بعد پاکستان کے پہلے وزیر تجارت کی حیثیت سے عہدہ سنبھالا۔ بعد ازاں ۲۴ر نومبر ۱۹۵۱ء تا ۲ر مئی ۱۹۵۳ء صوبہ پنجاب کے گورنر رہے۔ ۳۱ر اگست ۱۹۵۵ء تا ۲۷ر اگست ۱۹۵۷ء وزیر قانون کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۷ء کو انہیں ملک کا وزیر اعظم مقرر کیا گیا اس حیثیت سے انہوں نے ۱۱ر دسمبر ۱۹۵۷ء تک کام کیا۔ اس دوران انتخابات کے مسئلہ پر ملک کی دیگر سیاسی جماعتوں سے مفاہمت نہ ہو سکی تو انہیں استعفیٰ دینا پڑا۔

۲۶ر ستمبر ۱۹۶۰ء کو انتقال کیا۔

جداگانہ طریق انتخاب اور ون یونٹ

وزیرِ اعظم نے وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھالنے کے بعد اپنی نشری تقریر میں کہا کہ پورے

ملک میں جُداگانہ طریقِ انتخاب رائج کیا جائے گا۔ جُداگانہ طریقِ انتخاب سے اقلیتوں کے مساویانہ حقوق پر کوئی زد نہیں پڑے گی بلکہ ان کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت ملے گی نیز ون یونٹ کے انتظام میں کسی قسم کا کوئی ردوبدل نہیں کیا جائے گا۔

اس ضمن میں ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۷ء کو کراچی میں جُداگانہ طریقِ انتخاب رائج کرنے کے سلسلے میں ایک اعلیٰ سطحی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں صدر سکندر مرزا، وزیراعظم چندریگر اور وزیرِ قانون مسٹر فضل الرحمٰن کے علاوہ حلقہ بندی کمیشن کے صدر مسٹر جسٹس محمد منیر، چیف الیکشن کمشنر مسٹر ایف ایم خان، سیکرٹری الیکشن کمیٹی مسٹر اظفر اور سیکرٹری محکمہ قانون سر ایڈورڈ سنولون نے شرکت کی اور جُداگانہ طریقِ انتخاب رائج کرنے پر غور کیا۔ اس اعلیٰ سطحی کانفرنس کی تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ۲ر نومبر ۱۹۵۷ء کو مرکزی کابینہ نے جُداگانہ طریقِ انتخاب کا بل منظور کر لیا۔

چندریگر بطور لیڈر مخلوط پارٹی

۲۰ر نومبر ۱۹۵۷ء کو مسٹر چندریگر مخلوط جماعت کے راہنما منتخب کر لئے گئے ان کا نام ری پبلکن جماعت کے راہنما ڈاکٹر خان صاحب نے تجویز کیا تھا۔ اجلاس میں قومی اسمبلی کے پینتیس ارکان نے شرکت کی۔

۲۱ر نومبر کو ری پبلکن پارٹی کے راہنما ڈاکٹر خان صاحب نے وزیرِ اعظم چندریگر کو بذریعہ تار درخواست کی کہ وُہ قومی اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں طریق انتخاب سے متعلق مسودہ قوانین پیش نہ کریں۔ ۲۴ر نومبر کو صدر نے ری پبلکن پارٹی کے راہنماؤں کو صلاح مشورہ کے لئے کراچی طلب کر لیا۔

۲۵ر نومبر کو مرکزی مخلوط حکومت میں شریک دونوں بڑی جماعتوں ری پبلکن پارٹی اور مسلم لیگ کے مابین جو شدید اختلافات پائے جاتے تھے انہیں دُور کرنے کے لئے کراچی میں بات چیت شروع ہوگئی۔

۳۰ر نومبر کو طریق انتخاب کے مسئلہ پر قومی اسمبلی میں ہاتھا پائی بھی ہوئی۔ جس کے نتیجے میں ۱۱ر دسمبر تک قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا گیا۔ قومی اسمبلی میں راجا غضنفر علی نے سیاسی غنڈہ گردی کو کچلنے میں حکام کی جانبداری کی مذمت کی۔ ۲ر دسمبر کو طریقِ انتخاب کے متعلق مشرقی پاکستان کے عوام کی رائے معلوم کرنے کے لئے ری پبلکن پارٹی کے ارکان نے ایک کمیٹی مقرر کی۔

۷ر دسمبر کو ڈھاکہ میں مسلم لیگ، نظام اسلام، جماعت اسلامی، کرشک سرامک پارٹی اور خلافتِ ربانی نے جلوس نکالا اور مخلوط وجُداگانہ انتخاب کے حامیوں میں زبردست خشت باری

ہوئی۔ ۱۰ر دسمبر کو ری پبلکن پارٹی کی مرکزی تنظیمی کمیٹی نے ڈاکٹر خان صاحب کو اتفاق رائے سے اختیار دے دیا کہ وُہ طریقِ انتخاب کے بارے میں ملک کے مفاد کے پیشِ نظر جو مناسب سمجھیں وُہ فیصلہ کریں۔ ۱۱ر دسمبر کو قومی اسمبلی کے اجلاس میں اس مسئلے کا کوئی خاطر خواہ حل تلاش نہ کیا جا سکے لہٰذا چندریگر سے استعفیٰ لے لیا گیا۔ اور اُن کی جگہ مسٹر فیروزخان نون وزیراعظم بنے۔

نظامِ اسلام پارٹی کا قیام

۲۴ر نومبر ۱۹۵۷ء کو لاہور میں سابق وزیراعظم چودھری محمد علی کی رہائش گاہ پر مغربی پاکستان کے سرکردہ سیاسی راہنماؤں کے ایک اجتماع میں ایک نئی سیاسی جماعت کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ نئی سیاسی جماعت کے نام کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ ہُوا تاہم چودھری محمد علی، میاں عبدالباری، مسٹر نسیم حسن، ڈاکٹر عبدالودود، مولانا عبدالستار نیازی، مولانا طفیل احمد، سید حبیب شاہ، مولانا فضل کریم، سردار عبدالجبار، کنور شفیق اللہ اور ملک ظفر اللہ خاں پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی گئی۔ چودھری محمد علی اس کے کنوینر مقرر ہوئے۔

وزیراعظم چندریگر کی خارجہ پالیسی

وزیراعظم اسماعیل ابراہیم چندریگر نے وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھالنے کے فوراً بعد قوم کے نام اپنے پیغام میں خارجہ پالیسی کا اعلان کیا اور کہا کہ

(۱) ہم ایک آزاد خارجہ پالیسی کے تحت عالمی امن اور بین الاقوامی انصاف حاصل کرنے کے لئے اقوامِ متحدہ کے منشور کی سختی سے پابندی کریں گے۔

(۲) بغداد اور سیٹو کے معاہدوں کا بدستور ساتھ دیتے رہیں گے۔

(۳) اسلامی قدروں کی نشوونما اور تمام اسلامی ملکوں سے برادرانہ تعلقات قائم کریں گے۔

(۴) نوآبادیاتی نظام اور سامراجیت کی خواہ کسی شکل میں کیوں نہ ہو مخالفت کریں گے۔

(۵) کشمیر اور نہری پانی کے تنازعات جتنی جلدی حل ہوں اتنی جلدی پاکستان اور بھارت کے تعلقات دوستانہ اور پائیدار بنیاد پر قائم ہوسکیں گے۔

ملک فیروز خاں نون کا عہدِ حکومت

(۱۶ر دسمبر ۱۹۵۷ء تا ۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء)

۱۴ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو میجر جنرل اسکندر مرزا نے ری پبلکن پارٹی کے سربراہ ڈاکٹر خان صاحب کی سفارش پر آئی آئی چندریگر کی جگہ وزیر اعظم نامزد کیا کیونکہ وہ بھی ری پبلکن پارٹی سے متعلق تھے انہوں نے ۱۶ر دسمبر کو اپنی کابینہ کے سات ارکان سید امجد علی، مسٹر مظفر علی قزلباش، میر غلام علی تالپور میاں جعفر شاہ، مسٹر عبدالعلیم، مسٹر کامنی کمار دتہ اور مسٹر امیر الدین سمیت اپنے عہدے کا حلف اٹھایا حاجی مولا بخش سومرو اور مسٹر آکشے کمار داس کو نائب وزراء مقرر کیا گیا۔

قوم کے نام ۱۷ر دسمبر کو ایک نشری تقریر میں وزیر اعظم نے کہا کہ نئی حکومت گرانی، رشوت، سمگلنگ اور غذائی قلت کو ختم کر دے گی اور عام انتخابات جلد منعقد کرانے کے انتظامات کرے گی۔

ملک فیروز خاں نون کے دورِ وزارت میں ملک کے حالات بڑے مخدوش ہو گئے جس کے نتیجے میں محلاتی سازشوں نے اپنا جال بچھا لیا اور ملک کو تباہی کے دھانے پر کھڑا کر دیا گیا۔

مشرقی پاکستان میں سمگلنگ کا دور دورہ تھا اور اس مذموم پیشے سے کم و بیش دس لاکھ افراد وابستہ تھے جو روزانہ پاکستان سے دس سے پندرہ لاکھ روپے کا سامان منتقل کرتے تھے اس کاروبار کو روکنے کے لئے مشرقی پاکستان کے جنرل آفیسر کمانڈنگ میجر جنرل امراؤ خاں کو متعین کیا گیا انہوں نے یکم جنوری ۱۹۵۸ء کو اپنی نشری تقریر میں اس بات کا اظہار کیا کہ حکومت کے کارندے سمگلنگ کے کاروبار کو خاموش تماشائی بنے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اور سمگلروں کے خلاف کسی قسم کی کارروائی سے گریز کرتے تھے۔ نیز ہم نے گزشتہ دو ہفتوں میں تقریباً ۲۴ لاکھ روپے کی اسمگل شدہ اشیاء پر قبضہ کیا ہے۔ انہوں نے سمگلنگ کا کاروبار روکنے کے لئے سمگلروں کو سزائے موت دینے کی تجویز کی اور اس ضمن میں ایک آرڈی ننس بھی جاری کر دیا۔

سمگلروں کا زیادہ تر تعلق عوامی لیگ سے تھا اس لئے عوامی لیگ کے سربراہ حسین شہید

سہروردی نے فیروز خاں نون کو یہ آرڈی ننس واپس لینے کو کہا، چنانچہ ۸ جنوری کو یہ آرڈی ننس واپس لے لیا گیا۔

ان کے دور میں ناکام اقتصادی پالیسیوں کی بنا پر ملک کے زرمبادلہ کے ذخائر کم ہو کر صرف بیالیس کروڑ روپے رہ گئے تھے۔

وہ سیاسی انتشار کو بھی ختم کرنے میں ناکام رہے اور ان کے عہد میں سیاسی انتشار نقطۂ عروج پر پہنچ گیا کیوں کہ اسمبلیوں میں ہاتھا پائی تک نوبت آپہنچی تھی حتیٰ کہ مشرقی پاکستان اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر شاہد علی ۲۳ ستمبر ۱۹۵۸ء کو بھی سیاسی ہنگامہ آرائی میں مارے گئے۔ سپیکر عبدالحکیم کو اسمبلی نے پاگل قرار دے دیا۔

مغربی پاکستان میں ۲۰ مارچ کو مطالبہ زر پر کٹوتی کی ایک تحریک کے دوران مسلم لیگ کو ری پبلکن پارٹی کے مقابلہ میں ۲۶ ووٹوں سے شکست ہوئی۔ وزیراعظم نے ۱۵ اپریل کو بھارت کو پیش کش کی کہ اگر وہ متنازعہ مسائل کو پُرامن بات چیت کے ذریعے طے کرلے تو پاکستان بھارت سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرنے پر تیار ہے۔

فیروز خان نون کے عہد میں کشمیر لبریشن فرنٹ کا قیام عمل میں آیا اس کے قیام کا مقصد کشمیر میں جدوجہدِ آزادی کو تیز کرنا تھا۔ ہندوستان کے ساتھ بیرو باڑی یونین کا تنازعہ ایک عرصے سے چلا آرہا تھا ایک معاہدے کے تحت ۱۱ ستمبر ۱۹۵۸ء کو ہندوستان نے اسے پاکستان کے حوالے کرنے کا عہد کیا لیکن بعدازاں اُس نے یہ علاقہ پاکستان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔

ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق ملک میں عام انتخابات نومبر ۱۹۵۸ء کے پہلے ہفتے میں ہونا تھے مگر انہیں فروری ۱۹۵۹ء تک ملتوی کر دیا گیا۔

فروری ۱۹۵۸ء میں سردار عبدالرب نشتر انتقال کر گئے تو اُن کی جگہ خان عبدالقیوم مسلم لیگ کے صدر بنے۔ انہوں نے مسلم لیگ کی کھوئی ہوئی ساکھ کو بحال کرنے کے لئے جلسے کرنے شروع کر دیئے۔ ان کی قیادت میں لمبے لمبے جلوس بھی نکالے گئے یوں معلوم ہوتا تھا کہ شاید آئندہ انتخابات میں مسلم لیگ ہی نمایاں کامیابی حاصل کرے گی، لیکن مارشل لاء کے نفاذ کی وجہ سے انتخابات منعقد نہ ہو سکے۔

انہوں نے مشرقی پاکستان کی سیاسی جماعتوں کی حمایت حاصل کرنے کی غرض سے ابتداء میں کرشک سرامک پارٹی کے وزراء کو وزارت میں لیا، لیکن بعدازاں اس ڈر سے کہ کہیں عوامی لیگ کے

سربراہ حسین شہید سہروردی کے احتجاج کرنے پر اُن کی جماعت کے وزراء کو بھی کابینہ میں شامل کرلیا۔ اس طرح قیام پاکستان سے لے کر اُس وقت تک ان کی کابینہ سب سے بڑی تھی کیونکہ اسمبلی کے اسی ارکان میں سے ۲۵ ارکان فیروز خاں نون کی کابینہ میں شامل تھے۔

حالاتِ زندگی

وُہ ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ایچی سن کالج لاہور میں تعلیم حاصل کی پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان چلے گئے جہاں سے انہوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے ۱۹۱۶ء میں ایم اے کی ڈگری لی۔ اس کے ساتھ ہی بیرسٹرایٹ لاء کا امتحان بھی پاس کیا۔ وطن واپس آکر ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۶ء تک لاہور ہائی کورٹ میں پریکٹس کی۔ ۱۹۲۶ء میں انہیں پنجاب کا وزیر صحت اور تعلیم مقرر کیا گیا۔ ازاں بعد ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۱ء تک لندن میں ہندوستان کے ہائی کمشنر رہے۔ ۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۵ء رکن وائسرائے کونسل۔ ۱۹۴۲ء میں انہیں ہندوستان کا وزیرِ دفاع مقرر کیا گیا۔ اور اس اعتبار سے وُہ یہ عہدہ حاصل کرنے والے پہلے ہندوستانی تھے۔ انہوں نے ۱۹۴۵ء تک اس عہدے پر کام کیا۔

قیام پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان کے گورنر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں بعدازاں پنجاب کے وزیرِ اعلیٰ منتخب ہوئے۔ ۱۹۵۶ء میں انہیں مرکزی کابینہ میں وزیرِ خارجہ کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ اس حیثیت سے انہوں نے پاکستانی وفد کی جنرل اسمبلی کے گیارہویں اور بارہویں اجلاس میں قیادت کی۔

۱۹۵۷ء میں انہیں ملک کا وزیرِ اعظم مقرر کیا گیا، لیکن اکتوبر ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء کے نفاذ تک ہی خدمات انجام دے سکے۔ انہوں نے پانچ کتابیں تصنیف کیں آخری کتاب اُن کی آپ بیتی تھی انہوں نے ۱۹۷۰ء میں انتقال کیا۔

ڈاکٹر خان صاحب کا قتل

۹ مئی ۱۹۵۸ء کو ساڑھے سات بجے صبح ۱۶ ایکمن روڈ پر ڈاکٹر خاں صاحب کو اس وقت قتل کر دیا گیا جب وُہ اپنے بیٹے سعد اللہ خاں کی کوٹھی پر اخبار پڑھنے میں مصروف تھے اور مبینہ قاتل عطا محمد نے ان پر اچانک حملہ کر دیا۔ ڈاکٹر خان صاحب نے قاتل کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور اسے پکڑنے کے لئے اُس کے پیچھے بھاگے ان کے جسم پر خنجر کے متعدد وار ہوئے تھے اور بہت سا خون بہہ چکا تھا اس لئے وُہ کوٹھی کے گیٹ کے قریب جاکر زمین پر گر پڑے اسی اثناء میں اُن کا بیٹا اپنی بیوی اور دُوسرے لوگ بھی موقع پر پہنچ گئے۔ ڈاکٹر خاں صاحب کو ہسپتال لے جایا گیا، لیکن وُہ جانبر نہ ہو سکے۔

قاتل عطامحمد کو جو ایک پٹواری تھا گرفتار کر لیا گیا۔ پولیس کے رُوبرو قاتل نے جو بیان دیا تھا اس میں کہا گیا تھا کہ اُس نے یہ اقدام خاکسار لیڈر علامہ مشرقی کے ایما پر کیا تھا۔ چنانچہ پولیس نے علامہ مشرقی کے علاوہ ان کے ساتھیوں ریحان شاہ، فتح محمد، ثمین جان، علی محمد اور اُن کے لڑکے انعام اللہ اکرم کو گرفتار کر لیا بعد میں وعدہ معاف گواہ خورشید خالد، اصغر حیدر، ظفر حیدر اور محمد رفیع کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔

اس مقدمہ کی تفتیش پانچ جون ۱۹۵۸ء تک جاری رہی۔ ۱۹ مئی ۱۹۵۸ء کو خورشید خالد وعدہ معاف گواہ بن گیا اور دفعہ ۱۶۴ کے تحت اس کا بیان قلمبند کر لیا گیا۔ پولیس نے ۶ جون کو سپیشل مجسٹریٹ مسٹر ایم این رضوی کے رُوبرو ملزموں کا چالان پیش کیا۔ اس موقع پر عدالت نے چار ملزموں ریحان شاہ، علی محمد، ظفر حیدر اور اصغر حیدر کے خلاف پولیس کی درخواست پر مقدمہ خارج کر دیا تھا۔

اس مقدمہ کی باقاعدہ سماعت ۱۰ جون سے ۱۹ جولائی ۱۹۵۸ء تک جاری رہی اور ۱۳۰ گواہ پیش ہوئے۔ ۱۷ نومبر کو مقدمے کا فیصلہ سُنا دیا گیا۔ جس کی رُو سے علامہ مشرقی کو بری کر دیا گیا اور عطامحمد کو موت کی سزا سُنا دی گئی۔

عوامی نمائندگی کے ترمیمی بل کی قومی اسمبلی سے منظوری

۴ ستمبر ۱۹۵۸ء کو قومی اسمبلی نے عوامی نمائندگی کا ترمیمی بل ۱۹۵۸ء منظور کر لیا جس کے تحت ملک کے پہلے عام انتخابات ۱۵ فروری ۱۹۵۹ء کو منعقد کرانے کا اعلان کیا گیا۔ اس بل میں یہ گنجائش رکھی گئی کہ ملک کے دونوں حصّوں میں انتخابات کا انعقاد ایک ہی روز ہو۔ اس امر کی ضمانت حاصل کرنے کے لئے کہ پولنگ منصفانہ ہوگا بل میں ایک نئی دفعہ شامل کی گئی جس کے ذریعے پریزائیڈنگ افسروں کو ہدایت کی گئی کہ وُہ ہر بیلٹ بکس استعمال کرنے سے پہلے اُمیدوار یا اس کے نمائندے کو دکھائیں اور مؤخر الذکر کو اس پر دستخط کا حق بھی ہوگا۔

نون نہرو معاہدہ

ملک فیروز خاں نون بھارت سے اچھے تعلقات چاہتے تھے؛ چنانچہ انہوں نے بھارت کے وزیراعظم پنڈت نہرو کے ساتھ مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے سرحدی تنازعات طے کرنے کے لئے مذاکرات کئے جن کے نتیجے میں ۱۱ ستمبر ۱۹۵۸ء کو نئی دہلی میں ایک معاہدے پر دستخط ہوئے معاہدے کے تحت مشرقی پاکستان کے گیارہ میں سے نو سرحدی تنازعات (جن میں بیرو باڑی یونین کا تنازعہ بھی شامل تھا) طے کر لئے گئے۔ متعدد متنازعہ علاقوں کا تبادلہ کرنے پر اتفاق ہو گیا۔ پاکستان کو اس معاہدے کے تحت گیارہ مربع میل کا علاقہ بھارت سے زیادہ دینے کا اعلان ہُوا۔

گوادر کی بندرگاہ کی پاکستان کو منتقلی

۷ ستمبر ۱۹۵۸ء کو سلطان مسقط نے خیر سگالی کا مظاہرہ کرتے ہوئے گوادر اور اسکے آس پاس کا علاقہ چالیس لاکھ پونڈ کے عوض پاکستان کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا۔

گوادر ساحل مکران پر واقع ہے اور اس پر اٹھارویں صدی کے آخر سے سلطان مسقط کا اقتدار قائم تھا پاکستان نے آزادی کے فوراً بعد گوادر کی واپسی کا مطالبہ کر رکھا تھا اور اس ضمن میں حکومتِ برطانیہ کے ذریعے سلطان مسقط سے بات چیت جاری تھی۔

مارشل لاء کا نفاذ اور نون وزارت کا خاتمہ

۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو صدر اسکندر مرزا نے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ اور بری فوج کے کمانڈر انچیف جنرل محمد ایوب خاں کو ناظم مارشل لاء مقرر کیا۔ اور اس طرح فیروز خاں نون کی وزارت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ملک میں پارلیمانی اور جمہوری روایات کا دَور دَورہ بھی ختم ہو گیا۔

فیلڈ مارشل محمد ایوبؒ خان کا دورِ حکومت

(۲۷ ر اکتوبر ۱۹۵۸ء تا ۲۵ ر مارچ ۱۹۶۹ء)

مارشل لاء کا نفاذ

۷ ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو صدر پاکستان میجر جنرل اسکندر مرزا نے کافی رات گئے ملک بھر میں مارشل لاء کے نفاذ اور ۱۹۵۶ء کے آئین کی تنسیخ کا اعلان کیا اس اعلان کے ساتھ ہی مرکزی اور صوبائی حکومتیں قومی اور صوبائی اسمبلیاں اور سیاسی جماعتوں کا وجود از خود ہی ختم ہو گیا۔ صدر مرزا نے بری فوج کے کمانڈر انچیف جنرل محمد ایوب خاں کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا اور پاکستان کی مسلح افواج کی کمان خود سنبھال لی۔

صدر نے اپنے اعلان میں کہا کہ:

"میں گزشتہ دو سال سے بڑی تشویش کے ساتھ یہ دیکھتا رہا ہوں کہ اقتدار حاصل کرنے کے لئے سنگدلانہ جدوجہد جاری ہے۔ وطن پرست، محنتی، دیانت دار اور سیدھے سادے عوام سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور سیاست دان عوام سے غلط فائدہ اُٹھانے کے لئے انہیں اسلام کے نام پر دھوکا دیتے رہے ہیں اس میں شک نہیں کہ بعض دیانت دار لوگوں کی شخصیتیں ایسی کارروائیوں سے مستثنیٰ بھی ہیں، لیکن چونکہ اُن کی تعداد قلیل ہے اس لئے وُہ ملک کے امُور پر اثر انداز نہیں ہوئے۔ بعض لوگوں کی قابلِ مذمت سرگرمیوں کے باعث ملک میں گھٹیا قسم کی ڈکٹیٹرشپ قائم ہو گئی ہے۔

صدر مرزا نے اپنے فرمان میں نیا آئین تیار کرنے کی بھی دعوت دی اور کہا کہ ۲۳ ر مارچ کا آئین ناقابلِ عمل ہے یہ اتنے خطرناک سمجھوتوں سے پُر ہے کہ ان کی موجودگی میں پاکستان کا شیرازہ عنقریب داخلی طور پر منتشر ہو جائے گا۔

۸ ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو ملک میں مارشل لاء کے نفاذ کی وجہ بتاتے ہوئے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ایوب خاں نے کہا کہ

ملک مکمل تباہی کے خطرے سے دوچار تھا اور اس کی سالمیت تک خطرے میں پڑ چکی تھی اگر ہم موجودہ افراتفری اور بے راہ روی کو اسی طرح جاری رہنے دیتے تو تاریخ ہمیں کبھی معاف نہ کرتی۔

آپ جانتے ہیں کہ یہ بے راہ روی بعض خود غرض اشخاص کے افعال و حرکات کا نتیجہ تھی جنہوں نے سیاسی راہنمائی کے بھیس میں راہزنی کا شیوہ اختیار کر رکھا تھا۔ اور اپنی ذاتی اغراض پر ملک کے مفاد کو بے دریغ قربان کر رہے تھے ان میں بعض ایسے تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ وُہ جو کچھ بھی کریں انہیں اس کا حق حاصل ہے کیوں کہ وُہ پاکستان قائم کرنے کے دعویدار تھے اور بعض ایسے تھے جو پاکستان کے تخیل ہی کے خلاف تھے وہ علانیہ پاکستان کو توڑنے کی تدبیریں کرتے تھے یا ایسی باتیں کرتے تھے جن سے پاکستان کے مسائل زیادہ سے زیادہ اُلجھ جائیں ادھر پاکستان کی بے عزم اور کمزور حکومتیں یہ سب کچھ نہایت بُزدلانہ طریق پر خاموش دیکھ رہی تھیں۔ حالات خراب سے خراب تر اور بد سے بدتر ہوتے رہے اور نظم و ضبط اور حکومت کا وقار خاک میں ملتا رہا، لیکن وُہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔

جنرل محمد ایوب خاں کی بطور وزیر اعظم تقرری

اگرچہ ملک میں مارشل لاء نافذ ہو چکا تھا تاہم حکومتی نظم و نسق چلانے کے لئے وزیر اعظم کا عہدہ خالی پڑا تھا اس سیاسی خلاء کو پُر کرنے کے لئے اور نظم و نسق کو بہتر طریق پر استوار کرنے کے لئے ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو صدر اسکندر مرزا نے بارہ ارکان پر مشتمل مرکزی کابینہ تشکیل کر کے سپریم کمانڈر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ایوب خاں کو وزیر اعظم مقرر کیا جنرل محمد ایوب خاں کو دفاع اور امورِ کشمیر کے محکمے بھی دیئے گئے۔

جنرل ایوب نے نئی کابینہ میں مندرجہ ذیل حضرات کو شامل کیا۔

جنرل محمد ایوب خاں	وزیر اعظم، ناظم مارشل لاء، دفاع اور امورِ کشمیر۔
مسٹر منظور قادر	امورِ خارجہ
لیفٹیننٹ جنرل محمد اعظم خاں	بحالیات
مسٹر ایف ایم خاں	مواصلات
لیفٹیننٹ جنرل ڈبلیو اے برکی	صحت اور سماجی بہبود
مسٹر حبیب الرحمٰن	تعلیم، اطلاعات، نشریات
مسٹر ابو القاسم خاں	صنعت، تعمیرات، آبپاشی، بجلی
لیفٹیننٹ جنرل کے ایم شیخ	داخلہ
مسٹر ذوالفقار علی بھٹو	تجارت

مولوی محمد ابراہیم	قانون
مسٹر ایم شعیب	خزانہ
مسٹر حفیظ الرحمٰن	خوراک وزراعت

۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو مسٹر منظور قادر، مسٹر حبیب الرحمٰن اور مسٹر محمد شعیب کے سوا تمام وزراءٗ نے اپنے اپنے عہدوں کا حلف اُٹھایا، اسی روز جنرل محمد ایوب خاں نے سکندر مرزا کی جگہ صدر کا عہدہ سنبھال لیا۔

میجر جنرل اسکندر مرزا کی عہدہ صدارت سے علیٰحدگی

۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو صدرِ مملکت میجر جنرل اسکندر مرزا اپنے عہدہ سے الگ ہو گئے اور تمام اختیارات سپریم کمانڈر اور مارشل لاء کے ناظمِ اعلیٰ جنرل محمد ایوب خاں کے سپرد کر دیئے۔ اس کے بعد صبح اڑھائی بجے اعلان کیا گیا کہ جنرل محمد ایوب خاں نے صدر کا عہدہ سنبھال لیا ہے۔

نئے صدر نے بتایا کہ وُہ ۸ر اکتوبر کو اور اس کے بعد جن پالیسیوں کا اعلان کرتے رہے ہیں ان پر کاربند رہیں گے۔

صدر مرزا نے اپنے عہدے سے علیٰحدگی کا جو اعلان کیا اُس کا متن یہ ہے:

''تین ہفتے ہوئے مَیں نے پاکستان میں مارشل لاء نافذ کیا اور جنرل محمد ایوب خاں کو مسلح افواج کا سپریم کمانڈر اور مارشل لاء کا ناظمِ اعلیٰ مقرر کیا خدا کے فضل سے میرے اس اقدام کی جو مَیں نے اپنے محبوب ملک کے مفاد کے لئے اختیار کیا تھا ملک کے عوام نے اور بیرونی ممالک میں ہمارے دوستوں اور بہی خواہوں نے انتہائی تعریف وتحسین کی۔

مَیں نے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد جنرل ایوب خاں اور ان کی انتظامیہ کو مزید ابتری سے روکنے اور بدنظمی اور انتشار ختم کر کے نظم وضبط قائم کرنے کے لئے پوری مدد دی۔

ہم نے ملک کے آئندہ نظم ونسق کے لئے مؤثر ڈھانچہ تیار کرنے کی جو مساعی کیں اور گزشتہ تین ہفتے میں ہمیں جو تجربہ حاصل ہوا اس کی بنیاد پر مَیں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ

(۱) اس انتہائی اہم نوعیت کی مہم کی مؤثر تکمیل کے لئے دُوسرے کنٹرول جیسی کوئی چیز نقصان دہ ہو سکتی ہے۔

(۲) ملک کے اندر اور باہر بے شمار لوگوں کے دلوں میں یہ افسوسناک تاثر موجود ہے کہ

جنرل ایوب اور میں ہمیشہ ایک ساتھ کام نہیں کر سکیں گے۔ مجھے یہ شدید احساس ہے کہ اگر اس طرح کے تاثر کو جاری رہنے دیا گیا تو اس سے ہمارے مقصد کو انتہائی نقصان پہنچے گا اس لئے میں نے الگ ہو جانے اور سارے اختیارات جنرل ایوب خاں کے سپرد کر دینے کا فیصلہ کیا، میں جنرل ایوب خان اور ان کے ساتھیوں کے لئے بہترین کامیابی کا دعا گو ہوں۔

پاکستان پائندہ باد

جنرل محمد ایوب خان کی بطور صدر تقرری اور صدارتی نظام کا قیام

۲۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو صدر سکندر مرزا نے تمام اختیارات بری فوج کے کمانڈر اور چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر جنرل محمد ایوب خاں کے حوالے کر دیئے۔ اس اعلان کے فوراً بعد جنرل ایوب خاں نے صدر پاکستان کے اختیارات سنبھال لئے اسی روز ان کی نو رکنی کابینہ نے حلف اٹھایا اسی روز پاکستان کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس محمد منیر نے ایک فیصلے میں کہا کہ کامیاب انقلاب حکومت اور آئین کو بدلنے کا بین الاقوامی حیثیت سے مسلم قانونی طریقہ ہے۔

۲۷ اکتوبر کو ہی ملک میں پہلی بار صدر ایوب کے عہدہ صدارت سنبھالنے کے بعد ملک میں صدارتی طرز حکومت کا قیام عمل میں آیا۔

حالاتِ زندگی

محمد ایوب خاں ۱۴ مئی ۱۹۰۷ء کو ایبٹ آباد میں پیدا ہوئے انہوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تعلیم مکمل کی اور ۱۹ سال کی عمر میں ملٹری اکیڈمی سینڈھرسٹ میں فوجی تربیت حاصل کی۔ ۱۹۲۸ء میں کمیشن حاصل کرنے کے بعد ۱۴ پنجاب رجمنٹ سے وابستہ ہوئے وہ اس رجمنٹ کے کرنل کمانڈنٹ تھے۔

دوسری جنگِ عظیم میں انہوں نے برما کے محاذ پر بٹالین کمانڈر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں بعد میں انہیں کرنل کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔ اور ۱۹۴۷ء میں سروسز سلیکشن بورڈ کے صدر مقرر کئے گئے۔

بریگیڈیئر کے عہدہ پر ترقی کے بعد وزیرستان میں گارا وائی بریگیڈ کی کمان سپرد کی گئی۔ جب تک عام پالیسی کے تحت فوج واپس نہیں بلائی وہ وہیں رہے۔ پھر انہیں مشرقی پاکستان میں فوج کی کمان دی گئی اور ۱۹۴۸ء میں میجر جنرل کے عہدہ پر ترقی دے کر ایسٹ پاکستان ڈویژن کا پہلا کمانڈر مقرر کیا گیا۔ ۱۹۵۰ء کے وسط میں انہیں پاکستان آرمی کا ایڈجوٹنٹ تعینات

کیا گیا اور ۱۷رجون ۱۹۵۱ء کو وُہ پاک فوج کے پہلے مسلمان کمانڈر انچیف مقرر ہوئے دوسال بعد انہوں نے دولتِ مشترکہ کی پہلی امپیریل جنرل سٹاف کانفرنس میں شرکت کی۔ ۱۹۵۴ء میں کمانڈر انچیف کے عہدے کے علاوہ وزیر دفاع کی حیثیت میں کابینہ میں شامل کیا گیا جس سے وُہ ۱۹۵۶ء میں مستعفی ہوئے ۲۳رمارچ ۱۹۵۷ کو انہیں ہلال جرأت کا اعزاز ملا۔

۷راکتوبر ۱۹۵۸ء کو انہیں سپریم کمانڈر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا گیا ۲۴راکتوبر کو پاکستان کے وزیر اعظم نامزد ہوئے۔ ۲۷راکتوبر ۱۹۵۸ء کو صدر کا عہدہ سنبھالا اور ۱۶رفروری ۱۹۶۰ء کو فوج سے ریٹائر ہونے کے بعد اُن کا معاملہ فیلڈ مارشل کی حیثیت سے پنشن اسٹیبلشمنٹ کے سپرد کیا گیا۔ ۱۴رفروری ۱۹۶۰ء کو بنیادی جمہوریت کے منتخب ارکان کی بھاری اکثریت نے ان پر اعتماد کا اظہار کیا اور انہیں نئے آئین کی تشکیل کے اختیارات دیئے۔ ۱۷رفروری ۱۹۶۰ء کو پاکستان کے پہلے منتخب صدر کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اُٹھایا۔ یکم مارچ ۱۹۶۲ء کو انہوں نے جمہوریہ پاکستان کے آئین کا اعلان کیا۔ ۲۳رمارچ کو نشانِ پاکستان کا اعزاز قبول کیا۔ ۸رجون ۱۹۶۲ء کو نئے آئین کے تحت اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔

۲۴ردسمبر ۱۹۶۳ء کو پاکستان مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ ۹راگست ۱۹۶۴ء کو پاکستان مسلم لیگ نے انہیں صدارتی انتخابات کے لئے اپنا امیدوار نامزد کیا۔ ۲رجنوری ۱۹۶۵ء کو ان کے منتخب ہونے کا اعلان کیا گیا۔ اور ۲۳رمارچ ۱۹۶۵ء کو دُوسری بار ملک کے صدر منتخب ہوئے ۱۹۶۵ء میں مسلح افواج نے انکی قیادت میں بھارت کے خلاف جنگ میں حصہ لیا جس کے نتیجے میں جنوری ۱۹۶۶ء میں معاہدہ تاشقند طے پایا۔ ۱۹۶۸ء کے آخر میں ملک بھر میں اُن کی حکومت کے خلاف ہنگامے اور مظاہرے شروع ہو گئے چنانچہ انہوں نے صدارت سے علیحدگی کا اعلان کیا۔

۲۵رمارچ ۱۹۶۹ء کو صدارت سے علیحدگی کے بعد سیاسی سرگرمیاں بالکل ترک کر دیں اور بالآخر ۲۰راپریل ۱۹۷۴ء کو اسلام آباد میں انتقال کیا۔

اصلاحی اقدامات

ایبڈو (ELECTIVE BODIES DISQUALIFICATION ORDER)

ماضی میں جن سیاست دانوں نے پاکستان کی سیاسی صورت حال کو مکدر کر دیا تھا ان کی سرگرمیوں کو

روکنے اور آئندہ انتخابات میں حصّہ نہ لینے کے سلسلے میں ۲۵ رمارچ ۱۹۵۹ء کو جنرل محمد ایوب خاں نے ایبڈو کا قانون نافذ کیا یہ قانون ۳۱ ردسمبر ۱۹۶۶ء تک نافذ رہا اور اس کے تحت ۷۵ سیاستدانوں کو ملکی سیاست میں حصّہ نہ لینے دیا گیا۔ نیز کچھ سیاست دانوں نے رضاکارانہ طور پر سیاست میں حصّہ نہ لینے کا اعلان کیا تھا۔

پوڈو ایبڈو کی طرح بدعنوان سرکاری ملازمین کے ریکارڈ کی چھان بین کرنے کے لئے سکرینگ کمیٹیاں بنائی گئیں۔ کمیٹیوں نے چھان بین کے بعد پاکستان بھر سے ۳۵ افسروں اور ۱۳۰۰ ملازمین کو یا تو جبری طور پر ریٹائر کر دیا گیا یا پھر ان کی تنزّلی کر دی گئی۔ یہ حکم پبلک آفسز ڈسکوالیفکیشن آرڈر کے نام سے موسوم ہوا۔

بدعنوانیوں کے خلاف جنگ مارشل لاء کے نفاذ کے وقت ملک معاشی بدحالی کا شکار تھا سمگلنگ زوروں پر تھی، اشیائے خوردنی میں ملاوٹ عام تھی۔ ٹیکس دہندگان کے ذمے کروڑوں روپے واجب الادا تھے۔ کالے دھن کی صورت میں بڑے بڑے سرمایہ داروں نے کافی رقم چھپا رکھی تھی، تاجروں اور صنعت کاروں نے اپنی آمدنی کے دوہرے کھاتے تیار کر رکھے تھے۔ اشیائے خوردنی کے نرخ آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ نیز عوام کے پاس بھاری مقدار میں ناجائز اسلحہ بھی تھا غرض کہ ہر طرف لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم تھا ان حالات میں عہدہ صدارت سنبھالنے کے بعد جنرل محمد ایوب خاں نے ان بدعنوانیوں کا خاتمہ کرنے کے لئے متعدد اصلاحی اقدامات کئے اور پہلے قدم کے طور پر ۹ راکتوبر کو عوام کو ناجائز اسلحہ تھانوں میں جمع کرانے کا حکم دیا ازاں بعد یکم نومبر ۱۹۵۸ء کو اشیائے صرف کی قیمتوں کا تعین کیا۔ پھر میٹھا در کراچی کے ایک بدنام سمگلر اسماعیل کے قبضہ سے دو ہزار نو سو تولے سونا اور ساڑھے تین لاکھ روپے کی بھارتی کرنسی پکڑی۔ اسی طرح لاہور میں پچاس لاکھ روپے کا مصنوعی ریشمی کپڑا پکڑا گیا۔ بدعنوانیوں کے سلسلے میں کئی وزراء گرفتار کر لئے گئے۔ پشاور میں پچاس لاکھ روپے کا سونا پکڑا گیا۔ ۹ رنومبر کو مشہور سمگلر قاسم بھیٹ سے مزید گیارہ من سونا برآمد کیا گیا۔

۳ رنومبر کو مارشل لاء کا حکم ۴۵ جاری کیا گیا جس کے تحت سرمایہ داروں کو کہا گیا کہ وہ یکم دسمبر ۱۹۵۸ء تک زرمبادلہ حکومت کے حوالے یا اس کا اعلان ہی کر دیں۔

تاجروں کے لیت ولعل کرنے پر کراچی کے چار بڑے تاجر گرفتار بھی ہوئے۔ اس اقدام کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ۴ کروڑ ۴۰ لاکھ روپے کا زرمبادلہ حکومت کے حوالے کیا گیا۔

آمدنی کے گوشواروں کے حصول کے نتیجے میں ۳۱ر دسمبر ۱۹۵۸ء تک ایک ارب ۴۳ کروڑ روپے کی خفیہ دولت کا پتہ چلایا گیا۔ حکومت نے اس رقم پر ۲۴ کروڑ روپے ٹیکس بھی وصول کیا۔

اشیائے خوردنی (خصوصاً دودھ، گھی اور مسالوں کے علاوہ دواؤں) میں ملاوٹ کے سلسلے میں حکومت نے جُرمانے عائد کر کے کروڑوں روپے وصول کئے۔

ناجائز اسلحہ جمع کرانے کے سلسلے میں حکومت نے ۱۵ر نومبر ۱۹۵۸ء کی آخری تاریخ مقرر کی جس کے نتیجے میں بہت سا اسلحہ تھانوں میں جمع کرایا گیا۔ علاوہ ازیں امپورٹ ڈیوٹی کے بغیر درآمد شدہ سامان پر ڈیوٹی وضع کرنے کے بعد سامان مالکان کو واپس دے دیا گیا۔ نیز حکومت نے ناپسندیدہ کاروبار والی کمپنیوں کو ایک آرڈی ننس نافذ کر کے توڑ دیا۔

امپورٹ لائسنس کی خرید و فروخت پر پابندی

مارشل لاء کے نفاذ سے قبل سیاسی لیڈروں کے تعاون سے امپورٹ لائسنس اُن لوگوں کو جاری کئے جاتے تھے جو تجارتی شعبے میں ناتجربہ کار تھے اور اس طرح وُہ دُوسرے لوگوں کے ہاتھ امپورٹ لائسنس بیچ کر ناجائز دولت کما رہے تھے حکومت نے ایک حکم کے ذریعے امپورٹ لائسنس کی خرید و فروخت پر پابندی لگا دی۔

متروکہ جائدادوں کی بازیابی

متروکہ جائدادوں کی بازیابی کے لئے ۲۸ر نومبر ۱۹۵۸ء کو حکومت نے مارشل لاء کا نیا ضابطہ نافذ کیا جس کے تحت جھوٹے دعوے پیش کرنے والوں کے لئے سات سال قید اور جائداد کی ضبطی کا حُکم سُنایا گیا۔

برآمدی بونس ووچر سکیم

صدر ایوب کی حکومت نے جہاں مزید اصلاحات کیں وہاں برآمدات میں اضافے اور فروغ کے لئے ۱۰ر جنوری ۱۹۵۹ء کو بونس ووچر سکیم کا اعلان کیا گیا۔ ۱۴ر جنوری کو حکومت نے درآمدی بونس سکیم کے قواعد اور طریق کار کا اعلان کیا۔ ۲۲ر نومبر ۱۹۶۷ کو سٹرلنگ کی قیمت کم ہو جانے پر خام اون اور ضائع شدہ اون پر بھی بونس دینے کا فیصلہ کیا گیا۔

اقتصادی حالت میں بہتری

کسی ملک کے معاشرتی نظام میں اقتصادیات کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے، لیکن مارشل لاء سے قبل کی حکومت نے ملک کو اقتصادی اعتبار سے مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ سٹیٹ بنک آف

پاکستان نے ۳۰ر جون ۱۹۵۸ء کو جو رپورٹ شائع کی اُس کا خلاصہ یہ ہے۔

"حکومت سخت مقروض تھی، غیر ملکی زرمبادلہ کی برآمد میں کمی ہونے کی وجہ سے تجارتی صورت حال خراب ہوگئی اور نہ صرف عام ضرورت کی اشیاء کا ملنا مشکل ہوگیا بلکہ مشینیں اور فالتو پُرزے غیر ملکوں سے نہ منگائے جا سکتے تھے۔ جس کے نتیجہ میں صنعتی پیداوار بھی کم ہوگئی غیر ملکوں سے کثیر مقدار میں غلہ منگوانے کے باوجود گندم اور چاول کی کمی تھی۔ کپاس اور پٹ سن کی قیمتیں گر گئی تھیں اور اُون اور چائے کی تجارت میں زبردست کمی واقع ہوگئی تھی ادائیگیوں کی صورتِ حال اس قدر خراب تھی کہ سونے، ڈالر اور اسٹرلنگ کے ذخیرہ میں ۲۳۰ کروڑ روپے کی کمی ہوگئی، لیکن مارشل لاء کے نفاذ کے صرف ایک سال بعد ملک کی اقتصادی صورتحال یکسر بدل گئی بقول وزیر خزانہ مسٹر محمد شعیب

(۱) غیر ملکی سکّے خصوصاً اسٹرلنگ اور ڈالر کے سرمایہ میں سو فیصد اضافہ ہوا۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں یہ سرمایہ ۴۲ کروڑ روپے کے مساوی تھا۔ یکم ستمبر ۱۹۵۹ء کو ۸۷ کروڑ روپے سے زیادہ ہو چکا ہے۔

(۲) صنعتی پیداوار میں دس فیصد اضافہ ہوا، لیکن ضمنی صنعتوں میں اضافہ ۸۰ اور ۹۰ فیصد ہے

(۳) افراط زر میں کمی ہوئی ہے۔

(۴) حکومت کے موثر اقدام کے نتیجے میں دُوسرا پنجسالہ منصوبے کو مستحکم بنیادوں پر مکمل کرنے کی راہ ہموار ہوگئی۔

مہاجرین کی آبادکاری

قیام پاکستان کے بعد تقریباً ایک کروڑ افراد ہجرت کر کے پاکستان آئے تھے، لیکن گیارہ برسوں میں بمشکل بیس لاکھ افراد کو بسایا جا سکا اور اسّی لاکھ مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ باقی تھا صدر ایوب نے برسر اقتدار آنے کے فوراً بعد ۵ر دسمبر ۱۹۵۸ء کو کراچی میں کورنگی کے مقام پر ایک بستی کا سنگِ بنیاد رکھا۔ آبادکاری کے اس کام کے لئے جنرل اعظم کا تقرر خصوصی طور پر عمل میں لایا گیا۔

اس کالونی میں پچیس ہزار مکانات تعمیر کئے گئے اور یکم اگست ۱۹۵۹ء کو صدر ایوب نے اس کا افتتاح کیا۔

اسی طرح کی کالونیاں لاہور، راولپنڈی اور دیگر بڑے شہروں میں تعمیر کی گئیں علاوہ ازیں اُن کی حکومت نے مہاجروں کے دعاوی کے بارے میں یہ طریق کار اپنایا کہ جو دعوی

مقررہ پیداواری انڈیکس یونٹ کے مطابق ڈیڑھ ہزار یونٹ سے زیادہ تھا وہ پورا لیکن چار ہزار یونٹ سے زیادہ کے صرف دو ہزار ایک سو پچاس بمعہ زائد یونٹوں کا دس فیصد یونٹ منظور گئے۔

مشرقی پاکستان میں مہاجرین کے مسائل حل کرنے کی غرض سے اعلیٰ اختیارات کی بحالیات کونسل قائم کی گئی اور ڈھاکہ کے نزدیک نئی بستی محمد پور آباد کی گئی۔

زرعی اصلاحات

۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۸ء تک پاکستان بیرونی ممالک سے غلہ منگواتا رہا ۴۹-۱۹۴۸ء میں ملک کی کل زرعی پیداوار ایک کروڑ ۴۴ لاکھ ۱۰ ہزار ٹن تھی جو ۵۸-۱۹۵۷ء میں کم ہو کر ایک کروڑ ۳۲ لاکھ چالیس ہزار ٹن رہ گئی جو کہ ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے خاصی تشویش ناک تھی۔ صدر ایوب نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ سنبھالنے کے فوراً بعد ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو گورنر مغربی پاکستان مسٹر اختر حسین کی زیر صدارت ایک کمیشن قائم کی کمیشن کی سفارشات کی روشنی میں ۲۴ جنوری ۱۹۵۹ء کو صدر ایوب نے زرعی اصلاحات کے نفاذ کا اعلان کیا۔

(۱) اس کے تحت ایک آدمی پانچ سو ایکڑ اراضی زرعی اور ایک ہزار ایکڑ بارانی اراضی کا مالک بن سکتا تھا۔

(۲) باغات اور چراگاہوں کی صورت میں زمیندار کو یہ رعایت دی گئی کہ وہ ۱۵۰ ایکڑ مزید رقبہ اپنے پاس رکھ سکتا تھا۔

(۳) زرعی اراضی کی حد فی یونٹ بارہ ایکڑ مقرر کی گئی اور جن مزارعین کے پاس کم اراضی تھی حکومت نے اُن کے ہاتھوں دو لاکھ دس ہزار ایکڑ اراضی فروخت کر دی۔

(۴) زرعی اصلاحات کے تحت ۷۳ لاکھ تیرہ ہزار نو سو چالیس ایکڑ اراضی میں سے ۴۰ ½ لاکھ ایکڑ زمینداروں کے پاس رہنے دی گئی اور باقی اکیس لاکھ ۹۵ ہزار ایکڑ حکومت نے خرید لی اور چار لاکھ ۵ ہزار ایکڑ اراضی زمینداروں کے ورثاء کے حوالے کی گئی۔

زراعت کی ترقی کے لئے حکومت نے کسانوں کو آسان شرائط پر قرضے اور عمدہ بیج مہیا کئے۔ کھاد کے لئے کارخانے لگائے گئے۔ جدید زرعی مشینری کو متعارف کرایا گیا۔ علاوہ ازیں دونوں صوبوں میں زرعی ترقیاتی کارپوریشنیں قائم کیں۔ سیم اور تھور کے خاتمے کے لئے نل کنوئیں لگوائے جس سے لاکھوں ایکڑ اراضی کو قابل کاشت بنایا گیا۔

نئے دارالحکومت اسلام آباد کی تعمیر

حصولِ آزادی کے بعد قائدِ اعظم محمد علی جناح نے کراچی کو مملکتِ پاکستان کا دارالحکومت قرار دیا ازاں بعد کراچی کے قریب نیا دارالحکومت تعمیر کرنے کے لئے یہ تجویز دی گئی کہ کراچی شہر کے نواح میں نیا کراچی آباد کیا جائے بالآخر جنوری ۱۹۵۷ء میں یہ سکیم ملتوی کر دی گئی ازاں بعد گڈاپ کے مقام پر دارالحکومت بنانے کی تجویز ہوئی لیکن اسے بھی مسترد کر دیا گیا۔

صدر ایوب نے عنانِ حکومت سنبھالنے کے بعد ملک کے لئے دارالحکومت کی تعمیر کے لئے آٹھ افراد پر مشتمل فروری ۱۹۵۹ء میں ایک کمیشن قائم کیا۔ کمیشن نے چھ ماہ میں اپنی رپورٹ مرتب کی اس رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ کراچی کی مرطوب آب وہوا دارالحکومت کے لئے موزوں نہیں ہے اور سطح مرتفع پوٹھوہار اس کے لئے بہترین علاقہ ہے۔

جون ۱۹۵۹ء کی ابتداء میں نتھیا گلی کے مقام پر گورنروں اور دیگر اعلیٰ حکام کی کانفرنس میں دارالحکومت کی تبدیلی کا فیصلہ کیا گیا۔

اس فیصلے کے مطابق ۲۲ر جون ۱۹۶۰ء کو دارالحکومت کی تعمیر کے لئے کیپیٹل ڈویلپمنٹ اتھارٹی کا آرڈی ننس جاری کیا گیا اور عارضی طور پر راولپنڈی پاکستان کا دارالحکومت قرار پایا۔ ۲۶ر نومبر ۱۹۶۶ء کو دارالحکومت کی تعمیر مکمل ہونے پر مرکزی حکومت کے دفاتر کی اسلام آباد منتقلی کا کام شروع ہوا اور دسمبر ۱۹۶۷ء تک تمام دفاتر اسلام آباد منتقل ہو گئے اس طرح تقریباً بیس سال کی مدت کے بعد اسلام آباد کو پاکستان کے مستقل دارالحکومت کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

بنیادی جمہوریت کا نظام

اکتوبر ۱۹۵۸ء میں جب ملک میں پہلی بار مارشل لاء کا نفاذ عمل میں آیا تو ملکی معاملات کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا اس میں دیہی ترقی بھی شامل تھی۔ دیہی ترقی کے کام کی اہمیت تو پہلے ہی واضح تھی لہٰذا ابتداء میں دیہی ترقی و مدد کا جو پروگرام بنایا گیا تھا اس کی خامیوں کا جائزہ لے کر اس کا نام بھی تبدیل کر دیا گیا۔ اس نئی سوچ میں نقطۂ انقلاب یہ تھا کہ دیہی معاشرے میں قیادت باہر سے لا کر نہیں تھوپی جا سکتی اس لئے جو بھی قیادت ابھرے وہ خود دیہات میں نچلی سطح سے ابھرنی چاہیئے۔ یہ بھی تسلیم کیا گیا کہ دیہی ترقیات کے کام کو اداراتی وضع پر متشکل کرنا چاہیئے ورنہ یہ کام نہ تو برقرار رہے گا نہ دلوں میں امنگ پیدا کرے گا۔ چنانچہ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۵۹ء کو بنیادی جمہوریتوں کا حکم جاری کر دیا گیا۔ قومی قیادت کی اعلیٰ سطحوں اور دیہات کے درمیان جو گم شدہ کڑی تھی وہ بنیادی جمہوریت کے ذریعے جُڑ گئی

اس نظام کو اس طرح مرتب کیا گیا کہ ان اداروں کے ذریعے دیہات کی ضرورتیں اور خواہشات بیرونی اعلیٰ سطحوں تک فوراً پہنچ سکیں اور انتظامی ڈھانچے کے اعلیٰ اصحاب کار کی سوچ اور احساسات اسی ذریعے سے واپس ہو کر اہل دیہات تک پہنچ جائیں اور ساتھ ہی مالی رقومات بھی بہم پہنچا دی جائیں۔ بنیادی جمہوریتوں کا نظام پانچ منزلوں پر محیط تھا۔

(۱) یونین کونسل

(۲) تھانہ / تحصیل / تعلقہ کونسل

(۳) ضلع کونسل

(۴) ڈویژنل کونسل

(۵) صوبائی مشاورتی کونسل۔

ابتدائی وحدت یونین کونسل تھی اس کے دو تہائی ارکان منتخب شدہ ہوتے باقی اراکین سرکاری طور پر نامزد کئے جاتے تھے یونین کونسل کے اراکین کی تعداد جُدا جُدا ہوتی ایک مجموعی اُصول یہ رکھا گیا کہ تقریباً بارہ سو افراد ایک نمائندہ چنیں اس لئے ایک یونین کونسل میں ایک سے زیادہ گاؤں بھی شریک ہو سکتے تھے یونین کونسل کو کافی اختیارات دیئے گئے تھے اسے یہ بھی اختیار دیا گیا کہ وُہ اپنی سرگرمیوں کے لئے روپیہ فراہم کرنے کی غرض سے ٹیکس عائد کر سکتی ہے، مقامی پولیس کا کام بھی کر سکتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے ترقیاتی کاموں کے لئے روپیہ بھی مہیا کر سکتی ہے۔ یہ کونسلیں چھوٹے دیوانی اور فوجداری مقدمات کی سماعت بھی کر سکتی تھیں۔ یونین کونسل کے چیئرمین مصالحتی عدالتوں کے بھی چیئرمین ہوتے۔

شہروں میں ابتدائی وحدتیں دو قسم کی تھیں چھوٹے شہروں میں ایک ٹاؤن کمیٹی بنائی گئی اس کے اراکین منتخب ہوتے اور اس کا چیئرمین کا انتخاب اراکین ہی کرتے۔ جن شہروں کی آبادی ۱۵۰۰۰ سے زیادہ ہوتی ان میں متعدد یونین کمیٹیاں قائم کی گئی تھیں۔ ان یونینوں کے سب چیئرمین مل کر ایک میونسپل کمیٹی بن جاتے یہ کمیٹی اپنے ٹیکس خود لگا سکتی تھی اور سرکاری رقومات کے حصول کے علاوہ دیگر وسائل سے بھی مالی امداد فراہم کرنے کا اہتمام کرتی۔

دوسرے بلند ہونے والے مرحلے پر تھانہ کونسل آتی تھی جو مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) میں تھی مغربی پاکستان میں اسے تحصیل کونسل کہا جاتا تھا۔ ان کونسلوں میں تمام علاقے کی یونین کونسلوں اور ٹاؤن کونسلوں کے چیئرمین ہوتے تھے اور تھانہ وتحصیل کی سطح کے وُہ افسر جن کا تعلق مختلف

سرکاری محکموں سے ہو۔

مغربی پاکستان میں تحصیلدار اور مشرقی پاکستان میں سب ڈویژنل افسر اس کونسل کا صدر ہوتا۔ اس کونسل کا کام یہ ہوتا کہ یہ عام یونین کونسلوں کے کام کی نگرانی کرتی اور مختلف تعمیراتی کاموں میں تعاون در ابطہ پیدا کرتی مگر اسے ٹیکس عائد کرنے کا اختیار حاصل نہ تھا۔

ضلع کی سطح پر ضلع کونسلیں ہوتیں اس میں ضلع کی سطح کے افسران حکومت اور غیر سرکاری اراکین ہوتے جن میں یونین کونسلوں کے چیئرمین بھی شامل ہوتے تھے نیز ٹاؤن کمیٹیوں اور میونسپلٹوں کے صدر اس کونسل کے اراکین کی تعداد کا فیصلہ حکومت کرتی تاکہ منتخب اراکین کی تعداد زیادہ رہے اور سرکاری افسروں کی تعداد کم۔ ڈپٹی کمشنر اس مجلس کا صدر ہوتا۔ ڈسٹرکٹ کونسل کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ ترقیاتی پروگراموں مثلاً سڑکوں، اسکولوں، ہسپتالوں وغیرہ کے لئے ٹیکس لگا کر روپیہ فراہم کرسکتی تھی۔

اس سے اوپر کی سطح ڈویژنل کونسل کی ہوتی اس کی رکنیت بھی حکومت مقرر کرتی تاکہ سرکاری اور غیر سرکاری اراکین کی تعداد میں تناسب قائم رہے۔ ڈویژنل کمشنر اس کا چیئرمین ہوتا۔ یہ بطور ادارہ ضلع کونسلوں کے مابین رابطہ پیدا کرتی اسے بھی ٹیکس لگانے یا روپیہ خرچ کرنے کا کوئی اختیار نہ تھا۔ صوبائی مشاورتی کونسل کا سربراہ گورنر ہوتا تھا۔

بنیادی جمہوریتوں کے اراکین اسمبلی اور صدر چننے کے لئے انتخابی کالج کا کام بھی کرتے تھے۔

یونین کونسل کا رکن بننے کی شرط یہ تھی کہ وہ پاکستان کا شہری ہو اور اس کی عمر پچیس سال ہو۔

فروری ۱۹۶۰ء میں بنیادی جمہوری نظام کے اسی ہزار افراد نے صدر کا انتخاب کیا۔ ۲ جنوری ۱۹۶۵ء کو پھر بنیادی جمہوریتوں کے ارکان نے صدر کا انتخاب کیا۔

ادارہ کی اہلیت انتخابی ادارہ کی حیثیت سے بنیادی جمہوریت کا ادارہ مندرجہ ذیل افراد کو منتخب کرنے کا اہل تھا۔

(۱) صدر پاکستان (۲) قومی اسمبلی کے ارکان (۳) صوبائی اسمبلیوں کے ارکان۔

یہ ادارہ استصواب رائے عامہ کے اغراض کے لئے بھی فرائض انجام دیتا تھا۔ عائلی قوانین آرڈی ننس اور مصالحتی عدالتوں کے آرڈی ننسوں کے تحت تنازعات کا فیصلہ کرنا اور دیوانی نوعیت کے بعض تنازعات میں عدالتی فرائض انجام دینا اس کے اختیار میں شامل تھا۔

اس کے انتظامی فرائض یہ تھے۔

(۱) عام انتظامی مسائل اور مالگزاری جمع کرنے میں افسران خزانہ کو مدد دینا۔
(۲) فصلوں وغیرہ کا سروے / تخمینہ / ریکارڈ تیار کرانے میں مدد دینا۔
(۳) مقامی ٹیکسوں، شرحوں اور چنگی وغیرہ کا عائد کرنا۔
(۴) تحفظ اور امنِ عامہ کے لئے موزوں اقدامات کرنا۔

صدارتی انتخاب

پارلیمانی نظامِ حکومت کی ناکامی کے بعد صدر ایوب نے ملک میں صدارتی طرزِ حکومت کو رواج دیا اور اس مقصد کے لئے انہوں نے بنیادی جمہوریتوں کا نظام قائم کیا تاکہ عوام اس نظام کے ذریعے اپنے مسائل کو بہتر طریق پر حل کرسکیں اسی نظام کے تحت ۱۹۵۹ء میں مشرقی اور مغربی پاکستان میں حق رائے دہی بالغاں کی بُنیاد پر اسی ہزار اراکین کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ اس نظام میں دونوں صوبوں کو مساوی نمائندگی دی گئی تھی۔ ۱۴ر فروری ۱۹۶۰ء کو انہی ارکان میں سے ۹۵ء۶ فیصد ارکان نے اعتماد کا ووٹ دے کر صدر ایوب کو پانچ سال کے لئے ملک کا صدر منتخب کر لیا۔ ۱۷ر فروری ۱۹۶۰ء کو فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے صدر کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اُٹھایا اور نئے آئین کی تیاری کے لئے آئین کمیشن قائم کیا۔ صدر نے کابینہ کو از سرِ نو منظم کیا اور مندرجہ ذیل اصحاب کو اپنی کابینہ میں شامل کیا۔

لیفٹیننٹ جنرل محمد اعظم خاں (بحالیات، زراعت، خوراک اور آبپاشی) مسٹر منظور قادر (خارجہ اُمور) لیفٹیننٹ جنرل واجد علی برکی (سماجی بہبود و صحت) مسٹر محمد ابراہیم (قانون) لیفٹیننٹ جنرل کے ایم شیخ (داخلہ اُمور) مسٹر محمد شعیب (خزانہ) مسٹر ابوالقاسم خاں (صنعت و بجلی) ، خان ایف ایم خان (مواصلات) مسٹر حبیب الرحمٰن (تعلیم) ، مسٹر ذوالفقار علی بھٹو (اطلاعات، سیاحت، ایندھن، بجلی) ، مسٹر محمد حفیظ الرحمٰن (تجارت)۔

نئے آئین کی تدوین

۱۹۶۲ء کے آئین کی ترتیب و تدوین اور نفاذ

۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو ملک میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد پاکستان کی سرزمین بے آئین ہوگئی چنانچہ قانونی تقاضوں کو پورا کرنے اور حکومت کا نظم و نسق چلانے کے لئے صدر ایوب خاں نے ۱۷ر فروری ۱۹۶۰ء کو آئین کمیشن قائم کیا اس میں صدر کمیشن کے علاوہ مسٹر جسٹس محمد شریف سابق جج سپریم کورٹ، مسٹر عزیز الدین سابق وزیر مشرقی پاکستان، مسٹر

این ڈی بروری نمائندہ اقلیت، مسٹر او آر نظام نمائندہ تجارت مشرقی پاکستان، مسٹر طفیل علی ایڈووکیٹ سندھ، مسٹر ارباب احمد علی جان پشاور، سردار حبیب اللہ پنجاب، مسٹر نصیر شیخ مغربی پاکستان کی صنعت و تجارت کے نمائندے، مسٹر آفتاب الدین نمائندہ زراعت مشرقی پاکستان مسٹر اے مجید سیکرٹری انتخابی کمیشن شامل تھے۔

کمیشن کا دائرۂ کار: کمیشن کے دائرہ کار میں کہا گیا تھا کہ کمیشن پاکستان میں پارلیمانی نظام حکومت کی روز افزوں ناکامی کا جائزہ لے گا جس کی بنا پر ۱۹۵۶ء کا آئین منسوخ کرنا پڑا وہ اس کی ناکامی کے اسباب اور نوعیت کا تعین بھی کرے گا۔ ان اسباب یا اسی قسم کے دوسرے اسباب کو سمجھنے کے بارے میں بھی غور کرے گا اور یہ بتائے گا کہ انہیں دوبارہ پیدا ہونے سے کس طرح روکا جاسکتا ہے کمیشن لوگوں کی تعلیم، سمجھ بوجھ کا معیار، ملک میں سیاسی شعور، قومیت کے احساس کی موجودہ صورت حال، مسلسل ترقی کی ضرورت، حالیہ مہینوں میں کئی کئی انتظامیہ و آئینی اصلاحات کو پیش نظر رکھ کر ایک رپورٹ کی صورت میں آئینی تجاویز پیش کر کے یہ مشورہ دے گا کہ ذیل کے مقاصد کس طرح بہتر طور پر حل کئے جاسکتے ہیں۔ بدلتے ہوئے حالات کے مطابق انصاف، مساوات اور رواداری کے اسلامی اصولوں کی بنیاد پر ایک قابل عمل جمہوریت کس طرح قائم کی جائے جس سے قومی اتحاد اور ٹھوس و مستحکم طرز کی حکومت قائم ہو۔

کمیشن کی سرگرمیاں: کمیشن نے رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے اپنے دائرۂ کار کے مطابق ایک سوالنامہ مرتب کیا جس کی ۲۸ ہزار کاپیاں چھپوائی گئیں یہ سوالنامہ انگریزی، اردو اور بنگلہ تینوں زبانوں میں شائع ہوا تھا۔ ان میں سے ۲۵ ہزار سوالنامے تقسیم کئے گئے۔ ان میں سے ۶۲۲۲ جوابات موصول ہوئے یہ جوابات بھی تینوں زبانوں میں تھے۔

کمیشن نے پندرہ ماہ میں دو صد اور تیرہ نشستیں منعقد کیں۔ یہ اجلاس پورے پاکستان کے آٹھ شہروں ڈھاکہ، چاٹگانگ، کھلنا، راجشاہی، کراچی، کوئٹہ، لاہور اور پشاور میں ہوئے اور اس ضمن میں ۵۶۰ گواہوں کے بیانات قلمبند کئے گئے۔

کمیشن کی رپورٹ: کمیشن نے ۶ مئی ۱۹۶۱ء کو صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کو رپورٹ پیش کی۔

صدارتی کابینہ کی کمیٹی: صدر ایوب نے وزیر خارجہ منظور قادر کی سربراہی میں ۲ مئی ۱۹۶۱ء کو صدارتی کابینہ کے سات افراد پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی اسے یہ کام سونپا گیا کہ وہ

کمیشن کی سفارشات سے متعلق اپنی رائے کابینہ کو پیش کریں۔ کمیٹی کے دیگر ارکان میں وزیر اطلاعات و نشریات مسٹر حبیب الرحمن وزیر قانون مسٹر محمد ابراہیم، وزیر خزانہ مسٹر محمد شعیب، وزیر صنعت مسٹر ابوالقاسم، وزیر تعلیم مسٹر اختر حسین اور وزیر معدنی وسائل مسٹر ذوالفقار علی بھٹو شامل تھے۔

گورنروں کی کانفرنس

کابینہ کی کمیٹی کی سفارشات پر غور کرنے کے لئے ۲۹، ۳۰ اور ۳۱ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو گورنروں کی کانفرنس منعقد ہوئی۔ گورنروں کی کانفرنس کی منظوری کے بعد آئین کی ترتیب کا فیصلہ کیا گیا اور اس مقصد کے لئے ۳۱ راکتوبر ۱۹۶۱ء کو دو ماہرین (مسٹر جسٹس عبدالحمید (سیکرٹری وزارتِ قانون) اور مسٹر منظور قادر وزیر خارجہ) کا تقرر عمل میں لایا گیا۔

تقریباً ساڑھے تین سال کی محنتِ شاقہ کے بعد یکم مارچ ۱۹۶۲ء کو نیا آئین نافذ کردیا گیا۔

۱۹۶۲ء کے آئین کی بنیادی خصوصیات

۱۹۶۲ء کے آئین کے اہم پہلو حسبِ ذیل تھے۔

۱۔ تحریری آئین : یہ آئین بھی ۱۹۵۶ء کے آئین کی طرح تحریری تھا یہ بارہ حصوں ۲۵۰ دفعات اور پانچ گوشواروں پر مشتمل تھا۔ اس میں ریاست کے مختلف شعبوں کے باہمی تعلقات کا تفصیل سے ذکر کیا گیا تھا یہ ۱۲۰ صفحات پر مشتمل تھا۔

۲۔ صدارتی طرزِ حکومت : پاکستان میں پہلی بار صدارتی طرزِ حکومت کو اپنایا گیا اس کی رُو سے تمام اختیارات صدر کے پاس تھے صدر کے انتخاب کے لئے بُنیادی جمہوریتوں کا نظام رائج کیا گیا۔ ملک کے نظم ونسق کی ذمہ داری بھی صدر پر تھی۔ اُس کی کابینہ عوام کی بجائے صدر کے سامنے جواب دہ تھی۔

۳۔ بالواسطہ طریق انتخاب : ملک میں بالغ رائے دہی کی بجائے بالواسطہ طریق انتخاب کو اپنایا گیا۔ صدر، قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کا انتخاب انتخابی ادارے کے اسی ہزار ارکان کے ذریعے عمل میں لایا جاتا تھا۔

۴۔ وفاقی حکومت : پاکستان کے لئے ایک وفاق پر مشتمل نظام کو رائج کیا گیا جس کے دو بڑے صوبوں مشرقی اور مغربی پاکستان تھے۔ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے مابین اختیاراتِ حکومت کی تقسیم کی گئی تھی۔ علاقائی معاملات میں صوبائی حکومتیں آزاد تھیں۔

۵۔ یک ایوانی مقننہ : دو ایوانی مقننہ کی جگہ ایک ایوانی مقننہ کو ترجیح دی گئی اور

سے قومی اسمبلی کا نام دیا گیا۔ اس کے ارکان کی تعداد بعمہ چھ خواتین ۱۵۶ تھی اور دونوں صوبوں کو مساوی نمائندگی دی گئی تھی۔

۶۔ قومی زبانیں : اردو اور بنگلہ کو ملک کی سرکاری زبانیں قرار دیا گیا تھا، لیکن ملک میں انگریزی کو دفتری زبان کی حیثیت حاصل تھی۔

۷۔ طریق ترمیم : صدر کی اجازت سے قومی اسمبلی سے دو تہائی ارکان آئین کی کسی بھی دفعہ میں ترمیم کرنے کے مجاز تھے۔

۸۔ بنیادی حقوق : عوام کو جان و مال کے تحفظ اور نقل وحرکت، تحریر وتقریر، مذہب، تمدن، ملازمت، کاروبار کرنے کی آزادی دی گئی تھی؛ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ملکی سالمیت کو کوئی خطرہ درپیش نہ ہو اور نہ ہی کسی فرد کا فعل اخلاقی ضابطوں کے خلاف ہو۔

۹۔ دارالحکومت : اسلام آباد کو ملک کے دارالحکومت کا درجہ دیا گیا، لیکن اسلام آباد میں جب تک حکومت کے تمام دفاتر کی تعمیر مکمل نہ ہو گئی راولپنڈی کو ہی آئین کے تحت دارالحکومت کی حیثیت حاصل رہی۔

۱۰۔ پالیسی کے اصول : آئین میں ریاست کی پالیسی کے لئے راہنما اصولوں کو شامل کیا گیا تھا مثلاً اقلیتوں کے جائز حقوق کا تحفظ، مفت اور لازمی تعلیم کا انتظام، پاکستان کے پسماندہ علاقوں کے عوام کی تعلیمی اور اقتصادی ترقی کی طرف توجہ دینا اور صوبہ پرستی اور نسلی تعصبات کے جذبات کو ختم کرنا وغیرہ۔

۱۱۔ اسلامی دفعات : آئین میں مندرجہ ذیل اسلامی دفعات شامل کی گئیں۔

(۱) اقتدار اعلیٰ کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے اختیارات ایک مقدس امانت کی صورت میں عوامی نمائندوں کے ذریعے بروئے کار لائے جائیں گے۔

(۲) ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔

(۳) ملک کا کوئی بھی قانون ساز ادارہ قرآن وسنت کی تعلیمات کے خلاف قانون نہیں بنائے گا۔

(۴) ملک کے قوانین کو اسلام کی روشنی میں جانچنے اور رائج الوقت غیر اسلامی قوانین کو تبدیل کر کے ان کی جگہ اسلام کے مطابق قوانین جاری کرنے کے سلسلے میں ملک کے جید علماء قانون انتظامی امور کے ماہرین پر مشتمل ایک اسلامی مشاورتی کونسل قائم کی گئی جو صدر،

صوبائی گورنروں اور مجالس قانون ساز مشورے دینے کے علاوہ معاشرہ میں رائج غیر اسلامی افعال کی بندش کے متعلق بھی سفارشات پیش کرتی۔

(۵) پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی زندگی کو قرآن وسُنّت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے گی۔

(۶) اسلامی معاشرے کے قیام کے سلسلے میں راہنمائی کے لئے ایک تحقیقاتی ادارہ قائم کیا گیا۔

(۷) زکوٰۃ، اوقاف اور مساجد کی مناسب تنظیم کا قیام۔

انتظامیہ اور قانون ساز اسمبلی

صدارتی کابینہ کے ارکین کا تقرر قومی اسمبلی میں سے کیا جاتا تھا، لیکن بعد ازاں انہیں مستعفی ہونا پڑتا تھا کابینہ کے ارکان کو اسمبلی کی کارروائیوں میں حصہ لینے کی اجازت تو تھی لیکن وُہ اپنے ووٹ کا استعمال نہ کرسکتے تھے۔ وزراء کی مدد کے لئے اسمبلی کے ارکان میں پارلیمانی سیکرٹریوں کا تقرر عمل میں آتا تھا اور انہیں تنخواہ بھی دی جاتی تھی۔

صدر قومی اسمبلی کو برخاست کرنے کا مجاز تھا اور اسمبلی صدر کا مواخذہ کرسکتی تھی۔ اسمبلی کی برخاستگی پر صدر کو اپنا دوبارہ انتخاب کروانا پڑتا تھا۔

۱۹۶۲ء کے آئین پر چند اعتراضات

۱۹۶۲ء کے آئین پر پہلا اعتراض یہ کیا گیا کہ بیسویں صدی میں ایک شخص کا بنایا ہوا آئین فرمان تو ہوسکتا ہے مگر آئین نہیں ہوسکتا۔ یہ آئینی نکتہ انقلاب فرانس کے موقع پر طے کیا گیا تھا۔ کہ آئین صرف وُہ ہوتا ہے جو قوم اپنے نمائندوں کے ذریعے بنائے اور منظور کرے۔ آئین بنانے کا حق کسی بادشاہ، راہنما یا حاکم آمر کو نہیں پہنچتا۔

۱۹۶۲ء کے آئین کے متعلق دیگر اعتراضات یہ تھے۔

(۲) اس آئین کے تحت مشرقی اور مغربی پاکستان کے مابین متعدد غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں۔

(۳) ۱۹۶۲ء کے آئین کی بنیاد دو چیزوں پر رکھی گئی۔

(۱) بنیادی جمہوریتیں (۲) صدارتی نظام

(۴) یہ آئین غیر پارلیمانی تھا جس کی رُو سے تحریک پاکستان کے بنیادی سیاسی تصورات کی نفی ہوتی تھی اس کا نتیجہ بھی ناقابل حل تضادات کی صورت میں نکلا اور سیاسی جماعتوں کو اس کے

خلاف ملک گیر مہم چلانا پڑی۔

(۵) سیاسی جماعتوں کو کام کرنے کا موقع نہیں دیا گیا تھا۔

اسلامی مشاورتی کونسل کا قیام

یکم مارچ ۱۹۶۲ء کو ملک میں نئے آئین کا نفاذ عمل میں آیا تو اس میں اسلامی مشاورتی کونسل کے قیام کی گنجائش رکھی گئی تھی چنانچہ اس کے تحت ۳۰ جولائی ۱۹۶۲ء کو اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین اور ممبروں کا اعلان کر دیا گیا۔ ڈھاکہ ہائی کورٹ کے سابق چیف جسٹس اور سپریم کورٹ کے جج مسٹر محمد اکرم چیئرمین مقرر ہوئے۔ دیگر ارکان کے نام یہ ہیں۔ مسٹر محمد شریف سابق جج سپریم کورٹ۔ مولانا اکرم خاں مشرقی پاکستان ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، مولانا عبدالہاشم ڈھاکہ۔ مولانا عبدالحامد بدایونی۔ مولانا کفایت حسین لاہور۔

یہ کونسل قومی اسمبلی، صوبائی اسمبلی، صدر مملکت یا گورنر کو کسی مجوزہ قانون کے بارے میں مشورے دے گی کہ وہ قانون سازی کے اصولوں کے مطابق ہے یا نہیں۔ اس کی حیثیت محض ایک مشاورتی ادارے کی سی ہوگی اور اسمبلی کو یہ حق حاصل ہوگی کہ وہ اس مشورے کو قبول یا مسترد کر دے کیوں کہ فیصلہ کرنا صرف متعلقہ قانون ساز اسمبلی کی ذمہ داری ہوگی کہ آیا مجوزہ قانون، قانون سازی کے اصولوں کے مطابق ہے یا نہیں۔

کونسل کا دوسرا کام یہ ہوگا کہ وہ مرکزی اور صوبائی حکومتوں سے ایسے طریقے اور ذرائع اختیار کرنے کی سفارش کرے جن سے اسلامی اصولوں اور تصورات کے مطابق زندگی ڈھلنے میں پاکستانی مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہو۔

مارشل لاء کا خاتمہ

صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے یکم مارچ ۱۹۶۲ء کو ملک کو نیا آئین دیا اور اس کے تحت ۸ جون ۱۹۶۲ء کو مارشل لاء ختم کرنے کا اعلان کیا۔ چونکہ نئے آئین کا اعلان مارشل لاء کے دوران ہوا تھا اس لئے کسی حلقے سے بھی اس پر تنقید نہ کی گئی۔

مارشل لاء کے خاتمے کے فوراً بعد سیاسی جماعتوں کی بحالی کا اعلان کر دیا گیا اور مارشل لاء کے تحت قائم کی گئی عدالتیں ختم کر دی گئیں اور مارشل لاء کے ضابطے منسوخ کر دیئے گئے۔ صدر ایوب نے نئے آئین کے تحت حلف اٹھایا اور اپنی کابینہ کے مندرجہ ذیل اصحاب سے بھی حلف لیا۔

مسٹر محمد منیر (قانونی و پارلیمانی امور)، مسٹر محمد علی بوگرہ (امور خارجہ) مسٹر عبدالقادر (خزانہ)، مسٹر عبدالمنعم خاں (صحت) مسٹر حبیب اللہ خاں امور کشمیر و داخلہ، مسٹر وحید الزمان (تجارت

صحت)، مسٹر ذوالفقار علی بھٹو (صنعت، قدرتی وسائل) مسٹر عبدالصبور خاں (مواصلات) اور مسٹر اے کے ایم فضل القادر چودھری (تعلیم، خوراک، اور زراعت) مسٹر محمد منیر اور مسٹر عبدالقادر کے سوا تمام وزراء نے ۱۳ جون کو حلف اُٹھایا۔

عائلی قوانین کے نفاذ کا آرڈی ننس

ایک عرصہ سے تعلیم یافتہ خواتین کی جانب سے یہ مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ عائلی قوانین کا نفاذ کیا جائے اس ضمن میں ایک کمیشن کا قیام عمل میں لایا گیا کمیشن میں مولانا احتشام الحق تھانوی بھی شامل تھے انہوں نے کمیشن کی سفارشات سے اختلاف کیا اور انہیں غیر اسلامی قرار دے دیا لیکن مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ملک میں ایک مستحکم حکومت قائم ہوئی تھی اس لئے صدر ایوب نے برسراقتدار آنے کے فوراً بعد اس جانب بھی توجہ دی اور اس سلسلے میں ۲ مارچ ۱۹۶۱ء کو ایک آرڈی ننس نافذ کیا اس آرڈی ننس میں کہا گیا تھا کہ طلاق یا ایک سے زیادہ شادیوں کے لئے بنیادی جمہوری اداروں کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔ نیز نکاح کو رجسٹر کرانا ضروری قرار دیا گیا اور شادی کے وقت لڑکے کی کم از کم عمر ۱۸ سال اور لڑکی کی ۱۶ سال اور طلاق کی صورت میں عدت کی مدت نوے دن مقرر کی گئی۔ اس آرڈی ننس کے ذریعے یتیم پوتے کو بھی وراثت میں حقدار تسلیم کیا گیا۔ لیکن خواتین نے اس قانون کا خیر مقدم کیا۔ تاہم علماء کرام اور دینی شعور رکھنے والے حضرات نے اس آرڈی ننس کی شدّ و مد سے مخالفت کی اور اسے واپس لینے کا مطالبہ کیا۔

عائلی قوانین کی تنسیخ کی کوشش

چونکہ عائلی قوانین کے نفاذ کی وجہ سے اسلامی حلقوں میں کافی تشویش پائی جاتی تھی۔ اس لئے ۲ جولائی ۱۹۶۲ء کو قومی اسمبلی میں مسلم عائلی قوانین کے آرڈی ننس کی منسوخی کا بل پیش کیا گیا۔ ساٹھ ارکان نے اس کے حق میں اور ۳۶ نے اس کے خلاف ووٹ دیئے۔ اس بل کی تحریک مسٹر عباس علی نے کی تھی جنہوں نے اپنے بیان مقاصد و دلائل میں کہا کہ یہ آرڈی ننس قرآن و سنت کی منشاء کے خلاف ہے اس لئے اسے ختم کر کے ایک اچھی مثال قائم کی جائے۔

۳ جولائی کو خواتین کے سات رکنی وفد نے بیگم جی احمد کی قیادت میں قومی اسمبلی کے مختلف ارکان سے ملاقات کی اور کہا کہ اس آرڈی ننس سے عورت کے حقوق کا تحفظ ہو گیا تھا اور اسے ختم کرنا ناانصافی ہو گا۔ یہ آرڈی ننس قرآن و سنت کے اصولوں سے ہم آہنگ ہے اور اس سے نہ صرف عورت کے حقوق محفوظ ہوتے ہیں بلکہ بعض سماجی برائیوں کے

انسداد کی صورت بھی پیدا ہوتی ہے۔ وفد میں بیگم فدا حسین، بیگم منور علی، بیگم صوفی، بیگم محمدی، بیگم برلاس مسز زبیدہ خانم اور بیگم شفیع شامل تھیں۔

۴ر جولائی ۱۹۶۲ء کو صدر ایوب نے عائلی قوانین کی منسوخی کے خلاف احتجاج کرنے والی خواتین کو یقین دلایا کہ وُہ اس سلسلے میں ان کی پُوری پوری مدد کریں گے۔ انہوں نے اس ضمن میں بھی کہا کہ اگر یہ بل منظور ہوگیا تو عورتوں پر ظلم ہوگا۔ اور عائلی قوانین کے آرڈی ننس کے تحت خواتین کو بعض حقوق و اختیارات عطا کئے گئے ہیں اور مردوں پر دوسری شادی نہ کرنے کی پابندی عائد کی گئی ہے۔ قومی اسمبلی کے بعض ارکان اس کو اسلامی اور بعض غیر اسلامی قرار دے رہے ہیں۔

۵ر جولائی کو لاہور میں عائلی قوانین کے آرڈی ننس کی منسوخی کی تحریک کے خلاف مظاہرہ ہوا۔ کراچی میں بھی اس بل کی منسوخی کی تحریک پر احتجاج کیا گیا۔ صدر ایوب نے بعد ازاں اس کی غیر اسلامی دفعات کو منسوخ کرنے کا وعدہ بھی کیا۔ لیکن پھر اسے وفا نہ کیا۔

آر سی ڈی

(REGIONAL CO-OPERATION FOR DEVELOPMENT)

علاقائی تعاون برائے ترقی کے نام سے ایک سہ فریقی ادارے کا قیام اس وقت عمل میں آیا جب ایران (رضا شاہ پہلوی)، پاکستان (صدر ایوب) اور ترکی (جمال گرسل) کے سربراہانِ مملکت نے ۲۱ر جولائی ۱۹۶۴ء کو استنبول (ترکی) کے شہر میں سربراہی کانفرنس میں اپنے پندرہ کروڑ سے زائد باشندوں کے مشترکہ فائدے کے لئے ان تینوں ملکوں کے درمیان قریبی معاشرتی و اقتصادی رشتے قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔

تینوں سربراہانِ مملکت نے مشترکہ مقاصد کے منصوبے بنانے کی تجویز پیش کی۔

ادارہ کی تشکیل: آر سی ڈی کے خاص اداروں میں وزارتی کونسل۔ علاقائی منصوبہ بندی کونسل، آر سی ڈی کمیٹیاں، سیکرٹریٹ اور آر سی ڈی خصوصی ایجنسیاں یعنی کلچرل انسٹی ٹیوٹ، انشورنش سینٹر اور شپنگ سروسز شامل تھیں۔

وزارتی کونسل: یہ تینوں رُکن ممالک کے وزراء خارجہ پر مشتمل تھی وزارتی کونسل کو آر سی ڈی کے اعلیٰ ترین ادارہ کی حیثیت حاصل رہی اور اس کا اجلاس باری باری ہر رُکن ملک میں عموماً ۶ تا ۹ ماہ بعد ہوتا تھا۔

علاقائی منصوبہ بندی کونسل: یہ کونسل تینوں ملکوں کے منصوبہ بندی کے اداروں

پر مشتمل تھی جو وزارتی کونسل کو تعاون کے ہر شعبہ کے متعلق اپنی سفارشات پیش کرتی تھی۔ اس کا اجلاس بھی وزارتی کونسل کے اجلاس سے قبل ہوتا تھا۔

ارتباط کمیٹی : اس کمیٹی کے ذمہ آرسی ڈی کی مختلف کمیٹیوں کی سرگرمیوں کے درمیان ارتباط پیدا کرنا اور علاقائی منصوبہ بندی کونسل کی رپورٹوں وزارتی کونسل کے مشاہدوں اور فیصلوں اور مشترکہ اعلامیہ وغیرہ کے مسودے تیار کرنا تھا آرسی ڈی سیکرٹریٹ کے تنظیمی معاملات بھی جن میں بجٹ کی جانچ پڑتال اور تصدیق شامل تھی اس کمیٹی کے سپرد کئے جاتے تھے۔

آرسی ڈی کمیٹیاں : آرسی ڈی کے تمام امور اس کی حسب ذیل چھ خصوصی کمیٹیوں کے ذریعے انجام پاتے تھے جن کے ناموں سے ان کے کام کی نوعیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

(ل) کمیٹی برائے صنعت ومعیار بندی : یہ کمیٹی آرسی ڈی کے مشترکہ مقاصد کے منصوبوں اور دیگر تمام متعلقہ امور کے بارے میں کارروائی کرتی تھی جن میں معیار بندی اور مشترکہ منصوبوں کے قیام وعمل کے متعلق معاہدے بھی شامل تھے۔

(ب) کمیٹی برائے پٹرولیم اور پیٹروکیمیکلز : پٹرولیم اور پٹروکیمیکلز کے بارے میں تمام مسائل یہی کمیٹی طے کرتی تھی۔

(ج) کمیٹی برائے تجارت : یہ کمیٹی تجارت کو فروغ دینے اور بین علاقائی تجارت میں پیش آنے والی رکاوٹیں دور کرنے کے کاموں کی نگرانی کرتی تھی نیز مختلف النوع ادائیگیوں کی آرسی ڈی یونین اور بیمہ وغیرہ کے انتظامات کا بھی جائزہ لیتی تھی۔

(د) کمیٹی برائے نقل وحمل ومواصلات : یہ کمیٹی ہوائی نقل وحمل، جہازرانی، سڑکوں، ریلوں، ڈاک اور ٹیلی مواصلات کے امور کی نگرانی کرتی تھی۔

(ہ) کمیٹی برائے فنی تعاون ونظم ونسق عامہ : یہ کمیٹی فنی تعاون کے تمام سالانہ پروگراموں کی ذمہ دار تھی جن میں وظائف، تعلیمی سہولتیں اور مذاکرے وغیرہ بھی شامل تھے۔

(و) کمیٹی برائے معاشرتی علوم : یہ کمیٹی معاشرتی وثقافتی تعاون، اطلاعات، اور دیگر متعلقہ امور کی نگرانی کرتی تھی، ان تمام کمیٹیوں کو مخصوص معاملات پر غور وخوض کرنے کے لئے اپنی ذیلی کمیٹیاں / ماہرین کے گروپ یا اسٹڈی گروپ مقرر کرنے کا اختیار حاصل تھا کمیٹی کے اجلاس باری باری ہر ملک میں ہوتے تھے، البتہ یہ ضروری تھا کہ ہر کمیٹی کا اجلاس علاقائی منصوبہ بندی کونسل کے اجلاس سے کم از کم ایک) منعقد ہو ان تمام کمیٹیوں کی رپورٹیں غور وخوض

اور منظوری کے لئے ارتباط کمیٹی کے ذریعے علاقائی منصوبہ بندی کونسل کو پیش کی جاتی تھیں۔

آر سی ڈی سیکرٹریٹ : یہ سیکرٹریٹ مستقلاً تہران (ایران) میں تھا قاعدہ کے مطابق تینوں حکومتوں کی رضا مندی سے تین سال کی مدت کے لئے سیکرٹری جنرل کی نامزدگی عمل میں آتی تھی اس کے علاوہ قاعدہ کی رُو سے نمائندگی کی بنیاد پر ہر رُکن ملک سے ایک ڈپٹی سیکرٹری جنرل اور دو ڈائریکٹروں کا تقرر کیا جاتا تھا۔ سیکرٹریٹ کا عملہ ایک سیکرٹری جنرل، تین ڈپٹی سیکرٹری جنرلوں اور چار ڈائریکٹروں پر مشتمل تھا اس کے علاوہ معمول کے مطابق دیگر ماتحت عملہ بھی کام کرتا تھا سیکرٹریٹ کے ذمہ مقررہ وقفوں سے آر سی ڈی کے کاموں کا تجزیہ کرنا بھی شامل تھا۔ اس کے کاموں کو بہتر خطوط پر استوار کرنے کے لئے ٹھوس تجاویز پیش کرنا بھی اس کا فریضہ تھا۔

وزارتی کونسل : علاقائی منصوبہ بندی کونسل اور اس کے ذیلی اداروں کو سیکرٹریٹ کی تمام سہولتیں فراہم کرنے کی غرض سے آر سی ڈی سیکرٹریٹ کو بعض مخصوص فرائض سپرد کئے گئے اس کے کاموں میں ورکنگ پیپروں، ایجنڈوں اور دیگر دستاویزوں مثلاً اجلاس کے مسودوں اور فیصلوں کی رویداد تیار کرنا، وزارتی کونسل اور علاقائی منصوبہ بندی کونسل کے فیصلوں پر عمل درآمد کرانے کے لئے مراسلت کے ذریعے رُکن ملکوں اور دیگر اداروں سے رابطہ قائم کرنا، آر سی ڈی کی تمام خصوصی ایجنسیوں کے ساتھ جن کے لئے لازم تھا کہ وہ سیکرٹریٹ کو اپنی تمام سرگرمیوں سے آگاہ رکھیں۔ مراسلت کرنا اور رابطہ قائم رکھنا، آر سی ڈی کے اُمور کے لئے اطلاعات کی ایجنسی کے فرائض انجام دینا اور آر سی ڈی کی سرگرمیوں کے بارے میں سالانہ رپورٹ مرتب کرنا شامل تھا۔ آر سی ڈی کو عملی طور پر ۱۹۷۹ء کے انقلاب ایران پر ختم کر دیا گیا تھا۔

آر سی ڈی کی کارگزاریاں اور کارنامے :

صنعت : صنعتی میدان میں آر سی ڈی نے بڑی پیش رفت کی اور چند برسوں میں ہی بنک نوٹ اینڈ سیکیورٹی پیپرز لمیٹڈ (پاکستان)، آر سی ڈی بال بیرنگز لمیٹڈ (پاکستان) ایرانین الومنیم اینڈ کمپنی، ٹنگسٹن کاربائڈ، بورکس / بورک ایسڈ سنٹری فیوگل / اسپیشل فلٹرز، ہائی ٹنشن انسولیٹرز ٹیٹرا سائیکلین (ترکی) اور الٹرامیرین بلیو پراجیکٹ جیسی بڑی صنعتیں قائم کیں۔

پٹرولیم اور پٹرو کیمیکلز : اس میدان میں بھی ادارہ پیچھے نہ رہا اور اس نے گلیسرین پراجیکٹ (پاکستان) ڈوڈی سائل نبزین (ترکی) پولی سائرین ترکی اور کاربن بلیک (ایران) جیسے بڑے منصوبے مکمل کئے۔

تجارت : جنوری ۱۹۷۱ء میں ڈھاکہ میں رکن ممالک کے وزرا معیشت وتجارت کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ تینوں ملکوں کے اعلیٰ افسروں اور ماہروں کے ایک گروپ کی تشکیل کی جائے جو ازمیر کی سربراہی کانفرنس کی ہدایات پر موثر عمل درآمد کے لئے ٹھوس تجاویز پیش کرے ۔ ان تجاویز کی روشنی میں تینوں ممالک کے مابین تجارتی معاہدہ طے پایا۔

بیمہ : اس میدان میں رکن ممالک کی دس بیمہ کمپنیوں نے کام شروع کیا۔چنانچہ ۱۹۷۳ء تک ۴۴ کمپنیوں نے اس کی رکنیت قبول کرلی تھی۔ آر سی ڈی نے ۱۹۷۰ء میں انٹرنیشنل سکول آف انشورنش بھی قائم کیا۔

آر سی ڈی کی خصوصی ایجنسیاں

آر سی ڈی کلچرل انسٹی ٹیوٹ : اس کا صدر دفتر تہران میں قائم کیا گیا اور اسے یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وُہ تینوں ممالک کے ثقافتی ورثہ کے بارے میں باقاعدگی کے ساتھ تحقیق وتدقیق کرے اور ایسے مقالات شائع کرے جن سے اس علاقے کے لوگوں کے درمیان قدیم مشترکہ رشتوں کی عکاسی ہوتی ہو۔ نیز اس کے علاقائی دفاتر تمام رکن ممالک میں قائم کیٔے گئے۔

آر سی ڈی انشورنس سنٹر : دوبارہ بیمہ کے مشترکہ اداروں کے کاموں آر سی ڈی سے متعلق عام بیمہ کے معاملات اور دوبارہ بیمہ کے مینجمنٹ بورڈ نیز ٹیکنیکل کمیٹی کے کاموں کی نگرانی اس کے سپرد کی گئی نیز اسے اپنی سرگرمیوں کی رپورٹ شائع کرنے کا فریضہ بھی سونپا گیا۔ اس کا دفتر پاکستان میں قائم کیا گیا۔

آر سی ڈی شپنگ سروسز : اس کا صدر دفتر ترکی میں تسویکیٹے کے مقام پر قائم کیا گیا اور اسے آر سی ڈی شپنگ سروسز کے امُور کی نگرانی کا فریضہ سونپا گیا۔

آر سی ڈی ایوان تجارت کا سیکرٹریٹ : یہ سیکرٹریٹ جنوری ۱۹۷۳ء سے موجود تھا۔ لیکن وزارتی کونسل کے سولہویں اجلاس کے فیصلے کے مطابق مذکورہ تاریخ سے اس کے فرائض آر سی ڈی سیکرٹریٹ نے سنبھال لئے ۔

سیاحت : سیاحت کے میدان میں بھی ترقیاتی کام تندہی سے کئے گئے ۔ اور علاقائی بنیاد پر سفر میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو دُور کیا گیا ۔

ذرائع نقل وحمل : رکن ممالک کو باہم مربوط کرنے کے لئے آر سی ڈی شاہراہ کی

تکمیل کی گئی۔ اور ریل کے ذریعے کوئٹہ (پاکستان) اور ہمدان (ایران) کو ۱۹۶۷ء میں باہم ملا دیا گیا۔

ہوائی نقل وحمل : ہوائی نقل وحمل کو رُکن ممالک میں فروغ دینے کے لئے تینوں ممالک کی ہوائی کمپنیوں ایران ایئر، پی آئی اے اور ٹی ایچ وائی کے درمیان چند معاملات مثلاً اطلاعات واعداد وشمار کے باہمی تبادلے کے سلسلے میں اشتراک عمل کیا گیا۔ نیز ایک مشترکہ ہوائی کمپنی کے قیام کے لئے امکانات کا جائزہ لینے کے لئے مارچ ۱۹۷۴ء میں اقوام متحدہ کے ایک ماہر کو آر سی ڈی سے منسلک کیا گیا۔

جہاز رانی : آر سی ڈی شپنگ سروسز کا قیام جولائی ۱۹۶۵ء میں عمل میں آیا۔ اور تقریباً تمام بڑی جہاز راں کمپنیاں اس میں شامل ہوگئیں۔

بین علاقائی راستوں پر اس نے مئی ۱۹۶۶ء میں اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے راستوں پر اگست ۱۹۶۶ء میں جہاز چلانا شروع کر دیئے۔

ڈاک وتار : اس شعبہ میں تینوں علاقائی ملکوں کی ڈاک کی نظامتوں کے درمیان وسیع اشتراکِ عمل قائم کیا گیا جس کے ذریعے رُکن ممالک میں ڈاک وتار کی شرح میں کمی کی گئی۔

ٹیلی مواصلات : ٹیلی مواصلات کے شعبے میں تہران میں بین الاقوامی مائیکرو ویو کنٹرول سنٹر قائم کیا گیا۔ اس کے علاوہ ارتھ سٹیلائٹ سٹیشن بھی قائم کئے گئے جن میں ایک ترکی میں اور دوسرا پاکستان میں ہے۔

بین علاقائی عبوری کالوں اور ٹیلیگراف نیز ٹیلی فون کے واجبات میں رعایتی شرحوں کا تعین کیا گیا۔

فنی تعاون : اس پروگرام کے تحت اقتصادی دلچسپی کے معاملات پر مذاکروں کا اہتمام کیا گیا۔ جن سے تینوں ملکوں کے ماہروں، سائنس دانوں اور فن کاروں کو تبادلۂ خیالات کرنے اور ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اُٹھانے کا موقع ملا۔

۱۹۷۴ء تک ۱۶۰۰ ماہروں کو تربیت دی گئی تقریباً ایک ہزار کو وظائف دیئے گئے اور ۶۸ ماہروں نے رکن ملکوں کو ان کے اقتصادی پروگراموں میں مدد دی۔ آر سی ڈی کی علاقائی مشاورتی کونسل برائے سائنس وایٹمی تحقیق نے ممبر ملکوں کے درمیان تعاون کو فروغ دیا۔

ثقافتی، معاشرتی اور اطلاعاتی تعاون : آر سی ڈی کی وزارتی کونسل نے تخت جمشید (ایران) ۱۹۷۴ء میں منعقدہ اپنے اجلاس میں اس نظریے کا اعادہ کیا تھا کہ ممبر ملکوں کا

مشترکہ ثقافتی ورثہ ایک ایسی مستحکم بنیاد فراہم کرتا ہے جس پر یہ علاقائی شرکا رکار پر اپنے آئندہ تعاون کی عمارت تعمیر کر سکتے ہیں۔ سر براہان مملکت کی ہدایات کے مطابق ۱۹۶۵ء اور ۱۹۶۶ء میں ثقافتی ورثہ کے نام سے مذاکروں کا اہتمام کیا گیا۔

آرسی ڈی ثقافتی انسٹی ٹیوٹ: یہ انسٹی ٹیوٹ جون ۱۹۶۶ء میں تہران میں قائم کیا گیا۔ اس مرکز کی کوششوں سے متعدد کتابوں کی اشاعت عمل میں آئی۔

ثقافتی تبادلے: اس پروگرام کے تحت رُکن ممالک میں ثقافتی تبادلے بھی ہوئے۔

اطلاعات: رُکن ممالک کے مابین آرسی ڈی کی تازہ ترین اطلاعات فراہم کرنے کی غرض سے جنوری ۱۹۷۴ء میں ایک نیا رسالہ آرسی ڈی شائع ہونا شروع ہوا۔

سندھ طاس منصوبہ

۱۹۴۷ء میں آزادی کے فوراً بعد بھارت نے مشرقی دریاؤں ستلج، بیاس اور راوی کے پانی پر اپنے ترجیحی حق کا معاملہ شروع کر دیا اور تمام بین الاقوامی معاہدوں کے برخلاف بعض نہروں کا پانی بند کر دیا اور اس طرح مغربی پاکستان کو ان دریاؤں کے پانی کی محتاج اسی لاکھ ایکڑ اراضی کو بنجر بنانے کا خطرہ پیدا کر دیا۔ یہ واقعہ دونوں ملکوں کے درمیان پانی کے ایک بڑے تنازعے کی شکل اختیار کر گیا۔ کئی سال کے جھگڑے کے بعد یہ تنازعہ خوشگوار طریقے سے طے ہو گیا اور ۱۹ ستمبر ۱۹۶۰ء کو طاس سندھ کے پانی کی تقسیم کا فیصلہ ہو گیا۔ سمجھوتے کے تحت تینوں مشرقی دریاؤں راوی، بیاس اور ستلج کا پانی جو تین کروڑ ۳۰ لاکھ ایکڑ فٹ بنتا تھا بھارت کو دے دیا گیا۔ اور دریائے سندھ خاص اور اس کے دو معاون دریائے جہلم اور چناب کو مغربی دریا قرار دیا گیا۔

طاس سندھ کا منصوبہ طاس سندھ کے سمجھوتے کا نتیجہ تھا اور اس کا مسئلہ مغربی دریاؤں سے آبپاشی کا ایسا نظام بنانا تھا جو پاکستان کو مشرقی دریاؤں سے ملنے والے پانی کا متبادل بن سکے اس میں حسب ذیل تعمیرات شامل تھیں۔

(۱) دریائے جہلم پر منگلا ڈیم۔
(۲) دریائے سندھ پر تربیلا ڈیم۔
(۳) آٹھ دریاؤں کے مابین رابطہ نہریں۔
(۴) پانچ بیراج اور ایک سائفن۔
(۵) تین نہروں اور ہیڈ ورکس کی تعمیر۔

پاک چین سرحدی سمجھوتہ

تاریخ پاکستان میں پاک چین سمجھوتے کو بڑی اہمیت حاصل ہے کیوں کہ اس سمجھوتے کے تحت پاکستان کو کے ٹو کی پہاڑی چوٹی مل گئی تھی نیز دونوں ملکوں کے مابین ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سرحدی تنازعات کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

پس منظر: بنڈونگ کانفرنس میں طے شدہ دس اصولوں کی بنیاد پر پاکستان اور چین نے اس بات پر اتفاق کیا کہ سرحدی حد بندی کر لی جائے چنانچہ اس مقصد کے لئے عوامی جمہوریہ چین نے اپنے وزیر خارجہ مارشل چن ژی اور پاکستان نے اپنے وزیر خارجہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو بات چیت کرنے کے لئے کہا اور دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ چینی سنکیانگ اور اس سے متصل اس علاقہ کے درمیان جس کا دفاع عملاً پاکستان کے ہاتھ میں ہے پہلے کبھی کوئی باقاعدہ حد بندی نہیں ہوئی اور اب اسے طے کر لیا جائے۔ چنانچہ بات چیت کے ذریعے جو حد بندی کی گئی وہ حسب ذیل ہے۔

شمال مغرب میں اس سرے سے جہاں سے فریقین کی مشترکہ سرحد شروع ہوتی ہے اور جہاں ۵۶۳۰ میٹر اونچی ایک چوٹی ہے۔ سرحدی لائن پہلے جانب مشرق اور پھر جانب جنوب مشرق میں ایک طرف دریائے طارم کی شاخ دریائے تشکورگان اور اس میں ملنے والی چھوٹی چھوٹی ندیوں کے درمیان سے گزرتی ہے اور دوسری طرف دریائے سندھ کی شاخ میں شامل ہونے والی چھوٹی چھوٹی ندیوں سے گزرتی ہوتی درہ کلک، درہ منٹا کا، درہ خرچنائی، درہ کوٹے جلگا، اور درہ براڈپیک سے ہوتی ہوئی درہ خنجراب آ پہنچتی ہے۔

درہ خنجراب سے ہو کر سرحدی لائن جنوب مغرب میں اور پھر جنوب مشرق میں ایک طرف دریائے اگجلگا اور دریائے اوپرانگ اور کوہ اوپرانگ جلکا (کلمانسو) کے درمیان سے گزرتی ہوئی چینی نقشہ کے مطابق جنوب مشرق میں دریائے کلمانسو کو کاٹتی ہوئی دریائے کلمانسو اور دریائے کلچین کے سنگم پر پہنچتی ہے۔ اس کے بعد پاکستانی نقشہ کے مطابق سرحدی لائن شمشال دریا کے ساتھ ساتھ گزرتی ہوئی قراقرم کے سلسلہ کوہ میں داخل ہو جاتی ہے۔

یہاں سے سرحدی لائن پھر جنوب میں کچھ آگے جا کر مشرق کی جانب مڑ جاتی ہے اور قراقرم کی ان پہاڑیوں سے گزرتی ہے جو دریائے طارم اور دریائے سندھ کے درمیان حائل ہیں پھر مشرق میں درہ مزتاغ، کے ٹو، تیرام کی چوٹی کوہ گشیر برم پر سے گزرتی ہوئی درہ اندراکولی، تیرام کانگڑی کی چوٹی سے ہوتی ہوئی جنوب مشرق کے آخری سرے پر درہ قراقرم

پر پہنچ جاتی ہے۔ حد بندی لائن دریا کے وسط سے کھینچی گئی ہے۔

اس معاہدے پر ۲ مارچ ۱۹۶۳ء کو چینی وزیر خارجہ مارشل چن ژی اور پاکستانی وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے دستخط کئے۔

اس میں کہا گیا تھا کہ دونوں ملکوں کے مابین اس مسئلے پر اگر کوئی تنازعہ ہو جائے تو اسے دوستانہ ماحول میں بات چیت کے ذریعے طے کیا جائے گا۔

معاہدہ کے تحت چین ساڑھے سات سو مربع علاقہ سے دستبردار ہو گیا اور اس نے کے ٹو پر پاکستان کا قبضہ تسلیم کر لیا۔ سرحدی تنازعہ سے قبل تین ہزار چار سو مربع میل کا علاقہ متنازعہ تھا، لیکن اس سے پاکستان کو ۱۳۵۰ مربع میل اور چین کو دو ہزار پچاس مربع میل علاقہ ملا۔

سیاسی جماعتوں کی بحالی

۳۰ جون ۱۹۶۲ء کو وزیر قانون مسٹر محمد منیر نے سیاسی جماعتوں کی بحالی کا سرکاری بل قومی اسمبلی میں پیش کیا۔ ۴ جولائی کو یہ مسودہ قانون سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا۔ ۷ جولائی کو سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ شائع کر دی گئی گیارہ رکنی کمیٹی کے پانچ ارکان نے اختلافی نوٹ لکھے پانچ نے اس سے اتفاق کیا اور گیارھویں رکن سردار بہادر خاں نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ انہیں بھی ایبڈو کے تحت نااہل قرار دے دیا گیا تھا۔

۹ جولائی کو قومی اسمبلی نے سیاسی جماعتوں کی تشکیل و تنظیم کے سرکاری بل پر غور شروع کیا۔ ۱۲ جولائی کو سرکاری بنچوں نے ایک ترمیم منظور کر لی جس کے تحت امتناعی نظر بندی کے احکام کے تحت نظر بند کئے جانے والے افراد پر سے سیاسی جماعتوں میں شمولیت کی پابندی ختم ہو گئی۔

۱۴ جولائی کو قومی اسمبلی نے شدید مخالفت کے باوجود سیاسی جماعتوں کی مشروط بحالی کا بل منظور کر لیا۔ اس کے مطابق ایبڈو کے تحت نااہل قرار دیئے جانے والے سیاست دان سیاسی جماعتوں کے رکن نہیں بن سکیں گے صدر نے ۱۶ جولائی کو اس کی منظوری دے دی۔ ۴۵ ماہ کے بعد سیاسی سرگرمیوں پر سے پابندی ختم ہوتے ہی ۱۶ جولائی کو مسلم لیگ اور جماعت اسلامی کی فوری بحالی کا اعلان کر دیا گیا۔

قومی محاذ کا قیام

سیاسی جماعتوں کی بحالی کے بعد مغربی پاکستان کے سیاسی راہنماؤں نے وسیع تر قومی محاذ قائم کرنے کے بارے میں بات چیت کی اس سلسلے میں کراچی میں قومی اسمبلی کے رکن سید امیر حیدر نے ایک اجلاس طلب کیا۔ اجلاس میں مسٹر سہروردی

مسٹر ایوب کھوڑو، مسٹر زیڈ ایچ لاری، اے کے بروہی، میر غلام علی تالپور، مسٹر محمود علی، پیر الٰہی بخش، مسٹر مسیح الرحمان، مسٹر حسین شہید سہروردی، مسٹر حسین منصور، مسٹر عبدالحق، مسٹر محمود الحق عثمانی، سردار خیر بخش مری، اختر علی خاں، غلام نبی پٹھان، شیخ عبدالمجید سندھی، سیٹھ سکھ دیو اور دیگر راہنماؤں نے شرکت کی۔ قومی محاذ کے قیام کے مقاصد یہ تھے۔

(۱) وحدت مغربی پاکستان کو منسوخ کیا جائے۔

(۲) ملک کا آئین جمہوری خطوط پر استوار کیا جائے۔

(۳) سیاسی نظر بندوں کو رہا کیا جائے۔

(۴) بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر آئین ساز اسمبلی چنی جائے۔

(۵) ملک میں ۱۹۵۶ء کا آئین بحال کیا جائے۔

مخالف سیاسی جماعتوں کا صدارتی انتخاب میں حصہ لینے کا اعلان

مخالف سیاسی جماعتیں ایک عرصہ سے اس انتظار میں تھیں کہ انہیں انتخابات میں حصہ لینے کا موقع ملے جونہی صدر ایوب نے صدارتی انتخاب کا اعلان کیا تو حزب مخالف کی جماعتوں نے اپنا اُمیدوار کھڑا کرنے کے لئے کوششیں شروع کر دیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں ۲۱ تا ۲۴ جولائی ۱۹۶۴ء ڈھاکہ میں خواجہ ناظم الدین کی دعوت پر ایک اجلاس منعقد ہوا اجلاس میں کونسل مسلم لیگ کے علاوہ عوامی لیگ، نیشنل عوامی پارٹی اور کالعدم جماعت اسلامی کے رہنماؤں نے حصہ لیا۔

اجلاس کے اختتام پر اس بات کا اعادہ کیا گیا کہ مخالف سیاسی جماعتیں آئندہ صدارتی انتخابات کے لئے متفقہ طور پر صرف ایک اُمیدوار کھڑی کریں گے نیز انتخابی ادارہ صوبائی اور قومی اسمبلیوں کے انتخابات کے لئے اپنے مشترکہ اُمیدوار کھڑے کرے گا۔ انتخابات کے لئے حزب اختلاف کی جماعتوں نے نو نکات پر اتفاق کیا جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ حکومت کا وفاقی پارلیمانی ڈھانچہ قائم کرنا جس میں صوبوں کو مکمل خود مختاری حاصل ہو۔

۲۔ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے قانون سازی اور بجٹ کے سلسلے میں مکمل اختیارات۔

۳۔ آزاد نظام عدلیہ۔

۴۔ ملک کے لئے آزاد خارجہ پالیسی اختیار کرنا۔

۵۔ ملک کے دونوں بازوؤں کے درمیان اقتصادی عدم توازن ختم کرنا۔

۶۔ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے لئے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات۔

۷۔ سیاسی پارٹیوں کی سرگرمیوں پر سے پابندیوں کا خاتمہ۔

۸۔ سیاسی قیدیوں کی رہائی۔

۹۔ ایک ایسے جمہوری آئین کا حصول جس میں اقوامِ متحدہ کے منشور کے مطابق عوام کے بنیادی حقوق کی ضمانت دی گئی ہو۔

ریفرنڈم بل کی منظوری

قومی اسمبلی نے آئین کے تحت ریفرنڈم کرانے کے ضابطوں سے متعلق مسودۂ قانون ۱۹ راگست ۱۹۶۴ء کو منظور کیا اس قانون کی منظوری کا مقصد یہ تھا کہ جب قومی اسمبلی اور صدر کے درمیان کسی مسئلہ پر اختلافِ رائے ہو جائے تو ریفرنڈم کے ذریعے اختلافی مسئلہ کو حل کیا جائے۔ یہ بل چھبیس دفعات پر مشتمل تھا۔

حزبِ اختلاف نے اس بل پر کڑی تنقید کرتے ہوئے کہا کہ رائے شماری میں صرف انتخابی ادارہ کے ارکان ہی حصہ لے سکیں گے جو حکومت کے زیرِ اثر ہوں گے اور عوام کو اس حق سے یکسر محروم کرنے کی کوشش کی گئی۔

صدر ایوب کی صدارتی اُمیدوار کے طور پر نامزدگی

۱۹ راگست کو کنونشن مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ نے آئندہ صدارتی انتخاب کے لئے صدر ایوب کو اپنا اُمیدوار نامزد کیا۔

محترمہ فاطمہ جناح کی بطور صدارتی اُمیدوار نامزدگی

حزبِ مخالف کی جماعتوں نے بڑی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ محترمہ فاطمہ جناح کو صدارتی اُمیدوار کے طور پر کھڑا کیا جائے کیوں کہ تمام پاکستانیوں کو اُن سے دلی محبت ہے اور وُہ قائدِ اعظم کے بعد جس شخصیت کا سب سے زیادہ احترام کرتے ہیں وُہ محترمہ فاطمہ جناح ہی کی شخصیت ہے چنانچہ انہوں نے ۱۷ ستمبر ۱۹۶۴ء کو محترمہ فاطمہ جناح کو اپنا صدارتی اُمیدوار نامزد کر دیا۔ نامزدگی کی درخواست کے لئے خواجہ ناظم الدین۔ چودھری محمد علی۔ مولانا بھاشانی، نوابزادہ نصراللہ خاں اور شیخ مجیب الرحمٰن محترمہ کی اقامت گاہ پر گئے اور انہیں اس بات پر آمادہ کر لیا۔ ۲۰ ستمبر کو محترمہ فاطمہ جناح نے پٹیل پارک میں ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وُہ ملک میں جمہوریت کو بحال کرانے کے لئے صدارتی انتخاب لڑنے پر آمادہ ہوئی ہیں۔ کیوں کہ عوام کو تمام سیاسی حقوق سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ اسی روز حزبِ اختلاف

محترمہ فاطمہ جناح کے انتخابی پروگرام کے لئے رہبر کمیٹی کے قیام اور حکومتی پالیسیوں کے خلاف ۱۹ ستمبر کو یوم احتجاج منانے کا اعلان کیا۔

دریں اثناء ۲۵ ستمبر ۱۹۶۴ء کو سپریم کورٹ نے جماعت اسلامی پر پابندی کا حکم خلاف قانون قرار دے دیا۔ ۹ اکتوبر کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور جماعت اسلامی کے ۴۳ دوسرے راہنما رہا کر دیئے گئے۔

انتخابات کے لئے نئے الیکشن کمیشن کا قیام

آئندہ صدارتی انتخاب کے لئے صدر محمد ایوب خاں نے ۲۴ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو نیا الیکشن کمیشن قائم کیا یہ الیکشن کمیشن تین ارکان چیف الیکشن کمشنر مسٹر جی معین الدین، مشرقی پاکستان ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس ایم آر خاں اور مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے جسٹس محمد اقبال پر مشتمل تھا۔

صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کا انتخابی منشور

۲۶ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو صدر ایوب نے اپنے انتخابی منشور کا اعلان کیا جس میں صدر ایوب نے مندرجہ ذیل نکات پیش کئے۔

۱۔ ملک کے وسائل سے مکمل ترین استفادہ کیا جائے گا۔

۲۔ ملکی دولت کی وسیع ترین اور منصفانہ ترین تقسیم کی تدبیر کرنی ہوگی۔

۳۔ عام آدمی کی آمدنی میں اضافہ کے لئے ہر ممکن ذریعے سے کام لینا ہوگا تاکہ غریب اور امیر کے درمیان تفاوت کم ہو سکے۔

۴۔ ٹیکسوں کو اس طرح عائد کرنا کہ ہر ایک پر صرف منصفانہ اور متوازن بار پڑے۔

۵۔ اجارہ داریاں اور کاروباری زنجیرے ختم کئے جائیں گے۔

۶۔ مالیہ کے نظام میں معقولیت کی خاطر ایسی اصلاحات کرنی ہوں گی کہ چھوٹے زمینداروں کے ساتھ انصاف کا معاملہ ہو۔

۷۔ مشرقی پاکستان میں سیلابوں کا سدِباب کیا جائے گا اور سیلاب سے متاثر لوگوں کو دوبارہ آباد کرنے کی تمام مناسب سہولتیں دی جائیں گی۔

۸۔ مغربی پاکستان میں سیم اور تھور پر قابو پانے کی ہر تدبیر اختیار کی جائے گی اور متاثر شدہ زمین کی بحالی کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔

۹۔ عوام کی اشیائے صرف کی قیمتوں میں استحکام پیدا کیا جائے گا۔ اور جہاں تک ہو سکے گا افراطِ زر کی روک تھام کی جائے گی۔

۱۰۔ بے گھر لوگوں کو بسانے اور بہتر اقامتی سہولتوں کی بہم رسانی کے عملی اقدامات کیئے جائیں گے۔

۱۱۔ غیر ضروری افزائش نسل کا تدارک، تاکہ عوام کے بڑھتے ہوئے معیار زندگی کو نقصان نہ پہنچے۔

۱۲۔ ان کے انتظامی معاملات میں مقامی لوگوں کو شامل کرنا ہوگا اور انتظامی اُمور کی ذمّہ داری بنیادی جمہوریتوں کو بتدریج منتقل کر دی جائے گی۔

۱۳۔ دیہی تعمیراتی پروگرام کو مالی اور عملی اعتبار سے وسیع تر کیا جائے گا۔

۱۴۔ ایک ایسا مستحکم دیہی معاشرہ تشکیل دیا جائے گا جو اپنی ضروریات خود پوری کر سکے۔

۱۵۔ تیسرے پنجسالہ منصوبے کے خاکے کے مطابق ملک بھر میں زیادہ سے زیادہ تعلیمی سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔

۱۶۔ پریس کے لئے ایک ضابطۂ اخلاق تیار کیا جائے گا اور اخبارات ہی میں ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے گا۔ جس سے اخبارات خود اپنا عمل اس ضابطے کے تابع کر سکیں گے۔

۱۷۔ انتظامیہ کے ہر شعبے میں بدعنوانی، رشوت ستانی اور دُوسری خرابیوں کا قلع قمع کرنے کے لئے مزید اقدامات کئے جائیں گے اور سرکاری محکموں میں کارکردگی کو بہتر سے بہتر بنایا جائے گا۔

۱۸۔ ملک کے دونوں حصّوں کے درمیان، ہر ممکن طریقے پر مساوات کے حصول کے لئے مؤثر کارروائی کی جائے گی جیسا کہ آئین کی رُو سے لازم ہے اور اس بات کا بھی خیال رکھا جائے گا کہ مغربی پاکستان کے مختلف علاقوں کی ترقی کو ایک واحد اور ناقابل تقسیم یُونٹ کی حیثیت سے فروغ دیا جائے تاکہ ملک بھر کی ترقی توازن کے ساتھ ہو سکے۔

۱۹۔ ثقافتی ہم آہنگی اور تخلیقی فکر کی نشوونما کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔

۲۰۔ مسلم قومیت کے بنیادی مسلک کی ترویج کی جائے گی تاکہ اس مضبوط بنیاد پر دوسرے مسلم ممالک کے درمیان بخوبی اشتراکِ عمل کیا جا سکے۔

۲۱۔ آزادی کی ہر تحریک کی حمایت کی جائے گی اور ایسی قوموں اور آبادیوں کی ہر ممکن امداد

کی جائے گی جو کسی قسم کے سیاسی غلبے کا شکار ہوں۔

۲۲۔ جموں و کشمیر کے عوام کو حقِ خود اختیاری دلانے کی مسلسل جدوجہد کی جائے گی اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق جموں و کشمیر کے عوام کو حق خود اختیاری استعمال کرنے کا پورا موقع دلانے کی مسلسل کوشش کی جائے گی نیز کشمیری مجاہدین کی بھی دل سے حمایت کی جائے گی۔

۲۳ پاکستان کی اقلیتوں کو مکمل تحفظ دیا جائے گا اور ان کو مساوی مواقع مساوی حقوق اور مساوی مراعات دی جائیں گی۔

بنیادی جمہوریتوں کا انتخاب

۳۱ ر اکتوبر ۱۹۶۴ء کو مغربی پاکستان میں بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات شروع ہوئے۔

اسی طرح ۱۰ ر نومبر ۱۹۶۴ء کو مشرقی پاکستان میں بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات کا آغاز ہوا۔

صدارتی انتخابات کے نتائج

۲ ر جنوری ۱۹۶۵ء کو چیف الیکشن کمشنر مسٹر جی معین الدین نے صدارتی انتخابات کے نتائج کا اعلان کرتے ہوئے صدر ایوب خاں کو کامیاب قرار دیا۔ انتخابات میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کو ۲۱۱۷۷ ووٹ زیادہ ملے انہیں ملک کے دونوں حصّوں کے ۱۶ ڈویژنوں میں سے تیرہ ڈویژنوں میں واضح اکثریت سے ووٹ ملے کل پاکستان بُنیاد پر صدر ایوب نے ۶۵ فیصد سے زیادہ اور مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح نے ۳۴ فیصد ووٹ حاصل کئے۔ مغربی پاکستان سے صدر ایوب کو ۲۸۹۳۹ اور محترمہ فاطمہ جناح کو ۱۰۲۵۷ ووٹ ملے مغربی پاکستان میں صدر ایوب کو کم و بیش ۷۴ فیصد، اور مادرِ ملت کو ۲۶ فیصد ووٹ ملے۔ جب کہ مشرقی پاکستان میں صدر ایوب کو ۲۱۰۱۲ ووٹ (۵۳ فیصد) ملے جب کہ مادرِ ملت کو ۱۸۴۳۴ ووٹ ملے۔ مجموعی طور پر صدر ایوب کو ۴۹۹۵۱ اور محترمہ فاطمہ جناح کو ۲۸۶۹۱ ووٹ ملے۔

محترمہ فاطمہ جناح کے علاوہ صدر ایوب کے مقابلہ میں مسٹر کے ایم کمال اور میاں بشیر احمد نے بھی صدارتی انتخابات میں حصّہ لیا۔ مسٹر کے ایم کمال کو بطور مجموعی ۱۸۳ ووٹ (مشرقی ۹۳ اور مغربی پاکستان ۹۰) اور میاں بشیر احمد کو ۶۵ ووٹ (مغربی پاکستان ۵۴ اور مشرقی ۱۱) ووٹ ملے۔

متحدہ حزب اختلاف کی مرکزی رہبر کمیٹی نے ۳ ر جنوری ۱۹۶۵ء کو اعلان کیا کہ انتخابات میں دھاندلی کی گئی ہے۔ منصفانہ انتخابات کی صورت میں محترمہ فاطمہ جناح ضرور کامیاب ہو جاتیں

دیگر سیاسی راہنماؤں اور عوام نے بھی اسی قسم کے خدشات کا اظہار کیا۔

قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے قانون کا نفاذ

صدر ایوب کے صدارتی انتخابات میں کامیابی کے دن (۲ رجنوری ۱۹۶۵ء) کو قومی اور صوبائی اسمبلیوں کا قانون مجریہ ۱۹۶۴ء نافذ کر دیا گیا۔ اس قانون کے تحت چیف الیکشن کمشنر کو ملک میں اسمبلیوں کے انتخابات منعقد کرانے کے لئے احکامات جاری کئے گئے۔

۶ر جنوری کو مرکزی حکومت کے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے قواعد کا اعلان کیا گیا۔

انتخابات کا اعلان

۸ رجنوری ۱۹۶۵ء کو الیکشن کمیشن نے اعلان کیا کہ قومی اسمبلی کا انتخاب ۲۱ رمارچ اور صوبائی اسمبلیوں کا ۵ رمئی ۱۹۶۵ء کو ہوگا، لیکن بعد ازاں عوامی مطالبہ کے پیشِ نظر صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کی تاریخ میں ایک ہفتے کا اضافہ کر دیا گیا۔

قومی اسمبلی کے انتخابات

۲۱ رمارچ ۱۹۶۵ء کو پروگرام کے مطابق ملک بھر میں قومی اسمبلی کے انتخابات منعقد ہوئے۔ ۲۵ رمارچ کو ان کے نتائج کا اعلان کر دیا گیا۔ اسی طرح دونوں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ۱۳ رمئی کو منعقد ہوئے اور ۲۰ رمئی ۱۹۶۵ء کو ان کے نتائج کا اعلان کیا گیا۔

صدر ایوب کا دوسری میعاد کے لئے حلفِ وفاداری

۲۳ رمارچ ۱۹۶۵ء کو صدر ایوب نے ملک میں دوسری مرتبہ آئندہ پانچ سال کی مدت کے لئے اپنے عہدے کا حلف اُٹھایا۔ حلف جسٹس اے آر کارنیلس نے لیا۔ اس موقع پر صدر ایوب نے کہا کہ وُہ ملک کی ترقی کے لئے کام کریں گے۔ اور عوام کو چاہیئے کہ اُن کے ساتھ تعاون کریں۔

حزبِ اختلاف کی کانفرنس

۵ رفروری ۱۹۶۶ء کو لاہور میں مخالف سیاسی جماعتوں کی دو روزہ نیشنل کانفرنس شروع ہوئی۔ صدارت کونسل مسلم لیگ کے صدر سید محمد افضل نے کی۔ کانفرنس نے افتتاحی اجلاس میں سبجیکٹس کمیٹی قائم کی۔ کمیٹی نے اجلاس میں آٹھ قرار دادوں کو آخری شکل دی جن قرار دادوں کو آخری شکل دی گئی ان میں اعلان تاشقند اور طلباء پر فائرنگ کی مذمت کی گئی۔ شہری آزادیوں کی بحالی

کا مطالبہ کیا گیا اور پاک بھارت جنگ میں پاکستان کی جانباز اور فاتح فوجوں کی بے مثال بہادری پر انہیں خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔ اس اجلاس میں چاروں سیاسی پارٹیوں جماعت اسلامی۔ نظام اسلام عوامی لیگ اور کونسل مسلم لیگ کے ۷۰۴ مندوبین نے حصّہ لیا۔

۶ رفروری کو مخالف سیاسی جماعتوں نے آئندہ لائحہ عمل تیار کرنے کے لئے اعلیٰ سطح کی کمیٹی قائم کردی۔

(۱) تاشقند کا راضی نامہ عوامی رائے عامہ کے بغیر اور اس کی مرضی کے خلاف کیا گیا اور قوم اس سے قطعی طور پر بری الذمہ ہے۔

(۲) تنازعہ کشمیر کو حل کرنے کی کوئی عملی صورت طے کئے بغیر فوجیں ہٹانے کے لئے ایک تاریخ مقرر کردی گئی۔

(۳) تنازعات کو حل کرنے کے لئے قوت کو استعمال نہ کرنے کی یقین دہانی اس امر کے بغیر کردی گئی کہ بھارت صاف الفاظ میں کشمیر کو متنازعہ علاقہ تسلیم کرکے اس نزاع کو منشورِ اقوام متحدہ کے مطابق پرامن ذرائع سے حل کرنے کا اقرار کرتا۔

(۴) اس میں بھارت کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرنے کی پابندی ایسی حالت میں قبول کی گئی جب کہ بھارت تاشقند کانفرنس سے پہلے اور اس کے دوران میں کشمیر کو برابر اپنا اٹوٹ انگ اور اپنا اندرونی معاملہ قرار دیتا رہا اور آج تک دے رہا ہے۔

شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات

۵ رفروری ۱۹۶۶ء کو شیخ مجیب الرحمٰن نے لاہور میں منعقدہ مخالف جماعتوں کی نیشنل کانفرنس میں چھ نکاتی فارمولا پیش کیا منصوبہ یہ ہے۔

(۱) آئین میں حقیقی معنوں میں قرار داد لاہور کی بنیاد پر پاکستان کے ایک وفاق کا اہتمام ہونا چاہیئے۔ نظامِ حکومت پارلیمانی ہو اور براہِ راست طریق انتخاب اور عام بالغ رائے دہی کی اساس پر منتخب قانون ساز اداروں کو پوری فوقیت حاصل ہونی چاہیئے۔

(۲) وفاقی حکومت کا تعلق صرف دو امور دفاع اور امورِ خارجہ سے ہونا چاہیئے۔ باقی سب امور وفاق کی تشکیل کرنے والی ریاستوں کی تحویل میں ہونے چاہیئں۔

(۳) نظام زر (کرنسی) کے بارے میں حسبِ ذیل دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت اختیار کی جاسکتی ہے (ل) دو علیحدہ اور پوری آزادی سے قابل مبادلہ نظام ہائے زر رائج

کیے جائیں یا (ب) ملک بھر کے لئے ایک ہی نظام زر برقرار رکھا جائے۔ اس صورت میں آئین میں مؤثر طور پر ترمیم کا اہتمام کیا جائے۔ تاکہ مشرقی اور مغربی پاکستان سے سرمایہ کے فرار کو رد کا جا سکے۔ مشرقی پاکستان کے لئے علیحدہ بنکنگ ریزرو قائم کیا جائے اور علیحدہ مالی اور مالیاتی پالیسی اختیار کی جائے۔

(۴) وفاق کی تشکیل کرنے والی ریاستوں کو ہی ٹیکس وصول کرنے اور محاصل عائد کرنے کا تمام تر اختیار دیا جائے گا۔ وفاقی حکومت کو ٹیکس لگانے کا کوئی اختیار نہ ہوگا۔ البتہ اسے اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے ریاستوں کے ٹیکسوں سے حصہ ملے گا۔ مجموعی وفاقی فنڈ کے قیام کے لئے ریاستوں کے تمام ٹیکسوں پر معین اور یکساں شرح سے محصول عائد کیا جائے گا۔

(۵) خارجہ تجارت کے سلسلے میں (ا) وفاق کی تشکیل کرنے والی ہر ریاست کے لئے خارجہ تجارت کا علیحدہ حساب رکھا جائے گا۔ (ب) خارجہ تجارت سے جو زرِ مبادلہ حاصل ہوگا وہ ریاستوں کی تحویل میں رہے گا۔ (ج) وفاقی حکومت کی زرمبادلہ کی ضروریات دونوں ریاستوں کی طرف سے مساوی طور پر یا کسی متفق علیہ شرح سے پوری کی جائیں گی۔ (د) دونوں ریاستوں سے مقامی اشیاء کی کسی ٹیکس یا محصول کی پابندی کے بغیر نقل و حمل ہو سکے گی۔ (ہ) ریاستوں کو آئین کے ذریعے اس امر کا مجاز قرار دیا جائے کہ وہ دوسرے ملکوں میں اپنے اپنے تجارتی نمائندے مامور کر سکیں جو اپنی اپنی ریاست کے مفاد میں تجارتی سودا کر سکیں گے۔ آئین کے تحت ریاستوں کو نیم فوجی یا علاقائی فوجی دستے قائم کرنے اور برقرار رکھنے کی اجازت ہونی چاہیئے تاکہ وہ اپنی علاقائی سالمیت کے ساتھ آئین کے تحفظ سے بھی عہدہ برآ ہو سکیں۔

۲۲ فروری ۱۹۶۶ء کو مشرقی پاکستان عوامی لیگ کی مجلس عاملہ نے اپنے جنرل سیکرٹری شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکاتی فارمولے کی توثیق کی اور اس کی تشہیر کے لئے ایک کمیٹی تشکیل کی۔

چھ نکات پر ردِ عمل

۲۰ مارچ ۱۹۶۶ء کو ڈھاکہ میں کونسل مسلم لیگ کے اجلاس میں جو صدر ایوب کی صدارت میں ہوا، نے ایک قرار داد منظور کی یہ قرارداد وزیر اطلاعات خواجہ شہاب الدین نے پیش کی قرار داد میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ چھ نکاتی پروگرام کا مقصد قومی اتحاد کو تباہ کرنا ہے لہٰذا حکومت کو چاہیئے کہ وہ شر پسند اور مفاد پرست عناصر کی غدارانہ سرگرمیوں کا قلع قمع کرنے کے لئے مؤثر اقدامات کرے۔

مغربی پاکستان کے عوامی لیگ کے جنرل سیکرٹری خان غلام محمد خاں لوند خوڑ نے کہا

کہ اس پروگرام کے تحت دونوں صوبے متحد نہیں رہ سکتے۔ اور یہ منصوبہ شرانگیز ہے۔

مولانا مفتی محمود نے کہا کہ عوامی لیگی راہنما شیخ مجیب کا چھ نکاتی پروگرام شرانگیز ہے اور اس خطرناک منصوبے کو ختم کرنے کے لئے عوام میں اسلامی روح پیدا کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان میں مضبوط رشتہ اسلام کا ہے۔

مرکزی وزیر مواصلات عبدالصبور خاں نے کہا شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکاتی پروگرام کو عوام کی حمایت حاصل نہیں ہے۔

نیشنل عوامی پارٹی کے جنرل سیکرٹری مسٹر محمود الحق عثمانی نے کہا کہ اس پروگرام کو مشرقی پاکستان کے عوام کی قطعی حمایت حاصل نہیں اور عوام کے ذہنوں میں علیحدگی کا کوئی تصور موجود نہیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی کا قیام

۱۸ر جون ۱۹۶۶ء کو وزیرِ خارجہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو تاشقند کے مسئلے پر حکومت سے اختلاف کی بنا پر وزارتِ خارجہ سے مستعفی ہو گئے۔ چونکہ وہ عوام میں بے حد درجہ مقبول تھے اس لئے انہوں نے عوام سے پھر رابطہ قائم کرنے کے لئے اپنی نئی منزل کا تعین کرنے کے لئے ۱۶ر ستمبر ۱۹۶۷ء کو حیدرآباد میں حزب اختلاف کے ممتاز راہنما میر رسول بخش تالپور کی رہائش گاہ پر پیپلز پارٹی کے نام سے ایک نئی سیاسی جماعت کے قیام کا اعلان کیا۔

۳۰ر نومبر تا یکم دسمبر ۱۹۶۷ء لاہور میں ڈاکٹر مبشر حسن کی رہائش گاہ پر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت میں ارکان پاکستان کی سطح پر قومی کنونشن منعقد ہوا۔ اسی اجلاس میں پیپلز پارٹی کے پرچم کی منظوری دی گئی۔ اجلاس میں اس ضمن میں یہ تجویز کیا گیا کہ

۱۔ پرچم تین برابر کے عمودی حصوں پر مشتمل ہوگا۔ دستہ کے قریب سبز درمیان میں سرخ اور دوسرے سرے پر سبز رنگ ہوگا۔

۲۔ ہلال اور پانچ کونہ ستارہ سیاہ حصہ میں اور ہلال کے سرے باہر کی جانب ہوں گے۔

پیپلز پارٹی کے منشور کی بنیاد ان چار اصولوں پر رکھی گئی۔

۱۔ اسلام ہمارا دین ہے۔
۲۔ جمہوریت ہماری سیاست ہے۔
۳۔ سوشلزم ہماری معیشت ہے۔
۴۔ طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔

تحریک جمہوریت پاکستان

مئی ۱۹۶۷ء میں کونسل مسلم لیگ، عوامی لیگ، جماعتِ اسلامی اور نظامِ اسلام پارٹی کی شمولیت سے ڈھاکہ میں تحریک جمہوریت پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ تحریک جمہوریت پاکستان نے آٹھ نکاتی پروگرام کے تحت پاکستان میں جمہوریت کو بحال کرنے کا تہیہ کیا۔

پاکستان جمہوری پارٹی کا قیام

پاکستان جمہوری پارٹی کا قیام ۲۴ جون ۱۹۶۷ء کو قومی جمہوری محاذ، نظامِ اسلام، جسٹس پارٹی اور عوامی لیگ کے باہمی ادغام سے عمل میں آیا۔ نورالامین اس جماعت کے کنوینر مقرر ہوئے۔

اس کے قیام کے جو مقاصد بیان کئے گئے ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) ملک کا استحکام اور پاکستان کے ہر حصہ کے باشندوں کے اقتصادی اور سیاسی حقوق کا تحفظ، مشرقی پاکستان کے خاص مفاد کو پیشِ نظر رکھنے کا مسئلہ، وحدت مغربی پاکستان کا مسئلہ جس کا فیصلہ چھوٹی یونٹوں کے نمائندوں کے ساتھ صلاح مشورہ کرنے کے بعد کیا جائے گا۔

۲۔ زندگی کی اسلامی اور جمہوری قدریں قائم رکھی جائیں گی۔

۳۔ ملک کے افرادی اور مادی ذرائع کو زیادہ سے زیادہ مفید مقاصد کیلئے استعمال کیا جائے گا۔

۴۔ اسلامی انصاف کی قدروں اور دولت کی مساویانہ تقسیم کے اصولوں پر اقتصادی منصوبے بنائے جائیں گے۔

۵۔ ہر شہری کو روزگار اور کم سے کم ضروریاتِ زندگی کے وسائل کی ضمانت دی جائے۔ تاکہ ہر پاکستانی کو پیٹ بھرنے، تن ڈھانپنے اور سر چھپانے کے ذرائع میسر ہونے کا یقین ہو۔

۶۔ تعلیم اور طبی سہولتیں ہر شہری کے لئے ممکن الحصول بنائی جائیں۔

۷۔ طلبا کے جائز حقوق اور مطالبات پورے کئے جائیں۔

جمہوری مجلس عمل کا قیام

۸ جنوری ۱۹۶۹ء کو ملک میں منظم، بھرپور اور پُرامن عوامی تحریک چلانے کے لئے لاہور اور ڈھاکہ میں آٹھ سیاسی جماعتوں کی طرف سے ایک متحدہ محاذ جمہوری مجلس عمل کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ نئی جمہوری مجلسِ عمل نے ۱۷ جنوری سے پورے ملک میں تحریک چلانے کا اعلان کیا۔ دریں اثنا حزبِ مخالف کی ان آٹھ

جماعتوں نے اتحاد کے معاہدے پر بھی دستخط کر دیئے جس میں اس پختہ عزم کا اظہار کیا گیا تھا کہ ملک میں موجودہ غیر جمہوری حکومت کو ختم کر کے جمہوری اور عوامی حاکمیت قائم کرنے کے لئے ہر بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا جائے گا۔ اس معاہدہ پر ڈھاکہ میں شیخ مجیب الرحمن کے مکان پر دستخط ہوئے۔ جن سیاسی پارٹیوں نے اس مجلس کے قیام میں حصہ لیا ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) مسلم لیگ (کونسل)، (۲) جماعتِ اسلامی پاکستان، (۳) قومی جمہوری محاذ، (۴) عوامی لیگ۔ (۵) نظامِ اسلام، (۶) جمعیت العلمائے اسلام، (۷) نیشنل عوامی پارٹی بھاشانی گروپ (۸) اور نیشنل عوامی پارٹی ولی گروپ۔

تمام سیاسی جماعتوں نے آئندہ انتخابات کے بائیکاٹ کا اعلان کیا۔

مشترکہ اعلان چھ نکاتی عوامی لیگ کے قائمقام صدر سید نذر الاسلام نے یہ اعلان پڑھ کر سنایا اس میں کہا گیا تھا کہ

"مخالف پارٹیوں کو اس بات پر یقین ہے کہ موجودہ مطلق العنان شخصی حکومت نے ملک کے وقار کو ختم کر دیا ہے اور قومی زندگی کے ہر پہلو کو برباد کر دیا ہے خصوصاً اسلامی نظام زندگی کے قیام، جمہوریت کے احیاء، عوامی حاکمیت، بنیادی آزادیوں اور بنیادی حقوق کی بحالی سے مسلسل انکار کیا جا رہا ہے۔ مشترکہ اعلامیہ میں کہا گیا تھا کہ

(۱) پارلیمانی نظامِ حکومت قائم کیا جائے، (۲) انتخابات بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہِ راست کرائے جائیں۔ (۳) ہنگامی حالات کو فوری طور پر ختم کیا جائے اور تمام کالے قوانین خصوصاً یونیورسٹی آرڈی ننس اور کسی کو بغیر مقدمہ چلائے قید کرنے سے متعلق قوانین منسوخ کئے جائیں۔ (۴) تمام سیاسی نظر بندوں، قیدیوں، طلباء، کارکنوں، صحافیوں بشمول مسٹر ذوالفقار علی بھٹو، شیخ مجیب الرحمن اور خان عبدالولی خان کو رہا کیا جائے۔ عدالتوں اور ٹربیونلوں میں دائر کردہ تمام سیاسی مقدمات واپس لئے جائیں اور سیاسی مقدمات کے سلسلہ میں جاری ہونے والے وارنٹ منسوخ کئے جائیں۔ (۵) دفعہ ۱۴۴ کے تحت جاری ہونے والے تمام احکام واپس لئے جائیں۔ (۶) مزدوروں کی ہڑتال کا حق بحال کیا جائے۔ (۷) اخبارات پر عائد کردہ پابندیاں ختم کی جائیں نئے ڈیکلریشن دیئے جائیں۔ ضبط شدہ پریس، اخبارات، جرائد واپس کئے جائیں۔ روزنامہ اتفاق اور ہفت روزہ چٹان کے ڈیکلریشن بحال کئے جائیں۔ اور پروگریسو پیپرز لمیٹڈ لاہور کو اصل مالکوں کے حوالے کیا جائے۔ (۸) سیاسی راہنماؤں نے جمہوری حکومت کے قیام تک پُرامن اور منظم تحریک چلانے

کا اعلان کیا۔

اس اعلان پر مسٹر امیر حسین شاہ قائمقام صدر نیشنل عوامی پارٹی چودھری محمد علی نظام اسلام پارٹی، مفتی محمود سیکرٹری جنرل جمعیت العلمائے اسلام مسٹر نذر الاسلام قائمقام صدر عوامی لیگ، میاں ممتاز دولتانہ صدر پاکستان مسلم لیگ (کونسل) نوابزادہ نصراللہ خاں پاکستان عوامی لیگ، مسٹر نورالامین صدر قومی جمہوری محاذ اور میاں طفیل محمد قائمقام امیر جماعت اسلامی نے دستخط کئے یہ مجلس ۱۳ مارچ ۱۹۶۹ء کو توڑ دی گئی۔

جسٹس پارٹی کا قیام

۱۳ مارچ ۱۹۶۹ء کو پاک فضائیہ کے سابق سربراہ اور آزاد سیاست دان ائیر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خاں نے جسٹس پارٹی کے نام سے ایک نئی سیاسی جماعت کے قیام کا اعلان کیا۔

نئی سیاسی جماعت کے جو بنیادی مقاصد بیان کئے گئے وہ یہ ہیں۔ یہ نئی سیاسی تنظیم ان بنیادی مقاصد کے حصول کے لئے قائم کی گئی ہے جن کا پورا ہونا ملک کی سلامتی، خوشحالی اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے نہایت ضروری ہے۔

اقتصادیات

دوسرا پنجسالہ منصوبہ

دوسرا پنجسالہ منصوبہ یکم جولائی ۱۹۶۰ء سے ۳۰ جون ۱۹۶۵ء تک کے لئے تھا۔ اس منصوبے کے لئے ۲۳ ارب مخصوص کئے گئے جن میں سے سرکاری شعبہ میں ۱۴ ارب چھ کروڑ ۲۰ لاکھ روپے اور نجی شعبہ میں آٹھ ارب تین کروڑ اور ۸۰ لاکھ روپے کی سرمایہ کاری کا اعلان کیا گیا۔

اس منصوبے کے اہداف حسب ذیل تھے۔

۱۔ قومی آمدنی میں ۲۴ فیصد اضافہ اور فی کس آمدنی میں ۱۲ فیصد اضافہ۔
۲۔ خوراک کی مقدار میں ۲۱ فیصد اضافہ۔
۳۔ برآمدات میں تین فیصد اضافہ۔
۴۔ بڑے پیمانے کی صنعتوں کی پیداوار میں ۶۵ فیصد کا اضافہ۔
۵۔ زرِ مبادلہ کی کمائی میں دس فیصد اضافہ۔
۶۔ قومی بچتوں کی اوسط شرح میں دس فیصد کا اضافہ۔

۷۔ چھ ارب پچاس کروڑ روپے کے ضروری ترقیاتی اخراجات کا چالیس فیصد غیر ملکی حکومتوں اور دوسرے ملکوں کی نجی سرمایہ کاری سے پورا کیا جائے گا۔

اگرچہ اس منصوبے کی تکمیل کے لئے ۲۳ ارب روپے مقرر کئے گئے تھے۔ تاہم ۲۷ ارب ۴۵ کروڑ روپے خرچ ہوئے۔ حقیقی ترقی اسی منصوبے کے دوران ہوئی۔

نتائج : (۱) بچت کی شرح نفی کی آخری حد سے بڑھ کر اکیس اعشاریہ ۸ تک پہنچ گئی۔

(۲) برآمدات میں سات فیصد سالانہ اضافہ ہوا اور غیر ملکی امداد پر بھروسہ توقع سے زیادہ چھ فیصد کم کیا گیا۔

(۳) دوسرے پنجسالہ منصوبے کی مدت کے دوران قیمتوں میں اوسطاً ایک اعشاریہ پانچ فیصد کا اضافہ ہوا جبکہ اضافہ کا اندازہ دو فیصد سالانہ تھا۔

۴۔ قومی آمدنی میں ۲۴ فیصد کی بجائے ۳۰ فیصد کا اضافہ ہوا۔

۵۔ فی کس آمدنی ۱۲ فیصد کی بجائے ۱۴ فیصد ہو گئی۔

تیسرا پنجسالہ منصوبہ

تیسرے پنجسالہ منصوبے (۱۹۶۵ء - ۷۰ ۱۹ء) کے لئے ۵۲ ارب روپے (۳۰ ارب سرکاری شعبے سے اور ۲۲ ارب نجی شعبے سے) مختص کئے گئے۔ اس منصوبے کے اہم اہداف یہ تھے۔

۱۔ قومی آمدنی میں ۳۷ فیصد اضافہ

۲۔ مشرقی پاکستان کی ترقی کے لئے ۴۰ فیصد اور مغربی پاکستان میں ۳۵ فیصد کی شرح سے اضافہ۔

۳۔ ۵۵ لاکھ نئے افراد کو روزگار کی فراہمی۔

۴۔ زر مبادلہ کی کمائی ۴۸۰ کروڑ۔

۵۔ صنعتی ترقی کی رفتار میں ۱۰ فیصد سالانہ اضافہ۔

۶۔ زرعی پیداوار میں ۵ فیصد سالانہ اضافہ۔

۷۔ برآمدات سے آمدنی میں ۷،۸ فیصد اضافہ۔

۸۔ بچتوں کا ہدف پچیس فیصد اضافہ۔

۹۔ اضافہ آبادی کو روکنا۔

۱۰۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کو بہتر بنانا۔

تیسرے منصوبے پر نہایت ہی حوصلہ افزا حالات میں اور زیادہ توقعات کے ساتھ کام شروع کیا گیا تھا، لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ کیونکہ ستمبر ۱۹۶۵ء میں بھارت نے اعلانِ جنگ کیے بغیر پاکستان پر حملہ کر دیا۔ علاوہ ازیں تباہ کن اور ہولناک سیلاب اور غیر ملکی امداد میں غیر متوقع رکاوٹ نے پاکستان کو اس امر پر مجبور کر دیا کہ وُہ منصوبے پر نظر ثانی کرے۔

نتائج : (۱) قومی آمدنی میں ۳۷ فیصد کی بجائے ۳۲ فیصد اضافہ ہوا۔

(۲) صنعتی شعبہ میں دس فیصد کی بجائے سات فیصد اضافہ ہوا۔

(۳) سرکاری شعبہ میں تیس ارب کی بجائے ۲۰ ارب روپے اور نجی شعبہ میں ۲۲ ارب کی بجائے ۱۷ ارب روپے خرچ کیے گئے۔

(۴) جنگ اور سیلابوں کی وجہ سے ادائیگیوں کا توازن بگڑ گیا۔

(۵) اضافہ آبادی کو بھی نہ روکا جا سکا۔

(۶) زرعی شعبے میں پیداوار میں ۵ فیصد کی بجائے ۱ء۴ فیصد اضافہ ہوا۔

صنعتی اور اقتصادی ترقی

صدر محمد ایوب خاں نے عہدۂ صدارت سنبھالنے کے فوراً بعد ملک کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے لئے متعدد اقدامات کئے اور یہی وجہ ہے کہ اُن کا دَور پاکستان کی تاریخ میں صنعتی ترقی کا سنہری دَور کہلاتا ہے۔

صدر ایوب نے صنعتی ترقی کو فروغ دینے کے لئے جو اقدامات کئے ان میں سابقہ طریقہ کار کو تبدیل کرنے، اندرونِ ملک افراطِ زر سے چھٹکارا حاصل کرنے اور تجارت کے بگڑتے ہوئے توازن کو دُرست کرنے کے اقدامات شامل ہیں۔ نیز صنعتی پالیسیوں میں بھاری صنعتوں کے بجائے فوری ضرورت کا مال تیار کرنے والی صنعتوں کی طرف توجہ مبذول کی گئی اور خاص طور پر ایسی چیزیں تیار کرنے کی کوشش کی گئی جو مختلف مصنوعات کی تیاری میں کام آتی ہیں اسی کے ساتھ چھوٹے منصوبوں، ٹیوب ویل، چھوٹے پیمانے پر آب پاشی کے کاموں دیہات کو شہروں سے ملانے والی سڑکوں، آپ اپنی مدد کرنے کی اسکیموں اور دیہی مزدوروں کو روزگار فراہم کرنے کے منصوبوں کو زیادہ سے زیادہ توجہ کا مرکز بنایا گیا۔ علاوہ ازیں ملک میں صنعتی ترقی کی رفتار کو تیز کرنے کے لئے منگلا، وارسک، تربیلا اور سوئی گیس پاور اسٹیشن ملتان جیسے اہم منصوبے مکمل کیئے گئے۔

زرعی شعبے میں ترقی کی رفتار بڑھانے کے لئے بڑے بڑے بند تعمیر کئے گئے نیز زرعی ترقی سے وابستہ صنعتوں کے لئے بڑے بڑے کارخانے لگائے گئے۔ زرعی حالت کے بہتر ہو جانے سے ملک کی اقتصادی ترقی پر بھی اثر پڑا۔ پہلے ترقی کی رفتار پیدائش میں دو اعشاریہ چھ فیصد سالانہ اضافہ کی شرح سے صرف ایک فیصد زیادہ تھی، لیکن ۶۸ - ۱۹۶۷ء میں حیرت انگیز طور پر بڑھ کر ۳ء ۸ فیصد ہو گئی۔ پاکستان کی کامیابیوں کی یہی وُہ رفتار تھی جس کی عالمی بینک نے پاکستان کو امداد دینے والے کنسورشیم کے اس فیصلے پر مہر توثیق ثبت کردی کہ پاکستان کی ترقی پذیر معیشت اگلے سال یعنی (۱۹۶۵ء میں) پچپن کروڑ ڈالر کی امداد کو مصرف میں لانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

۶۰ - ۱۹۵۹ء کے بعد مجموعی قومی پیداوار میں کم سے کم پانچ اعشاریہ چار فیصد کے حساب سے سالانہ اضافہ ہوا۔ بچت اور برآمد سے آمدنی کی رفتار بھی اچھی رہی ۶۵-۱۹۶۴ء تک ہر پانچ سال کی مدت میں سرمایہ کاری کی رفتار دوگنی ہوتی رہی۔

بھارت کے ساتھ تعلقات

رَن کچھ کا تنازعہ اور اُس کا تصفیہ

۱۹۴۷ء میں برِصغیر کی تقسیم کے بعد رَن کچھ کا تنازعہ بھارت اور پاکستان کو ورثہ میں ملا تھا۔ آزادی سے قبل اور بعد میں بھی اس کی حدود کچھ واضح نہ تھیں کیونکہ برطانوی دورِ حکومت میں اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے کوئی سنجیدہ کوششیں نہ کی گئیں۔

پس منظر : رَن کچھ کا کل رقبہ ۸۴۰۰ مربع میل ہے اور یہ دونوں ملکوں کے درمیان متنازعہ چلا آرہا تھا۔ آزادی سے کچھ عرصہ قبل ریاست کچھ کی انتظامیہ نے حکومت سندھ سے درخواست کی کہ سندھ کچھ سرحد کو بند کیا جائے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد مرکزی حکومت نے اس تنازعہ کے حل کے لئے اپنی کوششوں کا آغاز کیا۔

لیکن بھارت نے افہام وتفہیم کے ذریعے اس مسئلے کو حل کرنے کی بجائے ۱۹۴۹ء میں یہ کہا کہ رن کچھ بھارت کا حصہ ہے اس لئے دونوں حکومتوں کے مابین کسی تنازعے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے باوجود پاکستان نے خط وکتابت کے ذریعے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوششوں کو تیز کر دیا۔ اس دوران دسمبر ۱۹۵۵ء میں بھارت کے گشتی دستوں نے چھیڑ چھاڑ

پر دھاوا بول دیا اور پاکستانی چرواہوں اور ان کے مویشیوں کو زبردستی پکڑنے کی کوشش کی اپنے اس جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے بھارت کے نائب وزیر خارجہ مسٹر اسے کے چندا نے لوک سبھا میں کہا کہ پاکستان چھڈ بیٹ میں بھارتی علاقوں کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اور حکومت بھارت اپنے علاقے کی حفاظت کے لئے ہر ممکن کارروائی کرے گی۔

۱۵ فروری ۱۹۵۶ء کو بھارت کا ایک خاصا بڑا گشتی دستہ چھڈ بیٹ میں گھس آیا جس کے نتیجے میں پاکستانی چوکی کے محافظوں اور بھارتی گشتی دستے کے مابین تصادم ہو گیا۔ پھر بھارت کی مرکزی ریزرو پولیس کے دو سو شتر سواروں نے چھڈ بیٹ پر حملہ کیا مگر منہ کی کھائی۔ ۲۴ فروری ۱۹۵۶ء کو بھارتی طیاروں نے اس علاقے پر پرواز کی اور ۲۵ فروری کو بھارت نے ایک بٹالین فوج سے حملہ کر کے چھڈ بیٹ پر قبضہ کر لیا۔ اور اس کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کیا کہ پاکستان نے زبردستی بھارتی علاقہ پر قبضہ کیا تھا۔

جنوری ۱۹۶۰ء میں مغربی پاکستان اور بھارت کی سرحد کے بارے میں وزارتی بات چیت میں کچھ کا جھگڑا بھی شامل کر لیا گیا، کانفرنس نے اعلان کیا کہ اس مسئلے پر کوئی تصفیہ نہیں ہو سکا، مگر اس سلسلہ میں مزید بات چیت ہوگی۔ ۱۹۶۵ء میں کنجر کوٹ کے علاقے میں پاکستانی دستوں کے گشت کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ جنوری ۱۹۶۵ء میں بھارت کی جارحانہ کارروائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور پھر بڑھتا ہی چلا گیا۔ ۲۴ فروری ۱۹۶۵ء کو بھارت نے اپنا ۲۱ واں انفنٹری بریگیڈ احمد آباد سے منتقل کر کے اسے رن کچھ کے علاقہ میں متعین کر دیا۔

۴ اور ۵ اپریل کی درمیانی شب کو بھارتی فوج نے شب خون مارا اور ڈنگ کی پاکستانی چوکی پر حملہ کر دیا پاکستان نے اس علاقہ میں امن کے قیام کی غرض سے دونوں ملکوں کے اعلیٰ فوجی افسروں کی ملاقات کی تجویز پیش کی مگر بھارت کی طرف سے اس کانفرنس کے انعقاد کے لئے برابر روڑے اٹکائے گئے۔ ۸ اپریل کو بھارتی فوج نے پھر ڈنگ کی چوکی پر بھرپور حملہ کیا۔ پاکستان کے جیالے فوجیوں نے اسے بھی پسپا کر دیا اس کے نتیجے میں دونوں ملکوں کے درمیان جھڑپیں شروع ہو گئیں پاکستان نے ۹ اپریل ۱۹۶۵ء کو جنگ بندی کے لئے چند تجاویز پیش کیں، لیکن بھارت نے یہ اعلان کیا کہ پاکستان فوراً کنجر کوٹ کی چوکی بھارت کے حوالے کر دے ورنہ نتائج کے لئے تیار ہو جائے۔ ۲۱ اپریل کو پاکستان نے پھر جنگ بندی کی تجویز پیش کی اور کہا کہ دونوں ملکوں کی فوجیں رن کچھ کے متنازعہ علاقوں سے ہٹالی جائیں، لیکن ۲۴ اپریل کو بھارت نے یہ تجویز مسترد کر دی اور

اس کے ساتھ ہی اس علاقہ میں مزید فوج اُتار دی اور ۵۱ ویں بھارتی پیراشوٹ بریگیڈ نے بیار بیٹ کی بھارتی چوکی کے قریب پاکستان کے مسلح دستوں پر حملہ کر دیا اس کے بعد لڑائی میں بھارت کی فوج کو بیار بیٹ اور متنازعہ علاقوں میں کئی اور مقامات سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ چند روز کے بعد برطانوی وزیر اعظم ہیرالڈ ولسن نے دونوں حکومتوں کے مابین مفاہمت کرانے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں چنانچہ فریقین نے برطانوی وزیر اعظم کی تجویزوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ۳۰ رجون ۱۹۶۵ء کو ایک سمجھوتے پر دستخط کئے جس میں کہا گیا تھا کہ

(۱) یکم جولائی ۱۹۶۵ء سے فوری طور پر فائر بندی کی جائے۔

(۲) دونوں ملکوں کی فوجوں کو ان مقامات تک واپس بلا لیا جائے جہاں وہ ۳۱ ردسمبر کو تھیں۔

(۳) تنازعہ طے کرنے کے لئے دونوں ملکوں کے مابین وزارتی سطح پر بات چیت کی جائے۔

(۴) اگر یکم ستمبر ۱۹۶۵ء تک دونوں ملکوں کی وزارتی کانفرنس اس تنازعہ کو حل نہ کر سکی تو پھر اس کا فیصلہ کرنے کے لئے تین ارکان پر مشتمل بین الاقوامی ٹریبونل قائم کیا جائے گا۔

(۵) ٹریبونل کا فیصلہ قطعی اور آخری ہوگا دونوں فریق اس کے پابند ہوں گے۔

۳۰ رجون ۱۹۶۵ء کے اس سمجھوتے میں کنجر کوٹ کے علاقے میں پاکستان کی طرف سے گشت کے حق کو تسلیم کر لیا گیا جس سے یہ پتہ چلا کہ بھارت کا دعویٰ بے بنیاد تھا۔ اس کے بعد وزارتی کانفرنس کے انعقاد کے سلسلے میں بات چیت ہوئی، لیکن یہ ناکام ہو گئی۔ بالآخر ۱۹۶۵ء میں ایک بین الاقوامی ٹریبونل قائم کیا گیا اس کے صدر سویڈن کے جج گونار لیگرگرین اور ممبر ایران کے مسٹر نصر اللہ انتظام (پاکستانی نمائندے) اور یوگوسلاویہ کے ایلس ببلر (بھارتی نمائندے) تھے۔ صدر کو اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے نامزد کیا تھا۔

۱۹۶۶ء میں فریقین نے اپنے تحریری بیانات داخل کئے اور ستمبر ۱۹۶۶ء سے جولائی ۱۹۶۷ء تک جنیوا میں ایک سو سترہ اجلاسوں میں ۱۸۰۰۰ صفحات پر مشتمل زبانی شہادتیں قلمبند ہوئیں جب کہ دونوں حکومتوں کے نمائندوں کے تحریری بیانات پچاس ہزار صفحات پر محیط تھے۔

۱۹ رفروری ۱۹۶۸ء کو جنیوا میں فیصلے کا اعلان کر دیا گیا جس کے تحت چھڈ بیٹ، کنجر کوٹ اور رن کچھ کے کئی دیگر علاقے پاکستان کے حوالے کرنے کا اعلان کیا گیا۔ اس طرح پاکستان کو رن کچھ کے شمالی حصہ میں تقریباً ۳۵۰ مربع میل کا علاقہ ملا حالانکہ پاکستان نے تقریباً ساڑھے تین ہزار مربع میل پر اپنا دعوے دائر کیا تھا۔ ۱۸ راپریل ۱۹۶۹ء کو حد بندی ہوئی اور ۵ رجولائی ۱۹۶۹ء

کورٹ بونل کے فیصلے کے تحت دونوں ملکوں کے علاقوں کا تبادلہ کیا۔ اور اس طرح یہ جھگڑا اختتام کو پہنچا۔

پاک بھارت جنگ

پاک بھارت جنگ عہدِ ایوبی کا ایک اہم ترین اور ناقابل فراموش واقعہ ہے۔ اس کی ابتدا اُس وقت ہوئی جب ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو بھارت نے بغیر اعلان جنگ کئے پاکستان پر حملہ کر دیا اور پھر سترہ روز تک دونوں ملکوں کے مابین معرکہ آرائی ہوتی رہی اس دوران مسلح افواج کے جوانوں نے بے شمار رُوح پرور کارنامے انجام دیئے جن کی مثال تاریخِ عالم میں نہیں ملتی۔

اِن سترہ دنوں کے دوران میں ہر سپاہی کی آنکھ میں چمک اور رُوح میں ایک تڑپ تھی وُہ عقاب کی مانند جھپٹتا اور بجلی کی مانند کوندتا رہا۔ الغرض عساکر پاکستان کے شجاعت اور پامردی کے کارنامے اور ساتھ ساتھ پاکستانی عوام کی دلیری اور استقلال کے مظاہر اور ان سے بڑھ کر شہیدوں کی بے مثل قربانیاں یہ سب سرفروشی کی ولولہ انگیز داستانیں ہیں جو شہیدوں کے لہو اور غازیوں کے کارناموں سے رقم ہیں۔ داخلی محاذ پر شہری دفاع کے رضاکاروں نے گرانقدر خدمات انجام دیں اور وہ دن کے اُجالے اور رات کی تاریکی میں سرگرم عمل پائے گئے۔

جنگ کا پس منظر: رَن کچھ میں عبرتناک شکست کھانے کے بعد بھارتی وزیراعظم نے اعلان کیا تھا کہ بھارت اب اپنی مرضی کا محاذ کھولے گا اُن کا اشارہ پاکستان اور بھارت کے مابین کشمیر میں جنگ کرنے اور پاکستانی سرحدوں کی خلاف ورزی کی طرف تھا۔ چنانچہ اُن کے عزائم کو ناکام بنانے کے لئے ۸ راگست ۱۹۶۵ء کو آزاد کشمیر ریڈیو نے اعلان کیا کہ ایک پُراسرار ریڈیو صدائے کشمیر کی نشریات سنی گئی ہیں ان میں کہا گیا ہے کہ مقبوضہ کشمیر کے عوام نے انقلابی کونسل قائم کرلی ہے اور بھارت کے ساتھ تمام نام نہاد معاہدے ختم کر کے جنگ آزادی کا آغاز کر دیا گیا ہے۔

۹ راگست کو صدائے کشمیر ریڈیو نے اعلان کیا کہ بھارت کی قائم کردہ کٹھ پتلی حکومت کے ساتھ تعاون کرنے والے غداروں کو سخت سزائیں دی جائیں گی۔ ۱۰ راگست کو کشمیری مجاہدین نے سرینگر اور پُونچھ کا محاصرہ کر کے جنگ آزادی شروع کی۔ تو بھارتی حکومت نے مقبوضہ کشمیر میں ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا؛ حالانکہ بھارت نے ٹیٹوال اور درہ حاجی پیر ۱۷ رمئی ۱۹۶۵ء کو قبضہ کر لیا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ دفاعی اہمیت کی ان چوکیوں سے مجاہدین کے حملوں کو ناکام بنایا جائے تاکہ مجاہدین پورے مقبوضہ کشمیر پر قابض نہ ہو جائیں۔

بھارت نے ۲۰ راگست کو آزاد کشمیر پر حملہ کر دیا اور پھر ۲۴ راگست کو بھارتی فوج نے مجاہدین کے تابڑ توڑ حملوں سے گھبرا کر ضلع گجرات کے ایک سرحدی گاؤں اعوان شریف پر بھی گولہ باری کی جس سے پچیس افراد شہید اور پندرہ زخمی ہوئے نیز بہت سے مویشیوں اور ایک مسجد کو بھی نقصان پہنچا۔

دریں اثنا پاکستان نے کارگل کی چوکیوں پر بھارت کے ناجائز قبضہ کے خلاف ۱۷ راگست ۱۹۶۵ء کو اقوام متحدہ سے احتجاج کیا۔

کشمیری مجاہدین نے ۳۱ راگست ۱۹۶۵ء تک مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوجوں، املاک، سفری تعمیرات اور دفاعی اہمیت کی چوکیوں کو شدید نقصان پہنچایا تھا۔

صدر ایوب نے اپنی ماہانہ نشری تقریر میں یکم ستمبر کو کہا کہ جنگ میں پہل بھارت نے کی ہے اس لئے نتائج کی ساری ذمہ داری بھی اسی پر ہوگی۔ چنانچہ یکم ستمبر ۱۹۶۵ء کو آزاد کشمیر اور اعوان شریف پر بھارتی حملے کا بدلہ لینے کے لئے آزاد کشمیر کی فوجوں نے پاکستانی فوج کی مدد سے چھمب کے علاقے پر جوابی حملہ کیا اور آن واحد میں مقبوضہ کشمیر کے اہم دیہات چھمب اور دیوا پر قبضہ کر لیا۔ بھارت نے جنگ میں فضائیہ کو بھی جھونک دیا۔ پاک فضائیہ کے طیاروں نے جوابی کارروائی کر کے چار بھارتی طیارے مار گرائے۔ ۴ ستمبر کو پاکستانی اور آزاد کشمیر کی افواج نے دریائے توی عبور کر کے جوڑیاں پر قبضہ کر لیا اور ۵ ستمبر کو اکھنور کی جانب پیش قدمی شروع کر دی اس طرح پانچ روزہ جنگ میں پاکستان اور آزاد کشمیر کی فوجیں جنگ بندی لائن سے بیس میل اندر تک پہنچ گئیں۔

۵ ستمبر ۱۹۶۵ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے کشمیر میں جنگ بند کرنے سے متعلق ایک قرارداد منظور کی یہ قرارداد ملائشیا کے نمائندے نے پیش کی اور اس کی تائید میں بولیویا، آئیوری کوسٹ، اردن، ہالینڈ اور یوروگوئے نے ووٹ دیا اقوام متحدہ میں پاکستان کے نمائندے مسٹر امجد علی نے احتجاج کیا کہ قرارداد میں کہیں بھی کشمیر میں رائے شماری کرانے کا ذکر نہیں کیا گیا۔

سترہ روزہ جنگ کے واقعات

کشمیر میں پے در پے شکستوں کے بعد بھارتی فوج نے نہایت عیاری سے اعلان جنگ کئے بغیر تین اطراف سے لاہور پر حملہ کر دیا بھارتی حکمرانوں کا خیال تھا کہ وہ صرف ۲۷ گھنٹوں کے اندر اندر پورے مغربی پاکستان پر قبضہ کرلیں گے حتیٰ کہ بھارتی وزیر اعظم نے پارلیمنٹ میں یہاں تک کہہ

دیا تھا کہ "ابھی تھوڑی دیر میں آپ ایک بہت بڑی خوش خبری سنیں گے۔ اسی طرح بھارتی افواج کے کمانڈر انچیف نے کہا کہ وُہ دوپہر کو جمخانہ کلب کی عمارت میں شراب نوشی کی محفل گرم کرینگے۔

ادھر بی بی سی نے بھی رات کو اعلان کر دیا کہ لاہور بھارتی افواج کے قبضے میں ہے خبروں کے اگلے نشریے میں بی بی سی کو نہایت شرمندگی کے ساتھ یہ اعلان کرنا پڑا کہ یہ خبر غلط تھی۔

صدرِ پاکستان نے بھارت کے اچانک حملے کے پیشِ نظر ملک میں ہنگامی حالت کے نفاذ کا اعلان کیا اور قوم کے نام اپنے خطاب میں کہا کہ

میرے عزیز ہموطنو: دس کروڑ پاکستانی شہریوں کے لئے آزمائش کی گھڑی آپہنچی ہے آج صبح لاہور کے محاذ پر بھارتی فوجوں نے پاکستانی علاقے پر حملہ کیا انہوں نے بڑے ہی بزدلانہ طریقے سے وزیر آباد میں کھڑی ہوئی ایک مسافر گاڑی پر طیاروں سے گولیاں برسائیں یہ بھارت کی ان جارحانہ سرگرمیوں کے سلسلے کی ایک سنگین کڑی ہے جن میں وُہ گزشتہ پانچ ماہ سے مصروف ہے یہ سلسلہ مئی میں بھارت کی جانب سے حد متارکہ جنگ کی خلاف ورزی اور کارگل سیکٹر میں ہماری تین چوکیوں پر بھارت کے قبضہ کرنے سے شروع ہوا تھا اقوام متحدہ کی مداخلت پر بھارت نے عارضی طور پر ان چوکیوں کو خالی کر دیا، لیکن اگست میں ان پر دوبارہ قبضہ کر لیا اس جارحانہ حملے کے دوران بھارتی فوج ٹیٹوال سیکٹر میں پاکستان کی چوکیوں پر قبضہ کرنے کے بڑی اور پوری قوت کے ساتھ اوڑی پونچھ کے علاقے میں پیش قدمی کی۔

اس نے خط متارکہ جنگ پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ پاکستان میں موضع اعوان شریف پر بھی بمباری کی یہ بات واضح ہے کہ ہم نے بھارت کی تمام تر اشتعال انگیزی کے باوجود جو ضبط سے کام لیا ہے اسے بھارت نے غلط سمجھا ہے۔ بھارتی حملے کو روکنے کے لئے آزاد کشمیر کی فوجوں کو بھمبر سیکٹر میں پیش قدمی کرنی پڑی۔ بھارت نے اپنی فضائیہ جنگ میں جھونک دی اور اس طرح ایک سنگین بحران پیدا کر دیا۔ . . . .

وقت آگیا ہے کہ ہم انہیں دندان شکن جواب دیں جو سامراجیت میں بھارت کی مہم جوئی کو ختم کر دے گا۔ دشمن کا پہلا مقابلہ کرنے کے لئے لاہور کے جن بہادر لوگوں کو منتخب کیا گیا ہے تاریخ میں انہیں ان بہادروں کا مقام حاصل ہوگا جنہوں نے دشمن کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکی۔

پاکستان کے دس کروڑ عوام جن کے دل لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی

آواز پر دھڑکتے ہیں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک بھارت کی توپیں ہمیشہ کے لئے خاموش نہیں ہو جاتیں۔ بھارتی حکمرانوں کو یہ پتہ نہیں کہ انہوں نے کس قوم کو للکارا ہے۔

صدر نے کہا کہ تیار ہو جاؤ ضرب لگانے کے لئے کاری ضربیں لگانے کے لئے کیوں کہ جس بلا نے تمہاری سرحدوں پر اپنا سایہ ڈالا ہے اس کی تباہی یقینی ہے۔ باضابطہ جنگ شروع ہونے پر صدر ایوب نے کہا کہ مردانہ وار آگے بڑھو اور دشمن پر ٹوٹ پڑو خدا تمہارا حامی و ناصر ہو پاکستان پائندہ باد۔

حزبِ اختلاف کے راہنماؤں نے اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے پاکستانی عوام سے یکجہتی اور ملکی سلامتی کے لئے متحد ہونے کی تلقین کی۔ اور صدرِ مملکت سے ملاقات کی اور انہیں اپنی مکمل حمایت اور اعانت کا یقین دلایا۔

مولانا مودودی نے پاکستانی عوام سے اپیل کی کہ پاکستان کو دارالسلام کی حیثیت حاصل ہے اور اس کا دفاع بلاشبہ جہاد ہے اور ہر مسلمان پر فرض ہے کہ خون کا آخری قطرہ بہہ جانے تک پاکستان کی ایک انچ زمین پر بھی دشمن کے قدم نہ بڑھنے دے۔

محترمہ فاطمہ جناح نے کہا کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ پاکستان کی حدود کی خلاف ورزی کرنے والے جارحیت پسندوں کو دندان شکن جواب دے۔ پاکستان ہمیشہ رہنے کے لئے قائم ہوا ہے اور اس کے دشمنوں کے منصوبے کبھی کامیاب نہ ہوں گے آج ہم پر جنگ ٹھونس دی گئی ہے ہمارے ملک پر ہوائی حملے بھی شروع کر دیئے گئے ہیں لیکن میرا یہ پختہ ایمان ہے کہ مسلمان مشکلات سے گزر کر اور زیادہ عروج حاصل کرتے ہیں۔

ازاں بعد بھارت نے جنگ کا دائرہ کار رکھیم کرن، سیالکوٹ، راجستھان سیکٹروں تک بڑھا دیا۔ چونڈہ میں دُنیا کی دوسری بڑی ٹینکوں کی جنگ لڑی گئی اس دوران میں بحریہ نے بھی اہم کردار ادا کیا۔

لاہور سیکٹر (واہگہ اور برکی محاذ)

صدر پاکستان فیلڈ مارشل لاء محمد ایوب خاں کے اس اعلان کہ "تیار ہو جاؤ ضرب لگانے کے لئے کاری ضربیں لگانے کے لئے" پر پاکستانی مسلح افواج دشمن پر ٹوٹ پڑیں اور پہلے ہی روز کی جنگ میں دشمن کے سینکڑوں سپاہیوں کو نہ صرف تہہ و تیغ کیا بلکہ نہر کا پل توڑ کر دشمن کی پیش قدمی کو بھی روک دیا اور ہڈیارہ سے پیچھے ہٹا دیا؛ چنانچہ دشمن نے سٹپٹا کر اپنی فضائیہ کو بھی جنگ میں جھونک

دیا پاک فضائیہ نے جوابی کارروائی کرکے دشمن کے ۲۲ جہاز مار گرائے۔

۷ستمبر کو بھارتی فوجوں نے لاہور کے قریب مزید دو حملے کئے اور مُنہ کی کھائی۔ ۱۲ ستمبر کو لاہور سیکٹر میں پھر بھارت نے حملہ کیا، لیکن ناکام رہا۔ ۱۵ ستمبر کو لاہور کے محاذ سے ایک بھارتی جرنیل کی ڈائری ملی جس میں سنسنی خیز انکشافات کیئے گئے تھے۔ ۲۰ ستمبر کو لاہور پر فضائی جنگ میں بھارت کے دو طیارے بھی مارے گئے۔ لاہور ہی کے محاذ پہ میجر عزیز بھٹی نے ۹ اور ۱۰ ستمبر کی درمیانی رات کو جامِ شہادت نوش کیا اور ملک کا سب سے بڑا فوجی اعزاز نشانِ حیدر حاصل کیا۔

چونڈہ سیکٹر

۸ستمبر کو بھارتی فوجوں نے جنگ کا دائرہ وسیع کرنے کے لیئے چونڈہ پر چوروں کی طرح حملہ کر دیا، لیکن پاکستانی فوج کے جیالوں نے ۲۱ بھارتی ٹینک تباہ کر دیئے۔ اور میدانی توپوں اور متعدد ٹینکوں پر قبضہ کر لیا۔ ۹ستمبر کو دشمن نے اپنی طاقت کو پھر مجتمع کیا اور چونڈہ کے ۳۱ میل لمبے محاذ پر حملہ کر دیا۔ پاکستانی فوج نے نہ صرف دشمن کے دس ٹینک تباہ کر دیئے بلکہ اسلحہ اور گولہ بارود کے ذخیرے پر بھی قبضہ کر لیا۔

۱۰ستمبر کو بھارتی طیاروں نے انتہائی بُزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہریوں پر گولہ باری کی جس سے دس افراد شہید اور اٹھائیس زخمی ہوئے۔ تقریباً ڈیڑھ سو دکانیں اور عمارتیں تباہ ہوگئیں۔ دشمن چونڈہ کے میدان میں چھ سو ٹینک لے آیا لیکن اس کے مقابلے میں ڈیڑھ سو ٹینکوں سے نہ صرف پاک فوج نے بھارت کا حملہ رد کیا بلکہ ۳۶ بھارتی ٹینک بھی تباہ کر دیئے۔ ازاں بعد بھی بھارت کے مزید ٹینک تباہ کیئے گئے۔ جنگی ماہرین نے اس لڑائی (۱۲ستمبر) کو دُنیا کی دُوسری بڑی ٹینکوں کی لڑائی قرار دیا۔ کیونکہ اس میں دشمن کے ۴۵ ٹینک تباہ ہوئے۔ ۴ طیاروں کو نقصان پہنچایا گیا اور تین ٹینکوں پر قبضہ کیا گیا۔ دشمن کا چونڈہ پر حملے کا مقصد یہ تھا کہ چونڈہ کے راستے پسرور، ڈسکہ اور گوجرانوالہ کو فتح کرکے جی ٹی روڈ کاٹ کر لاہور کی جانب پیش قدمی کی جائے اور اگر سیالکوٹ کی جانب سے کوئی مزاحمت ہو تو اُسے بھی صاف کر دیا جائے۔

اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دشمن جھانسی سے فرسٹ آرمرڈ ڈویژن (جسے فخرِ ہند کہا جاتا تھا) بھی لے آیا۔ لیکن بھارت پھر بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ صدر ایوب نے چونڈہ کی جنگ کا ذکر ان الفاظ میں کیا تھا۔

سیالکوٹ میں ٹینکوں کی سب سے بڑی جنگ دُنیا کو ہمیشہ یاد رہے گی۔ اس سے دشمن کی طاقت بالکل مفلوج ہو کر رہ گئی۔

کھیم کرن سیکٹر

جب بھارت کو لاہور اور چونڈہ سیکٹروں پر بُری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا تو اس نے کھیم کرن کا محاذ بھی کھول دیا۔ یہاں بھارت کے دو ڈویژن فوج کا مقابلہ پاکستان کی صرف ایک کمپنی سے ہوا، لیکن صرف ایک کمپنی نے بھارتی فوج کے حملے کو اس وقت روکنے میں اہم کردار ادا کیا جب تک کہ مزید کمک نہ پہنچ گئی۔

چنانچہ پاکستانی افواج بھارتی افواج کو روندتی ہوئی کھیم کرن کی طرف بڑھنے لگیں اور ۱۱ ستمبر ۱۹۶۵ء کو اس پر نہ صرف قبضہ کر لیا بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ گئیں۔ بھارت نے ۱۲ ستمبر کو کھیم کرن حاصل کرنے کے لئے تابڑ توڑ حملے کئے لیکن جنگ بندی تک اسے کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی اور کھیم کرن ایک دُوسرے کے علاقوں سے فوجوں کی واپسی تک پاکستان کے قبضے میں رہا۔

راجستھان سیکٹر

بھارتی فوجوں نے جب لاہور، سیالکوٹ اور کھیم کرن سیکٹروں میں کامیابی حاصل نہ کیں تو حیدرآباد ڈویژن کے علاقہ میں ۸ ستمبر کو گڈرو میں پاکستانی سرحدی پولیس سے دو چوکیاں ہتھیا کر نیا محاذ کھول دیا۔ پاک فوج نے نہ صرف دشمن سے اپنی چوکیاں واگزار کرالیں بلکہ ۱۲ ستمبر کو مونا باؤ ریلوے اسٹیشن پر بھی قبضہ کر لیا۔ ۱۹ ستمبر کو پاک فوج نے دشمن کی ایک چوکی اور ایک ٹینک تباہ کر دیا۔ ۲۲ ستمبر کو پاک فوج نے راجستھان سیکٹر میں بھارت کی مزید چوکیوں پر قبضہ کر لیا اور یہ علاقے جنگ بندی تک بدستور پاکستان کے قبضے میں رہے۔

پاک بحریہ کا کردار دوارکا کی تباہی

جنگ ستمبر کے ابتدائی ایام میں دوارکا کے ہوائی اڈے سے کراچی پر بمباری کرنے والے بھارتی طیاروں کی راہنمائی کی جاتی تھی۔ چنانچہ پاک بحریہ نے دشمن کے طیاروں کی جانب سے کراچی پر دو مرتبہ بمباری کی ناکام کوششوں کے بعد دُشمن کی اس بیرونی چوکی کو خاموش کرنے کا فیصلہ کیا۔

دوارکا کراچی سے دوسو دس میل کی دُوری پر کچھ کے اُبھار کے عین سامنے واقع ہے۔ بھارت کی فوجی منصوبہ بندی اور کارروائیوں میں اسے سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ کیونکہ یہیں بھارت کا طاقت ور ترین راڈار اسٹیشن قائم تھا۔

سات اور آٹھ ستمبر کی درمیانی رات کو پاک بحریہ کے دستے دوارکا کی طرف روانہ ہوئے آدھی رات کے بعد پاک بحریہ کے جہازوں نے دوارکا کی بندرگاہ پر گولہ باری شروع کر دی۔ گولہ باری اُس وقت ختم ہوئی جب دُشمن کی ساحلی توپوں کے دہانے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیئے گئے اور راڈار اسٹیشن کی تمام تنصیبات پیوند زمین ہوگئیں پاکستانی بحریہ

کے جنگی جہاز اپنا فرض انجام دینے کے بعد وطن کی طرف بڑھنے لگے تو ان پر دشمن کے طیاروں نے حملہ کر دیا؛ چنانچہ پاکستان کی بحریہ کی توپوں نے تابڑ توڑ گولے برسا کر بھارت کے تین طیارے مار گرائے۔

۲۲ ستمبر کو پھر بھارتی بحریہ نے کھلے سمندر میں پاکستانی بحریہ کے ایک یونٹ پر حملہ کیا مگر پاک بحریہ کے جانباز یونٹ آبدوز غازی نے کامیابی کے ساتھ دشمن پر جوابی حملہ کیا اس حملہ میں دشمن کا ایک جنگی جہاز غرق کر دیا گیا اس جہاز کی مالیت چھ کروڑ روپے تھی۔ پاک بحریہ کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچا۔

پاک فضائیہ کا کردار

پاکستان کی بری اور بحری فوج کے ساتھ ساتھ پاک فضائیہ نے بھی جنگ میں اہم کردار ادا کیا۔ اور پہلے ہی روز کی فضائی جنگ میں دشمن کے بائیس جہاز مار گرائے۔ ۶ ستمبر ہی کو سکوارڈن لیڈر رفیقی ہلواڑہ کو نشانہ بناتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ۷ ستمبر کو بھارت نے اپنی پوری فضائی قوت کو جنگ میں جھونک دیا۔ چھ مسیٹر طیاروں نے سرگودھا پر ہلہ بول دیا جن میں سے چار کو مار گرایا گیا۔ اسی روز سرگودھا پر پھر حملہ ہوا تو سکوارڈن لیڈر ایم ایم عالم کی قیادت میں پانچ ہنٹر طیاروں کو مار گرایا گیا۔

۷ ستمبر کو ہی پاک فضائیہ کے طیاروں نے سری نگر، جام نگر اور مشرقی پاکستان کی سرحد کے آس پاس بھارتی ہوائی اڈوں پر متعدد حملے کئے۔

۸ ستمبر کو پاک فضائیہ نے ہلواڑہ، آدم پور اور جودھپور کے ہوائی اڈوں کو نقصان پہنچایا۔ ۱۰ ستمبر کو ہلواڑہ، آدم پور جودھپور، پٹھانکوٹ اور جام نگر کے ہوائی اڈوں کو نقصان پہنچایا۔ ۱۱ ستمبر کو پاک فضائیہ نے امرتسر ریڈار اسٹیشن پر حملہ کیا۔ اس مشن میں سکوارڈن لیڈر منیر احمد ایک زمینی گولے کے لگنے سے شہید ہو گئے۔

۱۸ ستمبر کو پاک فضائیہ کے لڑاکا طیاروں نے قصور سیکٹر میں دشمن کے دو نیٹ ہوائی جہاز مار گرائے۔ ۲۰ ستمبر کو لاہور شہر پر فضائی جنگ میں بھارت کے دو طیارے تباہ ہوئے۔

مجموعی طور پر اس جنگ میں بھارتی فضائیہ کا ۱/۴ حصہ تباہ کر دیا گیا۔

چین کا بھارت کو انتباہ

چین پاکستان کے بہترین دوستوں میں سے ایک ہے اس نے ہمیشہ پاکستان کے خلاف کی جانے والی جارحیت کے سلسلے میں پاکستان کی مدد کی ہے اسی طرح ایک واقعہ ۱۶ ستمبر کو اس وقت پیش آیا جب چین نے

بھارت سے کہا کہ وُہ تین یوم کے اندر اندر چین کے سکم کے ملحقہ علاقوں میں ناجائز قلعہ بندیاں مسمار کر دے نیز چین کی تین سو بھیڑوں کو بھی واپس کیا جائے جو اس نے اغوا کی ہیں اس انتباہ کا فوری اثر ہوا اور بھارت نے وقتِ مقررہ پر ۵۶ قلعہ بندیاں مسمار کر دیں۔ لیکن بھارت کے وزیر اعظم شاستری نے انتہائی ڈھٹائی سے کہا کہ قلعہ بندیاں بھارت نے مسمار نہیں کیں چین نے بھارت کے اس جھوٹ کا پول کھولنے کے لئے وُہ تمام تصاویر شائع کر دیں جن میں دیکھا جاسکتا تھا کہ قلعہ بندیاں کس نے مسمار کی ہیں۔

جنگ بندی سے متعلق سلامتی کونسل کی قرارداد

۲۰ ستمبر ۱۹۶۵ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے بھارت اور پاکستان کے مابین جنگ بندی کے سلسلے میں ایک قرارداد منظور کی جس میں کہا گیا تھا کہ دونوں ملک بدھ (۲۲ ستمبر) کو مغربی پاکستان کے وقت کے مطابق ۱۲ بجے جنگ بند کر دیں۔ کونسل کے ارکان میں سے دس ارکان نے اس قرارداد کے حق میں ووٹ دیئے جب کہ اردن نے اپنا ووٹ استعمال نہ کیا۔ قرارداد میں دونوں حکومتوں سے یہ کہا گیا کہ وُہ جنگ بندی کے لئے اپنے اپنے کمانڈروں کو احکام جاری کریں اور اس کے بعد اپنی فوجوں کو اس جگہ پر لے آئیں جہاں وُہ ۵ اگست ۱۹۶۵ء کو تھیں۔ یہ قرارداد ہالینڈ کے نمائندے ڈمی بیوس نے پیش کی۔

قرارداد میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ دونوں ملکوں کے درمیان تنازعہ کشمیر اور اس سے متعلق دُوسرے اختلافات کا پُرامن حل تلاش کرنے سے پہلے جنگ بندی ضروری ہے۔

قرارداد کے مطابق ۲۳ ستمبر کو جنگ بند ہوگئی مگر فوجوں کی بین الاقوامی سرحدوں پر واپسی اور جنگی قیدیوں کا تبادلہ اور سفارتی تعلقات جیسے مسائل باقی رہ گئے۔ اس ضمن میں روس نے پاکستان اور بھارت کے درمیان ۱۰ جنوری ۱۹۶۶ء کو ثالثی کرادی اور اس طرح دونوں ممالک کی فوجیں بین الاقوامی سرحدوں پر واپس آگئیں اور سفارتی تعلقات بحال ہو گئے۔

پاک بھارت جنگ کے نقصانات

	پاکستان	بھارت	مقبوضہ علاقے پاکستان	مقبوضہ علاقے بھارت
ہلاک شدگان	۱۰۳۳	۹۵۰۰		
زخمی	۲۱۷۱	۱۱۰۰۰	۴۵۰	۱۶۰۰ مربع میل
لاپتہ	۶۳۰	۱۷۰۰		
تباہ شدہ ٹینک	۱۶۵	۵۱۶		
طیارے	۱۴	۱۱۰		

۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے اثرات

اقتصادی حالت پر اثر

۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کی وجہ سے پاکستان کے تمام شعبوں کی کارکردگی پر اثر پڑا خصوصاً اقتصادی حالت پر۔ کیونکہ اس کے دفاعی اخراجات میں بے پناہ اضافہ ہوگیا تھا اور چونکہ لڑائی کے آغاز پر امریکہ نے پاکستان کی فوجی امداد بند کردی تھی اس لئے پاکستان کو دفاعی سازوسامان کے زرمبادلہ کے اخراجات میں بھی نمایاں اضافہ ہوا۔ نیز غیر ملکی امداد میں عارضی تعطل اور امریکی امداد کے بند ہوجانے سے ادائیگیوں کے توازن اور غیر ملکی زرمبادلہ کے محفوظ سرمایہ پر بہت ہی بُرا اثر پڑا۔ دفاعی اخراجات میں زیادتی کی وجہ سے قیمتوں کی سطح اچانک بلند ہوگئی۔

مسئلہ کشمیر سے آگاہی

۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ سے قبل بھارت ہمیشہ یہ دعوٰی کرتا رہا کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ نیز کشمیر کا معاملہ داخل دفتر ہوچکا ہے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کی وجہ سے دُنیا بھر میں مسئلہ کشمیر کو سمجھنے میں مدد ملی اور دُنیا بھر کے ممالک نے مقبوضہ کشمیر کے عوام کے حق خود ارادیت کو تسلیم کیا۔

عوام کا کردار

پاک بھارت جنگ میں پاکستان کی مسلح افواج کے علاوہ ہر شہری نے اپنے اپنے محاذ پر نہایت اہم کردار ادا کیا۔ سترہ روزہ جنگ کے دوران یہ دیکھنے میں آیا کہ محاذ پر جو سامان ٹرکوں میں بھیجا جاتا اُسے لادنے اور اُتارنے میں شہری مدد دیتے، شہر سے ہزاروں دیگیں پکاکر محاذوں پر بھیجی جاتی رہیں۔

زخمیوں کے لئے طبی کیمپ قائم کئے گئے اور انہیں خون بھی مہیا کیا گیا۔ فوجی جیالوں کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے ان کی ضرورت کی اشیاء فراہم کی گئیں۔ غرض کہ پاکستان کے ہر شہری نے تن من اور دھن سے پاکستانی افواج کی خدمت کی۔ عوام نے دِل کھول کر دفاعی فنڈ میں چندہ جمع کرایا۔

پاکستان کے ادیب اور شاعر بھی پیچھے نہ رہے انہوں نے ولولہ انگیز قومی ترانے لکھ کر اسلامی جوش و خروش میں اضافہ کیا۔ موسیقاروں نے محاذوں پر جاکر انہیں نغمے سنائے۔

قومی، نسلی، علاقائی، فرقہ داری اور عقائد کے اختلافات کو یکسر بھلا دیا گیا اور قوم پاکستان کے دفاع میں سینہ سپر ہوگئی۔ ابلاغ عامہ کے شعبے نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ شکیل احمد اور انور بہزاد نے اس انداز میں خبریں پڑھیں کہ گویا گمان ہوتا تھا کہ ہم محاذِ جنگ پر اپنی آنکھوں سے جنگی کارروائیاں

کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

عوام نے قانون کا بھی بے حد احترام کیا اور بلیک آؤٹ کے باوجود اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔

جنگ کے دنوں میں یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ جنگ کے متاثرہ افراد کو بھی عوام نے بے گھر ہونے کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ سیاسی راہنماؤں نے ریڈیو پر تقاریر کر کے پاکستانی قوم کو جہاد کے لئے تیار کیا۔

امریکہ اور دیگر یورپی اقوام کے خلاف نفرت

پاکستان سیٹو اور سنٹو کے دفاعی معاہدوں سے منسلک تھا۔ لیکن جنگ ۱۹۶۵ء کے دوران میں ان دونوں اداروں نے کوئی کردار ادا نہ کیا حالانکہ ان معاہدوں کے رکن ممالک پاکستان پر حملے کی صورت میں ہر قسم کی فوجی امداد مہیا کرنے کے پابند تھے؛ چنانچہ عوام نے ان اداروں کے خلاف آواز اٹھائی اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ ان سے علیحدگی اختیار کر لے۔ نیز امریکہ نے بھارت کو جو اسلحہ مہیا کیا تھا اس کے خلاف بھی عوام نے صدائے احتجاج بلند کی

برادر ممالک کا تعاون

جنگ کے ابتدائی ایام ہی میں پاکستان کے برادر ممالک نے پاکستان کو اپنی حمایت کا یقین دلایا، ۸ ستمبر کو لنکا اور ایران نے پاکستان کے مؤقف کی حمایت کی اور ہر ممکن تعاون کرنے کی پیش کش کی۔ ۹ ستمبر کو انڈونیشیا کے عوام نے نہ صرف بھارتی سفارت خانے کو نذر آتش کر دیا بلکہ صدر سوئیکارنو نے بغیر کسی تامل اور تاخیر کے اپنی میزائل بوٹس پاکستان کے حوالے کر دی تھیں تاکہ پاکستان جس طرح چاہے انہیں استعمال کر لے۔ نیز اردن، چین، الجزائر، سعودی عرب اور ترکی نے بھی پاکستان کی حمایت کا اعلان کیا۔

سیاسی جماعتوں کا اتحاد

جنگ کے دنوں میں جن سیاسی جماعتوں نے اپنے اختلافات ختم کر دیئے۔ ان میں کونسل مسلم لیگ، نیشنل عوامی پارٹی، عوامی لیگ، جماعت اسلامی اور نظام اسلام پارٹی شامل تھیں۔ حالانکہ ان کے سیاسی نظریات میں زمین آسمان کا فرق پایا جاتا تھا۔ حزب اختلاف کے راہنما بھارتی حملے کے پہلے ہی دن ایوان صدر گئے اور انہوں نے صدر ایوب سے کہا کہ ساری قوم آپ کے پیچھے حملہ آور سے لڑنے کو تیار رہے۔ راولپنڈی میں آل پارٹیز کشمیر کمیٹی نے حکومت پاکستان کی جنگی جدوجہد کی پوری پوری تائید کی۔

اعلانِ تاشقند

۱۰ر جنوری ۱۹۶۶ء کو صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں اور بھارت کے وزیر اعظم لال بہادر شاستری کے مابین روسی وزیر اعظم الیکس کوسیگن کی موجودگی میں تاشقند (روس) کے مقام پر ایک سمجھوتے پر دستخط ہوئے۔ جس کے تحت دونوں ممالک نے اپنی فوجیں ۵ر اگست کی پوزیشن پر ہٹانا منظور کر لیں معاہدے کی اہم باتیں یہ ہیں۔

(۱) صدر پاکستان اور وزیر اعظم بھارت نے مسئلہ جموں و کشمیر پر بھی بات چیت کی اور دونوں نے اپنے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کی۔

(۲) آپس میں طے پایا کہ دونوں ممالک کے ہائی کمشنر اپنے اپنے عہدوں کا از سرِ نو چارج لے لیں گے اور سفارتی مشن دوبارہ معمول کے مطابق کام شروع کر دیں گے۔

(۳) دونوں ممالک کی افواج ۲۵ر فروری تک ان مورچوں پر واپس چلی جائیں گی جن پر وہ ۵ر اگست ۱۹۶۵ء تک متعین تھیں۔

(۴) دونوں سربراہوں نے اقوامِ متحدہ کے منشور کا پابند رہنے کا عہد کیا جس کے تحت باہمی جھگڑے فوجی بل بوتے پر نہیں بلکہ پُر امن طریقوں سے حل ہونے چاہئیں۔

(۵) آپس میں یہ طے پایا کہ دونوں ممالک کے مابین اقتصادی، تجارتی اور ثقافتی تعلقات بحال کرنے کے سلسلے میں اقدامات کئے جائیں اور دونوں ملکوں کے مابین مواصلات کا سلسلہ دوبارہ بحال کیا جائے۔

(۶) دونوں سربراہوں نے جنگی قیدیوں کی واپسی کے سلسلے میں ہدایات جاری کرنے پر بھی اتفاق کیا۔

(۷) دونوں سربراہوں نے عہد کیا کہ دونوں ملکوں کے مابین اب تک جو معاہدے ہوئے ہیں ان پر عملدرآمد کیا جائے گا۔

(۸) آپس میں اس امر پر بھی اتفاق ہو گیا کہ دونوں ممالک اپنے اپنے ہاں ایسی فضا پیدا کریں گے کہ ایک ملک کے لوگوں کا ترک وطن کر کے دوسرے ملک میں جانا بند ہو جائے۔

(۹) دونوں ممالک اپنے اپنے ہاں سے لوگوں کے اخراج سے متعلق مسائل اور ان کی جائدادوں کی واپسی کے معاملے پر باہمی غور و خوض جاری رکھیں گے۔

(۱۰) دونوں ملکوں کے سربراہوں میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ دونوں ملک ایک دوسرے کے خلاف پراپیگنڈہ بند کر دیں گے۔

(۱۱) صدر پاکستان اور وزیرِ اعظم بھارت نے اس بات پر اتفاق کیا کہ ایسے معاملات پر غور کرنے کے لئے جن کا تعلق براہ راست ایک دُوسرے کے ممالک سے ہو وہ اعلیٰ سطح پر یا دوسری سطحوں پر کانفرنسیں منعقد کر کے فیصلے کریں گے۔

(۱۲) دونوں سربراہوں نے اس ضرورت کو تسلیم کیا کہ دونوں ممالک کی حکومتیں ایسے ادارے قائم کریں جو دونوں ممالک کے باہمی تعلقات کے متعلق باقاعدہ اپنی اپنی حکومت کو رپورٹ مہیا کریں تاکہ یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ باہمی تعلقات سدھارنے کے لئے مزید کیا کیا اقدامات کئے جا سکتے ہیں۔

(۱۳) فریقین نے اس بات پر اتفاق کیا کہ باہمی تعلقات اس اُصول پر استوار کئے جائیں کہ ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی۔

(۱۴) صدر ایوب اور مسٹر شاستری نے اعلان کے مقدمے ہی میں اس امر پر باہمی اتفاق کیا کہ دونوں ممالک کے مابین دوستانہ تعلقات استوار کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اعلان تاشقند کی روشنی میں ۲۲ر جنوری ۱۹۶۶ء کو پاکستان اور بھارت کے فوجی کمانڈر ایک تجویز پر متفق ہو گئے جس کے مطابق انہوں نے اپنی اپنی فوجوں کو ان مقامات تک پیچھے ہٹانے کا اعلان کیا جس پر وُہ ۵ر اگست کو تھیں۔

دریں اثناء پاکستان اور بھارت کے فضائی جنگی قیدیوں کا تبادلہ ہوا، ۲۷ر جنوری کو پھر کمانڈروں کی ملاقات ہوئی اور لاہور سیکٹر سے فوجوں کی واپسی پر اتفاق رائے ہوا۔ ۲۹ر جنوری کو دونوں ملکوں کی فوجوں کی واپسی کے سمجھوتے کے آخری مسودے پر دستخط ہوئے۔

اعلان تاشقند پر ردِ عمل

بھارت کے نائب صدر ڈاکٹر ذاکر حسین نے اس اعلان کو امن اور دوستی کی علامت قرار دیا۔ کانگریس پارٹی نے اسے بھارتی فتح قرار دیا۔ پاکستانی ترجمان نے کہا کہ اعلان تاشقند نہ تو پاکستان کی فتح ہے اور نہ بھارت کی۔ اب کشمیر کا جھگڑا نمٹانے کے لئے راستہ ہموار ہو جائے گا۔

مسٹر حسن اے شیخ ممبر قومی اسمبلی نے کہا کہ اس سے کوئی مقصد پُورا نہیں ہو سکے گا۔ بُنیادی جھگڑا کشمیر کا ہے۔

گول میز کانفرنس کا انعقاد

۱۹ر فروری ۱۹۶۹ء کو حزبِ مخالف کی مرکزی جمہوری مجلس عمل (کنوینر نوابزادہ نصراللہ خاں) نے ملک کے آئینی اور سیاسی

مسائل پر مذاکرات کے لئے صدر ایوب کی تجویز منظور کر لی۔ تاہم مجلس نے گول میز کانفرنس ۱۷ر تاریخ کی بجائے ۱۹ر فروری کو منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔

شیخ مجیب الرحمٰن (عوامی لیگ) پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو، نیشنل عوامی پارٹی (چین نواز) کے صدر مولانا عبدالحمید خاں بھاشانی، ایئر مارشل اصغر خاں، محبوب رشید اور اعظم خاں نے کانفرنس میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔

لیکن سیاسی راہنماؤں میں اختلاف کی بناء پر ۱۹ر فروری ۱۹۶۹ء کو یہ کانفرنس ملتوی کر دی گئی۔ اگرتلہ سازش کیس کے تحت شیخ مجیب الرحمٰن کا مقدمہ واپس لے لیا گیا اور تمام سیاسی جماعتوں نے گول میز کانفرنس میں شرکت پر رضامندی کا اظہار کیا۔

۲۶ر فروری کو راولپنڈی میں کانفرنس شروع ہوئی۔ تقریباً سینتیس منٹ تک حکومت اور سیاسی راہنماؤں کے مابین تبادلہ خیالات جاری رہا۔ کانفرنس میں جمہوری مجلس عمل کے ۱۹ ارکان اور دو آزاد لیڈر شریک ہوئے۔

کانفرنس میں صدر ایوب، خواجہ شہاب الدین، مسٹر ایس ایم ظفر، مسٹر احمد علی چودھری، مسٹر ایم این ہدیٰ، ملک محمد قاسم، قاضی محمد اکبر، اے آر خاں، چودھری فضل الٰہی، مسٹر فخر الدین احمد، سردار خضر حیات خاں، مسٹر ہاشم الدین احمد، مسٹر فدا محمد خاں، مسٹر زین نورانی، نوابزادہ نصراللہ خاں، مسٹر نورالامین، میاں ممتاز دولتانہ، مسٹر حمید الحق چودھری، سید نذر الاسلام، سردار شوکت حیات خاں، مولوی فرید احمد، پروفیسر مظفر احمد، شیخ مجیب الرحمٰن، مولانا مودودی، چودھری محمد علی، خان عبدالولی خاں، مولانا مفتی محمود، مسٹر مشتاق کھنڈ کر اور مسٹر محمود علی ایم این اے نے شرکت کی۔

کانفرنس کے ابتدائی اجلاس میں صدر ایوب یا مجلس عمل کی جانب سے کوئی آئینی نکتہ نہیں اُٹھایا گیا تھا البتہ مجلس عمل نے صدر ایوب سے کہا کہ ملک کے سیاسی ماحول کو مزید خوشگوار بنانے کے لئے ضروری ہے کہ جس طرح مشرقی پاکستان میں تمام نظر بند رہا کئے جا چکے ہیں اسی طرح مغربی پاکستان کے سیاسی نظر بندوں کو رہا کر دیا جائے اور ان کے خلاف مقدمات واپس لئے جائیں۔

کانفرنس اس ابتدائی اجلاس کے بعد دس مارچ تک کے لئے ملتوی کر دی گئی۔ دس مارچ کو کانفرنس سے پہلے نوابزادہ نصراللہ خاں نے ان دو نکات پر مشتمل ایک متفقہ فارمولا پیش کیا۔

۱۔ علاقائی خود مختاری کے ساتھ وفاقی پارلیمانی نظامِ حکومت کا قیام۔

۲۔ اسمبلیوں کے انتخابات کا بالغ رائے دہی کی بُنیاد پر انعقاد۔

کانفرنس میں حکومتی پارٹی کی طرف سے صدر ایوب خاں، وزیر دفاع اے آر خاں، وزیر اطلاعات خواجہ شہاب الدین، وزیر قانون ایس ایم ظفر، چودھری فضل الٰہی، ملک محمد قاسم، مرزا نورالہدیٰ، قاضی عیسیٰ، فخر الدین احمد، خضر حیات، قاضی اکبر، ہاشم الدین احمد اور مخالف راہنماؤں میں سے عبدالولی خاں، پروفیسر غلام اعظم، مظفر احمد، شیخ مجیب الرحمٰن، مولانا مودودی، مولوی فرید احمد، میاں ممتاز دولتانہ، نوابزادہ نصر اللہ خاں، سردار شوکت حیات خاں، محمود الحق عثمانی، مفتی محمود، عبدالسلام خاں اور آزاد سیاست دانوں میں ایئر مارشل اصغر خاں، اور جسٹس ایس ایم مرشد نے شرکت کی۔

صدر ایوب کا صدارتی انتخاب میں حصہ نہ لینے کا اعلان :

۲۱ر فروری ۱۹۶۹ء کو صدر ایوب نے راولپنڈی میں قوم کے نام ایک نشری تقریر میں کہا کہ وُہ آئندہ صدارتی انتخاب میں حصہ نہیں لیں گے۔ انہوں نے ملک میں خلفشار پر افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ اگر اس وقت ہم نے حالات سلجھانے کے لئے ٹھوس فارمولا مرتب نہ کیا تو ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوں گے اور تاریخ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔

مجھے معلوم ہے کہ کچھ لوگ موجودہ طریق انتخاب سے مطمئن نہیں ہیں اور وُہ یہ چاہتے ہیں کہ ہر بالغ مرد اور عورت کو براہِ راست اپنے نمائندے چننے کا حق حاصل ہونا چاہیئے۔ مجھے اس بات کا بھی احساس ہے کہ ملک کا پڑھا لکھا طبقہ سمجھتا ہے کہ موجودہ نظام میں اسے شرکت کا مناسب موقع نہیں ملتا اور ملکی معاملات میں اس کی رائے کو پورا دخل نہیں۔ مشرقی پاکستان کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس نظام میں وُہ برابر کے ساتھی نہیں ہیں اور زندگی کے مختلف شعبوں میں انہیں برابری اور خود مختاری حاصل نہیں۔

لوگوں کو یہ شکایت بھی ہے کہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے پاس وُہ تمام اختیارات نہیں جو جمہوریت کے فروغ کے لئے ضروری ہیں۔ تعلیمی ماحول اور نوجوان طبقہ موجودہ حالات سے بددل ہے۔ میری ذمہ داری ہے کہ میں ان تمام شکایات کا ازالہ کروں اسی لئے میں نے حزب اختلاف کی جماعتوں کو مذاکرات کی دعوت دی ہے۔ یہ وقت رنجش بھلا دینے کا ہے خدا آپ کو خوش رکھے۔ آپ نے اپنے ملک کی خاطر کوئی قربانی دینے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ یہی پاکستان کی ترقی اور بقا کا راز ہے۔ عہدے اور اقتدار آنی جانی چیزیں ہیں انشاءاللہ پاکستان قائم ودائم رہے گا۔

اگر تلہ کیس کی واپسی

۲۲ر فروری ۱۹۶۹ء کو حکومت پاکستان نے اگر تلہ کیس کو واپس لے لیا اور اس مقدمہ میں ملوث شیخ مجیب الرحمٰن اور دُوسرے تمام ملزم رہا کر دیئے گئے۔ عوامی لیگ کے راہنما شیخ مجیب الرحمٰن اور چونتیس دیگر افراد پر جن میں تین سی ایس پی افسر بھی شامل تھے یہ الزام تھا کہ بھارتی سرمایہ اور اسلحہ کی مدد سے مشرقی پاکستان کو پاکستان سے علیحدہ کرنا چاہتے تھے۔ اس مقدمہ کی تفتیش کے بعد اس کی سماعت کے لئے سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس مسٹر ایس اے رحمان کی سرکردگی میں ایک خاص ٹریبونل قائم کیا گیا تھا جس نے جون ۱۹۶۸ء میں اس مقدمہ کی ڈھاکہ چھاؤنی میں سماعت شروع کی تھی۔ شیخ مجیب الرحمٰن اس مقدمے سے قبل ہی مئی ۱۹۶۶ء سے نظر بند تھے بعد ازاں ۱۸ر جنوری ۱۹۶۷ء کو اس مقدمہ کے سلسلے میں بھی گرفتار کر لئے گئے تھے۔ اس مقدمے میں مسٹر احمد فضل الرحمٰن، مسٹر روح القدس اور مسٹر اے کے ایم شمس الرحمان سی ایس پی افسر ملوّث تھے۔

سرکاری پریس نوٹ

اس مقدّمے کے سلسلے میں مندرجہ ذیل سرکاری پریس نوٹ جاری کیا گیا۔ کہ حکومت پاکستان نے کریمنل لاء ایمنڈمنٹ سپیشل ٹریبونل آرڈی ننس ۱۹۶۸ء منسوخ کر دیا ہے جس کے تحت شیخ مجیب الرحمٰن اور اگر تلہ سازش کیس میں ملوث دوسرے ملزموں کے خلاف مقدمہ چلایا جا رہا تھا۔ یہ پریس نوٹ مرکزی وزیر داخلہ وائس ایڈمرل اے آر خاں کی جانب سے جاری کیا گیا۔ پریس نوٹ میں کہا گیا تھا کہ چونکہ ملک سے ہنگامی حالت ختم کر دی گئی ہے اور بُنیادی حقوق بحال ہو گئے ہیں اس لئے انتشار کو ختم کرنے کے لئے حکومت نے یہ ضروری تصوّر کیا ہے کہ کریمنل لاء ایمنڈمنٹ (سپیشل ٹریبونل) آرڈی ننس VII ۶۸ منسوخ کر دیا جائے جس کے تحت حکومت بنام شیخ مجیب الرحمٰن مقدمہ چلایا جا رہا تھا۔

گول میز کانفرنس

ملک میں مکمل جمہوریت کی بحالی، پارلیمانی نظام کے قیام اور بالغ رائے دہی کی بُنیاد پر انتخابات کرانے، ہنگامی حالات، ہنگامی ختم کرنے، اگر تلہ سازش کیس واپس لینے، سرکاری وغیر سرکاری ملازمین کی تنخواہیں بڑھانے اور طلباء کے مطالبات تسلیم کرانے کے حق میں نومبر ۱۹۶۸ء میں ملک بھر میں مظاہروں اور ہڑتالوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ شر پسند عناصر نے اس موقع سے پُورا پُورا فائدہ اُٹھایا اور عوام کے پُرامن جلسوں اور جلوسوں میں گھُس کر ہنگاموں کا آغاز کیا۔ ہنگاموں میں اعلیٰ سرکاری ملازمین کے مکانات ا

سرکاری عمارات کو جلانے سے بھی گریز نہ کیا گیا حتیٰ کہ قرآن حکیم بھی شر پسند عناصر کی دسترس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ سیاسی پارٹیوں نے بھی ایک دُوسرے کے خلاف زہر اُگلا اور فریقین کے جلسوں میں گھس کر لاٹھیوں، اینٹوں اور گالیوں کا آزادانہ استعمال کیا۔ غرض کہ ہر شخص نے مَن مانی کی۔

حکومت نے ملک میں امن و امان بحال کرنے اور شہریوں کی جان و مال کو محفوظ کرنے کے لئے اپنا ہر حربہ استعمال کیا نیز صدر ایوب نے ۲۱ر فروری ۱۹۶۹ء کی تقریر میں واشگاف الفاظ میں کہا کہ وُہ آئندہ صدارتی انتخابات میں اُمیدوار نہیں ہوں گے ان کا خیال تھا کہ ان کے اس اقدام سے اب مزید ہنگامے نہیں ہوں گے لیکن اس کے باوجود ملکی حالات پھر بھی نہ سدھر سکے آخر بڑھتے ہوئے داخلی انتشار کو روکنے کے لئے صدر ایوب نے مخالف راہنماؤں کو ملکی مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے نوابزادہ نصراللہ خاں کے ذریعہ جو جمہوری مجلسِ عمل کے کنوینر تھے مدعو کیا۔

جن مخالف اور آزاد سیاست دانوں نے اس کانفرنس میں حصّہ نہ لیا ان میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو مولانا عبدالحمید خاں بھاشانی اور جنرل (ریٹائرڈ) محمد اعظم شامل تھے۔

۱۳ر مارچ ۱۹۶۹ء کو کانفرنس میں مندرجہ ذیل اُمور پر اتفاقِ رائے ہو گیا اور صدر ایوب نے انہیں اصُولی طور پر تسلیم کر لیا۔

(۱) پارلیمانی نظام کا قیام (۲) حق بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات کا انعقاد۔

اس کے علاوہ صدر کو جو اضافی مطالبات پیش کئے گئے اُن میں وَن یونٹ کی تنسیخ، دفاع اُمورِ خارجہ اور بعض شرائط کے ساتھ کرنسی کے سوا تمام معاملات صوبوں کے سپرد کر دینے کے مطالبے شامل تھے نیز یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ وفاقی پارلیمنٹ کا انتخاب مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں موجودہ مساوات کی بجائے آبادی کی بنیاد پر کرایا جائے۔

حکومت نے ان مطالبات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ یہ مسائل عوام کی منتخب پارلیمنٹ ہی طے کر سکے گی۔ اس کے ساتھ گول میز کانفرنس اختتام کو پہنچی۔

گول میز کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے اقدامات:

صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے گول میز کانفرنس کے فیصلوں کو کامیاب بنانے

کے لئے جو اقدامات کئے وُہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ ملک میں پاک بھارت جنگ کے بعد نافذ کی گئی ہنگامی حالت کا خاتمہ کر دیا۔

۲۔ تمام نظر بند طلبا کو رہا کر دیا اور طلبا کے مطالبہ کے پیشِ نظر یونیورسٹی آرڈی ننس منسوخ کر دیا۔

۳۔ کم تنخواہ پانے والے ملازمین کو عبوری امداد دینے کا اعلان کیا۔

۴۔ جمہوری مجلسِ عمل کو غیر مشروط دعوت دی گئی۔

۵۔ مجلس عمل کے علاوہ دُوسرے آزاد راہنماؤں کو بھی گول میز کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی۔

۶۔ مجلسِ عمل کا یہ مطالبہ منظور کر لیا گیا کہ آئین میں بُنیادی تبدیلیوں جیسے اہم مسائل کے علاوہ دُوسرے مسائل بھی کانفرنس میں زیرِ غور لائے جائیں۔

۷۔ اگرتلا سازش کیس میں ملوث عوامی لیگ (چھ نکاتی) کے راہنما شیخ مجیب اور چونتیس دیگر ارکان بھی رہا کر دیئے گئے۔ اس کے علاوہ پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی رہائی بھی عمل میں آئی۔

۸۔ اخبارات پر عائد شدہ پابندیوں کو نرم کر دیا گیا۔

گول میز کانفرنس اور آئین میں ترامیم کا اعلان

۲۰ مارچ ۱۹۶۹ء کو وزیر قانون ایس ایم ظفر نے آئین میں مجوزہ ترامیم کا اعلان کیا جس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات براہِ راست بالغ رائے دہی کی بُنیاد پر ہوں گے۔

۲۔ صدارتی طرزِ حکومت کی بجائے پارلیمانی طرزِ حکومت، صوبائی خود مختاری سمیت رائج کیا جائے گا۔

۳۔ مرکز صوبوں سے متعلقہ اُمور کے بارے میں قانون نہیں بنائے گا۔

۴۔ صوبے یا مرکز کی ایک دُوسرے کے معاملات میں دخل اندازی کے تنازعہ میں عدالتی فیصلہ طلب کیا جائے گا۔

۵۔ مجلس قانون ساز کو بالا دستی حاصل ہو گی۔ وزیر اعظم اپنے اختیارات اس سے حاصل کرے گا۔ وزیر اعظم انتظامیہ کا سربراہ ہو گا۔

۶ - صدرِ مملکت کی حیثیت علاقی سربراہ کی ہوگی اور وزیر اعظم کے مشورے پر عمل کرے گا۔
۷ - اسمبلیوں کو زیادہ دسیع مالی اختیارات حاصل ہوں گے وُہ رقوم جو خرچ ہو چکی ہیں اور زیرِ عمل منصوبوں کے اخراجات کی قسطیں اس سے مستثنیٰ ہوں گی۔
۸ - وزیر اسمبلیوں کے ارکان میں سے لئے جائیں گے وزیر بننے کے بعد وُہ اپنی نشست سے محروم نہیں ہوں گے۔ کابینہ کی ذمّہ داری مشترکہ ہوگی۔
۹ - اسمبلیوں کی نشستوں کی تعداد بڑھا دی جائے گی خواتین کے لئے نشستیں مخصوص ہوں گی۔
۱۰ - صدر کا انتخاب تینوں اسمبلیوں کے مشترکہ اجلاس میں کیا جائے گا۔ تاہم اس ضمن میں آخری فیصلہ نہ ہو سکا۔
۱۱ - گورنروں کا تقرر صدر مملکت وزیر اعظم کے مشورے سے کریں گے۔

ایوب حکومت کی تنزّلی کے اسباب

صدر ایوب خاں کی حکومت کے خلاف جو اعتراضات لگائے گئے تھے وہ یہ ہیں:

۱ - صدر ایوب کی غیر جمہوری حکومت نے ایسی پالیسی ترتیب دی جس کے باعث ملک کی دولت چند خاندانوں کے ہاتھوں میں مرتکز ہوگئی۔
۲ - ملک میں رشوت ستانی اور بدعنوانی کا دَور دورہ ہوگیا۔
۳ - افسر شاہی عوام پر مسلط کر دی گئی۔
۴ - حکومت نے انتظامیہ کو مختلف گریڈوں اور سیکشنوں میں تقسیم کرنا اپنا وطیرہ بنالیا۔
۵ - حکومت نے اپنی متشددانہ پالیسی کو برقرار رکھتے ہوئے ہنگامی حالت کو جاری رکھا۔ اور اسی کے تحت سیاسی راہنماؤں کو وسیع تر پیمانے پر نظر بند کئے رکھا۔
۶ - ایسے حالات پیدا کئے گئے کہ ملک کے دونوں حصّوں میں اقتصادی عدمِ مساوات میں اضافہ ہوا۔
۷ - مشرقی پاکستان کے عوام نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ وُہ امورِ مملکت اور نظم و نسق میں شریک ہونے کے اہل نہیں سمجھے جاتے۔
۸ - مارشل لاء کے بعد پریس ٹرسٹ اور پریس آرڈی ننس کے ذریعے اخبارات کی آزادی سلب کر لی گئی اور جلسوں جلوسوں پر دفعہ ۱۴۴ کے مسلسل نفاذ سے پابندیاں عائد کر دی گئیں۔

۹۔ سیاسی جماعتوں کے لئے عملاً متحرک اور فعال رہنا ناممکن بنا دیا گیا۔

۱۰۔ صدر ایوب نے ملک میں دولت لانے کے لئے تو بہت کچھ کیا مگر دولت کو زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچانے کے سلسلے میں کوئی اقدامات نہ کیے۔

۱۱۔ صدر ایوب خاں نے خود مختار خارجہ پالیسی کو اپنایا اور اس ضمن میں چین کی طرف ہاتھ بڑھایا تو امریکہ کو یہ بات انتہائی ناگوار گزری۔ ممکن ہے روس کی طرف جانے سے امریکہ اتنا ناراض نہ ہوتا جتنا کہ وہ چین کی طرف جھکاؤ سے ناراض ہوا۔

۱۲۔ ایوب خاں کی طرف سے ایٹمی توانائی کمیشن کا قیام بھی امریکہ کی ناراضگی کا سبب بنا۔

۱۳۔ ۱۹۵۳ء میں جب عالمی بنک نے جو نہری پانی کے تنازعہ میں ثالث کی حیثیت سے کام کر رہا تھا تو تین مشرقی دریا بھارت کو دینے کی تجویز کی تو حکومت پاکستان نے پوری قوت سے اس کے خلاف احتجاج کیا۔ صدر ایوب سے پہلے کی تمام حکومتوں کی پالیسی یہ رہی کہ طاس سندھ کے دریاؤں میں حصے کے اپنے تاریخی اور قانونی حق سے ہم ہرگز دست بردار نہیں ہوں گے۔ بلکہ اپنے مفاد کی حفاظت منگلا بند اور ملانے والی نہروں وغیرہ کی تعمیر سے کریں گے، لیکن صدر ایوب نے بھارت سے نہری پانی کا سمجھوتہ کر کے پاکستان کو تین مشرقی دریاؤں کے پانی سے محروم کر دیا۔

۱۴۔ کشمیر کے معاملے میں صدر ایوب نے مسئلہ حق خود ارادیت کے علاوہ کئی حل پیش کر کے مسئلہ کو کمزور کر دیا۔

۱۵۔ صدر ایوب نے اپنے عہد میں بھارت کو مشترکہ دفاع کی پیش کش کی جو چین کی پالیسی کے خلاف تھی۔ کیونکہ صدر ایوب نے جس مشترکہ دفاع کے معاہدے کی پیش کش کی تھی وہ غیر مشروط تھا اور اس میں کہیں مسئلہ کشمیر کا ذکر نہ تھا۔

عہد ایوبی کا خلاصہ

اکتوبر ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء سے قبل ملک میں افراتفری کا دور دورہ تھا اور بیرونی ممالک میں پاکستان کی ساکھ پست ترین درجہ تک پہنچ گئی تھی۔

اکتوبر ۱۹۵۸ء کے بعد حالات نے یکسر پلٹا کھایا اور صدر ایوب نے ملک کو ایک مستحکم معاشی بنیاد فراہم کی جس نے پُر زور طور پر نظم و نسق سنبھال کر معاشی ترقیات کا ایک زبردست بیڑا اُٹھایا۔

ان کے عہد میں ملک کا دارالحکومت اسلام آباد منتقل کیا گیا، دو پنجسالہ منصوبے انتہائی کامیابی سے ہمکنار ہوئے، قومی آمدنی میں اضافہ ہوا۔

چین سے تعلقات میں نمایاں اضافہ ہوا اس کے ساتھ صنعت، تجارت، جہازرانی اور سرحدی معاہدہ طے پایا۔

افغانستان کے ساتھ تعلقات بہتر بنائے گئے اور پختونستان کے مسئلے کو دبا دیا گیا۔

پاکستان نے پہلی مرتبہ مشرقی یورپ کے ممالک کے ساتھ تجارتی معاہدے کیئے جیسے چیکوسلواکیہ، رومانیہ، ہنگری اور پولینڈ وغیرہ۔

ملک میں تیل کی تلاش کے سلسلے میں معاہدہ کیا گیا۔

زراعت کو فروغ دینے اور بجلی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیئے وارسک، منگلا، تربیلا، گدو اور ملتان جیسے بجلی گھر قائم کیئے گئے۔ مسلم ممالک کے ساتھ قریب تر تعلقات قائم کرنے کی پالیسی معراج کمال کو یوں پہنچی کہ پاکستان، ایران اور ترکی کے درمیان آر سی ڈی کا معاہدہ طے پایا۔

مسئلہ کشمیر میں دوبارہ جان ڈال دی گئی حالانکہ یہ مسئلہ سرد خانے میں پڑا ہوا تھا۔ اقوام متحدہ کے اصولوں کے مطابق کشمیر کے عوام کے حق خود اختیاری کے لیئے کئی دوستانہ ممالک کی سفارتی حمایت حاصل کی گئی۔ جن میں الجزائر، چین، سری لنکا، عراق، آئرلینڈ، انڈونیشیا اور مغربی جرمنی شامل ہیں۔

ملک میں زرعی اصلاحات کا نفاذ کر کے چھوٹے زمینداروں اور مزارعوں کو رجعت پسند زمینداروں کی گرفت سے نجات دلائی۔

مارشل لاء کے اعلان کے ٹھیک ایک سال بعد یعنی ۲۷ راکتوبر ۱۹۵۹ء کو بنیادی جمہوریتوں کے نظام کا اعلان کیا گیا اور اس طرح عوام کو حکومت سے قریب تر لانے کا موقع فراہم کیا گیا۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں پاکستانی قوم نے صدر ایوب کی راہنمائی میں بھارت سے جنگ کر کے اور اُسے شکست سے دوچار کرنے کے بعد ایک درخشاں مثال قائم کر دی۔

صدر ایوب ہی کے عہد میں معاہدہ تاشقند طے پایا اور بالآخر یہی معاہدہ اُن کی تنزلی کا باعث بنا۔

صدر نے اپنی صدارت کے آخری ایام میں ملک میں ایک آدمی ایک ووٹ کی بنیاد پر انتخابات منعقد کرانے کا دیرینہ مطالبہ تسلیم کر لیا۔ نیز پارلیمانی نظام کے قیام پر بھی اتفاق کیا۔

جنرل آغا محمد یحییٰ خاں کا دورِ حکومت

۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء ـــــــ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء

گول میز کانفرنس (منعقدہ مارچ ۱۹۶۹) میں جو سیاست دان شریک نہیں ہوئے تھے وہ بار بار اس امر کی نشاندہی کر رہے تھے کہ ہمارے رہنما (گول میز کانفرنس میں شریک سیاستدان) عوامی مفاد کو نظر انداز کرتے ہوئے صدر ایوب سے ساز باز کر چکے ہیں اور وہ کچھ لیے بغیر ہی کانفرنس سے چلیں آئیں گے چونکہ عوام گول میز کانفرنس میں پیش ہونے والے مطالبات کو تسلیم کرانے کے خواہاں تھے اس لیے کانفرنس کے انعقاد کے دوران ہنگاموں اور ہڑتالوں میں کمی ہو گئی تھی مگر جونہی ۱۳ مارچ ۱۹۶۹ء کو کانفرنس ختم ہوئی تو کانفرنس کا مقاطعہ کرنے والے سیاست دانوں کے بیانات نے جلتی پر تیل کا کام کیا کیوں کہ بقول اُن کے جو مطالبات گول میز کانفرنس میں منظور کیے گئے تھے اُن میں عوامی مانگ موجود نہ تھی۔ چنانچہ عوام ایک بار پھر اُٹھ کھڑے ہوئے نہ صرف کارخانوں کے مزدوروں نے جلسوں اور جلوسوں کا سلسلہ پھر سے شروع کر دیا بلکہ سیاست دانوں نے سیاست کو ایک نئے طریق کار گھیراؤ اور جلاؤ سے بھی روشناس کرایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کارخانوں میں کام بند ہو گیا۔ مہنگائی زوروں پر پہنچ گئی اور حالات اس قدر خراب ہو گئے تھے کہ سرکاری ملازمین نے بھی جلوس نکالنا شروع کر دیئے اُن کا مطالبہ تھا کہ تنخواہیں بڑھائی جائیں بعض سیاست داں ملک کی تقسیم کے عجیب وغریب لائحہ لے کر نکلے اُن میں وحدتِ مغربی پاکستان کی تنسیخ اور مشرقی پاکستان کو ہر طرح کی علیحدگی کے اختیارات سے لے دفاع اور سکہ کی علیحدگی کے مطالبات تک شامل تھے نیز صدر ایوب کی برطرفی کا مطالبہ بھی شدت اختیار کر چکا تھا جو لوگ حکومت کی حمایت کرتے انہیں عوامی احتجاج کا نشانہ بننا پڑتا چنانچہ اس خاص صورت حال کے پیش نظر ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ کو جنرل یحییٰ خان نے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا اور صوبائی اور قومی اسمبلی، وزارتیں آئین وغیرہ منسوخ کر دیا اور خود چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے اختیارات سنبھال لیے۔

نیز جنرل عبدالحمید خان ڈپٹی کمانڈر انچیف، وائس ایڈمرل ایس ایم احسن امیر البحر،

ایر مارشل نور خاں (کمانڈر انچیف فضائیہ) نے اپنے موجودہ عہدوں کے علاوہ نائب ناظمین اعلیٰ مارشل لاء کے اختیارات سنبھال لیے ناظم اعلیٰ نے ملک کو دو منطقوں اے اور بی میں تقسیم کرنے جنرل عتیق الرحمان کو مغربی پاکستان کا اور جنرل مظفر الدین کو مشرقی پاکستان کا ناظم مارشل لاء مقرر کیا۔

۲۶ مارچ ۱۹۶۹ کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل آغا محمد یحییٰ خان نے قوم کے نام اپنی نشری تقریر میں کہا کہ مارشل لاء کا واحد مقصد عوام کی جان و مال کا تحفظ، انتظامیہ کا کام بحال کرنا ہے۔ انتظامی تساہل اور بدنظمی خواہ وہ کسی شکل میں ہو برداشت نہیں کی جائے گی۔ انتظامیہ کے ہر فرد کو بتا دیا جاتا ہے کہ وہ اس انتباہ پر سنجیدگی سے توجہ دے۔

میں یہ بالکل واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ایک آئینی حکومت کے قیام کے مناسب حالات پیدا کرنے کے علاوہ میری اور کوئی خواہش نہیں ملک کو ایک قابل عمل آئین اور عوام کے سیاسی اور اقتصادی اور سماجی مسائل حل کرنا ان عوامی نمائندوں کا کام ہوگا جو بالغ رائے دہی کی بنیاد پر آزادانہ اور غیر جانبدارانہ انتخاب کے ذریعے منتخب ہوں گے۔

مسلح افواج عوام کی ہیں اور ان کا کوئی سیاسی عزائم نہیں وہ کسی فرد یا پارٹی کا ساتھ نہیں دیں گی۔

ہر فرد سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے کام پر واپس چلا جائے اور ملک کے معاشی نقصان کی تلافی کرنے میں اپنا حصہ ادا کرے مارشل لاء ایڈمنسٹریشن کسی ایجی ٹیشن یا تخریبی کارروائی کو برداشت نہیں کرے گی مارشل لاء ایڈمنسٹریشن مزدوروں، کسانوں اور طلبا سمیت معاشرے کے مختلف طبقوں کی جائز مشکلات دور کرنے کی پوری کوشش کرے گی۔

اس مقصد کے حصول کے لیے سیاسی جماعتوں کو کام کرنے کی اجازت دے دی گئی ۲۸ جولائی ۱۹۶۹ کو صدر مملکت نے ملک میں انتخابات کے انعقاد کے سلسلے میں جسٹس عبد الستار کو چیف الیکشن کمشنر مقرر کیا۔ اور دیر سوات اور چترال کو پاکستان میں ضم کرنے کا اعلان کیا۔ ازاں بعد صدر یحییٰ خاں نے ملک بھر میں سیاست دانوں اور رائے عامہ کے دوسرے رہنماؤں کے ساتھ تبادلہ خیال کیا اور ۲۸ نومبر ۱۹۶۹ کو عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ملک میں عام انتخابات ایک آدمی ایک ووٹ کی بنیاد پر ۵ اکتوبر ۱۹۷۰ کو ہوں گے۔ یکم جنوری ۱۹۷۰ کو سیاسی جماعتوں نے ملکی سطح پر اپنے پروگراموں کی تشہیر شروع کر دی اس موقع پر صدر نے سیاسی جماعتوں سے کہا کہ وہ علاقائی مفادات کو نظر انداز کر دیں اور ذاتی اور مقامی نوعیت کی

مصلحتوں کو خاطر میں نہ لائیں ۲۸ مارچ ۱۹۷۰ کو صدر نے آئین کی تدوین کے سلسلے میں بنیادی اصولوں کا اعلان کیا۔ ۳۰ جون ۱۹۷۰ کو وحدت مغربی پاکستان کو ختم کر کے مغربی پاکستان کو چار صوبوں پنجاب، سرحد، بلوچستان اور سندھ میں تقسیم کر دیا گیا۔ ستمبر ۱۹۷۰ میں مشرقی پاکستان میں سمندری ریلے نے تباہی مچادی جس سے کم و بیش ۲ لاکھ افراد ہلاک ہو گئے۔ اس صورت حال کے پیش نظر صدر نے قومی اسمبلی کے انتخابات کو ۷ دسمبر ۱۹۷۰ تک ملتوی کر دیا۔ ۷ دسمبر ۱۹۷۰ کو ملک میں قومی اسمبلی کے انتخابات منعقد ہوئے اور مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ اور مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ان دونوں بڑی جماعتوں کا کوئی بھی امیدوار ایک دوسرے کے صوبے میں نشست حاصل نہ کر سکا۔ ۲۲ دسمبر کو مسٹر بھٹو نے کہا کہ اس وقت ملک میں تین طاقتیں پیپلز پارٹی، عوامی لیگ اور فوج موجود ہیں اور انہیں مفاہمت کر لینی چاہیئے لیکن ایسا نہ ہو سکا اس خاص صورت حال میں پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ میں ٹھن گئی۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے قومی اسمبلی میں زیادہ سیٹیں حاصل کی تھیں اس لیے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو حزب اختلاف کا کردار ادا کرنا تھا جو کسی طرح بھی انہیں منظور نہ تھا۔ لہٰذا انہوں نے مغربی پاکستان میں اقتدار سنبھالنے کے لیے اپنی کوششوں کو تیز کر دیا۔ ۱۳ فروری ۱۹۷۱ کو جب صدر یحییٰ خاں نے یہ اعلان کیا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ۳ مارچ ۱۹۷۱ کو ڈھاکا میں ہو گا۔ تو مسٹر بھٹو نے کہا کہ قومی اسمبلی کا کوئی رکن ڈھاکا جائے گا تو اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔ اس دوران میں حالات مزید مخدوش ہو گئے اور انہوں نے دوسری اکثریتی جماعت ہونے کی بنا پر عوامی لیگ کے ساتھ اقتدار میں شریک کرنے کا مطالبہ کیا لیکن شیخ مجیب الرحمٰن نے اُن کے اس مطالبے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ مسٹر بھٹو نے شیخ مجیب الرحمٰن سے اس مسئلے پر مذاکرات کے لیے مسٹر غلام مصطفیٰ کھر کو ڈھاکا بھی بھیجا مگر شیخ مجیب الرحمٰن نے چھ نکات کی بنیاد پر ہی ملک کا نظم و نسق چلانے کا اصرار کیا۔ دریں اثنا صدر پاکستان نے اس بحران کو حل کرنے کے لیے متعدد مقامات کا دورہ کیا اور اس دوران یہاں تک کہہ دیا کہ شیخ مجیب الرحمٰن ہی مستقبل کے وزیر اعظم ہوں گے۔

۳۰ جنوری ۱۹۷۱ کو دو کشمیری نوجوان ایک بھارتی طیارہ اغوا کر کے لاہور لے آئے اور ۲ فروری ۱۹۷۱ کو اُسے آگ لگا دی جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان جانے کے لیے پی آئی اے کو بھارتی علاقوں پر سے پرواز کرنے کی اجازت نہ دی گئی اس واقعہ کے کچھ عرصہ کے بعد صدر یحییٰ خان نے قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر کے دس مختلف سیاسی راہنماؤں کا اجلاس بلایا۔ مسٹر بھٹو نے

یہ دعوت قبول کر لی لیکن شیخ مجیب الرحمٰن نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ یکم مارچ ۱۹۷۲ کو شیخ مجیب الرحمٰن نے سول نافرمانی اور عدم تعاون کی تحریک شروع کی جب حالات قابو میں نہ رہے تو ۲۶ مارچ کو شیخ مجیب الرحمٰن اور اُن کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ پھر بھارت نے پاکستان سے جنگ چھیڑ کر جارحیت کے ذریعے ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ کو مشرقی پاکستان پر قبضہ کر لیا۔ مغربی پاکستان میں عوام نے صدر یحییٰ سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا چنانچہ وہ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ کو مستعفی ہو گئے۔

حالاتِ زندگی

آغا محمد یحییٰ خاں ۱۹۱۷ میں پیدا ہوئے انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کا امتحان پاس کیا ۱۹۳۸ میں فوج میں کمیشن حاصل کیا وہ ۳۴ سال کی عمر میں بریگیڈیئر ۴۰ سال کی عمر میں میجر جنرل اور ۴۹ سال کی عمر میں لیفٹیننٹ جنرل بنے۔ انڈین ملٹری اکیڈمی میں شمولیت پر انہیں کنگز کیڈٹ منتخب کیا گیا اور کمشن ملنے پر وہ سیکنڈ بٹالین، وورسسٹر رجمنٹ سے منسلک ہو گئے اور اس کے چند روز اُن کی یونٹ کو شمال مغربی سرحدی صوبہ میں متعین کر دیا گیا دوسری جنگ عظیم میں مصر، سوڈان، لیبیا، قبرص، عراق اور اٹلی کے محاذوں پر جنگ میں حصہ لیا۔ جنگ کے خاتمہ پر وہ وطن واپس آ گئے اور سٹاف کالج کوئٹہ میں داخلہ لیا جہاں سے ۱۹۴۶ میں گریجویشن مکمل کی۔

قیام پاکستان کے موقع پر وہ سٹاف کالج کوئٹہ میں واحد مسلمان انسٹرکٹر تھے اسی بنا پر انہیں پہلے پاکستانی کی حیثیت سے سٹاف کالج کوئٹہ کو چلانے کی ذمہ داری سونپی گئی اکتوبر ۱۹۴۷ میں لیفٹیننٹ کرنل، ۱۹۵۱ میں بریگیڈیئر اور ۱۹۵۷ء میں پاکستان آرمی میں چیف آف جنرل سٹاف مقرر کیے گئے۔ ۱۹۶۰ء میں کیپٹل ڈیولپمنٹ اتھارٹی کے پہلے چیئرمین کی حیثیت سے عہدہ سنبھالا ۱۹۶۵ کی پاک بھارت جنگ میں چھمب جوڑیاں سیکٹر میں تعینات کیا گیا اور بہادری دکھلانے پر انہیں ہلال جرأت کا اعزاز دیا گیا۔ مارچ ۱۹۶۶ میں لیفٹیننٹ جنرل کے عہدہ پر ترقی ملی اور ستمبر ۱۹۶۶ میں پاکستان آرمی کے کمانڈرانچیف مقرر ہوئے۔ ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ کو صدر ایوب کے مستعفی ہونے پر پاکستان کے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر بنے۔ دسمبر ۱۹۷۰ء میں ان کے عہد میں ملک میں پہلے عام انتخابات منعقد ہوئے۔ تو پھر دسمبر ۱۹۷۱ میں بھارت نے مغربی اور مشرقی پاکستان پر حملہ کر دیا اور وہ صورت حال کو نہ سنبھال سکے جس کے نتیجے میں بھارت نے ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ کو مشرقی پاکستان پر قبضہ کر لیا۔ بھارتی قبضہ کے خلاف عوام نے اُن کے خلاف مظاہرے شروع کر دیئے اور مطالبہ کیا کہ وہ سربراہ مملکت

کے عہدے سے استعفیٰ دے دیں چنانچہ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ کو صدر پاکستان کے عہدے سے مستعفی ہو گئے اور عوامی مطالبہ پر حکومت نے جنوری ۱۹۷۲ میں نظر بند کر دیا ستمبر ۱۹۷۷ میں انہیں رہا کر دیا گیا اور ۱۹۸۰ء میں انتقال کیا۔

صدر یحییٰ کی بطور صدر تقرری

۳۱ مارچ ۱۹۶۹ء کو مارشل لاء کے ناظم اعلیٰ جنرل آغا محمد یحییٰ خان نے صدر مملکت کا عہدہ بھی سنبھال لیا۔

وزارت اطلاعات و نشریات نے جو پریس نوٹ جاری کیا اُس کا متن یہ ہے۔

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو مملکت اور انتظامیہ کے سربراہ کی حیثیت سے جو گوناں گو فرائض انجام دینے پڑتے ہیں ان کی ادائیگی کے لیے یہ ضروری ہے کہ انہیں ایسا عہدہ حاصل ہو جس کے ذریعہ وہ ان فرائض کو ملک کے مروجہ قوانین اور بین الاقوامی طریقوں اور روایات کے مطابق انجام دے سکیں۔

بین الاقوامی امور میں صرف صدر اس امر کا مجاز ہوتا ہے کہ وہ بعض دستاویزات وصول کرے یا جاری کرے اور غیر ممالک میں مملکت کی طرف سے فرائض کی انجام دہی کے لیے نمائندوں کا تقرر کرے۔ غیر ممالک سے ہونے والے سمجھوتوں اور معاہدوں کی توثیق اور غیر ممالک کے سفارتی نمائندوں کے کاغذات بھی صرف صدر ہی وصول کر سکتا ہے۔

ملکی اور بین الاقوامی امور کے ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ چیف مارشل ایڈمنسٹریٹر جو پاکستان میں سربراہ مملکت اور انتظامیہ کے سربراہ کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے ہیں اس وقت تک جب تک عوام کے منتخب نمائندے ملک کا دستور تیار کریں صدر مملکت کا عہدہ سنبھال لیں۔

انتظامی امور

انتظامی کونسل کا قیام

صدر مملکت جنرل آغا محمد یحییٰ خان نے ۳ اپریل ۱۹۶۹ کو ملک کا نظم و نسق چلانے کے لیے انتظامی کونسل کے قیام کا اعلان کیا۔ یہ تین ارکان پر مشتمل تھی صدر نے اس کے چیئرمین کے فرائض سنبھال لیے دیگر ارکان کے نام یہ ہیں لیفٹیننٹ جنرل عبدالحمید خان۔ وائس ایڈمرل ایس ایم احسن اور ایئر مارشل نور خان۔

گورنروں کی تقرری ۸ اپریل ۱۹۶۹ کو صدر آغا محمد یحییٰ خاں نے جنرل عتیق الرحمٰن کو مغربی پاکستان اور جنرل مظفر الدین کو مشرقی پاکستان کا گورنر مقرر کیا۔ یہ گورنر مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

کابینہ کا تقرر اگست ۱۹۶۹ء میں صدر یحییٰ خاں نے مندرجہ ذیل حضرات کو اپنی کابینہ میں شامل کیا۔

۱۔ ڈاکٹر اے۔ ایم ملک	صحت، محنت، سماجی بہبود، خاندانی منصوبہ بندی۔
۲۔ سردار عبدالرشید	داخلہ، کشمیر، ریاستی و سرحدی امور۔
۳۔ اے کے ایم حفیظ الدین	صنعت، قدرتی وسائل۔
۴۔ نواب مظفر علی قزلباش	خزانہ۔
۵۔ مسٹر محمد شمس الحق	تعلیم، سائنسی تحقیق۔
۶۔ نواب زادہ شیر علی خان۔	اطلاعات و نشریات۔
۷۔ مسٹر احسان الحق	تجارت۔
۸۔ مسٹر محمود اے ہارون	زراعت و تعمیرات۔
۹۔ مسٹر اے آر کارنیلیس	قانون و پارلیمانی امور۔
۱۰۔ مسٹر واجد علی چودھری	

وزیر اعظم اور نائب وزیر اعظم کی تقرری صدر پاکستان آغا محمد یحییٰ خان نے دسمبر ۱۹۷۱ء میں مرکز میں مخلوط حکومت کے قیام کے سلسلے میں متحدہ مخلوط پارٹی کے سربراہ مسٹر نور الامین کو وزیر اعظم اور اکثریتی جماعت پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ نامزد کیا۔

ایک بیان میں صدر نے کہا کہ انہوں نے جنگ اور دونوں صوبوں کے درمیان مواصلات کی دشواریوں کے سبب مرکز میں حکومت کے قیام کا فیصلہ ۲۷ دسمبر کی بجائے ابھی کیا ہے۔ مرکزی حکومت کے ارکان ملک کے دونوں حصوں کے منتخب نمائندوں میں سے کیے جائیں گے جس کا فیصلہ مخلوط حکومت کے لیڈروں کے درمیان ۳۰ نومبر ۱۹۷۱ کو اسلام آباد میں ان سے طے پایا تھا۔

سوات، دیر اور چترال کی ریاستوں کا انضمام صدر پاکستان جنرل آغا محمد یحییٰ خاں نے ۲۸ جولائی ۱۹۶۹ کو سوات،

دیر اور چترال کی ریاستوں کو مغربی پاکستان میں ضم کرنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ کچھ عرصے سے سرحدی ریاستوں کے معاملے سے ہمارے عوام کے ذہنوں کو پریشان کر رکھا تھا لہٰذا میری حکومت نے ان ریاستوں کو مغربی پاکستان میں ضم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

۳ر اگست کو اس ضمن میں ایک سرکاری اعلان میں بتایا گیا کہ سوات دیر اور چترال کے ملازم سرکاری ملازم ہوں گے۔ اور انہیں وہی حقوق حاصل ہوں گے جو حکومت مغربی پاکستان کے ملازموں کو حاصل ہیں۔

وحدت مغربی پاکستان کی تنسیخ

یکم اپریل ۱۹۷۰ء کو صدر پاکستان اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل آغا محمد یحییٰ خاں نے وحدت مغربی پاکستان کو توڑ کر چار صوبے قائم کرنے کا باضابطہ اعلان کیا۔ نئے صوبوں کی تفصیلات یہ ہیں۔

صوبہ بلوچستان میں کوئٹہ ڈویژن بشمول قبائلی علاقے، قلات ڈویژن، کراچی ڈویژن کے ضلع لس بیلا اور حیدر آباد ڈویژن کے نصیر آباد سب ڈویژن پر مشتمل ہو گا۔

صوبہ سرحد میں پشاور ڈویژن میں سابق ریاست امب، ضلع ہزارہ کے قبائلی علاقے، ڈیرہ اسماعیل خان، مالاکنڈ ڈویژن میں سابق ریاست دیر، سوات، چترال اور مالاکنڈ کے زیر تحفظ علاقے دیگر قبائلی علاقوں کو چھوڑ کر شامل ہوں گے۔

صوبہ پنجاب میں راولپنڈی ڈویژن اسلام آباد کے علاقے کو چھوڑ کر، لاہور ڈویژن، ملتان ڈویژن، بہاولپور ڈویژن اور تعلقہ اباروسکھر کا حلقہ مچھکا۔

صوبہ سندھ میں کراچی ڈویژن ضلع لس بیلا کو نکال کر، حیدر آباد ڈویژن اور خیرپور ڈویژن نصیر آباد سب ڈویژن اور مچھکا حلقہ نکال کر شامل ہوں گے دارالحکومت اسلام آباد ان علاقوں پر مشتمل ہو گا جن کی وضاحت دارالحکومت جمہوریہ کے علاقہ کا تعین آرڈی ننس ۱۹۶۳ میں کی گئی۔

پاکستان ویسٹرن ریلوے کی انتظامیہ صدر کے ماتحت ہو گی۔ مغربی پاکستان واپڈا کے متعلق صوبائی حکومت کے اختیارات صدر استعمال رہیں گے۔ مغربی پاکستان کی زرعی ترقیاتی کارپوریشن، صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کے متعلق صوبائی حکومت کے اختیارات صدر استعمال کریں گے۔ صدر پاکستان ویسٹرن ریلوے کے لیے ایک ایڈوائزری کونسل بنائیں گے جب کہ واپڈا کے لیے ایڈوائزری بورڈ قائم کیا جائے گا اس طرح دوسری کارپوریشنوں کے لیے بھی

ایک ایک ایڈوائزری بورڈ قائم ہو گا۔ ہر صوبے کے لیے علیحدہ ہائی کورٹ ہو گی دو یا زیادہ صوبے اتفاق رائے سے ایک مشترکہ ہائی کورٹ بھی بنا سکیں گے۔

نئے صوبائی گورنروں کا تقرر

یکم اپریل کو صدر آغا محمد یحییٰ خاں نے یکم جولائی ۱۹۷۰ء سے مندرجہ ذیل اصحاب کو گورنر مقرر کیا۔

صوبہ بلوچستان ـــــ لیفٹیننٹ جنرل ریاض حسین۔

سندھ ـــــ لیفٹیننٹ جنرل رحمان گل۔

شمال مغربی سرحدی صوبہ ـــــ لیفٹیننٹ جنرل خواجہ محمد اظہر خان۔

پنجاب ـــــ لیفٹیننٹ جنرل عتیق الرحمان۔

لیفٹیننٹ جنرل عتیق الرحمان سے کہا گیا کہ وہ نئے گورنروں کے عہدے سنبھالنے تک پورے مغربی پاکستان کے گورنر کے فرائض انجام دیں۔

حکم میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ ون یونٹ توڑنے کے متعلق صدر کے حکم کی دفعہ یا دفعہ بیس کے تحت جاری کردہ حکم سمیت صدر یا گورنر کے حکم کی تشریح کے بارے میں اگر کوئی شبہ پیدا ہو جائے تو اس کا فیصلہ صرف صدر کریں گے اور ایسے فیصلے کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکے گا۔

اصلاحی اقدامات

بدعنوانیوں کی روک تھام کے لیے مستقل کمیٹی کا قیام

۲۱ اپریل ۱۹۶۹ء کو انتظامی کونسل نے ملک میں اعلیٰ سطح پر بدعنوانیوں کی روک تھام کے لیے ایک کمیٹی قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ کمیٹی ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ کے ایک جج، ایک بریگیڈیئر اور ایک رکن پر مشتمل تھی۔

۲۲ اپریل کو صدر نے ناجائز طریقوں سے حاصل کی جانے والی املاک کی تحقیقات کی غرض سے ایک خصوصی کمیٹی کے قیام کا آرڈی نس جاری کیا۔ آرڈی نس کے تحت املاک کے متعلق غلط معلومات فراہم کرنے والوں کو سات سال کی سزا دینے کا اعلان کیا گیا۔

دولت کو چند ہاتھوں میں جمع ہونے سے روکنے کا آرڈی نس

صدر مملکت جنرل آغا محمد یحییٰ خاں

نے دولت کو چند ہاتھوں میں جمع ہونے سے روکنے کے لیے ایک آرڈی نَنس ۲۷ فروری ۱۹۷۰ کو جاری کیا۔ آرڈی نَنس میں کہا گیا تھا کہ کوئی بھی شخص ایک چیز کی ملکیت حاصل کر سکتا ہے اسے اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا اس پر کنٹرول کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اس کی یا میاں یا بیوی یا اس کے بھائی یا بہن یا اس کے کسی خاندان کے بڑے یا چھوٹے کی ملکیت ہو اس کی تحویل میں ہو یا اس کے کنٹرول میں ہو۔ لیکن اقتصادی دولت کو ایک جگہ پر نہیں رکھا جا سکتا۔

اس آرڈی نَنس سے ۵۰ فیصد حصص یا ایک کروڑ روپے کا اثاثہ رکھنے والے افراد متاثر ہوئے۔ آرڈی نَنس کی خلاف ورزی پر ۱۰ ہزار روپے جرمانے کی سزا بھی رکھی گئی مرکزی اور صوبائی حکومت کے مملکتی ادارے اور اسی قسم کے دیگر ادارے اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے۔

لازمی فوجی تربیت کا آرڈی نَنس

۷ نومبر ۱۹۷۰ کو صدر محمد یحییٰ خاں نے لازمی قومی سروس کا آرڈی نَنس جاری کیا جس کے تحت ۱۸ سال سے ۲۰ سال تک عمر اور میٹرک یا اس سے زیادہ تعلیمی قابلیت کے حامل تمام نوجوانوں کو لازمی طور پر فوجی تربیت حاصل کرنے کی سکیم مرتب کی گئی اس اسکیم سے صرف میڈیکل، انجینئرنگ اور دیگر زیری اداروں کے طلبا اور فوج، پولیس یا آرڈی نَنس فیکٹریوں کے ملازمین کو مستثنیٰ قرار دیا گیا لازمی قومی خدمت کی اس سکیم کا اطلاق پورے پاکستان پر کیا گیا۔

دُنیائے اسلام سے تعلقات

۲۲ ستمبر ۱۹۶۹ء کو مراکش کے دارالحکومت میں مسلم ممالک کے سربراہوں کی جو کانفرنس شروع ہوئی اُس میں صدر پاکستان نے بھی شرکت کی۔ ۲۳ ستمبر کو انہوں نے اسلامی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عالم اسلام متحد ہو جائے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں نظر انداز نہیں کر سکتی۔ اور وقت ضائع کیے بغیر ہمیں اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے کارروائی کرنی چاہیے کیوں کہ اسلامی اقدار کا احیاء ناگزیر ہو گیا ہے۔

دریں اثنا اسلامی سربراہوں کی کانفرنس میں شرکت کے لیے بھارتی وزیر محنت مسٹر فخر الدین علی احمد کی قیادت میں رباط پہنچا وفد میں نائب وزیر خارجہ بھارت مسٹر سریندر پال سنگھ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر علیم اور کمیونسٹ لیڈر مسٹر علی ظہیر اور مراکش میں بھارت کے سفیر مسٹر گوربچن سنگھ شامل تھے گویا یہ وفد دو سکھوں اور تین مسلمانوں پر مشتمل تھا۔

چنانچہ بھارتی وفد کی کانفرنس میں شرکت کے خلاف احتجاج کے طور پر صدر یحیٰ خان واک آؤٹ کر گئے شہنشاہ ایران، شاہ فیصل، شاہ حسن اور شاہ حسین نے ان سے واک آؤٹ نہ کرنے کی درخواست بھی کی لیکن انہوں نے کہا کہ کشمیر میں بھارت اور مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کی پالیسی میں کوئی فرق نہیں ہے نیز بھارت میں اس وقت بھی مسلمانوں کا قتل عام جاری ہے ان حالات میں بھارتی وفد کی موجودگی میں ہم کانفرنس میں شرکت نہیں کر سکتے۔ حالانکہ کانفرنس نے اجلاس سے قبل یہ یقین دلایا تھا کہ کانفرنس میں بھارت کے چھ کروڑ مسلمانوں کی طرف سے مسلمانوں کا نمائندہ وفد شرکت کرے گا۔

صدر کے احتجاج کے علاوہ پاکستانی رہنماؤں نے بھی کانفرنس کے کاربرداروں کے شدید احتجاجات کئے۔

چنانچہ صدر یحیٰ خاں کے جرات مندانہ فیصلے پر بھارتی وفد کو رباط کانفرنس میں شرکت سے نہ صرف روک دیا گیا۔ بلکہ مراکش کی حکومت نے مراکش میں مقیم بھارتی سفیر گوربچن سنگھ کو بھی ناپسندیدہ قرار دے دیا۔

پاکستان میں صدر پاکستان کے اس اقدام کو بے حد سراہا گیا اس ضمن میں مولانا احتشام الحق تھانوی نے کہا کہ کانفرنس میں بھارت کی شرکت ہماری اسلامی حمیت اور غیرت کے منافی تھی صدر پاکستان نے کانفرنس کا بائیکاٹ کر کے مسلمانان پاکستان کے جذبات کی صحیح عکاسی کی ہے۔

اسلامی ممالک کے وزراء خارجہ کی کانفرنس

۲۶ دسمبر ۱۹۷۰ کو کراچی میں اسلامی ممالک کے وزراء خارجہ کی دوسری کانفرنس منعقد ہوئی کانفرنس میں ۲۳ مسلم ممالک کے مندوبین، عرب لیگ اور فلسطینی محاذ آزادی کے ارکان نے شرکت کی کانفرنس کا افتتاح صدر پاکستان اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل یحیٰ خاں نے کیا۔

۲۸ دسمبر کو کانفرنس ختم ہو گئی۔ ۲۹ دسمبر کو جو مشترکہ اعلان جاری کیا گیا اس میں اسرائیل سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ عربوں کے تمام مقبوضہ علاقوں سے اپنی فوجیں واپس بلالے نیز فلسطینی عوام کو ان کے جائز اور پیدائشی حقوق دیئے جائیں اور انہیں اپنے وطن واپس جانے دیا جائے جس کو غصب کر لیا گیا ہے کانفرنس نے فلسطینیوں کو ہر قسم کی سیاسی، مادی اور اخلاقی امداد مہیا

کرنے کا وعدہ کیا کانفرنس نے اعلان کیا کہ اگلے سال یعنی ۲۱ اگست ۱۹۷۱ کو یوم اقصیٰ منایا جائے گا۔

اقتصادیات اس منصوبے کیلئے ۷۵ ارب روپے کی رقم ترقیاتی اخراجات کیلئے رکھی گئی تھی لیکن منصوبے پر ابھی عملدرآمد بھی شروع نہ ہوا تھا کہ پاک بھارت جنگ چھڑ گئی۔ ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ میں بے یقینی کی فضا پیدا ہو گئی تھی اس لیے سالانہ ترقیاتی منصوبوں کا پروگرام بنایا گیا یہ منصوبے چھ سال تک جاری رہے۔ اس دوران میں فی کس آمدنی میں ۲ء۱ فیصد اور قومی آمدنی میں ۶ء۱ فیصد کا اضافہ ہوا۔

سیاسی جماعتیں

نیشنل پراگریسو لیگ کا قیام اس جماعت کا قیام ۲۰ جولائی ۱۹۶۹ کو عمل میں آیا اس وقت اس کا نام نیشنل پروگریسو لیگ تھا کیم اگست ۱۹۷۰ کو کل پاکستان کنونشن میں نیشنل لیگ کا نام دیا گیا۔ اس جماعت کے بنیادی اصول یہ تھے۔

۱۔ سیاسی جمہوریت اور مساوی سماجی و اقتصادی نظام کی بنیاد پر ایک ایسے معاشرے کا وجود عمل میں لانا جو بتدریج پاکستان کے ایک ایک فرد کو جمہوریت کے حقیقی لطف سے بہرہ ور کر سکے اور معاشرتی زندگی کی موجودہ اضطراب و پریشانی سے کلیتہً نجات دلا سکے۔

۲۔ حقیقی امن امان کے لیے جمہوریت اور سوشلزم کی بنیاد پر ایک دستور حکومت مرتب کرنا تاکہ ایک طرف تو جملہ سیاسی حقوق کے غیر محدود مواقع فراہم ہوں اور دوسری طرف منصفانہ معاشی زندگی کا تحفظ ہو سکے۔

۳۔ مستحکم بنیاد پر سوشلسٹ اقتصادی نظام قائم کرنا۔

۴۔ بنگالی، پنجابی، پٹھان، سندھی اور بلوچی کی حقیقت سے پانچ منفرد علاقائی، ثقافتی، لسانی اور نسلی اکائیوں کو تسلیم کرتے ہوئے پاکستان کے ملی شعور کی تعمیر نو کا کام اس طرح کرنا چاہیے کہ بہت جلد ایسی صحت مند فضا پیدا ہو سکے جس سے ہم اپنے مسائل کو اس طرح سلجھائیں کہ آئندہ چل کر ہم اپنے قومی اور سیاسی وجود کو ثابت کر سکیں۔

تحریک استقلال کا قیام

ریٹائرڈ ایر مارشل اصغر خان نے ۱۹۷۰ء میں تحریک استقلال کی بنیاد رکھی اس کے دستور میں تحریک کے قیام کا مقصد یہ بیان کیا گیا۔

۱۔ ملک کے مختلف علاقوں کے عوام کے درمیان ہمدردی اور ایک دوسرے کے مسائل سمجھنے کی فضا پیدا کرنا۔

۲۔ ایک ایسے آئین کی تیاری اور ملک میں اسے نافذ کرنا جو قرآن و سنت پر مبنی ہو۔

۳۔ صوبوں کو زیادہ سے زیادہ ایسی خود مختاری دینا جس سے پاکستان کی سالمیت بھی محفوظ رہے۔

۴۔ ملک کے مختلف حصوں کے عوام کے درمیان سے اونچ نیچ ختم کرنا اور کم از کم مدت میں تمام علاقوں کے لوگوں کو اس قابل بنانا کہ وہ قومی معاملات میں عملی طور پر حصہ لے سکیں۔

۵۔ مملکت کے تمام شہریوں کے لیے مساوی حقوق مہیا کرنا۔

۶۔ مزدور کی عزت اور وقار بلند کرنا اور تربیت و تعلیم یافتہ افراد سمیت ملک کی ترقی کے لیے جتنے ذریعے میسر ہیں اُن کے استعمال کرنے کے لیے موثر منصوبہ بندی کرنا۔

۷۔ ایسی صورت حال ختم کرنا جس میں کسی بھی طرح عوام کے حقوق مارے جا رہے ہوں۔

۸۔ خواتین کے جائز حقوق کی حفاظت کرنا تاکہ وہ معاشرہ میں ایک مفید اور تعمیری کردار ادا کرسکیں۔

۹۔ ملک کے تمام شہریوں کو کم از کم بنیادی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ایک جیسے اور برابر مواقع مہیا کرنا اور صرف ان لوگوں کو اعلیٰ تعلیم کا موقع دینا جو صرف قابلیت کی بنیاد پر اس کے اہل ہوں۔

۱۰۔ تحریک کا عقیدہ ہے کہ تمام دولت اللہ تعالیٰ کی ہے اور ہمارے پاس امانت ہے اس لیے اس بات کی ضمانت دینا کہ پاکستان کے تمام باشندوں کو اس امانت سے برابری اور دیانتداری کے اصولوں کے مطابق حصہ ملتا ہے۔

۱۱۔ جمہوریت کے ذریعے قائم کیے گئے اداروں کے ذریعے سے ملک میں آزاد عدلیہ قائم کرنا اور یہ اصول بنانا کہ قانون ہر شخص پر برابر لاگو ہوتا ہے۔

۱۲۔ اس بات کی ضمانت دینا کہ جو لوگ کسی عہدے پر ہوں وہ رشوت نہ لیں اور نہ اس عہدے کے نااہل ہوں اس کے ساتھ ساتھ ایسے لوگ دیانتداری، خودداری اور سادگی سے زندگی

بسر کریں۔

۱۳۔ ایک ایسی آزاد خارجہ پالیسی اختیار کرنا جس سے قوم کے مفادات کی بھی حفاظت ہو اور عالمی امن کو بھی تقویت ملے۔

۱۴۔ مسلمان ملکوں سے قریبی اور دوستانہ تعلقات قائم کرنا اور مسلمان ملکوں کے اتحاد کے لیے محنت سے کام کرنا۔

۱۵۔ ریاست ہائے جموں کشمیر، جوناگڑھ، مناودر اور منگرول کی آزادی کے لیے جدوجہد کرنا۔

اسلامی متحدہ محاذ

۲۵ ستمبر ۱۹۷۰ کو مغربی پاکستان جمہوری پارٹی کے صدر نوابزادہ نصراللہ خاں نے لاہور میں آٹھ سیاسی و دینی جماعتوں پر مشتمل اسلامی متحدہ محاذ قائم کرنے کا اعلان کیا اس کے قیام کا مقصد ملک میں سرمایہ داری، سوشلزم اور دیگر لادینی نظاموں کا مقابلہ کرنا اور خالص اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے جدوجہد بتایا گیا۔ اسلامی متحدہ محاذ میں جماعت اسلامی، پاکستان جمہوری پارٹی، مرکزی جمعیت اہل حدیث، جمعیت اتحاد العلماء، پاکستان تنظیم، جمعیت احیائے ملت اور جماعت غربا شامل تھیں۔ محاذ نے ایک متفقہ فارمولا تیار کیا جس کے مطابق ہر پارٹی ایک انتخابی حلقے میں زیادہ سے زیادہ تین امیدواروں کے نام پیش کر سکتی تھی۔

دائیں بازو کی سات جماعتوں کا اتحاد

۱۵ نومبر ۱۹۷۱ کو لاہور میں دائیں بازو کی سات سیاسی جماعتوں (پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی، جماعت اسلامی، پاکستان کونسل مسلم لیگ، پاکستان مسلم لیگ قیوم گروپ، پاکستان کنونشن مسلم لیگ، مرکزی جمعیت العلمائے پاکستان اور مرکزی جمعیت العلمائے اسلام) نے نورالامین کی قیادت میں متحدہ محاذ قائم کیا۔

اس ضمن میں ایک مشترکہ اعلان بھی جاری کیا گیا جس میں کہا گیا تھا کہ دائیں بازو کی جماعتوں کے اتحاد کا محرک قومی نظریے اور قومی سالمیت کے تحفظ کا جذبہ تھا اس محاذ میں شامل جماعتیں ملک میں مکمل اسلامی نظام رائج کرنے کی جدوجہد کریں گی بعد ازاں اسے متحدہ پارلیمانی پارٹی کا نام دیا گیا۔

میاں ممتاز دولتانہ نے سات جماعتوں کے اتحاد پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ جمہوریت کی بحالی کے لیے قائم ہوا ہے۔

پیپلز پارٹی کے سیکرٹری اطلاعات مولانا کوثر نیازی نے کہا کہ یہ اتحاد اپنی موت آپ مر جائے گا اور پیپلز پارٹی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

نیشنل عوامی پارٹی پر پابندی

۲۶ نومبر ۷۱ء کو حکومت پاکستان نے نیشنل عوامی پارٹی کے تمام دھڑوں اور گروپوں کو خلاف قانون قرار دے دیا اور اس کے بعض رہنما نظر بند کر دیئے گئے تاہم سرکاری اعلان میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ جو لوگ نیشنل عوامی پارٹی کے ٹکٹ پر قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے رکن منتخب ہوئے ہیں انکی نشستیں برقرار رہیں گی اعلان میں نیشنل عوامی پارٹی پر پابندی کی یہ وجوہات بتائی گئیں۔ کہ نیشنل عوامی پارٹی طویل عرصے سے ملکی سلامتی اور قومی مفادات کے خلاف کام کر رہی تھی اسکے کچھ لیڈروں نے جو قیام پاکستان کے خلاف تھے اب تک اسے دل سے تسلیم نہیں کیا اور انہوں نے اسے نقصان پہنچانے کا کبھی کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا اب جب کہ پاکستان اپنے مشرقی حصہ میں اندرونی تخریب سے نمٹنے کیلئے کارروائی کر رہا ہے اور بھارتی فوجوں نے پاکستانی علاقوں پر حملہ کر دیا ہے اور بھارتی لیڈر پاکستان کے علاقہ پر قبضہ کرنے کی فکر میں ہیں نیپ کے بعض رہنما ہمارے دشمنوں سے مل کر پاکستان کو تباہ کرنے اور اس کی سالمیت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سازشیں کر رہے ہیں۔

صدر نے اس ضمن میں کہا کہ مظفر احمد ملک ہمارے خلاف بغاوت کی رہنمائی کر رہے ہیں مولانا بھاشانی کے پہلے شخص ہیں جنہوں نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی آواز سب سے پہلے اٹھائی تھی اور اب وہ ہمارے دشمنوں کے ساتھ رہ رہے ہیں خان عبدالغفار خان نے جو ملک کے سب سے بڑے دشمن ہیں اور اب وہ کھلم کھلا دشمن کے ساتھ مل کر پاکستان کے خلاف کارروائیوں میں سرگرم عمل ہیں۔ اس کے علاوہ مغربی پاکستان میں بھی پارٹی کے رہنما بعض حصوں میں بغاوت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

آئینی سرگرمیاں

۱۹۶۲ء کے منسوخ شدہ آئین کا عارضی نفاذ

۴ اپریل ۱۹۶۹ کو صدر یحییٰ خاں نے ۱۹۶۲ کے آئین کو چند شرائط کے ساتھ عارضی طور پر بحال کر دیا ناظم مارشل لاء صدر یحییٰ خاں نے جو حکم جاری کیا اُس کا متن یہ ہے۔

I۔ ۱۔ یہ حکم عارضی آئین کا حکم کہلائے گا۔ ۲۔ یہ حکم فوری طور پر نافذ العمل ہوگا۔ اور اسے ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ کو مارشل لاء کے نفاذ کے اعلان کے وقت سے نافذ سمجھا جائے گا۔ ۳۔ اس کا اطلاق

پورے پاکستان پر ہو گا۔

II ۔ اس حکم میں بیان کردہ مستثنیات کے سوا یہ حکم ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ کے اعلان میں اضافہ ہوگا کوئی اس کی تنقیص نہیں کرے گا اس حکم کو اس اعلان کے ساتھ اور اس کی روشنی میں ہی پڑھا جائے گا۔

III ۔ ۸ جون ۱۹۶۲ کو نافذ ہونے والا اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین مارشل لار کے اعلان کے ذریعہ کالعدم قرار دیئے جانے کے باوجود مملکت پاکستان کا انتظام حتی الوسع اس آئین کے مطابق البتہ ناظم اعلیٰ مارشل لار کے وقتاً فوقتاً جاری کردہ ضوابط و احکام کی پابندی کے ساتھ چلایا جائے گا۔ سوائے اس صورت کے جس کا ذکر اس حکم میں کیا گیا ہے۔

۲ ۔ ناظم اعلیٰ مارشل لار پاکستان کے صدر ہوں گے انہیں آئندہ صدر کہا جائے گا وہ اس آئین یا کسی دوسرے قانون کے تحت صدر کو حاصل ہونے والے تمام اختیارات استعمال کریں گے۔

۳ ۔ آئین کے حصہ دوم باب اوّل میں بنیادی حقوق کے پیرا گراف نمبر ۲، ۴، ۵، ۷، ۸، ۹، ۱۳، ۱۴، ۱۵ اور ۱۷ کالعدم رہیں گے۔ اور ان حقوق کے نفاذ سے متعلق تمام زیر سماعت مقدمات ختم سمجھے جائیں گے۔

۴ ۔ مارشل لار کے ناظم اعلیٰ نائب ناظم اعلیٰ یا ان میں سے کسی کے تفویض کردہ اختیارات کی حامل کی بھی مارشل لار اتھارٹی کے خلاف کوئی فیصلہ، ڈگری رٹ یا حکم کسی بھی عدالت سے یا ٹریبونل سے جاری نہیں ہو سکے گا۔

IV ۔ ۱۔ صدر یا کسی صوبائی گورنر کی طرف سے جاری ہونے والے آرڈی ننس پر آئین میں درج شدہ میعاد کی تاریخ عاید نہیں ہو گی۔

۲۔ شق ۱ کا اطلاق اس آرڈی ننس پر بھی ہو گا جو مارشل لار کے اعلان سے فوراً قبل نافذ ہو۔

V ۔ کوئی بھی عدالت ٹریبونل یا اتھارٹی مندرجہ ذیل پر نہ اعتراض کر سکتی ہے اور نہ ہی اعتراض کرنے کی اجازت دے سکتی ہے۔ (ا) مارشل لار کے نفاذ کا اعلان (ب) مارشل لار کے کسی ضابطے یا مارشل لار کے کسی آرڈر کے مطابق جاری ہونے والا کوئی حکم (ج) کسی خصوصی فوجی عدالت یا سرسری سماعت کی فوجی عدالت کا فیصلہ سزا یا حکم۔

VI فوجداری مقدمات کے سلسلہ میں کسی ہائی کورٹ کے فیصلہ حکم یا سزا کے خلاف سپریم کورٹ میں

اپیل نہیں کی جاسکے گی سوائے مندرجہ ذیل صورتوں (و) ہائیکورٹ بربنائے اپیل ملزم کے بری ہونے کے حکم کو الٹ کر اسے سزائے موت یا عمر قید کی سزا سنائی ہو۔ (ب) کسی ماتحت عدالت سے مقدمہ واپس لے کر اپنی عدالت میں سماعت کے لیے طلب کر لیا ہو اور ایسے مقدمہ میں ملزم کو مندرجہ بالا سزا دی ہو۔

(ج) ہائیکورٹ اس بات کی تصدیق کرے کہ اس مقدمہ میں قانونی نکات کا تصفیہ درپیش ہے جس میں آئین کی وضاحت ضروری ہے۔

(د) یا ہائیکورٹ کی توہین عدالت پر کسی شخص کو کوئی سزا دی ہو۔

۲۔ شق ۱ میں بیان کی ہوئی صورتوں کے علاوہ سپریم کورٹ، ہائی کورٹ دوسری تمام عدالتیں اور ٹربیونل انہیں اختیارات اور دائرہ اختیارات کے حامل ہوں گے جو انہیں مارشل لاء کے نفاذ کے اعلان سے قبل حاصل تھے۔

VII ۱۔ اس حکم یا کسی قانون کی کوئی بات ناظم مارشل لاء یا ان سے حاصل شدہ اختیارات کی بنیاد پر کسی شخص کے بنائے ہوئے ضابطے پر عملدرآمد میں حائل نہیں ہو گی اور جہاں دفعہ ۴ کے تحت مرتب کردہ آرڈیننس یا کوئی اور قانون ایسے ضابطے سے متصادم ہو گا تو فوقیت مارشل لاء کے ضابطے ہی کو حاصل ہو گی۔

۲۔ کسی بھی قانون کی کسی بھی دفعہ کے تحت کسی نظر بند کو مشاورتی بورڈ کے سامنے پیش کرنے کی پابندی غیر مؤثر ہو گی۔

VIII صدر ملکی معاملات چلانے کے لیے ضروری سمجھیں گے تو حکم کے ذریعے دفعات نافذ کر سکیں گے جن میں آئینی دفعات بھی شامل ہیں۔

صدر یحییٰ خاں نے عارضی آئین کا جو حکم جاری کیا اس میں کہا گیا تھا کہ آئندہ ملک کا نظم و نسق جہاں تک ممکن ہو گا ۱۹۶۲ء کے دستور کے تحت چلایا جائے گا جسے ۲۵ مارچ کو منسوخ کر دیا گیا تھا۔ حکم میں یہ وضاحت کی گئی کہ سابقہ آئین کی بنیادی حقوق سے متعلق بعض دفعات پر عمل نہیں ہو گا۔ حکم میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ کسی مارشل لاء ضابطہ یا حکم کو عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکے گا۔

نیز اس امر کی وضاحت بھی کی گئی کہ سپریم کورٹ فوجداری مقدمات کے سلسلے میں عدالت عالیہ کے کسی قسم کے فیصلوں کے خلاف اپیل سن سکے گی۔ اور آئندہ کسی شخص کی نظر بندی کا معاملہ

مشاورتی بورڈ میں پیش نہیں کیا جائے گا۔

بنیادی حقوق کے باب کی دس دفعات کی تنسیخ

صدر یحییٰ خاں نے ۱۹۶۲ کے آئین میں مندرجہ بنیادی حقوق کے باب کی ۱۹ میں سے دس دفعات حذف کرنے کا اعلان کیا جو یہ ہیں۔

دفعہ ۲ : نظر بندی اور گرفتاری سے تحفظ۔

دفعہ ۴ : کسی ایسے جرم یا فعل کے لیے موثر بہ ماضی کی سزا سے تحفظ جو اس وقت کسی شخص سے سرزد ہوا ہو بلکہ وہ فعل جو جرم قرار نہیں دیا گیا تھا۔

دفعہ ۵ : نقل و حرکت اور ملک کے کسی حصہ میں آمدورفت اور رہائش اختیار کرنے کی آزادی۔

دفعہ ۷ : انجمن، ایسوسی ایشن اور یونین بنانے کی آزادی۔

دفعہ ۸ : کوئی پیشہ، تجارت یا کاروبار کرنے کی آزادی۔

دفعہ ۹ : تحریر و تقریر کی آزادی۔

دفعہ ۱۳ : قانونی حدود کے اندر املاک حاصل کرنے رکھنے یا منتقل کرنے کی آزادی۔

دفعہ ۱۴ : معاوضہ کی ادائیگی کے بعد کسی شخص کو املاک سے محروم کرنے سے تحفظ۔

دفعہ ۱۵ : قانون کی نظر میں تمام شہریوں کے لیے مساوی سلوک اور تحفظ کا حق۔

دفعہ ۱۷ : ملازمتوں میں امتیازی سلوک سے تحفظ۔

بنیادی حقوق کے اس باب میں جو دس دفعات نافذ العمل رہ گئیں ان کا تعلق حسب ذیل امور سے تھا۔

دفعہ ۱ : کسی شخص کو اس کی جان اور آزادی سے قانونی طریقہ کے سوا کسی طریقہ سے محروم نہیں کیا جا سکے گا۔

دفعہ ۳ : کسی شخص کو غلام نہیں بنایا جائے گا نہ غلامی کا طریقہ رائج کیا جائے گا اور کسی سے جبری مشقت نہیں لی جا سکے گی۔

دفعہ ۶ : ہر شخص کو پرامن طور پر اور قانونی حدود کے اندر اجتماع کی آزادی ہو گی۔

دفعہ ۱۰ : ہر شخص کو مذہبی عقیدہ اختیار کرنے اور اس پر عمل کرنے کی آزادی ہو گی۔

دفعہ ۱۱ : کسی شخص سے ایسا ٹیکس وصول نہیں کیا جائے گا جس کی رقم اس کے سوا سب

کے سوا کسی دوسرے مذہب کی تبلیغ یا اس سے متعلق مذہبی اداروں کے اخراجات پر خرچ ہو۔

دفعہ ۱۲۔ کسی شخص کو اُس کے مذہب کے علاوہ کسی دوسرے مذہب سے متعلق تعلیم حاصل کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکے گا اور کسی کو اپنے مذہب کی تعلیم حاصل کرنے سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۶ : کسی شخص کو مذہبی عقیدے کی بنا پر کسی پبلک مقام، تفریحی مقام یا کسی اور جگہ پر جانے سے نہیں روکا جائے گا۔

دفعہ ۱۸ : شہریوں کے ہر گروہ کو اپنے مخصوص کلچر، رسم الخط اور ہر زبان کے تحفظ کا حق ہو گا۔

دفعہ ۱۹ : چھوت چھات، قانونی طور پر ممنوع ہو گی اور چھوت چھات پر عمل کرنا جرم ہو گا۔

نئے آئین کی تدوین

صدر مملکت جنرل آغا محمد یحیٰ خاں نے ملک میں نئے آئین کی تدوین اور عام انتخابات کے انعقاد اور ون یونٹ کو توڑنے کے سلسلے میں ۲۸ مارچ ۱۹۷۰ کو قوم کے نام نشری تقریر میں کہا کہ ملک کے آئندہ آئین میں اسلامی نظریہ کا ہر قیمت پر تحفظ کیا جائے گا۔ نشری تقریر کی خاص خاص باتیں یہ تھیں۔

۱۔ ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہو گا۔ اس کا آئین اسلامی جمہوری اور وفاقی ہو گا۔
۲۔ قومی اسمبلی میں ۳۱۳ نشستیں ہوں گی ان میں ۱۳ نشستیں خواتین کی بھی شامل ہیں۔
۳۔ آئینی ڈھانچا ۳۰ مارچ ۱۹۷۰ کو شائع کر دیا جائے گا۔
۴۔ نئے صوبے یکم جولائی ۱۹۷۰ سے کام شروع کریں گے۔
۵۔ ۱۹۶۱ کی مردم شماری کی بنیاد پر مختلف صوبوں کی نشستیں مقرر کی جائیں گی۔
۶۔ صوبائی انتخابات ۲۲ اکتوبر سے پہلے منعقد ہوں گے۔
۷۔ اسلامی نظریے کا تحفظ کیا جائے گا۔
۸۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی علاقائی یکجہتی کو برقرار رکھا جائے گا۔
۹۔ آئین میں مناسب وقفہ سے انتخابات، عدلیہ کی آزادی اور شہریوں کے بنیادی حقوق کی دفعات شامل کی جائیں گی۔
۱۰۔ وفاقی حکومت میں زیادہ سے زیادہ صوبائی خود مختاری حاصل ہو۔

۱۱۔ اقتصادی عدم مساوات مقررہ مدت کے اندر ختم کی جائے گی۔
۱۲۔ انتخابات میں حکومت قطعی غیر جانبدار ہوگی۔
۱۳۔ صوبہ وار صوبائی اسمبلیوں کی نشستوں کی تعداد یہ ہوگی مشرقی پاکستان عمومی ۳۰۰، خواتین ۱۰، پنجاب عمومی ۱۸۰ خواتین ۶، سندھ عمومی ۶۰، خواتین ۲، بلوچستان عمومی ۲۰ خواتین ۱۔ صوبہ سرحد عمومی ۴۰، خواتین ۲۔

قانونی ڈھانچہ (LEGAL FRAME WORK ORDER)

صدر محمد یحییٰ خاں نے ۲۸ مارچ ۱۹۷۰ء کو آئین سازی کے لیے قانونی ڈھانچے کا اعلان کیا۔ قانون ڈھانچے کے حکم میں آئین کے ۵ بنیادی اصول بتائے گئے جو یہ ہیں۔

دستور سازی کے پانچ اصول

۱۔ اسلامی (وفاقی) جمہوریہ پاکستان کا قومی استحکام، علاقائی سالمیت اور آزادی۔
۲۔ اسلامی نظریہ کا تحفظ اور سربراہ مملکت کا مسلمان ہونا۔
۳۔ عدلیہ کی آزادی، شہریوں کے بنیادی حقوق اور جمہوریت کی بنیادی اصولوں کی پابندی۔
۴۔ صوبائی خود مختاری اور
۵۔ قومی سرگرمیوں میں تمام علاقوں کے لوگوں کی مکمل شرکت اور مقررہ مدت میں ایک صوبے کے مختلف علاقوں اور صوبوں کے درمیان عدم مساوات کو ختم کرنا۔

قانونی ڈھانچے میں اس بات کی وضاحت بھی کر دی گئی کہ نئے آئین کے دیباچے میں یہ لکھا جائے گا کہ ملک کے مسلمان اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزاریں گے اور اقلیتوں کو اپنے مذہب پر آزادی سے کاربند رہنے کا اختیار ہوگا۔ اور انہیں دوسرے شہریوں کے مساوی حقوق و مراعات حاصل ہوں گی۔ قومی اسمبلی ایک بل کی شکل میں آئین تیار کرے گی جسے قومی اسمبلی کے دن سے یعنی پہلے اجلاس کے دن سے ایک سو بیس دن میں بنانا ہوگا اور اگر قومی اسمبلی اس مدت میں آئین نہ بنا سکی تو اسے توڑ دیا جائے گا۔ اور اگر اس نے آئین کی منظوری دے دی تو اس پر صدر کی منظوری ضروری ہوگی۔ اور اگر یہ منظوری دینے سے انکار کر دیا گیا تو قومی اسمبلی ٹوٹ جائے گی۔ جہاں تک صوبائی اسمبلی کا تعلق ہے جب تک آئینی بل پر صدر کی منظوری حاصل نہ ہوگی اس کا

نفاذ عمل میں نہیں کر سکے گا۔

اہلیت اور نا اہلی

ہر شخص کو اسمبلی کا رکن منتخب کیا جائے گا جو مندرجہ ذیل خصوصیات کا حامل ہو۔
وہ پاکستان کا باشندہ ہو اور اس کی عمر ۲۵ سال سے کم نہ ہو اور صوبے یا مرکز کے زیر انتظام قبائلی علاقوں کے جس حلقۂ انتخاب سے وہ کھڑا ہو گا اس کی انتخابی فہرست میں اس کا نام درج ہو۔ اس شخص کو انتخاب لڑنے کا اہل قرار نہیں دیا جائے گا جس کے دماغ میں فتور ہو اور کسی عدالت مجاز نے اسے اس حالت میں مبتلا قرار دے دیا ہو یا وہ دیوالیہ ہو اور اُسے دیوالیہ ہوئے دس سال نہ گزرے ہوں یا اسے کسی جرم میں سزا ہو چکی ہو قید کی معیاد دو سال سے کم نہ ہو اور اسے رہا ہوئے پانچ سال کی مدت یا اگر کسی شخص کے معاملے میں صدر مدت کم کر دیں تو وہ گزاری نہ ہو۔ اگست ۱۹۶۹ کے بعد کسی وقت بھی وہ صدر کی مجلس وزراء کا رکن رہا ہو اور اسے وزیر کا عہدہ چھوڑے دو سال کی مدت نہ گزری ہو لیکن صدر اس مدت کو کسی بھی شخص کے لیے کم کر سکتے ہیں وہ شخص انتخابات میں حصہ نہیں لے سکتا جو سرکاری ملازمت میں ہو۔ یا گزشتہ پانچ برس کے دوران میں اپنی ملازمت سے برطرف کیا جا چکا ہو جس کی بیوی یا خاوند سرکاری ملازمت میں ہو۔ ہائی کورٹ، سپریم کورٹ کے جج، کنٹرولر جنرل، آڈیٹر جنرل، اٹارنی جنرل اور ایڈووکیٹ جنرل بھی حصہ نہیں لے سکیں گے۔ کوئی شخص ایک سے زیادہ نشستوں سے انتخاب میں حصہ لے سکے گا۔ لیکن منتخب ہونے کے بعد پندرہ دن کے اندر اُسے الیکشن کمیشن کو اپنی نشست سے مطلع کرنا ہو گا۔ نیز اسمبلی کے پہلے اجلاس کے ایک ہفتہ کے اندر اس کے لیے رکنیت کا حلف بھی لینا ضروری ہو گا۔ ورنہ رکنیت ختم تصور ہو گی۔ سرکاری ٹھیکیدار جو حکومت کو مال فراہم کرتے ہوں کسی اسمبلی کی رکنیت کے اہل نہیں ہوں گے۔

عام انتخابات کا اعلان

۲۸ جولائی ۱۹۶۹ء کو صدر مملکت جنرل آغا محمد یحییٰ خاں نے ملک میں نئے انتخابات کرانے کے سلسلے میں جسٹس عبدالستار کو چیف الیکشن کمشنر مقرر کیا ازاں بعد صدر نے ملک بھر میں سیاست دانوں اور رائے عامہ کے دوسرے رہنماؤں کے ساتھ تبادلہ خیال کیا اور ۲۸ نومبر ۱۹۶۹ کو عوام کے نام ایک نشریہ میں کہا کہ ملک میں عام انتخابات ایک آدمی ایک ووٹ کی بنیاد پر ۵، اکتوبر ۱۹۷۰ء کو منعقد ہوں گے۔ قومی اسمبلی

جب دستور سازی کا کام مکمل کرلے گی تو اس کے بعد صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات منعقد کرائے جائیں گے اسمبلی کو اپنے پہلے اجلاس سے ۱۲۰ دن کے اندر اندر دستور سازی کا کام مکمل کرنا ہوگا اگر وہ یہ کام مقررہ مدت کے اندر پورا نہ کرسکے گی تو اُسے توڑ دیا جائے گا۔

انتخابات کے سلسلے میں یکم جنوری ۱۹۷۰ کو سیاسی سرگرمیوں کو بحال کر دیا گیا۔ اور سیاسی جماعتوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ علاقائی مفادات کو نظر انداز کر دیں اور ذاتی اور مقامی نوعیت کی مصلحتوں کو خاطر میں نہ لائیں ۲۸ مارچ ۱۹۷۰ کو صدر مملکت نے قانونی ڈھانچے کے حکم ۱۹۷۰ کی اہم دفعات کا اعلان کیا جس کا تعلق انتخابات سے تھا۔

۵ استمبر ۱۹۷۰ء کو چیف الیکشن کمشنر مسٹر جسٹس عبدالستار نے بالغ حق رائے دہی اور ایک آدمی ایک ووٹ کی بنیاد پر قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے لیے انتخابی پروگرام کا اعلان کیا اعلان کے مطابق قومی اسمبلی کے انتخابات کے لیے ۷ دسمبر اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کیلئے ۱۷ دسمبر کی تواریخ مقرر کی گئیں۔ اگرچہ قومی اسمبلی کے انتخاب کے لیے ۵ اکتوبر ۱۹۷۰ کی تاریخ مقرر کی گئی تھی لیکن مشرقی پاکستان میں سیلاب آنے کی وجہ سے انتخاب ۷ دسمبر اور ۱۷ دسمبر تک کے لیے ملتوی کر دیئے گئے۔ ۷ دسمبر اور ۱۷ دسمبر کو علی الترتیب قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات منعقد ہوئے تو عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کو اکثریت حاصل ہوئی۔ پیپلز پارٹی نے روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر اور عوامی لیگ نے چھ نکات کا نعرہ لگا کر انتخابات میں حصہ لیا تھا، مولانا عبدالحمید بھاشانی نے تو انتخابات کا بائیکاٹ کئے رکھا مغربی پاکستان میں اسلامی نظریات رکھنے والی جماعتوں کا عوام نے خیر مقدم نہ کیا اور یہی دو بڑی جماعتیں میدان میں رہ گئیں۔ عوامی لیگ کے رہنما شیخ مجیب الرحمٰن نے انتخابی مہم کے دوران ہر جگہ مشرقی پاکستان کے عوام کو مغربی پاکستان کے خلاف بھڑکایا اور ہمیشہ ان باتوں کو دہراتے رہے کہ مغربی پاکستان مشرقی پاکستان پر حکومت کر رہا ہے مشرقی پاکستان کا تمام زر مبادلہ مغربی پاکستان پر خرچ کیا جا رہا ہے۔

انتخابات کے لیے مخصوص نشستیں

قومی اسمبلی کے لیے ۳۱۳ نشستیں مقرر کی گئیں جن میں سے ۱۳ نشستیں خواتین کے لیے مخصوص کی گئی تھیں انہیں عمومی نشستوں پر بھی انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت دی گئی تھی۔

قومی اسمبلی کی نشستیں

کُل تعداد ۳۰۰ + ۱۳

	عمومی	برائے خواتین	کُل
پنجاب	۸۲	۳	۸۵
سندھ	۲۷	۱	۲۸
سرحد	۱۸	۱	۱۹
بلوچستان	۴	۱	۵
مشرقی پاکستان	۱۶۲	۷	۱۶۹
قبائلی علاقے	۷	—	۷
کل میزان	۳۰۰	۱۳	۳۱۳

پارٹی پوزیشن ۷ دسمبر ۷۰ ۱۹ کو قومی اسمبلی کے انتخابات مکمل ہوگئے انتخابات میں عوامی لیگ نے ۱۵۱ اور پیپلز پارٹی نے ۸۱ نشستیں جیت کر علی الترتیب مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ کونسل لیگ نے ۷ ، قیوم لیگ نے ۹ ، آزاد ارکان نے ۱۶ ، جمیعت العلمائے اسلام نے ۷ ، جماعت اسلامی نے چار ، کنونشن مسلم لیگ نے دو اور جمہوری پارٹی نے ایک نشست حاصل کی۔

صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات پروگرام کے مطابق ۱۷ دسمبر کو صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کی تاریخ مقرر کی گئی صوبہ وار اسمبلیوں کی نشستوں کی تعداد اس طرح تھی۔

	عمومی	خواتین	کُل
مشرقی پاکستان	۳۰۰	۱۰	۳۱۰
پنجاب	۱۸۰	۶	۱۸۶
سندھ	۶۰	۲	۶۲
بلوچستان	۴۰	۲	۴۲
سرحد	۲۰	۱	۲۱
میزان	۶۰۰	۲۱	۶۲۱

پارٹی پوزیشن قومی اسمبلی

پاکستان	صوبہ پنجاب	صوبہ سندھ	صوبہ بلوچستان	صوبہ سرحد بشمول قبائلی علاقہ	مشرقی پاکستان
عوامی لیگ	—	—	—	—	۱۵۱
پاکستان پیپلز پارٹی	۶۲	۱۸	—	۱	—
کونسل مسلم لیگ	۷	—	—	—	—
قیوم لیگ	۱	۱	—	۷	—
کنونشن مسلم لیگ	۲	—	—	—	—
جمعیت العلمائے اسلام ہزاروی گروپ	—	—	۱	۶	—
جمعیت العلمائے پاکستان	۴	۳	—	—	—
نیپ ولی گروپ	—	—	۳	۳	—
جماعت اسلامی	۱	۲	—	۱	—
جمہوری پارٹی	—	—	—	—	۱
آزاد	۵	۳	—	۷	۱
	۸۲	۲۷	۴	۲۵	۱۵۳

شدید سیلاب کی وجہ سے مشرقی پاکستان میں نو نشستوں پر انتخابات بعد میں کرا دیئے گئے۔

صوبائی اسمبلیاں

	صوبہ پنجاب	صوبہ سندھ	صوبہ بلوچستان	صوبہ سرحد بشمول قبائلی علاقہ	مشرقی پاکستان
عوامی لیگ	—	—	—	—	۲۶۹
پیپلز پارٹی	۱۱۳	۳۲	—	۳	—
کونسل مسلم لیگ	۱۵	۴	—	۱	—
قیوم لیگ	۶	۵	۲	۱۰	—
کنونشن مسلم لیگ	۶	—	—	۲	—
جمعیت العلمائے اسلام	۲	—	۳	۴	—
جمعیت العلمائے پاکستان	۴	۷	—	—	—
نیپ ولی گروپ	—	—	۸	۱۳	۱
جماعت اسلامی	۱	۱	—	۱	۱
جمہوری پارٹی	۴	—	—	—	۲
متفرق	۱	۱	۲	—	۱
آزاد	۲۸	۱۰	۵	۶	۵

مشرقی پاکستان کا بحران

بھارتی طیارے گنگا کا اغواء

صدر جنرل آغا محمد یحیٰ کے دور میں بھارتی طیارے گنگا کا اغوا بھی ایک اہم واقعہ تھا اس طیارے کے اغواء کے پیچھے ایک منظم سازش کام کر رہی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ پاکستان کے دونوں حصوں کے مابین بھارت کے راستے پی آئی اے کی پروازیں بند کر دی جائیں چنانچہ ۲۰ جنوری ۱۹۷۱ کو جب دو کشمیری ہاشم اور اشرف سری نگر سے امرتسر جانے والے ایک بھارتی طیارے کو اغوا کر کے لاہور لے آئے تو بھارت کا یہ مقصد بھی پورا ہو گیا۔ گنگا نامی اس طیارے میں ۲۶ مسافر اور عملے کے چار افراد سوار تھے۔ اغوا کنندگان سے جب یہ پوچھا گیا کہ انہوں نے طیارے کو کیوں اغوا کیا تو انہوں نے بتایا کہ ہمارا جھگڑا بھارت سے ہے جس نے ہمارے ملک (کشمیر) پر قبضہ کر رکھا ہے۔

اغوا کنندگان سے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو بھی ۲۱ جنوری کو لاہور کے ہوائی اڈے پر ملے اور انہیں اپنے مطالبات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر بھارت نے مقبوضہ کشمیر میں نظر بند رہنماؤں کو رہا نہ کیا تو طیارہ کو بم سے اڑا دیا جائے گا۔ لیکن اس سے اگلے روز بھارت نے کشمیری اغوا کنندگان کی شرائط مسترد کر دیں۔ چنانچہ اغوا کنندگان نے طیارے کو بم سے اڑا دیا۔ ۲ فروری کو بھارت نے طیارے کو بم سے تباہ کرنے کے خلاف جوابی کارروائی کے طور پر پاکستان کے کسی فوجی طیارے کو اور ۴ فروری کو پی آئی اے کے طیاروں کو بھارتی علاقہ پر سے گزرنے کی ممانعت کر دی اور اس طرح بھارت اپنے اُس مقصد کے حصول میں کامیاب ہو گیا تھا جس کے لیے طیارے کے اغوا اور اس کی تباہی کا ڈرامہ رچایا گیا تھا۔

نیز بھارت نے طیارے کی تباہی کا ہرجانہ بھی طلب کیا تھا لیکن پاکستان نے بھارت کا یہ مطالبہ ۵ فروری کو مسترد کر دیا۔

انتقال اقتدار پر تنازعہ

قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے بعد یہ امید پیدا ہو گئی تھی کہ قومی اسمبلی کے اجلاس سے قبل سیاسی جماعتوں کے مابین آئینی ڈھانچہ کے اندر رہتے ہوئے مفاہمت ہو جائے گی مگر شیخ مجیب الرحمان حسب سابق چھ نکات پر آئین کی بنیاد رکھنے پر مصر رہے دوسری طرف مسٹر بھٹو اقتدار میں شریک ہونے کیلئے شیخ مجیب الرحمٰن کے ساتھ سمجھوتہ کرنا چاہتے تھے لیکن شیخ مجیب الرحمٰن اپنی روش پر ڈٹے رہے۔

صدر پاکستان اور مغربی پاکستان کی دیگر سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے شیخ مجیب الرحمٰن کو مغربی پاکستان کا دورہ کرنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے اس پیش کش کو ٹھکراتے ہوئے کہا کہ اگر مغربی پاکستان نے میری پارٹی کے چھ نکاتی منشور کو پورے طور پر تسلیم نہ کیا تو میں تنہا ہی کوئی قدم اٹھاؤں گا اور آئین تیار کراؤں گا۔ ۱۳ فروری ۱۹۷۱ کو صدر مملکت نے ڈھاکا میں قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے کا اعلان کیا تو مسٹر بھٹو نے ۲۸ فروری کو کہا کہ جو شخص قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرنے کیلئے ڈھاکا جائے گا تو اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔ جو لوگ ڈھاکا جا رہے ہیں وہ یکطرفہ ٹکٹ لے کر جائیں اور واپسی کا ٹکٹ نہ لیں۔ نیز قومی اسمبلی کے اجلاس سے قبل دونوں جماعتوں میں مفاہمت ضروری ہے۔ جب شیخ مجیب الرحمٰن نے مسٹر بھٹو کو اقتدار میں شریک کرنے سے انکار کر دیا تو انہوں نے کہا کہ اُدھر تم اور اِدھر ہم قومی اسمبلی کے ذمہ وفاقی آئین کی تیاری تھی۔ لہٰذا وہی آئین قابل قبول ہو سکتا تھا جو وفاق میں شامل پانچوں صوبوں کے عوام کے لیے قابل قبول ہوتا ملک میں بڑھتی ہوئی سیاسی کش مکش کے پیش نظر صدر یحیٰ نے قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا اور مختلف سیاسی جماعتوں کے ۱۲ منتخب راہنماؤں کی کانفرنس طلب کی۔ کانفرنس میں شیخ مجیب الرحمٰن، مسٹر ذوالفقار علی بھٹو، خان قیوم، نورالامین، ممتاز دولتانہ، ولی خاں، مولانا مفتی محمود، مولانا شاہ احمد نورانی، پروفیسر عبدالغفور، محمد جمال گوریجہ، میجر جنرل جمالدار اور ملک جہانگیر کو شرکت کی دعوت دی گئی پیپلز پارٹی کے چیئرمین اور دیگر راہنماؤں نے تو صدر کی دعوت قبول کر لی مگر شیخ مجیب الرحمٰن نے مسترد کر دی یکم مارچ ۱۹۷۱ کو شیخ مجیب الرحمٰن نے ڈھاکا میں ایک جلسہ عام میں عوام سے سول نافرمانی اور عدم تعاون کی اپیل کی اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ حکومت کا نظم و نسق عوام کے منتخب نمائندوں کے حوالے کر دے اس کے علاوہ انہوں نے مشرقی پاکستان کے عوام کو ٹیکس ادا نہ کرنے کے لیے بھی ہدایات جاری کیں۔

اسی روز صدر پاکستان نے پنجاب، سندھ، سرحد، بلوچستان اور مشرقی پاکستان کے گورنروں کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے مرتبہ میں بدل دیا تاہم ایک اعلان کے ذریعے انہیں سول انتظامیہ کے اختیارات بھی سونپ دیئے گئے۔

۷ مارچ کو شیخ مجیب الرحمٰن نے اعلان کیا کہ ان کی جماعت ۲۵ مارچ کو منعقد ہونے والے اجلاس میں شریک نہیں ہو گی۔ نیز انہوں نے اس موقعہ پر چار مطالبات پیش کئے جن کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ مارشل لاء فوری طور پر اٹھا لیا جائے۔

۲۔ تمام فوجی عملے کو فوراً واپس بلا لیا جائے۔

۳۔ مشرقی پاکستان میں ہونے والے جانی نقصان کے بارے میں تحقیقات کرائی جائے اور

۴۔ اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کے حوالے کیا جائے۔

۵ مارچ ۱۹۷۱ کو صدر یحییٰ شیخ مجیب الرحمٰن سے آئینی مسائل پر بات چیت کرنے کے لیے ڈھاکا گئے اور شیخ مجیب الرحمٰن سے ملاقات کی اُس موقع پر بھی شیخ مجیب نے اپنا چار نکاتی مطالبہ دہرایا۔ ازاں بعد انہوں نے عوامی لیگ کی ہائی کمان کا اجلاس طلب کیا اور لوگوں سے پھر اپیل کی کہ مشرقی پاکستان کے ایک ایک گھر کو قلعے میں تبدیل کر دیا جائے اس کے بعد صدر یحییٰ خان، شیخ مجیب الرحمٰن اور مسٹر ذوالفقار علی بھٹو سمیت ڈھاکا میں تمام رہنماؤں نے اُن سے مذاکرات کئے۔ ۲۲ مارچ ۱۹۷۱ء کو بنگلا دیش طلباء کی مرکزی مجلس عمل نے مشرقی پاکستان میں ۲۳ مارچ کو یوم پاکستان کی بجائے یوم مزاحمت منانے کا اعلان کیا۔ ۲۳ مارچ کو پورے مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کا پرچم لہرایا گیا اور شیخ مجیب الرحمٰن نے ہتھیار بند دستوں کی سلامی لی اور اپنی رہائش گاہ پر بھی اپنا پرچم لہرایا شیخ مجیب تو یکطرفہ طور پر بنگلا دیش کی آزادی کا اعلان کرنے والے تھے کہ ۲۶ مارچ کو باغیانہ سرگرمیوں کے نتیجے میں گرفتار کر لیے گئے شیخ مجیب الرحمٰن کی گرفتاری کے بعد دیگر شر پسندوں کے خلاف فوجی کارروائی ضروری ہو گئی چنانچہ لاکھوں شر پسند گھر بار چھوڑ کر بھارت چلے گئے بھارتی پارلیمنٹ نے ۳۱ مارچ کو ایک قرار داد منظور کی جس میں کہا گیا تھا کہ مشرقی پاکستان میں امن و امان کی صورت جوں کی توں ہے اس لیے دنیا بھر کی حکومتوں کو چاہیے کہ وہ پاکستان کے معاملات میں مداخلت کریں اور ضروری اور تعمیری قدم اٹھائیں۔

۷ اپریل کو لیفٹیننٹ جنرل ٹکا خاں مشرقی پاکستان کے گورنر مقرر ہوئے تو انہوں نے مشرقی پاکستان کے محب وطن افراد سے درخواست کی کہ وہ آگے بڑھیں دوسروں کو آگے بڑھائیں اور مشرقی پاکستان میں شر پسند عناصر کی تخریبی سرگرمیوں کی وجہ سے جو تباہی ہوئی ہے اس کی تعمیر و مرمت کی ذمہ داری پوری کریں۔ ۲۱ مئی ۱۹۷۱ کو صدر پاکستان نے مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کے دوران بھارت جانے والے افراد کے لیے عام معافی کا اعلان کر دیا تو ہزاروں افراد فوجی تربیت حاصل کرنے کے بعد تخریب کاروں کی شکل میں واپس آ گئے بھارت نے اُن کی مدد سے اندرونی خلفشار پیدا کیا اور ۱۰ نومبر ۱۹۷۱ کو بیلونیا کے علاقے پر بھرپور حملہ کر کے جنگ کا آغاز کیا۔

حکومت پاکستان نے بھارتی حملہ کے سلسلہ میں اقوام متحدہ کو بھی مطلع کیا۔ نیز ملک میں ۲۳ نومبر کو ہنگامی حالت کا اعلان کیا۔ ۳ دسمبر ۱۹۷۱ کو بھارت نے مغربی پاکستان کو بھی اپنی جارحیت کا نشانہ بنایا مغربی پاکستان کی صورتحال اگرچہ کچھ مختلف تھی تاہم مشرقی پاکستان میں بھارتی بحریہ اور فضائیہ نے ناکہ بندی کر کے مشرقی پاکستان میں پاکستانی فوجوں کو اسلحہ، گولہ بارود اور خوراک کی باہم رسانی بند کر دی اسی اثنا میں جنگ بندی کے سلسلے میں پولینڈ نے قرارداد پیش کی جسے مسٹر بھٹو (نامزد وزیر خارجہ اور نائب وزیر اعظم) نے یہ کہہ کر پھاڑ دیا کہ وہ اپنے وطن جا کر جنگ لڑیں گے۔ چنانچہ مسٹر بھٹو کے وطن واپس آنے سے قبل بھارت نے جارحیت کے ذریعے مشرقی پاکستان پر قبضہ کر لیا اور پاکستان کے ۹۳ ہزار افراد (۴۳ ہزار فوجی اور پچاس ہزار سویلین) کو ۱۶ دسمبر کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا اسی روز مغربی محاذ پر بھی جنگ بند ہو گئی اور مغربی پاکستان کا ۵ ہزار مربع میل علاقہ بھارت کے قبضے میں چلا گیا۔

۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ

اگرچہ مشرقی پاکستان میں پاکستان اور بھارت کے مابین اِکا دکا جھڑپیں تو پہلے ہی سے جاری تھیں تاہم باقاعدہ جنگ کا آغاز اُس وقت ہوا جب ۲۲ نومبر ۱۹۷۱ کو بھارت کی پیدل اور بکتر بند فوج نے تمام بین الاقوامی آداب کو پامال کرتے ہوئے کسی باضابطہ اعلان کے بغیر مشرقی پاکستان پر بھرپور حملہ کر دیا۔ جیسور، چٹاگانگ اور سلہٹ میں گھمسان کا رن پڑا جس سے بھارتی فوج کے ۱۸۹ فوجی ہلاک، ۵۰۰ زخمی اور ۱۸ ٹینک تباہ ہوئے۔ اس کے مقابلہ میں پاکستان کے ۱۸ فوجی شہید اور ۵۶ زخمی ہوئے۔

۲۳ نومبر کو صدر یحییٰ خاں نے بھارتی حملہ کے پیش نظر ملک بھر میں ہنگامی حالات نافذ کرنے کا اعلان کیا دریں اثنا بھارتی فوج نے جیسور، سلہٹ، کومیلا، چٹاگانگ اور شمالی سیکٹر میں اپنے حملے تیز کر دیئے جیسور سیکٹر میں دشمن نے چوا گاچھا پر قبضہ کر لیا اس لڑائی میں بھارت کے دو طیارے تباہ ہوئے۔ پاکستان نے بھارتی حملہ کی اطلاع اقوام متحدہ کو بھی کر دی دریں اثنا چین کے سفیر مسٹر چانگ نے پاکستان کو اپنی بھرپور مدد کا یقین دلایا۔

۲۴ نومبر کو بھارتی فوج نے ضلع دیناج پور میں ہلی کے مقام پر پے در پے زبردست حملے کئے مگر پاک فوج نے کاری ضربیں لگا کر دشمن کو سلہٹ کے محاذ پر سے پیچھے ہٹا دیا۔ اسی روز حکومت پاکستان نے ملک میں ہنگامی حالت کے اعلان کے ساتھ ہی ڈیفنس آف پاکستان آرڈیننس اور ڈیفنس

آف پاکستان رولز مجریہ ۱۹۷۱ بھی فوری طور پر نافذ کر دیئے۔

۲۵ نومبر کو بھارتی فوج نے جیسور، بنیاپول، ہلی، سلہٹ اور چٹاگانگ سے جو پانچ طرفہ حملہ کیا اُسے پاک فوج نے روک دیا۔ دریں اثنا امریکہ، برطانیہ اور جاپان نے اعلیٰ سطح پر برصغیر میں قیام امن کے لیے اپنی کوششیں تیز تر کر دیں۔

۲۶ نومبر کو بیلونیا اور جیسور میں پاک فوج اور بھارتی فوج کے مابین زبردست لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں پاک فوج نے دشمن کو بھاری نقصان پہنچایا اور پاک فوج نے تو پارہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ بھارتی فوج نے چالنا کے سمندری راستے پر بارودی سرنگیں بچھا دیں نیز مراکش اور ترکی نے پاکستان کو اپنی حمایت کا یقین دلایا اور بھارت پر زور دیا کہ وہ فوری طور پر اپنی فوجیں واپس بلالے۔ ۲۷ اور ۲۸ نومبر کو مشرقی پاکستان کے مختلف مقامات پر بھارت نے حملے کئے ۲۹ نومبر کو صدر یحییٰ خاں نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ مشرقی پاکستان میں سرحد کے پاکستانی علاقے پر اقوام متحدہ کے مبصرین متعین کیے جائیں۔

۳۰ دسمبر کو بھارت نے پاکستان کو دھمکی دی کہ وہ مشرقی پاکستان سے اپنی فوجیں ہٹالے۔ اسی روز نائجیریا کے صدر یعقوبو گوون نے بھارت اور پاکستان سے جنگ بند کرنے کی اپیل کی۔

۲ دسمبر کو مشرقی پاکستان کے سات محاذوں پر گھمسان کی جنگ ہوئی پاک فوج نے متعدد حملوں کو روک دیا۔ بعض مقامات پر دشمن آگے بڑھ آیا۔ دریں اثنا لیبیا کے صدر معمر القذافی نے پاکستان کو اپنی حمایت کا یقین دلایا۔

۳ دسمبر تا ۱۶ دسمبر مشرقی پاکستان کے مختلف محاذوں پر جنگ جاری رہی اس دوران ۶ دسمبر کو روس نے سلامتی کونسل میں پاک بھارت جنگ بند کرانے کے سلسلے میں دوسری بار ویٹو استعمال کیا۔ ۷ دسمبر کو بھارتی افواج نے مشرقی پاکستان میں مزید کامیابیاں حاصل کیں۔ ۸ دسمبر کو بھارتی فوجوں نے جیسور، کومیلا میں زبردست حملے کئے اور کچھ پیش قدمی کی۔ ۹ دسمبر کو بھارت کو برہمن باڑیا اور کشتیا میں شدید مالی و جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ اس لڑائی میں دشمن کی تین بٹالین فوج کا بھی صفایا کر دیا گیا۔

۱۰ دسمبر کو پاکستان نے جنگ بند کرنے اور فوجیں ہٹانے کے بارے میں اقوام متحدہ کی قرارداد منظور کر لی۔ ۱۱ دسمبر کو مشرقی پاکستان میں اگرچہ حالات زیادہ مخدوش ہو گئے تاہم پاک بحریہ نے دشمن کا ایک بھاری جنگی جہاز بحیرہ عرب میں غرق کر دیا۔

۱۲ دسمبر کو سرکاری ترجمان نے بتایا کہ مشرقی پاکستان میں اب تک کی لڑائی میں ۲۲۱۴ اور مغربی پاکستان میں ۱۰۹۶ بھارتی فوج ہلاک ہو چکے ہیں ۱۳ دسمبر کو مشرقی پاکستان کے کمانڈر جنرل نیازی نے کہا کہ مشرقی پاکستان میں بھارتی فوج ان کی لاش پر سے گزر کر ہی ڈھاکا پر قبضہ کر سکتی ہے۔

۱۴ دسمبر کو روس نے اقوام متحدہ کی ایک اور قرارداد کو ویٹو کر دیا یہ قرارداد امریکہ نے جنگ بندی کے سلسلے میں پیش کی تھی ۱۵ دسمبر کو نامزد وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو سلامتی کونسل کے اجلاس سے واک آؤٹ کر گئے اور انہوں نے قرارداد پھاڑ دی۔ ۱۶ دسمبر کو مشرقی پاکستان میں پاکستان اور بھارت کے مقامی کمانڈروں جنرل نیازی اور جنرل اروڑا کے مابین سمجھوتے کے تحت پورے صوبے میں جنگ بند کر دی گئی اور بھارتی افواج ڈھاکا میں داخل ہو گئیں دریں اثنا بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے اعلان کیا کہ تمام بھارتی فوجیں مغربی پاکستان کے تمام محاذوں پر یک طرفہ طور جنگ بند کر دیں گی۔

اسی روز لیفٹیننٹ جنرل نیازی نے بھارتی کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل جگ جیت سنگھ اروڑا کا ڈھاکا کے ہوائی اڈے پر استقبال کیا اور ریس کورس گراؤنڈ میں مشرقی پاکستان میں پاکستان کی شکست کے کاغذات پر دستخط ثبت کئے۔ اور اپنا ریوالور اور پیٹی بھارتی کمانڈر جنرل اروڑا کے سپرد کیے اور اس طرح بھارت اپنے مذموم عزائم کی کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

۱۷ دسمبر کو مغربی پاکستان میں بھارتی قبضہ کے خلاف شدید ردعمل کا اظہار کیا گیا عوام کی کثیر تعداد سڑکوں پر نکل آئی اور مختلف مقامات پر ہجوم نے صدر یحیٰ کی صدارت سے علیحدگی اور اقتدار عوامی نمائندوں کو منتقلی کا مطالبہ کیا۔ مشرقی پاکستان پر بھارت نے اپنے قبضہ کی سرکاری طور پر تصدیق کر دی۔ ۱۸ دسمبر کو بھی صدر یحیٰ خاں کے خلاف مغربی پاکستان بھر میں مظاہرے جاری رہے اور مظاہرین نے صدر یحیٰ کی علیحدگی کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ کو وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔

مغربی پاکستان پر بھارتی حملہ

۳ دسمبر ۱۹۷۱ کو بھارت نے جنگ کا دائرہ مغربی پاکستان تک بڑھا دیا۔ پاکستانی فوج نے بھارتی فوج کے حملوں کو پسپا کرنے کے لیے فوراً جوابی کارروائی کی اور پاک فضائیہ نے امرتسر، پٹھانکوٹ، کراونتی پور اور سری نگر کے ہوائی اڈوں پر موثر بمباری کی۔ غیر ملکی خبر رساں ایجنسیوں کے مطابق

پاک فضائیہ نے بھارت کے ۱۰۸ طیارے تباہ کر دیئے۔

پاک فوج نے برکی اور حسینی والا کے علاقوں میں بیس بھارتی چوکیوں پر قبضہ کرلیا اس علاقہ میں پاک فوج نے پیش قدمی بھی شروع کر دی۔ پاک فوج نے کشمیر کے علاقہ میں بھی مزید کامیابیاں حاصل کیں۔ پاکستانی افواج ۶ دسمبر کو مقبوضہ کشمیر کے علاقہ میں ۱۵ میل دور تک اندر چلی گئیں، ۷ دسمبر کو پاک فوج نے جنرل افتخار جنجوعہ کی قیادت میں چھمب پر قبضہ کر لیا۔ ۸ دسمبر کو مغربی پاکستان میں چھمب، حسینی والا اور راجستھان کے محاذوں پر شدید جنگ میں بھارت کے ۵۷ ٹینک تباہ ہوئے۔

۱۰ دسمبر کو کراچی کے نزدیک بھارتی بحریہ کے ایک آبدوز شکن طیارہ کو تباہ کر دیا گیا۔ مغربی پاکستان کے تمام محاذوں پر لڑائی جاری رہی اور پاک فوج نے امرتسر کے تین دیہات پر قبضہ کر لیا۔ ۱۱ دسمبر کو ٹیٹوال، پونچھ، واہگہ اور اٹاری پر دشمن نے تازہ دم فوج سے حملے کئے۔

۱۲ دسمبر کو امریکہ کے صدر نکسن نے بھارت کو انتباہ کیا کہ وہ جنگ بند کر دے شکر گڑھ سیکٹر میں دونوں ملکوں کی فوجوں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی۔ جس میں بھارت کے چودہ ٹینک تباہ ہوئے واہگہ سیکٹر میں پاک فوج نے بھارتی فوج کو مختلف مقامات پر پسپا کیا۔

۱۳ دسمبر کو سلامتی کونسل کے ہنگامی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کے نامزد نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ مسٹر بھٹو نے کہا کہ بھارت کو برصغیر کا چودھری نہیں بننے دیا جائے گا۔ پاکستان سلامتی کونسل میں بھیک مانگنے کے لیے نہیں آیا ہم مشرقی پاکستان کے لیے آخری دم تک لڑیں گے اور وہاں کا ہر آدمی اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دے گا۔ بھارتی طیاروں نے لاہور کے متعدد مقامات پر فضائی حملے کئے جس سے متعدد افراد ہلاک ہو گئے پونچھ سیکٹر میں بھارت کے بے شمار فوجی ہلاک کئے گئے ۱۵ دسمبر کو بھارتی فضائیہ نے لاہور پر حملہ کیا جس سے ۱۸ افراد شہید اور ۸۰ زخمی ہوئے۔ ۱۶ دسمبر کو مشرقی پاکستان میں پاک فوج کے ہتھیار ڈالنے سے مغربی پاکستان میں بھی جنگ بند کر دی گئی۔

مسٹر بھٹو اقوام متحدہ میں

۹ دسمبر ۱۹۷۱ کو نامزد نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ مسٹر بھٹو جنرل اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرنے کے لیے نیو یارک روانہ ہوئے۔ ۱۰ دسمبر کو فرینکفرٹ میں کہا کہ امن کی خاطر ہم اپنے حق سے دستبردار نہیں ہوں گے موجودہ جنگ میں پاکستان بیک وقت بھارت اور روس سے برسر پیکار ہے۔

۱۱ دسمبر کو نیو یارک پہنچنے پر انہوں نے چین کے نائب وزیر خارجہ چیاکوان ہوا سے ملاقات کی

انہوں نے مسٹر بھٹو کو یقین دلایا کہ پاکستان اس جنگ میں اکیلا نہیں۔ ۱۴ دسمبر کو انہوں نے سلامتی کونسل کو انتباہ کیا کہ اگر اُن کا مشن ناکام ہو گیا تو عالمی جنگ چھڑ جائے گی۔

امن کا پاکستانی پانچ نکاتی فارمولا

۱۴ دسمبر ۱۹۷۱ء کو پاکستان کے نامزد نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے برصغیر میں قیام امن کے سلسلے میں پانچ نکاتی فارمولا پیش کیا یعنی:

۱۔ پاکستان کے علاقے سے بھارتی فوجوں اور بھارتی مداخلت کاروں کا مکمل انخلا ہو۔

۲۔ اس کام کی نگرانی کے لیے اقوام متحدہ کے مبصروں کا تقرر عمل میں لایا جائے۔

۳۔ اس بات کی ضمانت دی جائے کہ معاہدہ جنیوا کے اصولوں کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

۴۔ اور کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی جائے گی۔

۵۔ پاکستان اور بھارت کی فوجوں کی واپسی بیک وقت عمل میں لائی جائے گی۔

۱۵ دسمبر کو مسٹر بھٹو سلامتی کونسل کے اجلاس سے واک آؤٹ کر گئے اور انہوں نے کونسل کے ایجنڈے کو پرزے پرزے کر کے پھینک دیا اور میز کو ٹھوکر مارتے ہوئے اعلان کیا کہ وہ پاکستان پر شرمناک قبضے میں فریق بننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ انہوں نے جذبات سے مغلوب آواز میں کہا کہ سلامتی کونسل نے بھارتی جارحیت کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا ہم یہاں ہتھیار ڈالنے کے لیے نہیں آئے تھے۔ عالمی ادارے میں یہ اُن کی آخری تقریر تھی نیز عالمی ادارے کو سیکرٹری جنرل کی نہیں جلاد کی ضرورت ہے اس موقع پر انہوں نے فرانس اور برطانیہ کی مذمت کی اور کہا کہ ان ملکوں کو غیر جانبدار بننے کی بجائے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنا چاہیے تھا انہوں نے بھارتی وزیر خارجہ مسٹر سورن سنگھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ وہ آزاد ملک میں پہرہ دار بننا پسند کریں گے لیکن بھارت میں وزیر خارجہ بننا نہیں۔ مشرقی پاکستان کا سقوط ہو جائے یا مغربی کا پاکستانی اپنی بقا کیلئے ایک ہزار سال تک جنگ لڑیں گے۔

واک آؤٹ کرنے کے بعد انہوں نے اخبار نویسوں سے کہا کہ وہ بھارت کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔ وہ یہاں وقت ضائع کرنے کی بجائے دشمن سے جنگ لڑیں گے۔

مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اسباب

مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے متعدد اسباب ہیں ان میں سے چند کا تعلق تو پاکستان کے حکمرانوں کی غلط پالیسیوں سے ہے جب کہ بعض کا وہاں کے مقامی ہندو باشندوں اور

ست دانوں سے ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ قیام پاکستان کے وقت مشرقی پاکستان میں مقیم ہندوؤں کی مالی حالت بڑی مستحکم تھی اور وہ اس صوبے کی اسی فیصد دولت پر قابض تھے اس بنا پر انہوں نے بھارت ہجرت نہ کی اور وہ بنگالی قومیت کو ابھارنے کے لیے اپنا اثر و رسوخ بڑھاتے رہے۔ مشرقی پاکستان کے ۹۵ فیصد تعلیمی ادارے ہندوؤں کی ملکیت تھے۔ انہوں نے طلباء کے ذہنوں میں بنگالی قومیت کو اس طرح سما دیا کہ وہ مسلم قومیت کو ہی بھول گئے۔ سرکاری ملازمتوں میں بھی مسلمان نہ ہونے کے برابر تھے۔ جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قیام پاکستان کے وقت صرف ایک بنگالی مسلمان انڈین سول سروس میں خدمات انجام دے رہا تھا۔ یہی حال دوسرے شعبوں کا تھا غرضیکہ مشرقی پاکستان کے تمام شعبوں پر ہندوؤں کی اجارہ داری تھی۔ قیام پاکستان کے بعد بھی ہندو تعلیم اور تجارت کے شعبوں پر چھائے رہے چونکہ انہوں نے قیام پاکستان کو تہ دل سے قبول نہ کیا تھا اس لیے وہ طلباء کو ہمیشہ یہ باور کراتے رہتے کہ مغربی حصے سے مشرقی حصے پر حکمرانی کی جا رہی ہے۔ نیز بنگالی قومیت کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ اور مقامی باشندوں کا استحصال کیا جا رہا ہے۔

۲۔ قیام پاکستان کے بعد اردو کو ملک کی قومی زبان قرار دیا گیا چونکہ مشرقی پاکستان میں اردو بولنے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی اس لیے پاکستان مخالف ہندوؤں نے کھلے عام بنگالی قومیت کا پرچار شروع کر دیا اور وہاں کے مسلمان باشندوں کے جذبہ قومیت کو ابھارا اور یہ تاثر دیا کہ اگر اردو کو مشرقی پاکستان میں قومی زبان کے طور پر تسلیم کر لیا گیا تو بنگالی زبان اور بنگالیوں کا اپنا تشخص ختم ہو جائے گا۔ لہٰذا انہوں نے بنگالی کو بھی قومی زبان بنانے کا مطالبہ کیا۔ ان دنوں خواجہ ناظم الدین صوبے کے وزیر اعلیٰ تھے جنہوں نے اپنی کمزوری اور نا اہلی کی وجہ سے لسانی و صوبائی تعصبات پر مبنی مطالبات کو تسلیم کر لیا۔ جس کے نتیجے میں طلباء نے زوردار تحریک چلائی بالآخر ۱۹۵۴ میں دستور ساز اسمبلی کو بنگالیوں کا یہ مطالبہ تسلیم کرنا پڑا اس طرح وہ اپنا علیحدہ تشخص برقرار رکھنے میں کامیاب رہے۔

۳۔ قیام پاکستان کے بعد بنگالی سیاست دانوں نے اپنے عوام کو یہ تاثر دینا شروع کر دیا تھا کہ مغربی پاکستان ان کا استحصال کر رہا ہے اور مشرقی پاکستان سے ہونے والی آمدنی مغربی پاکستان پر خرچ کی جا رہی ہے۔

۴۔ آئے روز کے سیلابوں کی وجہ سے کمیونسٹوں۔ ہندوؤں اور دیگر اسلام دشمن طاقتوں نے مقامی باشندوں کو بارہا یہ باور کرایا کہ مرکزی حکومت سیلابوں پر قابو پانے کیلئے ٹھوس اقدامات نہیں کرتی جس سے ہر سال سینکڑوں جانیں تلف ہو جاتی ہیں اور لاکھوں روپے کی املاک تباہ ہو جاتی ہے۔

۵۔ بنگالی مسلمانوں کو ہندو دانشوروں نے یہ تاثر بھی دیا تھا کہ بنگالیوں کو اقتدار میں برابر کا حصہ نہیں دیا جاتا۔ اور وہ انہیں برملا کہتے تھے کہ ۱۹۴۷ سے لے کر ۱۹۷۱ تک مرکزی حکومت میں مشرقی پاکستان کے باشندوں کو ۲۴ سال کے عرصے میں صرف نو سال اقتدار میں شریک کیا گیا ہے۔

۶۔ ہندوؤں نے مشرقی پاکستان کے عوام کو یہ تاثر بھی دیا کہ مشرقی پاکستان میں دنیا کا سب سے زیادہ پٹ سن پیدا ہوتا ہے لیکن اس کی تمام تر آمدنی مشرقی پاکستان پر خرچ نہیں کی جاتی۔ ایک دفعہ جب شیخ مجیب الرحمٰن اسلام آباد آئے تو انہوں نے کہا تھا کہ اسلام آباد کی سڑکوں سے مجھے پٹ سن کی بُو آتی ہے۔ حالانکہ مشرقی پاکستان کے باشندوں کا یہ تاثر بالکل غلط تھا قیام پاکستان کے بعد مغربی پاکستان کے صنعت کاروں نے مشرقی پاکستان میں بڑی بڑی صنعتیں لگائیں نیز ہر سال آنے والے سیلابوں سے مشرقی پاکستانیوں کی امداد پر اربوں روپے خرچ کئے جاتے رہے۔ پاکستان کی پہلی سٹیل مل بھی وہیں لگائی گئی۔

۷۔ ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات آبادی کی بنیاد پر کرائے گئے اس لیے شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے انتخابات میں کامیابی کے بعد کہا کہ ہم نے مشرقی پاکستان میں چھ نکات کی بنیاد پر انتخاب میں حصہ لیا تھا اس لیے اب یہ نکات آئین کا حصہ بنیں گے اگر ایسا ہو جاتا تو بادل نخواستہ پاکستان کا وجود ہی قائم نہ رہتا۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے جب اپنا مطالبہ پورا ہوتا ہوا نہ دیکھا تو انہوں نے حکومت کے خلاف باغیانہ تحریک چلائی۔ حکومت نے حالات پر قابو پانے کے لیے شیخ مجیب الرحمٰن اور اُن کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔ نتیجے کے طور پر کلکتہ میں بنگلادیش کی جلاوطن حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا اور اس طرح مسلم قومیت کی بجائے بنگالی قومیت غالب آگئی اور مشرقی پاکستان پاکستان سے علیحدہ ہو گیا۔

۸۔ مشرقی پاکستان میں لڑی جانے والی جنگ بھی مشرقی حصے کی علیحدگی کا سبب بنی۔ کیونکہ ہندوؤں کی

۸ - چال کامیاب ہو گئی تھی اور انہوں نے مکتی باہنی کے ذریعے مشرقی پاکستان میں مقیم مغربی پاکستانیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ فوج کو مجبوراً کارروائی کرنا پڑی اس کارروائی میں بھارت نے فوجی مداخلت کی جو جنگ پر منتج ہوئی۔

۹ - ہندوؤں اور سیاست دانوں کے بقول ایک ہزار میل سے زائد فاصلے پر واقع ہونے کی وجہ سے ملک کے دونوں حصوں میں ثقافتی، معاشی، تعلیمی اور لسانی تفاوت پایا جاتا تھا اس لیے بھی مشرقی پاکستان کے ہندوؤں نے یہ راگ الاپا کہ بنگالی عوام کو اپنا تشخص قائم رکھنا چاہیے اور یہ تشخص اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے کہ صوبے کو مکمل طور پر خود مختاری اور آزادی حاصل ہو۔

۱۰ - بیرونی طاقتیں خصوصاً بھارت اور روس بھی مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے علیحدگی کا ایک عرصہ سے سوچ رہی تھیں بالآخر وہ ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ کو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئیں۔

۱۱ - صدر ایوب نے برسر اقتدار آنے کے بعد مضبوط مرکز پر زور دیا لیکن مشرقی پاکستان کے عوام تو پہلے ہی سے خود مختاری کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔ لہٰذا انہوں نے صدر ایوب کے اس فلسفے کو تہ دل سے قبول نہ کیا اور وہ برابر جدوجہد کرتے رہے۔

۱۲ - شیخ مجیب الرحمٰن کی اگرتلہ سازش کیس کے تحت گرفتاری بھی مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا باعث بنی کیوں کہ جب شیخ مجیب الرحمٰن کو گرفتار کیا گیا تو ہندو دانشوروں نے یہ کہنا شروع کر دیا۔ کہ چونکہ پاکستان کی حکومت مشرقی پاکستان کے باشندوں کو اقتدار میں شریک کرنا نہیں چاہتی اس لیے ان پر اگرتلا سازش کیس کا جھوٹا الزام لگا کر گرفتار کیا گیا ہے حالانکہ بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو بغیر ٹھوس ثبوت کے گرفتار نہیں کیا گیا تھا۔

۱۳ - ۲۲ مارچ ۱۹۷۱ کو یوم پاکستان کا نام یوم مزاحمت رکھا گیا۔ پاکستان کے قومی جھنڈے کی بجائے بنگلا دیش کا نیا پرچم لہرایا گیا اور مسلح افراد کے اجتماعات ہوئے اس موقع پر شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا کہ

ہماری جدوجہد کا مقصد نجات اور آزادی حاصل کرنا ہے شیخ مجیب کی عوامی لیگ نے ۲۵/۲۶ مارچ کو بنگلہ دیش کی علیحدگی کا اعلان کرنا تھا۔ اس لیے حکومت کو فوجی کارروائی

کرنا پڑی۔ اس موقع پر ہندو دانشوروں نے اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے بنگالیوں کو بھی علیحدگی پر ابھارا جو بالآخر مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا سبب بنی۔

۱۴۔ ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ میں بھارت کو روس کی بھرپور حمایت حاصل رہی اور روس بھارت گٹھ جوڑ ہی مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا سبب بنا۔

سقوط مشرقی پاکستان کے موقع پر پاکستان کی اقتصادی حالت

دسمبر ۱۹۷۱ء میں جب مشرقی پاکستان (اب بنگلادیش) کا سقوط عمل میں آیا تو اس وقت صورت حال یہ تھی کہ ملکی پیداوار اور آمدنی کا ہر شعبہ سیاسی ابتری سے بری طرح متاثر تھا۔ چنانچہ ۷۰-۱۹۶۹ء کے دوران فی کس سالانہ آمدنی ۵۴۱ روپے سے کم ہو کر ۷۱-۱۹۷۰ء میں ۵۲۶ روپے اور ۷۲-۱۹۷۱ء تک ۵۱۵ روپے رہ گئی خشک سالی اور استحصالی قوتوں کی ظالمانہ روش کے باعث کسانوں میں پیدا ہونے والی بے چینی کے نتیجے میں زرعی پیداوار ۷۰-۱۹۶۹ء کی بہ نسبت ۷۱-۱۹۷۰ء کے دوران ۶.۵ فیصد اور ۷۲-۱۹۷۱ء تک ۱۰.۵۶ فیصد کم ہو گئی چنانچہ چنے، گندم، گنے، تمباکو اور بعض دوسری اجناس کی پیداوار میں کمی کے باعث ملکی معیشت کو سخت دھچکا لگا۔ اسی طرح صنعتی پیداوار میں بھی نمایاں کمی واقع ہوئی مثلاً چینی ۷۰-۱۹۶۹ء میں ۶ لاکھ ٹن تیار ہوئی تھی لیکن ۷۱-۱۹۷۰ء میں ۵ لاکھ ۱۱ ہزار ٹن اور ۷۲-۱۹۷۱ء کے دوران میں صرف تین لاکھ ۶۹ ہزار ٹن تیار ہو چکی تھی اسی طرح سیمنٹ اور دوسری صنعتی اشیاء کی پیداوار بھی تشویشناک حد تک کم ہو گئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو ان اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہو گیا اور دوسری طرف مزدوروں میں بے روزگاری اور بے چینی پھیل گئی۔

اس کے ساتھ ساتھ زرمبادلہ کے محفوظ ذخائر دسمبر ۱۹۷۱ء کے آخر تک ۱۸ کروڑ روپے کی مالیت تک پہنچ گئے۔ اور دوسری طرف پاکستان کے مایوس کن سیاسی و اقتصادی حالات کے باعث غیر ملکی امداد تیزی سے کم ہوتی چلی گئی اس طرح ملکی سرمایہ کاروں نے بھی صنعتی شعبوں میں سرمایہ لگانا بند کر دیا۔ پھر سب سے بڑھ کر خوفناک صورتحال یہ تھی کہ ۱۹۷۱ء کی جنگ بندی کے باوجود پاکستان اور بھارت میں کشیدگی بدستور جاری تھی چنانچہ پاکستان کی مسلح افواج کو سرحدوں پر صف آرا ہونا پڑا اور ان پر بہ امر مجبوری جس قدر روپیہ خرچ کیا جا رہا تھا وہ پاکستان جیسے تباہ حال ملک کے لیے ناقابل برداشت تھا۔

دستاویزِ سقوط

۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ کو سقوط ڈھاکا کی جو دستاویز تحریر کی گئی اس کا متن یہ ہے۔

پاکستان ایسٹرن کمان نے مشرقی محاذ پر ہندوستان اور بنگلا دیش کی فوجوں کے جنرل آفیسر کمانڈنگ انچیف لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ کے سامنے ہتھیار ڈالنا منظور کر لیا ہے اس سپر اندازی کا اطلاق بنگلا دیش میں موجود پاکستان کی تمام مسلح افواج پر ہوگا جن میں پاکستان کی بری۔ فضائی اور بحری افواج، نیم عسکری تنظیمات اور سول آرمڈ فورسز شامل ہیں۔ افواج کی جو نفری جس مقام پر موجود ہے۔ اسی مقام پر لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ کی زیر کمان باقاعدہ انڈین آرمی کے قریب ترین دستوں کے سامنے ہتھیار ڈالے گی۔

اس دستاویز پر دستخط ثبت ہونے کے فوراً بعد پاکستان کی ایسٹرن کمان لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ کے احکام کے تحت آجائے گی دستاویز سقوط کی دفعات کے معانی یا توجیحات میں کوئی شبہ پیدا ہونے کی صورت میں لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ کا فیصلہ آخری ہوگا۔

لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ یہ ضمانت دیتے ہیں کہ جو سپاہی ہتھیار ڈالیں گے ان سے عزت واحترام کا وہی سلوک کیا جائے گا جس کے وہ جنیوا کنونشن کی دفعات کی رو سے مستحق ہیں نیز پاکستان کی جو فوجی اور نیم فوجی نفری ہتھیار ڈالے گی ان کی سلامتی اور بہبود کی ضمانت بھی دی جاتی ہے۔ لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ کی ماتحت فوج غیر ملکی باشندوں، نسلی اقلیتوں اور مغربی پاکستان کے باشندوں کی حفاظت کریں گے۔

دستخط	دستخط
امیر عبداللہ خان نیازی	جگجیت سنگھ اروڑہ
لیفٹیننٹ جنرل مارشل لا ایڈمنسٹریٹر زون بی	لیفٹیننٹ جنرل آفیسر کمانڈنگ انچیف افواج
اور کمانڈر ایسٹرن کمانڈ پاکستان ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱	ہندوستان و بنگلا دیش مشرقی محاذ میں ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱

جنرل آغا محمد یحیٰ خان کی حکومت کی ناکامی کے اسباب

جنرل آغا محمد یحیٰ خان نے ۱۹۶۲ء کا آئین منسوخ کر دیا لیکن جب عوام کی اکثریت نے ۱۹۵۶ کے آئین کو بحال کرنے کا مطالبہ کیا تو اسے بحال نہ کیا اور اس طرح ان کا دور حکومت کسی آئین کے بغیر ہی چلتا رہا جس کے نتیجے میں انہیں من مانی

کرنے کا موقع مل گیا۔ اور انہوں نے مملکت کے لیے ایسے اقدامات کیے جو نقصان دہ ثابت ہوئے۔ مثلاً

۱۔ ون یونٹ کو توڑ کر صوبے بحال کر دیئے جس سے قومی یکجہتی اور وحدت کا شیرازہ بکھر گیا۔

۲۔ ایک آدمی ایک ووٹ کی بنیاد پر انتخابات کرا کر پیریٹی کا فارمولا ختم کر دیا گیا۔

۳۔ ایک آدمی ایک ووٹ کی بنا پر انتخابات میں ملک کے دونوں حصوں میں دو بڑی جماعتوں کو کامیابی ہوئی اور دونوں بڑی جماعتوں کے مابین اقتدار کی رسہ کشی شروع ہو گئی جس کے نتیجے میں ملک دو ٹکڑے ہو گیا۔

۴۔ پاک بھارت جنگ ۱۹۷۱ء میں یحییٰ حکومت دوستوں کی حمایت سے محروم ہو گئی جس سے پاکستان کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

۵۔ ملک کے دولخت ہونے کی بنا پر پاکستان کے ۹۳۰۰۰ فوجی اور سویلین جنگی قیدی بنا لیے گئے جس سے جنگی قیدیوں کے لواحقین میں حکومت کے خلاف نفرت کے جذبات بھڑک اٹھے۔ اور انہوں نے صدر یحییٰ کی علیحدگی کا مطالبہ کیا۔

۶۔ شیخ مجیب الرحمان کو جب غداری کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا تو بھارتی ریڈیو نے یہ اعلان کیا کہ شیخ مجیب کو ہلاک کر دیا گیا ہے لیکن صدر یحییٰ خاں کی حکومت نے دوسرے روز اعلان کیا کہ شیخ مجیب زندہ ہیں اور پاک فوج کی حراست میں ہیں گویا اس اعلان سے شیخ مجیب کے حامیوں کو ان کے عزائم کی تکمیل کے سلسلے میں تقویت ملی۔

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کا دورِ حکومت

حالاتِ زندگی: ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۱ء — ۵ر جولائی ۱۹۷۷ء

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کا دورِ حکومت

۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو مسٹر بھٹو نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر پاکستان کا عہدہ سنبھالا وہ ۱۹۲۸ء میں لاڑکانہ کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد امریکہ چلے گئے جہاں انہوں نے ۱۹۴۷ء میں لاس اینجلز یونیورسٹی آف ساؤتھ کیلی فورنیا میں داخلہ لیا ۱۹۴۹ء میں برکلے میں کیلی فورنیا یونیورسٹی میں منتقل ہو گئے۔ ۱۹۵۰ء میں پولیٹیکل سائنس میں آنرز کے ساتھ گریجویشن کی بعد ازاں آکسفورڈ کرائسٹ چرچ کالج سے ۱۹۵۲ء میں فلسفۂ قانون میں ایم اے آنرز کیا اور ۱۹۵۲ء میں لنکنز ان کالج سے قانون کی ڈگری لی اور ساؤتھمپٹن یونیورسٹی میں بین الاقوامی امور کے لیکچرار مقرر ہو گئے۔ ۱۹۵۴ء میں پاکستان آکر سندھ مسلم لاء کالج میں قانون پڑھانے لگے۔

۱۹۵۸ میں وزیر تجارت مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۲ء میں بنیادی جمہوریتوں کے نظام کے تحت لاڑکانہ سے قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور ۱۹۶۶ تک مسلسل کابینہ کے رکن رہے۔ ۱۹۶۶ء میں صدر ایوب خاں سے پالیسی میں اختلاف کی بنا پر وزارت خارجہ کے عہدہ سے مستعفی ہو گئے۔ اس دوران ان کے پاس تجارت، ایندھن، بجلی و قدرتی وسائل، امورِ کشمیر، قومی تعمیرِ نو، اطلاعات، سیاحت اور اقلیتی امور کے قلمدان رہے۔ ۱۹۶۳ میں مسٹر محمد علی بوگرہ کے انتقال پر وزیر خارجہ بنے۔

۱۹۵۷ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستان کی نمائندگی کی ۱۹۵۸ء میں جنیوا میں سمندر سے متعلق قانون کے بارے میں منعقدہ اقوام متحدہ کی کانفرنس میں پاکستانی وفد کی قیادت کی۔ ۱۹۶۰ میں روس بھی گئے۔ ۶۳۔ ۱۹۶۲ء میں جموں وکشمیر کے تنازعہ پر بھارت کے ساتھ مذاکرات کے لیے پاکستانی وفد کی قیادت کی ۱۹۵۹ اور پھر ۱۹۶۰ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستانی وفد کے چیئرمین تھے۔ ۱۹۶۳، ۱۹۶۴ اور ۱۹۶۵ میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی

میں نیز سلامتی کونسل کے کئی اہم اجلاسوں میں پاکستانی وفد کی قیادت کی۔

وزیر خارجہ کی حیثیت سے ۱۹۶۳ء میں پاکستان اور عوامی جمہوریہ چین کے درمیان پیکنگ میں اور ۱۹۶۴ میں برما کے ساتھ سرحدی سمجھوتے پر دستخط کئے۔

اپریل ۱۹۶۴ میں جکارتا میں منعقدہ دوسری افروایشیائی کانفرنس میں وزرائے خارجہ کے اجلاس میں پاکستانی وفد کی قیادت کی دو ماہ بعد استنبول میں آرسی ڈی معاہدہ کے سلسلے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔

جولائی ۱۹۶۵ میں الجزائر میں منعقدہ افروایشیائی وزراء خارجہ کی کانفرنس میں شرکت کی۔ پاکستان متحدہ عرب جمہوریہ، انڈونیشیا اور عوامی جمہوریہ چین کے درمیان قاہرہ میں منعقدہ سربراہی کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کی۔

۱۹۶۶ء میں تاشقند معاہدہ کے بعد مستعفی ہوگئے اور یکم دسمبر ۱۹۶۷ کو پاکستان پیپلز پارٹی قائم کی۔ ۱۹۶۸ء میں ایوب خان کی حکومت کے خلاف چلائی جانے والی تحریک کی قیادت کی۔ جس کے نتیجے میں نومبر ۱۹۶۸ میں گرفتار کر لیے گئے۔ اور گول میز کانفرنس کے انعقاد سے پہلے رہا کر دیے گئے۔

۷ دسمبر ۱۹۷۰ کو ملک میں عام انتخابات منعقد ہوئے اور ان کی جماعت نے مغربی پاکستان میں قومی اسمبلی کی ۱۳۸ عام نشستوں میں سے ۸۲ اور پنجاب، سندھ شمال مغربی سرحدی صوبے اور بلوچستان کی صوبائی اسمبلیوں کی ۳۰۰ نشستوں میں سے ۱۴۴ نشستیں حاصل کر کے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ وہ خود لاہور، ملتان، لاڑکانہ، بدین اور ٹھٹھہ کے حلقوں سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ سقوط مشرقی پاکستان کے بعد ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ سنبھالا۔ اور پہلے اقدام کے طور پر عبوری آئین نافذ کیا۔ اپریل ۱۹۷۳ میں قومی اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا تو انہیں صدر منتخب کر لیا گیا عبوری آئین کی منظوری کے بعد ملک سے مارشل لاء ختم کر دیا گیا۔

چند ماہ کے بعد شملہ کانفرنس میں شرکت کر کے ۹۳۰۰۰ جنگی قیدیوں کی رہائی کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا۔

فروری ۱۹۷۴ء میں ان کی کوششوں سے لاہور میں اسلامی ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس منعقد ہوئی اور اسی روز انہوں نے بنگلا دیش کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا۔ ستمبر ۱۹۷۴ میں قادیانیوں

کا ۹۰ سالہ پرانا مسئلہ قومی اسمبلی میں حل کرایا۔ یکم جولائی ۱۹۷۷ء سے جمعہ کو ہفتہ وار تعطیل ان ہی کے عہد کا کارنامہ ہے۔

۱۲ فروری ۱۹۷۷ء کو الیکشن کمیشن نے انہیں لاڑکانہ سے بلامقابلہ قومی اسمبلی کا رکن قرار دیا۔ اپریل ۱۹۷۹ء میں نواب محمد احمد خان کے قتل کے الزام میں لاہور ہائی کورٹ کی جانب سے سنائی گئی سزائے موت کے تحت سپریم کورٹ کی توثیق پر انہیں پھانسی دے دی گئی۔ اور انہیں اُن کے آبائی گاؤں میں دفن کیا گیا۔

وہ کئی کتابوں کے مصنف تھے جن میں متھ آف انڈی پنڈنس، دی لاء آف دی سینٹر فائر، دی پولٹیکل سیچوئشن ان پاکستان، دی گریٹ ٹریجڈی، پاکستان اینڈ دی الائمنسز، پیس کیپنگ بائی دی یو این اور پالٹیکس آف دی پیپل شامل ہیں۔

تقرر بطور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر پاکستان و وزیر اعظم

سقوط مشرقی پاکستان کے بعد پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین (جن کی جماعت نے مغربی پاکستان سے ۸۲ نشستیں جیتی تھیں) مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو جو ان دنوں اقوام متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی کے لیے گئے ہوئے تھے واپس بلالیا گیا۔ چنانچہ وہ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کی شام کو اسلام آباد پہنچے۔ دریں اثنا صدر یحیٰی خان مستعفی ہو گئے اور انہوں نے اپنے تمام اختیارات مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو منتقل کر دیئے۔ انتقال اقتدار کی دستاویز پر مسٹر یحیٰی خاں، ذوالفقار علی بھٹو کے علاوہ غلام اسحاق خان نے بھی دستخط کئے۔ مسٹر بھٹو نے اقتدار سنبھالنے کے فوراً بعد قوم کے نام ایک نشری تقریر میں کہا

میں تاریخ کے ایک ایسے نازک موقع پر یہاں آیا ہوں جب ہمارا وطن انتہائی سنگین بحران سے دوچار ہے ہمیں چھوٹے چھوٹے اجزاء جمع کرکے شکستہ پاکستان کی ازسرنو شیرازہ بندی کرنا ہے اور ایک ایسا ترقی یافتہ اور خوش حال پاکستان بنانا ہے جو استحصال اور لوٹ کھسوٹ سے آزاد ہو۔ میرا ایمان ہے کہ ایسا پاکستان ضرور بنے گا لیکن اس کے لیے مجھے آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے تعاون، صبر و تحمل اور استقلال کے ذریعے ہم اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گے۔

مجھے کچھ وقت دیجئے میں جادوگر نہیں ہوں۔ انسان ہوں۔ مجھ سے غلطیاں سرزد ہو سکتی ہیں آپ کی مدد کے بغیر میں ایک بونا اور حقیر انسان ہوں لیکن آپ کا تعاون حاصل ہو تو میں

ہمالیہ سے بھی اونچا ہو جاؤں گا۔

میں آج آپ کے سامنے ہوں لیکن میرا دل کہتا ہے کہ کاش میں آج زندہ نہ ہوتا پچھلے چند دنوں میں جو واقعات رونما ہوئے ہیں وہ اتنے دردناک ہیں کہ میں انہیں دیکھنے کے لیے زندہ رہنا نہیں چاہتا تھا۔ آج ہندوستان کا وزیر جنگ جو باتیں کہہ رہا ہے کاش یہ سننے سے پہلے ہی میں مرگیا ہوتا لیکن میں اس سے کہتا ہوں جگ جیون رام ہوش میں آؤ یہ مت سمجھو کہ دنیا ختم ہوگئی ہے یہ دنیا کا اختتام نہیں یہ ایک نئے دور کا آغاز ہے اس وقتی کامیابی سے خوش نہ ہو یہ کوئی نئی بات نہیں برصغیر کی تاریخ میں ایسے واقعات کئی بار رونما ہوئے ہیں۔

ہمیں پاکستان میں ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا ہے جس میں ایک عام پاکستانی اور غریب شہری خود کو آزاد محسوس کر سکے اور اگر میں غلطی کروں تو کہہ سکے کہ تم جہنم میں جاؤ میں تمہاری بات نہیں مانتا۔

افواج پاکستان کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں ہمیشہ سے ان کا مداح اور حامی رہا ہوں میں جب وزیر خارجہ تھا تو ہمیشہ میں نے ان کی حمایت کی اور افواج پاکستان کو مضبوط اور مستحکم بنانے کی پوری پوری کوشش بھی کی۔ آپ سب نے میدان کارزار میں بہادری کے جوہر دکھائے ہیں آپ کو ہرگز کسی بات پر پریشان نہ ہونا چاہیے اور نہ کسی طور پر کسی قسم کی ندامت محسوس کرنی چاہیے۔

عوامی حکومت کا ورثہ

ایک عرصے کے بعد ملک میں عوام کی منتخب حکومت کا قیام عمل میں آیا تھا لیکن سقوط مشرقی پاکستان کی وجہ سے اس حکومت کو انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ ۹۳ ہزار فوجی اور شہری بھارت کی قید میں تھے اور مغربی پاکستان کا ۵ ہزار مربع میل علاقہ دشمن کے قبضہ میں تھا ۱۲ لاکھ افراد بے گھر ہو چکے تھے۔

جرنیلوں کی ریٹائرمنٹ

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ سنبھالتے ہی جنرل یحییٰ خان اور ان کی ٹولی کے تمام جرنیلوں (آغا محمد یحییٰ خان، جنرل عبدالحمید، لیفٹیننٹ جنرل ایس۔ ایم پیرزادہ، میجر جنرل عمر، میجر جنرل خداداد، میجر جنرل کیانی، جنرل حبیب اللہ اور میجر جنرل مٹھا کو ریٹائر کر دیا۔

۲۲ خاندانوں کے پاسپورٹوں کی ضبطی

۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ کو ہی صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ۲۲ امیر ترین خاندانوں کے پاسپورٹ ضبط کرنے کا حکم دیا اور ان خاندانوں سے کہا کہ

اپنا وہ سرمایہ اُن غیر ملکی بنکوں سے واپس لائیں جو انہوں نے جمع کرا رکھا ہے ورنہ ان کی جائیدادوں کو ضبط کر لیا جائے گا۔

صوبائی گورنروں کا تقرر ۲۱ دسمبر ۱۹۷۱ء کو صدر اور چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ممتاز بھٹو (سندھ) غلام مصطفیٰ کھر (پنجاب) اور مسٹر شیر پاؤ (سرحد) کو گورنر مقرر کیا۔

نائب صدر کا تقرر ۲۱ دسمبر ۱۹۷۱ کو صدر نے بزرگ سیاستدان جناب نور الامین کو پاکستان کا نائب صدر مقرر کیا اس اعتبار سے یہ عہدہ سنبھالنے والے پاکستان کے اولین نائب صدر قرار پائے۔

دیگر تقرریاں صدر بھٹو نے ۲۱ دسمبر کو ہی مسٹر ایس یو درانی کی جگہ غلام اسحاق خان کو سٹیٹ بنک آف پاکستان، شریف الدین پیرزادہ کی جگہ مسٹر یحیٰی بختیار کو پاکستان کا ایڈووکیٹ جنرل اور یونس سعید کو پریس ٹرسٹ کا چیئرمین بنایا۔ لیفٹیننٹ جنرل گل حسن قائمقام کمانڈر انچیف مقرر ہوئے۔

نیشنل عوامی پارٹی پر سے پابندی کا خاتمہ صدر پاکستان اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار سنبھالنے کے فوراً بعد نیشنل عوامی پارٹی پر عائد پابندی ختم کر دی۔

نئی صدارتی کابینہ ۲۳ دسمبر ۱۹۷۱ کو مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور مسٹر نور الامین نے نائب صدر کا عہدہ سنبھالا مسٹر بھٹو نے مندرجہ ذیل سیاسی حضرات کو اپنی کابینہ کا رکن بنایا۔

۱۔	مسٹر جے اے رحیم	پیداوار صدارتی امور تجارت
۲۔	مسٹر محمود علی قصوری	قانون اور پارلیمانی امور
۳۔	ڈاکٹر مبشر حسن	خزانہ، منصوبہ بندی، ترقیات۔
۴۔	جسٹس فیض اللہ کندی	اسٹیبلشمنٹ
۵۔	مسٹر غلام مصطفیٰ جتوئی	سیاسی امور اور مواصلات۔
۶۔	مسٹر معراج خالد	خوراک وزراعت
۷۔	مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ	تعلیم، صوبائی رابطہ قانون و پارلیمانی امور

۸۔ رانا محمد حنیف محنت، تعمیرات اور لوکل باڈیز

۹۔ راجا تری دیو رائے اقلیتی، سیاحتی امور۔

۱۰۔ شیخ محمد رشید صحت، سماجی بہبود اور خاندانی منصوبہ بندی۔

غیر ملکی دورے اور قرضوں کی واپسی

صدر پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار سنبھالنے کے چند روز بعد افغانستان کا دورہ کیا اور پھر جلد ہی سترہ روز کے اندر تقریباً ۲۸ ممالک کا ایک طوفانی دورہ کیا انہوں نے پہلے مرحلے پر ترکی، مراکش، تونس، الجزائر، لیبیا، مصر اور شام کے ممالک کا دورہ کیا اور دوسرے مرحلے پر ابوظہبی، کویت، عراق، اردن، لبنان، سعودی عرب، صومالیہ، حبشہ، سوڈان، نائیجیریا، گنی اور ماریطانیہ کا سفر کیا جنوری ۱۹۷۲ میں انہوں نے چین کا دورہ کیا چین نے اس موقع پر پاکستان کی حوصلہ افزائی کرنے اور پاکستان کی معیشت کو مستحکم بنانے کے لیے ۱۱ کروڑ ڈالر کے ایک پچھلے قرضے کو پاکستان کی مالی امداد قرار دیا اور ۲۲ کروڑ اور ۲۵ کروڑ ڈالر کے دو اور قرضوں کی وصولی کی میعاد بیس سال سے بڑھا کر تیس سال کر دی مزید براں چین نے ۷۵ کروڑ روپے کے بعض دوسرے منصوبوں کو مکمل کرنے کے لیے مالی اور فنی امداد دی۔

ازاں بعد مارچ ۱۹۷۲ء میں روس کا پہلا اور اکتوبر ۱۹۷۴ میں دوسرا دورہ کیا اور ان دوروں کے دوران (۱) روس نے اپنے قرضوں کی ادائیگی کا مطالبہ ملتوی کر دیا۔

۲۔ مشرقی پاکستان کے لیے طویل المیعاد بنیاد پر دی جانے والی رقوم کی واپسی سے پاکستان کو بری الزمہ قرار دے دیا۔

۳۔ پاکستان کے ساتھ تجارت اور کاروبار کو وسعت دینے اور پاکستان سے خام مال کی بجائے زیادہ سے زیادہ تیار شدہ مال لینے پر رضامندی ظاہر کی۔

۴۔ کراچی اسٹیل ملز کے لیے بیس کروڑ ستر لاکھ روبل تک کی امداد دینے کی پیش کش کی۔

۵۔ اپنے ماہرین کو کراچی اسٹیل ملز کے منصوبے پر تفصیلی رپورٹ کی تیاری کے لیے کراچی بھیجا

۶۔ پاکستان کے ساتھ طویل المیعاد تجارتی معاہدہ کیا۔

حمود الرحمٰن کمیشن

یہ کمیشن ۲۴ دسمبر ۱۹۷۱ء کو مشرقی پاکستان میں فوجی شکست کے بارے میں تحقیقات کرنے کے سلسلے میں صدر پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے قائم کیا تھا۔ کمیشن نے مشرقی پاکستان میں فوجی شکست کے بارے میں تحقیقات کر کے نومبر ۱۹۷۴ء

حکومت کو رپورٹ پیش کی یہ رپورٹ ۲۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

صنعتوں کو قومی تحویل میں لینے کا اقدام

۲ جنوری ۱۹۷۲ کو ملک کی خستہ اور تباہ حال معیشت کی بحالی کے لیے کئی دوسرے اقدامات کئے گئے ان میں دس بنیادی صنعتوں (فولاد، انجینئرنگ، تیل، گیس، کیمیاوی اشیاء، سیمنٹ، موٹر گاڑیاں، بجلی، ٹریکٹروں کی تیاری اور بنیادی دھاتیں) کو قومیانا بھی شامل ہے۔ ۱۹۷۳ کے وسط میں ان صنعتی کارخانوں کی ملکیت بھی منتقل کردی گئی اور اس طرح قومی ملکیت میں لینے کا عمل مکمل ہوگیا۔

شیخ مجیب الرحمٰن کی رہائی

۳ جنوری ۱۹۷۲ کو کراچی کے نشتر پارک میں ایک جلسہ عام سے خطاب کے دوران مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے شیخ مجیب الرحمٰن کی غیر مشروط رہائی کے لیے عوام کی مرضی معلوم کی تو ہر طرف سے ہاں ہاں کی آوازیں آئیں چنانچہ ۸ جنوری کو انہیں ڈاکٹر کمال حسین کے ہمراہ انتہائی رازداری سے رہا کرکے براستہ لندن ڈھاکا پہنچا دیا گیا۔

صوبہ سرحد اور بلوچستان میں گورنروں کی تقرری

۲۴ مارچ ۱۹۷۲ کو مرکزی کابینہ نے پاکستان پیپلز پارٹی، نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت العلمائے اسلام کے سمجھوتے کے مطابق صوبہ سرحد اور بلوچستان میں دو نئے گورنروں کے تقرر کا فیصلہ کیا ارباب سکندر خان خلیل صوبہ سرحد کے اور مسٹر غوث بخش بزنجو صوبہ بلوچستان کے گورنر مقرر ہوئے۔

صدر بھٹو کا حلف اٹھانا

۲۱ اپریل ۱۹۷۲ کو صدر ذوالفقار علی بھٹو نے عبوری آئین کے تحت صدر پاکستان کے عہدے کا حلف اٹھایا سپریم کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس حمود الرحمٰن نے ان سے حلف لیا۔ قومی اسمبلی میں تمام پارلیمانی پارٹیوں کے لیڈر بھی موجود تھے۔ چیف جسٹس نے حلف نامہ قومی زبان اردو میں پڑھ کر سنایا اور صدر نے اُسے دہرایا اس طرح وہ پہلے صدر ہیں جنہوں نے اردو میں حلف اٹھایا۔

مارشل لاء کا خاتمہ اور عبوری آئین کا نفاذ

صدر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ۲۱ اپریل کو نائب صدر، گورنروں، مرکزی و صوبائی وزیروں اور مشیروں کے استعفے قبول کئے۔ عبوری آئین کی منظوری دی اور تین سالہ دور مارشل لاء کے خاتمے کا فرمان جاری کیا عبوری آئین کے اہم نکات یہ تھے۔

عبوری آئین کے اہم نکات

۱۔ عبوری آئین مکمل طور پر وفاقی تھا اور اختیارات کی تقسیم کے سلسلے میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں شامل تین فہرستوں کا فارمولا اپنایا گیا تھا جس میں صوبائی خود مختاری کی ضمانت دی گئی تھی اور ۱۹۶۲ء کے آئین میں وضع کردہ مرکزی ڈھانچے پر احتساب لازم تھا جس کے تحت مرکز ہی قوانین میں یکسانیت پیدا کرنے کی غرض سے صُوبوں کیلئے قانون بنانے کا اختیار تھا۔

۲۔ اس کا ڈھانچہ صدارتی تھا۔

۳۔ صدر پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ تھا۔

۴۔ کابینہ کے تمام ارکان کے لیے لازم تھا کہ وہ پارلیمنٹ کے رکن ہوں۔

۵۔ آئین میں یہ دفعہ بھی شامل کی گئی تھی کہ کوئی وزیر جو اسمبلی کا رکن نہ ہو ایک سال تک وزیر رہ سکتا تھا۔

۶۔ عبوری آئین میں وہ تمام بنیادی حقوق شامل تھے جو ۱۹۵۶ء کے آئین میں موجود تھے۔

۷۔ عبوری آئین کے تحت اردو کو قومی زبان کی حیثیت سے اور علاقائی یا قومیتی زبانوں کو ان کے جائز حقوق کی ہی بنیاد پر تسلیم کرلیا گیا۔

۸۔ عبوری آئین میں عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دینے کی کوشش کی گئی تھی اور یہ ترمیم کی گئی کہ صنف کی بنیاد پر کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا البتہ آئین میں یہ حکومت کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ خاص عہدوں اور ملازمتوں میں مردوں اور عورتوں کا خاص کوٹہ مقرر کرسکتی ہے۔

۹۔ واپڈا اور صنعتی ترقیاتی کارپوریشن بدستور مرکز کے پاس رہنے دیئے گئے۔

قومی اسمبلی نے ۱۷ اپریل ۱۹۷۲ء کو عبوری آئین کی منظوری دی۔

صدر مملکت اور وزیر اعظم کا انتخاب

نئے آئین کی تدوین کے بعد ۱۰ اگست ۱۹۷۳ء کو صدر مملکت کا انتخاب عمل میں آیا انتخاب میں حکومتی جماعت کی طرف سے قومی اسمبلی کے سپیکر چودھری فضل الٰہی اور حزب اختلاف کی جانب سے نیپ کے امیدوار امیرزادہ خاں نے حصہ لیا فضل الٰہی چودھری کو ۱۳۹ اور امیرزادہ خاں کو صرف ۴۵ ووٹ ملے انتخاب جمہوری طریقے سے قومی اسمبلی اور سینٹ کے ذریعہ عمل میں آیا۔ ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء کو مسٹر فضل الٰہی چودھری نے منتخب صدر کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔

اسی طرح ۱۲ اگست ۱۹۷۳ء کو حکومتی جماعت نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو اور حزب اختلاف نے

جمعیت العلمائے پاکستان کے سربراہ شاہ احمد نورانی کو اپنا امیدوار نامزد کیا۔ مسٹر بھٹو کو ۱۰۸ اور مولانا نورانی کو ۲۸ ووٹ ملے۔ ۱۴ اگست ۱۹۷۳ کو وزیراعظم بھٹو نے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔

حزب اختلاف نے نئے آئین کے تحت انتخابات دوبارہ منعقد کرانے کا مطالبہ کیا لیکن وزیراعظم بھٹو نے حزب اختلاف کے مطالبے کو مسترد کر دیا۔ حتیٰ کہ ۱۹۷۷ آ گیا۔

حالاتِ زندگی

صدر فضل الٰہی چودھری

(۵-۱۹۰۴ء) میں مرالہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے انہوں نے ۱۹۲۴ء میں زرعی کالج (اب زرعی یونیورسٹی فیصل آباد) سے بی ایس سی کی ڈگری لی ۱۹۲۵ میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں داخلہ لیا اور ۱۹۲۷ء میں ایم اے اکنامکس اور ایل ایل بی کے امتحانات پاس کیے۔ ۱۹۲۹ء میں گجرات میں وکالت کا آغاز کیا تحریک پاکستان میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۹۴۴ء میں ضلعی مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے ۱۹۴۶ میں صوبائی اسمبلی کے رکن بنے۔ اور اسی سال تحریک پاکستان میں حصہ لینے کی پاداش میں جیل بھیج دیئے گئے۔

قیام پاکستان کے بعد انہیں اگست ۱۹۴۷ میں پارلیمانی سیکرٹری اور ۱۹۴۸ء میں پنجاب کا وزیر تعلیم وصحت مقرر کیا گیا۔

۱۹۵۱ء میں دوبارہ پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے ۱۹۵۲ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں شریک ہوئے ۱۹۵۵ء میں وحدت مغربی پاکستان کے قیام کے بعد مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے ۱۹۵۶ تا ۱۹۵۸ اسی اسمبلی کے اسپیکر بنے۔

۱۹۵۷ء میں انہوں نے مغربی پاکستان اسمبلی کے اسپیکر کی حیثیت سے نیو دہلی میں دولت مشترکہ کانفرنس میں شرکت کی۔ ۱۹۵۸ء میں برطانوی پارلیمنٹ کے ایک کورس میں شریک ہوئے۔

۱۹۶۲ اور ۱۹۶۵ میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۵ء میں انہیں بلامقابلہ قومی اسمبلی کا سینئر ڈپٹی سپیکر منتخب کر لیا گیا۔ اور وہ مارچ ۱۹۶۹ تک اسی عہدے پر فائز رہے۔ اس دوران میں انہوں نے پاکستان کی ترجمانی کرتے ہوئے متعدد ممالک کا دورہ کیا۔ ۱۹۶۷ء میں عوامی جمہوریہ چین کی یوم آزادی کی سالگرہ میں شرکت کی۔ اپنے عہدے سے سبکدوشی کے بعد پیپلز پارٹی میں شمولیت کر کے اسکے رکن منتخب ہوئے ۱۹۷۲ء میں قومی اسمبلی کے اسپیکر اور

یکم اگست ۱۹۷۳ء کو پاکستان کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۷۷ کے مارشل لار کے بعد بھی وہ اسی عہدے پر فائز رہے اور ستمبر ۱۹۷۸ میں سبکدوش کر دیئے گئے۔

دل کا دورہ پڑنے سے ۱۹۸۲ء میں انتقال کیا۔

سینٹ کے انتخابات

پاکستان میں پہلی بار سینٹ کے انتخابات جولائی ۱۹۷۳ء میں صوبائی حکومتوں میں مختلف اوقات میں منعقد ہوئے ۴ جولائی ۱۹۷۳ کو لاہور میں سینٹ کے انتخابات منعقد ہوئے۔ دس ارکان میں سے حزب اختلاف (متحدہ جمہوری محاذ) کا ایک رکن منتخب ہوا، سندھ میں یہ انتخابات ۶ جولائی کو منعقد ہوئے اور دس میں سے ۸ پیپلز پارٹی کے اور دو متحدہ جمہوریہ محاذ کے امیدوار کامیاب ہوئے۔ اسی طرح ۸ جولائی کو بلوچستان میں انتخابات کا انعقاد عمل میں آیا ۱۰ ارکان میں سے چار پیپلز پارٹی، ۵ نیشنل عوامی پارٹی کے اور ایک جمعیت العلمائے اسلام منتخب ہوئے۔

۱۰ جولائی کو صوبہ سرحد میں انتخابات منعقد ہوئے انتخابات میں دس میں سے چھ نشستیں پیپلز پارٹی، تین نیشنل عوامی پارٹی اور ایک جمعیت العلمائے اسلام کے حصے میں آئیں۔

اس دوران ۹ جولائی کو مرکز کے تحت قبائلی علاقوں کے انتخابات ہوئے اور تین افراد منتخب ہوئے اسی طرح وفاقی دارالحکومت سے دونوں نشستیں پیپلز پارٹی نے جیت لیں۔

مسٹر حبیب اللہ خاں سینٹ کے پہلے چیئرمین اور مرزا محمد طاہر پہلے ڈپٹی چیئرمین منتخب ہوئے۔

۶ اگست کو سینٹ کا پہلا اجلاس قومی اسمبلی کے اسپیکر چودھری فضل الٰہی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں منتخب اراکین نے حلف اٹھایا۔ اجلاس کے دوران ایک سنیٹر کامران خاں (نیپ) نے پہلا پوائنٹ آف آرڈر اٹھایا اور آئین کی دفعہ ۵۹ کی شق ۲ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ آئین کے مطابق سینٹ کی تشکیل مناسب طریقے پر نہیں کی گئی۔ اس کے جواب میں سپیکر نے کہا کہ یہ سوال سینٹ کے چیئرمین کے انتخاب کے بعد اٹھایا جائے۔

یحییٰ خاں کا غیر قانونی دور حکومت

۲۰ اپریل ۱۹۷۲ء کو سپریم کورٹ آف پاکستان نے اپنے متفقہ فیصلے میں کہا کہ سابق صدر یحییٰ خاں کی حکومت غیر قانونی تھی ریٹائرڈ جنرل آغا محمد یحییٰ خاں کا ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور بعد ازاں صدر پاکستان کی حیثیت سے اقتدار سنبھالنا غاصبانہ کارروائی تھی۔ جو غیر قانونی اور غیر آئینی تھی

لہٰذا ان کا یہ دور حکومت غیر قانونی تھا۔

یہ فیصلہ سپریم کورٹ آف پاکستان کے سینئر جج مسٹر جسٹس سجاد احمد خاں نے سنایا۔

فاضل عدالت نے اپنے فیصلے میں مزید کہا کہ یحییٰ خاں کی غیر قانونی اور غیر آئینی حکومت نے جس قدر بھی انتظامی اقدامات کئے وہ جائز بنیاد پر تسلیم نہیں کئے جا سکتے تاہم ایسے قوانین اور اقدامات جن کو نظریہ ضرورت کا تحفظ خاص ہے یعنی جو قوانین قوم کی بہبود اور ملک کے انتظام کو قاعدے سے چلانے کے لیے بنائے گئے ہوں انہیں جائز متصور کیا جا سکتا ہے۔

بین الاقوامی معاہدات

معاہدہ شملہ

پاک بھارت جنگ ۱۹۷۱ کے نتیجے میں پاکستان کے ۹۳ ہزار قیدی اور مشرقی پاکستان کے علاوہ مغربی پاکستان کا ۵ ہزار مربع میل کا علاقہ بھارت کی تحویل میں چلا گیا پاکستانی جنگی قیدیوں کی رہائی کے سلسلے میں ۲۸ جون سے ۳ جولائی ۱۹۷۲ تک بات چیت جاری رہی۔ اور ۳ جولائی ۱۹۷۲ء کو صدر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور وزیر اعظم بھارت مسز اندرا گاندھی کے مابین شملہ میں ایک سمجھوتے پر دستخط ہوئے اس سمجھوتے کے مطابق دونوں راہنماؤں نے یہ طے کیا کہ وہ ان جھگڑوں اور تصادم کی کیفیتوں کو ختم کریں گے جو ان کے باہمی تعلقات پر چھائی رہی ہیں۔ اور دوستانہ و مفاہمانہ تعلقات کو فروغ دینے اور برصغیر میں پائیدار امن کے قیام کے لیے کام کرتے رہیں گے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے دونوں ملک اس بات پر متفق ہو گئے کہ وہ اپنے اختلافات پر امن ذرائع سے باہمی بات چیت یا باہمی اتفاق سے دوسرے پُرامن طریقوں سے حل کریں گے۔ جھگڑوں کے بنیادی مسائل کو پرامن طور پر حل کریں گے۔ ایک دوسرے کے قومی اتحاد، علاقائی یکجہتی، سیاسی آزادی اور خود مختارانہ مساوات کا احترام کریں گے۔ ایک دوسرے کے خلاف طاقت استعمال کرنے کی دھمکیاں دینے سے باز رہیں گے اور ایک دوسرے کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈہ بند کر دیں گے۔

دونوں ملک قدم بقدم تعلقات کو معمول پر لانے کی خاطر اس بات پر متفق ہو گئے کہ پاکستانی اور بھارتی فوجیں بین الاقوامی سرحدوں پر واپس بلالی جائیں گی اور ۱۷ دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ بندی کی بنیاد پر جموں و کشمیر میں قائم ہونے والی کنٹرول لائن کا فریقین کے مسلمہ موقف کو متاثر کیے بغیر احترام کریں گے نیز اس سمجھوتے کے نافذ العمل ہونے کے ۳۰ دن کے اندر اندر فوجوں کی واپسی عمل میں آ جائے گی سمجھوتے

میں گنجائش رکھی گئی تھی کہ حکومتوں کے سربراہ پھر ملاقات کریں گے لیکن اس سے پہلے فریقین کے نمائندے پائیدار امن کے قیام اور تعلقات کو معمول پر لانے کی تفصیلات اور انتظام کریں گے۔

معاہدہ شملہ کے بارے میں قومی اسمبلی کی منظوری

پاکستان کی قومی اسمبلی نے ۱۴ جولائی ۱۹۷۲ء کو معاہدہ شملہ کی توثیق کر دی اور توثیق کی دستاویزات ۱۸ جولائی ۱۹۷۲ء کو بھارتی حکومت کے حوالے کر دی گئیں بھارت کی طرف سے دستاویزات کی توثیق ۴ اگست ۱۹۷۲ء کو موصول ہوئی۔

معاہدہ شملہ پر عملدرآمد

معاہدہ شملہ کی توثیق کے بعد دونوں فوجوں کے چیف آف سٹاف کے نمائندوں کی پہلی ملاقات ۱۰ اگست ۱۹۷۲ء کو سچیت گڑھ میں ہوئی بعد میں سنیئر کمانڈروں اور سیکٹر کمانڈروں کی سطح پر بھی ملاقاتیں ہوئیں لیکن جلد ہی بات چیت میں مشکلات پیدا ہو گئیں معاہدہ شملہ میں نفاذ کی تاریخ سے تیس دن کے اندر اندر فوجوں کی مقبوضہ علاقوں سے واپسی کی واضح دفعہ جس کا معاہدے کی دوسری دفعات سے قطعاً کوئی تعلق نہیں تھا) کی موجودگی کے باوجود بھارت نے اس بات پر اصرار کیا کہ فوجوں کی واپسی کا دارومدار جموں و کشمیر میں لائن آف کنٹرول کی حد بندی پر ہے پاکستان کو حد بندی پر کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن اس نے فوجوں کی واپسی کے ساتھ اس کے کسی تعلق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

خاص ایلچیوں کی ملاقات

پاکستان اور بھارت کی حکومتوں کے سربراہوں نے اختلافات ختم کرنے کے لیے اپنے خاص ایلچیوں کے درمیان بات چیت کرانے کا فیصلہ کیا۔ خاص ایلچیوں کی بات چیت اگست ۱۹۷۲ء میں نئی دہلی میں ہوئی اور وہ ۴ ستمبر ۱۹۷۲ء تک حد بندی مکمل کرنے پر رضامند ہو گئے۔ فوجوں کی واپسی ۱۴ ستمبر ۱۹۷۲ء تک مکمل ہونی تھی۔ بھارت کی درخواست پر پاکستان نے یہ مان لیا کہ تھرپارکر کے سیاسی لیڈر راجستھان اور سندھ کے مقبوضہ علاقوں کا دورہ کر کے ہندو تارکین وطن کو ان کی بھارت سے واپسی پر جان و مال و عزت و آبرو کی حفاظت کا یقین دلائیں۔

بھارت کا انحراف

بھارت نے پھر فوجوں کی مقبوضہ علاقوں سے واپسی کی نئی تاریخ ۱۵ ستمبر سے انحراف کیا اور اس نے پھر اصرار کیا کہ جموں و کشمیر میں لائن آف کنٹرول کا تعین پہلے کر لیا جائے دریں اثناء کنٹرول لائن کی حد بندی کا کام بھی اس لیے رک گیا کہ بھارت جموں و کشمیر کے ایک چھوٹے سے گاؤں ٹھاکو چک کی واپسی کا مطالبہ کر رہا تھا جو پاکستان

کے قبضے میں تھا یہ معاہدہ شملہ کی واضح خلاف ورزی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ جموں و کشمیر میں فوجوں کی واپسی نہیں ہو گی اور فریقین ۱۸، دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ بندی سے قائم ہونے والی لائن آف کنٹرول کا احترام کریں گے۔

ٹھاکو چک کا جھگڑا

ٹھاکو چک کے جھگڑے سے پورا معاہدہ شملہ ہی خطرے میں پڑ گیا تھا بہر حال فریقین کے مابین ایک سمجھوتہ ۱۰، دسمبر ۱۹۷۲ کو طے پایا جس کے تحت بھارت نے لائن آف کنٹرول کے ساتھ ٹھاکو چک کے بدلے میں پاکستان کو دوسرا علاقہ دینا منظور کر لیا اور اس بنیاد پر پاکستان یہ گاؤں خالی کرنے پر آمادہ ہو گیا اس کے بعد بین الاقوامی سرحدوں پر فوجوں کی واپسی دسمبر ۱۹۷۲ میں مکمل ہو گئی۔

معاہدہ شملہ (عالمی اخبارات کی نظر میں)

روس کے کثیر الاشاعت اخبار پراودا نے کہا کہ شملہ میں ہونے والا معاہدہ دونوں ملکوں کی ان کوششوں کا آئینہ دار ہے جو انہوں نے برصغیر میں پائیدار امن قائم کرنے اور باہمی تعلقات کو دوستانہ بنانے کے لیے کی ہیں۔ اس معاہدے کے پیش نظر تجارتی اور مواصلاتی رابطوں کو بحال کرنا اور دوسرے میدانوں میں تعاون پیدا کرنا ہے۔

۴، جولائی ۱۹۷۲ کو پیرس کے ایک بااثر روزنامے کمبیٹ نے اپنی اشاعت میں لکھا کہ ایک جانب تو ہندوستان کی فوجیں سندھ اور پنجاب کے مقبوضہ علاقوں کو خالی کر کے واپس چلی جائیں گی اور دوسری جانب ہندوستان اس معاہدے کے تحت پاکستان کی سیاسی وحدت علاقائی سالمیت اور سیاسی خود مختاری کا احترام کرنے کا پابند ہو گا۔

برو سلز کے اخبار لاسوائر نے ۴، جولائی ۱۹۷۲ کی اشاعت میں لکھا کہ طاقت کے استعمال کو ترک کرنے کے اعلان کے ایک زیادہ ٹھوس نتیجہ ان فوجوں کی واپسی سے متعلق سمجھوتہ ہے جن کی موجودگی امن کے لیے خطرہ بنی ہوئی تھی۔ گذشتہ واقعات کی نزاکت کے پیش نظر معاہدہ شملہ ایک بڑا شاندار کارنامہ ہے اس معاہدہ کا ایک اور اہم نتیجہ سرحد کے دوبارہ کھل جانے اور تجارتی اور سفارتی تعلقات کے بحال ہو جانے کی شکل میں برآمد ہو گا۔

اخبار سیلون ڈیلی مرر نے ۵، جولائی ۱۹۷۲ کو اپنی اشاعت میں لکھا۔ اس معاہدے پر یقیناً نہ صرف دونوں ملکوں کے وہ ۶۰ کروڑ باشندے جو امید و بیم کی حالت میں زندگی گزار رہے تھے۔ بلکہ وہ تمام لوگ بھی جو امن کے بھوکے ہیں اطمینان کا سانس لیں گے۔

اخبار ٹائمز آف انڈیا نے لکھا کہ یہ معاہدہ ایک نئے دور کے آغاز کی نشاندہی کرتا ہے اور اس سے بدگمانیوں کے اثرات دور کرنے کے لیے اعلیٰ ترین سطح پر طویل عرصے تک گفت وشنید کرنے میں مدد ملے گی۔

اخبار نیشنل ہیرالڈ نے لکھا کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ایک ایسا معاہدہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے تلخیاں اور غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی اور دوستی اور تعاون کی راہ ہموار ہو جائے گی ہندوستان کے لیے پاکستان کی دوستی ایک بڑا اثاثہ ثابت ہو گی۔

تھائی لینڈ کے اخبار دی نیشن نے کہا کہ شملے کا معاہدہ چین اور امریکہ کے اس مشترکہ اعلامیہ سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے جو فروری ۱۹۷۲ میں صدر نکسن اور ماؤ نے جاری کیا تھا اگرچہ چین اور امریکہ کے درمیان نظریاتی اختلافات موجود ہیں لیکن وہ کبھی ایک دوسرے سے متحارب نہیں ہوئے جب کہ ہندوستان اور پاکستان ایک دوسرے کے خلاف تین جنگیں لڑ چکے ہیں۔

سنگاپور کے اخبار اسٹریٹ ٹائمز نے اس سمجھوتے کے بارے میں جس پر مسز اندرا گاندھی اور صدر بھٹو کے درمیان شملے میں دستخط کیے کہا یہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔

اخبار نیویارک ٹائمز نے ۷ جولائی ۱۹۷۲ کو لکھا کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان حال ہی میں جو معاہدہ ہوا ہے اس کا سب سے زیادہ امید افزا پہلو وہ حقیقت پسندی ہے جس کا مظاہرہ وزیراعظم بھٹو اور وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے کیا ہے۔

شملہ معاہدے پر پاکستانی سیاست دانوں کا تبصرہ

نیشنل عوامی پارٹی کے صدر خان عبدالولی خاں نے کہا کہ میں بحیثیت مجموعی موجودہ حالات میں اس معاہدہ کا خیر مقدم کرتا ہوں۔

سپیکر صوبہ سرحد اسمبلی مسٹر محمد اسلم خٹک نے کہا کہ ایک شکست خوردہ قوم اس سے بہتر نتائج حاصل نہیں کر سکتی تھی جو صدر بھٹو نے حاصل کئے ہیں بلوچستان کے وزیراعلیٰ سردار عطا اللہ مینگل نے کہا۔

یہ تصفیے کی ابتدا ہے چونکہ تعلقات ایک طویل عرصے سے کشیدہ ہیں اس لیے موجودہ نتائج کے بارے میں مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

مولانا مفتی محمود وزیراعلیٰ صوبہ سرحد نے کہا شملہ معاہدہ دونوں ملکوں کے درمیان مصالحت کی جانب ایک قدم سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اگرچہ اس معاہدے نے جنگی قیدیوں کی واپسی کے بارے

میں عوام کی خواہشات کی تسکین نہیں کی لیکن مسلسل محاذ آرائی کو ختم کرنے کے لیے یہ ایک اچھی ابتدا ہے۔
جمیعتہ العلماء پاکستان کے امیر مولانا شاہ احمد نورانی نے کہا کہ مغربی پاکستان کی سرحدوں پر مقبوضہ علاقے خالی کرنے پر راضی ہو کر ہندوستان نے اپنی اس ذلت میں کمی کرنے کی کوشش کی ہے جس کا اسے بین الاقوامی برادری میں سامنا کرنا پڑا ہے۔

بلوچستان اسمبلی میں حزب اختلاف کے قائم مقام لیڈر میاں سیف اللہ خاں پراچہ نے کہا کہ مذاکرات کی کامیابی نے یہ امید پیدا کر دی ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان موجودہ دوسرے مسائل بھی پر امن گفت و شنید کے ذریعے طے ہو جائیں گے۔

معاہدہ دہلی اپریل ۱۹۷۳ء میں بھارت پاکستان کے ساتھ جنگی قیدیوں کے انسانی مسئلے حل کرنے کے لیے بات چیت پر رضامند ہو گیا۔ یہ بات چیت جولائی ۱۹۷۳ء کے آخری ہفتے میں اسلام آباد میں ہوئی اگرچہ یہ ناکام رہی کیونکہ اس میں بنگلہ دیش کو شامل نہیں کیا گیا تھا۔ ۱۸ اگست ۱۹۷۳ء کو بنگلہ دیش کو بھی نئی دہلی میں بات چیت میں شامل کر لیا گیا بات چیت ۲۸ اگست تک جاری رہی اور ایک سمجھوتے پر دستخط ہوئے اس کی اہم باتیں یہ ہیں۔

۱۔ تمام پاکستانی جنگی قیدیوں اور غیر فوجی نظر بندوں، پاکستان میں مقیم تمام بنگالیوں اور بنگلادیش سے کافی تعداد میں غیر بنگالیوں کی ایک ساتھ واپسی۔

۲۔ بنگلادیش نے یہ تسلیم کر لیا کہ واپسی کا یہ پورا مرحلہ مکمل ہونے تک ۱۹۵ جنگی قیدیوں پر مقدمہ نہیں چلایا جائے گا اور مسائل کے تصفیے تک یہ جنگی قیدی بھارت ہی میں رہیں گے۔

۳۔ اس متفقہ واپسی کی تکمیل پر یا اگر اس سے پہلے اتفاق رائے ہو جائے تو بنگلادیش، بھارت اور پاکستان ۱۹۵ جنگی قیدیوں کے مسئلے پر تبادلہ خیال کریں گے۔ بنگلہ دیش نے اس قسم کی بات چیت میں آزاد مملکت کی حیثیت سے برابری کی بنیاد پر ہی شریک ہونا قبول کیا۔

۴۔ پاکستان ابتدا میں بنگلہ دیش سے ان غیر بنگالیوں کی کافی بڑی تعداد کو قبول کرے گا جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے پاکستان آنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ابتدائی واپسی مکمل ہونے کے بعد پاکستان اور بنگلہ دیش کے وزیر اعظم یا ان کے نامزد نمائندوں کی ملاقات ہو گی جس میں یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ اور کتنی تعداد میں افراد کو جو پاکستان آنا چاہیں اس کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

معاہدہ دہلی کے تحت اکتوبر ۱۹۷۳ء میں جنگی قیدیوں کی واپسی شروع ہو گئی اور ۲۲ مئی ۱۹۷۴ء

کو مکمل ہوئی آخری جنگی قیدی لیفٹیننٹ جنرل امیر عبداللہ خاں نیازی تھے۔

بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کا مسئلہ

بنگلہ دیش کے مسئلے پر قومی اسمبلی کی قرارداد

۴، جولائی ۱۹۷۳ء کو صدر مملکت مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے سلسلے میں سپریم کورٹ سے رائے طلب کی۔ سپریم کورٹ نے متفقہ طور پر اس رائے کا اظہار کیا کہ قومی اسمبلی کو بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے سوال پر غور کرنے اور مسئلہ پر اپنی رائے کے اظہار کا مکمل اختیار حاصل ہے اور اس قسم کے مسئلہ کو قومی اسمبلی میں پیش کرنے کیلئے کوئی قانونی رکاوٹ نہیں ہے۔ چنانچہ ۹ جولائی ۱۹۷۳ء کو قومی اسمبلی نے وزیر بے محکمہ خورشید حسن میر نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کی قرارداد کو منظور کر لیا۔ قرارداد کا متن یہ ہے۔

۱۔ یہ قومی اسمبلی اس یقین کے ساتھ کہ پاکستان کے عوام اور اس علاقے کے عوام جو اب اپنے آپ کو بنگلہ دیش کہتا ہے کے باہمی تعلقات کا انصرام، اخوت اسلامی کی روح کے مطابق ہونا چاہیے ۱۹۷۱ء کے المناک واقعات میں دونوں طبقوں نے جو زخم کھائے ہیں ان کے اندمال کے لیے کی جانے والی تمام کوششوں کو سراہتی ہے۔ اس اسمبلی کو یقین ہے کہ باہمی عفو و درگزر اور افہام و تفہیم بالآخر اس عناد اور نفرت پر غالب آئیں گے جس پر دونوں طبقوں کے جمہوری اور ترقی پسند عناصر یکساں طور پر متاسف ہیں۔

۲۔ اس سیاق و سباق میں قومی اسمبلی برصغیر میں صورت حال کو معمول پر لانے کے لیے فوری طور پر حل طلب مسائل کے بارے میں حکومت کے اختیار کردہ موقف کی تائید کرتی ہے۔ اسمبلی کو یقین ہے کہ سلامتی کونسل کی قرارداد ۳۰۷ اور ۱۹۴۹ء کے جنیوا کنونشن کی تصریحات پر مکمل عملدرآمد اور مزید کسی تاخیر کے بغیر جنگی قیدیوں اور شہری نظر بندوں کی رہائی اور وطن واپسی حالات کو معمول پر لانے کے لیے شرط اول ہے۔

۳۔ یہ اسمبلی جنگی قیدیوں اور شہری نظر بندوں میں سے بعض پر مبینہ فوجداری الزامات کی بنا پر مقدمہ چلانے کے سوال پر حکومت کے موقف کی پرزور تائید کرتی ہے اور سب متعلقین پر زور دیتی ہے کہ مصلحت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسے مقدمات کے انعقاد سے گریز کریں جن سے برصغیر میں صورت حال کو معمول پر لانے کے لیے کی جانے والی

کوششوں کو دھچکا لگے۔

۴۔ ان اصولوں کے مطابق اسمبلی کی رائے یہ ہے کہ حکومت پاکستان ایسے وقت پر بنگلہ دیش کو باضابطہ طور پر تسلیم کر سکتی ہے۔ اور ایسے آئینی اقدامات جو اس مقصد کے لیے ضروری ہوں کی ابتدا کر سکتی ہے جب حکومت کی دانست میں اسے تسلیم کرنا پاکستان کے بہترین قومی مفاد میں ہو۔ اور اس سے دونوں طبقوں کے مابین برادرانہ تعلقات کو فروغ ملے۔

بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کا باضابطہ اعلان

عوام جلسوں میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو عوام سے بنگلہ دیش منظور یا نا منظور کے سلسلے میں ہاتھ کھڑے کراتے رہے لیکن قومی اسمبلی کی قرارداد اور سپریم کورٹ کی اجازت کے بعد ۲۲ فروری ۱۹۷۴ کو لاہور کے تاریخی شہر میں (جہاں دو روز بعد ۴۲ اسلامی ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس منعقد ہونا تھی) باضابطہ طور پر بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا۔

سہ فریقی سمجھوتہ

۸ اپریل ۱۹۷۴ء کو نئی دہلی میں پاکستان، بنگلہ دیش اور بھارت کے مابین سہ فریقی معاہدہ طے پایا جس کے تحت ۱۹۵ جنگی قیدیوں کی مقدمہ چلائے بغیر واپسی ممکن ہوئی۔ اس معاہدے سے ایک اور بات بھی سامنے آئی کہ پاکستان نے بنگلہ دیش کو بغیر کسی شرط کے یکطرفہ طور پر تسلیم کر لیا۔

عالمی رائے عامہ اور سہ فریقی معاہدہ

الجزائر کے صدر جناب حواری بومدین نے کہا کہ الجزائر اس معاہدے کی تکمیل پر جو دانشمندانہ اور گہرے احساسِ ذمہ داری کی ایک درخشاں مثال ہے بہت مسرور و مطمئن ہے۔

یوگنڈا کے صدر عیدی امین نے کہا

کہ پاکستان، بنگلہ دیش اور ہندوستان کے درمیان دہلی معاہدہ کو تینوں ملکوں کے درمیان ایک نئے اور مثبت رشتے کا نقیب سمجھنا چاہیے۔ ترکی کے وزیر خارجہ توران گونیر نے کہا کہ یہ معاہدہ متعلقہ ملکوں کے درمیان تعلقات معمول پر لانے کے لیے ایک اہم قدم ہے۔

انڈونیشیا کے وزیر خارجہ آدم ملک نے کہا کہ نئے معاہدے کے تحت پاکستان اور بنگلہ دیش کے مابین بہتر تعاون اور اچھے تعلقات پیدا کرنے میں رکاوٹیں حائل نہیں ہوں گی۔

جنگی قیدیوں کی واپسی

معاہدہ شملہ کے تحت اگرچہ دسمبر ۱۹۷۲ء میں پاکستان اور بھارت کی فوجیں ۱۹۷۱ء کی جنگ سے پہلے کی بین الاقوامی

سرحدوں پر واپس چلی گئی تھیں اور پانچ ہزار مربع میل کا مقبوضہ رقبہ بھی غیر مشروط طور پر ہندوستان سے واپس لے لیا گیا تاہم جنگی قیدیوں کا مسئلہ باقی تھا اس شدید تکلیف دہ مسئلے کی آڑ میں بھارت اور بنگلہ دیش بعض ایسی شرائط پاکستان سے منوانا چاہتے تھے جو حکومت پاکستان کے وقار کے منافی تھیں ان شرائط میں بھارت اور بنگلہ دیش کی یہ خواہش شامل تھی کہ پاکستان اپنے جنگی قیدیوں کی رہائی سے قبل بنگلہ دیش کو تسلیم کر لے اگرچہ قومی اسمبلی نے صدر بھٹو کو اس امر کی اجازت دے دی تھی کہ وہ جب بھی مناسب سمجھیں بنگلہ دیش کی جداگانہ حیثیت کو تسلیم کر لیں تاہم حکومت پاکستان نے اس معاملہ کو سودے بازی کا رنگ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ کیوں کہ اسی صورت میں بنگلہ دیش کو تسلیم کرنا بھارت کی فاتحانہ حیثیت کو تسلیم کرنے کے مترادف تھا۔ بہر حال ۲۸، اگست ۱۹۷۳ء کو پاکستان اور بھارت کے درمیان طے پانے والے معاہدہ دہلی کے تحت ۱۹۷۳ میں پاکستانی قیدیوں کی واپسی شروع ہو گئی اور یہ واپسی اس وقت مکمل ہوئی جب پاکستان کے آخری جنگی قیدی لیفٹیننٹ جنرل نیازی (اپنے تین دیگر ساتھی جرنیلوں کے) نے پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھا۔ جنگی قیدیوں کی مکمل واپسی کے بعد ۳ مئی ۱۹۷۴ بروز جمعہ کو ملک بھر میں یوم تشکر منایا گیا اور اس روز سرکاری تعطیل بھی منائی گئی۔

پاکستان کی دولت مشترکہ سے علیحدگی

اس ادارے کے ساتھ پاکستان کی وابستگی اس کے مفاد کے لیے کبھی سودمند نہ رہی اور اس سے علیحدگی کا ارادہ ایک عرصہ پہلے کیا گیا تھا۔ لیکن عملدرآمد نہ ہو سکا بالآخر صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ۳۰ جنوری ۱۹۷۲ کو دولت مشترکہ سے علیحدگی کا اعلان کیا کیونکہ انھیں پتا چلا تھا کہ نیوزی لینڈ، آسٹریلیا اور برطانیہ نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کا منصوبہ بنایا تھا تاہم حکومت پاکستان نے محتاط انداز اختیار کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا کہ کہیں دولت مشترکہ کے دیگر رکن ممالک کے ساتھ پاکستان کے دوطرفہ تعلقات کو کوئی گزند نہ پہنچے نیز برطانیہ میں مقیم پاکستانیوں کے حقوق اور مراعات پر برا اثر نہ پڑے چنانچہ حکومت کی یہ تشویش اس وقت دور ہوئی جب برطانیہ نے ان حقوق کے تحفظ کے لیے ایک قانون نافذ کر دیا۔

سیٹو سے علیحدگی

گزشتہ دو جنگوں ۱۹۶۵ اور ۱۹۷۱ میں سیٹو کے رکن ممالک نے پاکستان کی امداد نہ کی چنانچہ حکومت پاکستان نے اس ادارے سے ۸، نومبر ۱۹۷۲ کو علیحدگی کا اعلان کیا۔

بھٹو دورِ حکومت کی اصلاحات

زرعی اصلاحات

۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ کو ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے پہلے خطاب میں کہا کہ وہ مختلف اصلاحات کا نفاذ کریں گے چنانچہ یکم مارچ ۱۹۷۲ کو زرعی اصلاحات کا نفاذ عمل میں لایا گیا جس کے تحت انفرادی ملکیت کی حد آبپاشی اراضی کی صورت میں ۱۵۰ ایکڑ اور غیر آبپاشی اراضی میں تین سو ایکڑ مقرر کی گئی۔ سرکاری ملازمین کی سو ایکڑ سے زائد اراضی بحق سرکار ضبط کر لی گئی۔ زرعی اصلاحات کے تحت مقررہ حد سے زیادہ اراضی حکومت نے حاصل کر لی۔

لیبر اصلاحات

۲۳ اگست ۱۹۷۲ کو مرکزی وزیر محنت مسٹر محمد حنیف نے مزدور اصلاحات کا اعلان کیا اور اسلام آباد میں سہ فریقی کانفرنس میں مفصل تجزیے اور بحث مباحثے کے بعد اگست ۱۹۷۲ میں انہیں بڑھا دیا گیا۔ مزدور اصلاحات میں مزدوروں کو ان کے بنیادی حقوق کی ضمانت دی گئی انہیں یونین سازی اور اجتماعی سودے کاری کا حق دینے کے علاوہ گروپ انشورنس، عمر رسیدہ ہونے کی صورت میں پنشن، ان کے بچوں کے لیے مفت تعلیم جیسی سہولتیں فراہم کی گئیں۔

صنعتی اور دوسری متعلقہ اصلاحات

حکومت نے مختلف تواریخ میں ۳۱ بنیادی صنعتوں کو فوری طور پر اپنی تحویل میں لے لیا ان میں فولاد، بنیادی دھاتوں کی صنعتیں، سیمنٹ عوامی بھلائی کی صنعتیں، بجلی کی پیداوار اور تقسیم، گیس اور تیل صاف کرنے کی صنعتیں شامل ہیں۔ ۱۵ صنعتی اداروں کے لائسنس منسوخ کر دیئے گئے۔

اقتصادی اصلاحات

جنوری ۱۹۷۲ میں اقتصادی اصلاحات کا حکم جاری کیا گیا جس کے تحت ۲۰ بڑی صنعتوں کے بورڈ آف ڈائریکٹرز اور مینجنگ ایجنسیاں برخاست کر دی گئیں۔

بینک اصلاحات

بنکنگ اصلاحات کے ذریعے تمام تجارتی بنکوں کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا۔

بیمہ قومی تحویل میں

صدارتی حکم مجریہ ۱۹ مارچ ۱۹۷۲ کے ذریعے بیمہ کمپنیوں کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا۔ اور نومبر ۱۹۷۲ میں سٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن

قائم کر دی گئی۔

زرمبادلہ کی اصلاحات ۱۹۵۹ء سے بونس ووچر اسکیم کی شکل میں ملک میں زرمبادلہ کی کئی شرحیں رائج تھیں ان کے نفاذ سے کاروباری لوگوں کیلئے اپنی آمدنی استحقاق کے بغیر زرمبادلہ کی صورت میں حاصل کرنا ناممکن ہوگیا۔

تعلیمی اصلاحات ۱۵ مارچ ۱۹۷۲ کو نئی تعلیمی اصلاحات نافذ کی گئیں ان اصلاحات کے ذریعے دسویں جماعت تک تعلیم کو تین مرحلوں میں عام اور مفت کرنے کا اعلان کیا گیا۔

صحت سے متعلق اصلاحات تمام ادویات کے برانڈ ناموں کو ختم کر کے جنرک ناموں کو رواج دینے کے لیے ۲۳ دسمبر ۱۹۷۲ کو ایک قانون بنایا گیا۔

شناختی کارڈ اسکیم یکم جولائی ۱۹۷۳ کو شناختی کارڈوں کی سکیم کا اجرا ہوا۔ اس کا مقصد پاکستانی شہریوں کی شناخت تھا۔

پولیس اصلاحات ۱۲ اپریل ۱۹۷۲ کو پولیس اصلاحات کا اعلان ہوا تاکہ پولیس کی کارکردگی بہتر بنائی جاسکے۔

قانونی اصلاحات قانونی اصلاحات کے ذریعے عدلیہ کی انتظامیہ سے علیحدگی کا اعلان کر دیا گیا۔ اور قانونی اصلاحات کے ذریعے قانونی چارہ جوئی کا طریق کار آسان بنا دیا گیا۔ حقوق و فرائض کا واضح طور پر تعین کر دیا گیا۔

زرعی اصلاحات کا دوسرا مرحلہ ۵ جنوری ۱۹۷۷ء کو وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے زرعی اصلاحات کے دوسرے مرحلے کا اعلان کیا جس کے تحت زمین کی حد ملکیت ایک سو پچاس ایکڑ نہری اور تین سو ایکڑ بارانی کی جگہ ایک سو ایکڑ نہری اور دو سو ایکڑ بارانی مقرر کی گئی۔ پندرہ ہزار پیداواری انڈکس یونٹوں کو کم کر کے آٹھ ہزار پیداواری انڈکس یونٹ کی حد مقرر کی گئی۔ اس اعلان کی رو سے پچیس ایکڑ نہری اور پچاس ایکڑ بارانی زمین کے مالکان انکم ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے۔ سرکاری اعلان کے مطابق تقریباً پینتیس ہزار زمینداروں کو فالتو زمین حکومت کے حوالے کرنا پڑے گی۔

سرداری نظام کا خاتمہ ۸ اپریل ۱۹۷۶ء کو وزیراعظم پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے کوئٹہ میں سرداری نظام کے خاتمے کا اعلان کیا اور کہا کہ عوام

کی جدوجہد کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ حقوق جو غریبوں، مزدوروں اور محنت کشوں کے حقوق تھے جو ضبط کر کے مخصوص لوگوں نے سرمایہ داروں نے، جاگیرداروں نے سرداروں، بادشاہوں اور شہزادوں نے اپنے لیے مخصوص کر رکھے تھے اور جو عوام کا استحصال کر رہے تھے اب ان کے ہاتھ سے نکل رہے ہیں۔

پاکستان سٹیل مل کا قیام

وزیراعظم بھٹو کے عہد کا سب سے بڑا کارنامہ پاکستان میں اسٹیل مل کا قیام ہے اس ضمن میں روس نے پاکستان میں سٹیل ملز کے قیام اور ماہرین بھیجنے کا اعلان کیا ۳۱ دسمبر ۱۹۷۳ء کو اس کارخانہ کی پہلی اینٹ رکھی گئی یہ کارخانہ تیس مربع کلومیٹر پر محیط ہے اور کراچی کے شمال مشرق میں ۲۵ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ اس کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے۔

بحری حدود میں اضافہ

حکومت پاکستان نے ۲۱ مارچ ۱۹۷۳ کو اپنی سمندری حدود پچاس بحری میل تک بڑھانے کا اعلان کیا اس کے تحت سمندر میں مچھلیاں پکڑنے کے سلسلے میں پاکستانی ساحل کے ساتھ ساتھ پاکستانی سمندری علاقے کی اصطلاح میں پاکستانی ساحل سے ۱/۲ ۷ ۵ میل تک علاقہ بلا شرکت غیرے پاکستانی سمندری علاقہ تصور ہوگا۔ اس فرمان کے ذریعے حکومت پاکستان کے ۱۹ فروری ۱۹۶۶ کے اس فرمان میں ترمیم کر دی گئی جس میں سمندری علاقے کی حد ساحل سے بارہ سمندری میل مقرر تھی۔

دینی امور

احمدیوں کو اقلیت قرار دینے کا فیصلہ

۲۲ مئی ۱۹۷۴ کو ربوہ ریلوے اسٹیشن پر نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طلباء نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام کے تحفظ کا نعرہ بلند کیا جو قادیانیوں کو ناگوار گزرا ۲۹ مئی کو جب یہ طلباء واپس آ رہے تھے تو ربوہ ریلوے اسٹیشن پر طلباء پر حملہ کر کے انہیں زدوکوب کیا گیا جس کے نتیجے میں ملک بھر میں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ زور پکڑ گیا۔ پنجاب آگ میں جلنے لگا چاروں صوبوں میں تحریک نقطہ عروج پر پہنچ گئی گرفتاریاں اور مار دھاڑ شروع ہو گئی پولیس اور سیکورٹی فورس حرکت میں آ گئی۔

چنانچہ وزیراعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے حالات پر قابو پانے کے لیے ربوہ کے واقعہ کی عدالتی تحقیقات کرانے کی غرض سے ٹربیونل قائم کیا جس نے ۵ جون کو اپنی کارروائی کا آغاز کیا۔

۷، جون کو لاہور ہائی کورٹ میں مرزا ناصر احمد کی درخواست ضمانت قبل از گرفتاری چیف جسٹس کے سامنے پیش کی گئی۔ ۱۳، جون کو وزیراعظم نے کہا کہ جو ختم نبوت کو نہیں مانتا وہ مسلمان نہیں قوم اگر چاہے تو یہ مسئلہ اسلامی مشاورتی کونسل کے سپرد کیا جا سکتا ہے۔ ۱۹، جون کو صوبہ سرحد اسمبلی نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کی قرارداد متفقہ طور پر منظور کرلی۔ ۲۱، جون ایک عینی گواہ نے خصوصی عدالت کو بتایا کہ ربوہ اسٹیشن پر طلباء کو چن چن کر ٹرین سے نکال کر مارا گیا حملہ آور کہہ رہے تھے توبہ کرلو اور غلام احمد کو نبی مان لو۔

دریں اثنا وزیراعلیٰ پنجاب نے ایک بیان میں کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی نہ ماننے والے ہمارے نزدیک مسلمان نہیں۔

۳۰، جون ۱۹۷۴ء کو دو قراردادوں کی صورت میں یہ مسئلہ قومی اسمبلی میں پیش ہوا ایک قرارداد عبدالحفیظ پیرزادہ نے پیش کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت پر جو یقین نہیں رکھتا اور ان کے بعد کسی دوسرے کو نبی یا مصلح تصور کرتا ہے انکی حیثیت کا تعین کیا جائے۔

دوسری قرارداد مولانا شاہ احمد نورانی رکن قومی اسمبلی نے ۲۲ افراد کے دستخط سے جو بعد میں ۳۷ ہو گئی پیش کی اس قرارداد پر نیشنل عوامی پارٹی کے افراد نے بھی دستخط کیے تاہم مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا عبدالحکیم نے اس پر دستخط نہ کیے۔

قرارداد پر دستخط کرنے والوں کے نام یہ ہیں۔

مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا مفتی محمود، مولانا سید محمد علی رضوی، چوہدری ظہور الٰہی، علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری، پروفیسر غفور احمد، مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک، سردار شیر باز خاں مزاری مولانا ظفر احمد انصاری، صاحبزادہ احمد رضا قصوری، مولانا صدر الشہید، جناب عمرہ خان، سردار شوکت حیات خاں، راؤ خورشید علی خاں، عبدالحمید جتوئی، محمود اعظم فاروقی، مولانا نعمت اللہ، سردار مولا بخش سومرو، حاجی علی احمد تالپور، رئیس عطا محمد مری، مخدوم نور محمد ہاشمی، غلام فاروق، نوابزادہ میاں محمد ذاکر قریشی، جناب کریم بخش اعوان، مہر غلام حیدر بھروانہ، صاحبزادہ صفی اللہ، ملک جہانگیر خان، اکبر خان مہند، حاجی صالح خان، خواجہ جمال محمد گوریجہ، غلام حسن خاں دھاندلہ، صاحبزادہ محمد نذیر سلطان، میاں محمد ابراہیم برق۔ صاحبزادہ نعمت اللہ شنواری، جناب عبدالسبحان خاں، میجر جنرل جمالدار، جناب عبدالمالک۔

بعدازاں پوری اسمبلی کو ایک خصوصی کمیٹی میں تبدیل کر دیا گیا نیز چند رہنماؤں پر مشتمل ایک رہبر کمیٹی بنائی گئی جس میں مولانا شاہ احمد نورانی، مفتی محمود، پروفیسر غفور احمد، عبدالحفیظ پیرزادہ مولانا کوثر نیازی، مولا بخش سومرو، فاروق احمد اور چودھری ظہور الٰہی شامل تھے۔

۳۰ جون ۱۹۷۴ کے بعد کمیٹی کے مسلسل اجلاس ہوئے۔ رہبر کمیٹی نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا فیصلہ کیا۔ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ کو قومی اسمبلی نے اس تاریخی فیصلے پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور اس طرح نوے سالہ پرانا یہ مسئلہ حل ہو گیا۔

جہیز کا قانون

۱۹۷۶ء میں ملک میں جہیز کی لعنت کو ختم کرنے کے لیے وزارت مذہبی امور نے جہیز اور تحائف پر پابندی کا قانون پیش کیا جسے پارلیمنٹ نے منظور کر لیا۔

آئین میں اسلامی دفعات

۱۹۷۳ء میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ملک کو جو آئین دیا صحیح معنوں میں ایک اسلامی جمہوری آئین ہے۔ اس کی مندرجہ ذیل خصوصیات اس کے اسلامی ہونے کی دلیل ہیں ؟

(ا) مملکت میں اقتدار اعلیٰ اور حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی تسلیم کی گئی ہے۔

(ب) اعلان کیا گیا ہے کہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہو گا۔

(ج) آئین کے تحت صدر اور وزیر اعظم لازماً مسلمان ہوں گے۔

(د) علماء کی ایک کونسل تشکیل دی جائے گی جو ایسی سفارشات پیش کرے گی جس کے تحت مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلام کے سانچے میں ڈھال سکیں گے۔

(ر) آئین کے مطابق تمام مروجہ قوانین کو اسلام کے سانچے میں ڈھالا جائے گا اور ایسا قانون نہ بنایا جا سکے گا جو اسلام کے خلاف ہو۔

(س) آئین میں ایک دفعہ شامل کی گئی ہے جس کے تحت اسلام اور قرآن کی تعلیم لازمی ہو گی اور عربی زبان کو فروغ دیا جائے گا۔

قرآن کریم کی اغلاط سے پاک طباعت :

مسٹر بھٹو کی حکومت نے (ر) ۳، جولائی ۱۹۷۳ء کو "اغلاط سے پاک قرآن مجید کی اشاعت" کے نام سے ایک قانون منظور کیا جس کی رو سے قرآن حکیم کی طباعت میں کسی نہ کسی وجہ سے رہ

جانے والی غلطیوں کا سد باب کر دیا گیا ہے۔

(ب) ابتدائی درجہ سے میٹرک تک قرآن کریم (اور احادیث وغیرہ) پر مبنی اسلامی تعلیم لازمی قرار دی گئی ہے۔

(ج) قرآن کریم کی تعلیم کو عام کرنے کے لیئے سرکاری محکمۂ اوقاف کی زیر نگرانی ایک ٹرسٹ قائم کیا گیا، اور

(د) قرآن حکیم (اور حدیث و فقہ) کی تعلیم دینے کے لیے مختلف مذہبی اداروں اور سکولوں پر محکمہ اوقاف کی طرف سے معقول رقم خرچ کی جائے گی۔

فریضۂ حج کی ادائیگی

فریضۂ حج کی ادائیگی کے سلسلے میں بھٹو حکومت نے عائد تمام پابندیاں اٹھالیں اور زرمبادلہ کی پریشان کن کمی کے باوجود لوگوں کو فریضۂ حج ادا کرنے کی عام اجازت دے دی چنانچہ ۱۹۷۲ء میں ۹۰ ہزار سے زائد پاکستانیوں نے حج کیا۔

زیارت کمیٹی کا قیام

نجف اشرف، کربلائے معلّٰی اور دیگر مقدس مقامات کی زیارت کے سلسلے میں سہولتیں فراہم کرنے کے لیے پاکستان کے چاروں صوبوں کے تمام مکاتب فکر کے نمائندوں پر مشتمل ایک زیارت کمیٹی قائم کی گئی اور اس کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ وہ زائرین کو ذرائع آمدورفت اور ویزا وغیرہ کے سلسلے میں کوئی دقت پیش نہ آنے دے۔

بزرگان دین کے مقابر کی نگہداشت

اس ضمن میں مرکزی محکمہ اوقاف قائم کر کے صوبائی اوقاف کے محکموں کو فعال بنایا گیا۔ اور مزارات کی توسیع و تعمیر کا فریضہ انجام دیا گیا۔ حضرت علی ہجویری اور حضرت لال شہباز قلندر کے مزارات کے لیے سونے کے دروازے لگوائے گئے۔

مسئلہ ختم نبوت

یہ ۹۰ سال پرانا اور پیچیدہ مسئلہ پاکستان کے عوام کے پریشانی کا باعث بنا ہوا تھا مسٹر بھٹو کی حکومت نے اسے حل کرنے کے لیے قومی اسمبلی کے سپرد کر دیا چنانچہ پورے ایوان کی خصوصی کمیٹی کی سفارشات پر ایک ترمیمی بل کے ذریعے ہر اُس شخص کو غیر مسلم قرار دیا گیا جو حضورؐ کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا ایسے مدعی کو نبی مانتا ہے چنانچہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قادیانی اور لاہوری احمدیوں کو اقلیت قرار دے کر اس مسئلے کو ہمیشہ کے لیے حل کر دیا گیا۔

وزارت مذہبی امور کا قیام

مسٹر بھٹو نے مذہبی امور کی انجام دہی کے لیے وزارت مذہبی امور قائم کی اور مولانا کوثر نیازی کو اس کا پہلا سربراہ مقرر کیا گیا۔

اسلامی سربراہی کانفرنس کا انعقاد

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں ہی فروری ۱۹۷۴ء میں اسلامی ممالک کے سربراہوں کی ایک کانفرنس لاہور میں منعقد ہوئی۔

شراب نوشی پر پابندی

وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دور حکومت کے آخری دنوں میں شراب نوشی پر پابندی عائد کر دی۔

دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس

اسلامی کانفرنس کے سیکرٹری جنرل تنکو عبدالرحمان کے ایماء پر پاکستان اور سعودی عرب نے اسلامی ملکوں کی کانفرنس پاکستان میں منعقد کرنے کا اعلان کیا چنانچہ ۲۲، فروری ۱۹۷۴ء کو پاکستان کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ لاہور کے تاریخی شہر میں ۳۷ اسلامی ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس منعقد ہوئی کانفرنس کا ایجنڈا ۲۰ فروری کو وزراء خارجہ کی کانفرنس میں تیار کر لیا گیا تھا۔ یہ کانفرنس ۲۲ فروری تا ۲۴ فروری ۱۹۷۴ء کو وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی صدارت میں منعقد ہوئی کانفرنس کے اختتام پر جو مشترکہ اعلان جاری کیا گیا تھا اُسے اعلان لاہور کا نام دیا گیا۔ اُس کا متن یہ ہے۔

اسلامی ملکوں کے بادشاہوں، مملکتوں اور حکومتوں کے سربراہ اور مختلف تنظیموں کے نمائندے اعلان کرتے ہیں کہ

۱۔ مشترکہ عقیدہ تمام اسلامی ممالک کے عوام کے درمیان اٹوٹ رشتہ ہے۔ اسلامی ملکوں کے عوام کی یکجہتی کی بنیاد دوسری انسانی برادریوں کے خلاف جارحیت یا نسلی اور ثقافتی امتیازات نہیں بلکہ یہ مساوات، اخوت، انسانی وقار امتیازات اور استحصال سے آزاد اور ظلم واستبداد اور ناانصافیوں کے خلاف مثبت اصولوں پر مبنی ہے۔

۲۔ ہم ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کی معاشی اور اقتصادی ترقی کی مشترکہ جدوجہد اور پوری دنیا کی اقوام کی خوشحالی کی کوششوں کی حمایت کا اعلان کرتے ہیں۔

۳۔ ہم انصاف کی بنیاد پر عالمی امن کے قیام کی کوششوں اور دوسرے عقیدوں کے ساتھ اسلام

کے اصولوں کے مطابق خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کے جذبے کا اظہار کرتے ہیں۔

۴۔ ہم مسلمان ملکوں کے درمیان اتحاد برقرار رکھنے اور اسے فروغ دینے کا عزم کرتے ہیں۔ ہم یہ بھی عزم کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کی خود مختاری اور علاقائی یک جہتی کا احترام کیا جائے گا۔

۵۔ ہم اکتوبر ۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ میں سرحدی ملکوں اور فلسطینی مزاحمت کے دلیرانہ کردار کی حمایت کرتے ہیں۔

۶۔ ہم اسلامی سیکرٹریٹ کی سرگرمیوں کو سراہتے ہیں جنہیں اسلامی ملکوں کی مشترکہ کوششوں سے فروغ ہوا۔

۷۔ ہم مشرق وسطیٰ کی صورت حال پر غور کرنے کے بعد اعلان کرتے ہیں کہ عربوں کی جدو جہد ان تمام ممالک کی جدوجہد ہے جو جارحیت اور طاقت سے علاقے یا دوسرے فوائد حاصل کرنے کے خلاف ہیں۔ ہم اپنے تمام وسائل کے ذریعے عرب ممالک کے مقبوضہ علاقوں کی بازیابی کے لیے ان کی مکمل حمایت کریں گے۔ بیت المقدس الہامی مذاہب کے درمیان سنگم کی حیثیت رکھتا ہے ۱۲۰۰ سال سے زائد عرصے تک مسلمانوں نے اسے امانت کے طور پر رکھا ہے۔

کانفرنس نے عالمی اقتصادی صورت حال اور بالخصوص عالم اسلام کے اقتصادی حالات کا سربراہان مملکت اور سربراہان حکومت، بالخصوص سربراہ کانفرنس کے صدر کے خیالات کی روشنی میں جائزہ لیا۔ الجزائر اور لیبیا کے صدور نے اسلامی ممالک سے غربت، بھوک، افلاس اور جہالت کے خاتمے ترقی پذیر ممالک کے مابین خام مال کی بہم رسانی اور تیار شدہ مال کے تبادلے کی شرائط میں باقاعدگی پیدا کرنے، قدرتی وسائل پر ترقی پذیر ممالک کی مکمل حاکمیت اور قبضے کی ضمانت اور مسلم ممالک کے مابین اقتصادی تعاون پر زور دیا۔

کانفرنس کے شرکاء نے الجزائر، مصر، کویت، لیبیا، پاکستان، سعودی عرب، سینیگال اور متحدہ عرب امارتوں کے نمائندوں پر مشتمل کمیٹی قائم کرنے کا بھی فیصلہ کیا۔ کمیٹی کو دلچسپی رکھنے والے دوسرے اسلامی ممالک کو اپنے کام میں شامل کرنے کا اختیار دیا گیا۔

بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کا اعلان

دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس کا ایجنڈا تیار کرنے کے لیے ۳۰ ممالک کے وزراء خارجہ کا ایک اجلاس ۱۸، فروری ۱۹۷۴ء کو لاہور کے اسمبلی ہال میں منعقد ہوا۔ اس وقت تک پاکستان اور دیگر

اسلامی ممالک نے بنگلہ دیش کو تسلیم نہیں کیا تھا سربراہی کانفرنس کیونکہ بیت المقدس کے یہودیوں کے قبضہ سے واگزار کرانے کے لیے منعقد کیا گیا تھا اس لیے حکومت پاکستان نے یہ جواز پیش کرتے ہوئے کہ جب تک اس کانفرنس میں بنگلہ دیش شامل نہیں ہوگا تو دنیا کے سامنے فلسطین سے متعلق مسائل پر اسلامی ممالک کی یکجہتی کا اظہار نہیں ہو سکتا نیز یہ دلیل بھی دی گئی کہ اگر بنگلہ دیش نے اسلامی سربراہی کانفرنس میں شرکت نہ کی تو پھر یہ ہمیشہ کے لیے بھارت کے زیر اثر رہے گا اور اسلامی برادری سے کٹ جائے گا۔ چنانچہ ۲۱ فروری کو وزراء خارجہ کے اجلاس میں یہ طے پایا کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو سربراہی اجلاس میں شرکت کرنے کے لیے سات رکنی وفد ڈھاکہ بھیجا جائے وفد نے ڈھاکہ پہنچ کر شیخ مجیب الرحمٰن سے مذاکرات کئے لیکن شیخ مجیب الرحمٰن بنگلہ دیش کو مکمل طور پر بھارت کی جھولی میں ڈال چکے تھے اس لیے سات رکنی وفد کے چار ارکان تو واپس لاہور آ گئے اور باقی ارکان اس وقت لاہور آئے جب شیخ مجیب الرحمٰن اسلامی سربراہی کانفرنس میں شرکت کے لیے لاہور گئے۔ اسلامی سربراہوں کی کانفرنس کے انعقاد سے چند منٹ پہلے وزیر اعظم پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا۔

بنگلہ دیش کے تسلیم کرنے کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن نے ۱۲ رکنی وفد کے ساتھ سربراہی کانفرنس میں شرکت کی۔

متفرقات

نیشنل گارڈز سکیم

۲۵ دسمبر ۱۹۷۲ء کو نیشنل گارڈز کی سکیم پر عملدرآمد شروع ہوا تاکہ ملک کی سلامتی اور یکجہتی کے موثر دفاع میں عوام وسیع بنیاد پر اور عملی طور پر حصہ لے سکیں۔ نیشنل گارڈز میں مجاہد فورس، جانباز فورس، نیشنل کیڈٹ کور اور ویمن گارڈ شامل ہیں ان کے فرائض اس طرح تھے۔

۱۔ جنگ کے وقت باقاعدہ فوج کو اس کے ثانوی کردار کے بوجھ سے جہاں بھی ممکن ہو سکے فارغ کر دیا جائے تاکہ وہ قوم کے دفاع کی اصل طاقت کی حیثیت سے اپنا کردار زیادہ موثر طور پر ادا کر سکے۔

۲۔ ملک کے سلسلۂ مواصلات دفاع کے لیے ایک موثر اور کم خرچ والی فوج کی حیثیت سے خدمات انجام دے سکے۔

۳۔ عوام میں ملک کے دفاع کے لیے براہ راست شرکت کا احساس پیدا کیا جائے۔
۴۔ ملک کے نوجوانوں کو ایک تربیت یافتہ اور نظم وضبط کی پابند افرادی قوت کی حیثیت سے زیادہ سے زیادہ تعداد میں تیار کیا جاسکے تاکہ ہنگامی صورت حال میں اُن کو دفاع کے دوسرے مورچے کے طور پر کام میں لایا جاسکے۔

نیشنل گارڈز کی بھرتی اور ان کی تربیت کا بھی انتظام کیا گیا۔

روپے کی قیمت میں کمی

حکومت پاکستان نے ۱۱ مئی ۱۹۷۲ء کو پاکستانی روپے کی قیمت میں کمی کا اعلان کیا جس کے نتیجے میں ایک ڈالر گیارہ پاکستانی روپوں کے مساوی اور بنک ریٹ بڑھا کر پانچ فیصد سے چھ فیصد کر دیا گیا۔ حکومت کے اس اقدام سے غیر ملکی تجارت میں اضافہ ہوا جو قومی آمدنی سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے بڑھی ۱۹۷۲-۷۳ میں برآمدات کی مالیت ۸۱۲ کروڑ ۳۰ لاکھ ڈالر تک پہنچ گئی اگرچہ یہ پاکستانی برآمدات کی بلند ترین سطح تھی لیکن ملک میں مہنگائی میں اضافہ ہوگیا اور افراط زر کی شرح بھی بتدریج بڑھنے لگی۔ نیز غیر ملکی قرضوں کی مقدار دگنی سے بھی زیادہ ہوگئی۔

سیاسی امور

سہ فریقی سیاسی معاہدہ

۶ مارچ ۱۹۷۲ء کو پاکستان پیپلز پارٹی، نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت العلمائے اسلام کے مابین سہ فریقی معاہدہ طے پایا۔

مندرجہ ذیل حضرات نے ان مذاکرات میں شرکت کی جو ۴ مارچ ۱۹۷۲ تا ۶ مارچ ۱۹۷۲ء ہوئے۔

پاکستان پیپلز پارٹی

۱۔ صدر پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو — چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی
۲۔ حیات محمد خان شیر پاؤ — رکن
۳۔ مولانا کوثر نیازی — ”
۴۔ غلام مصطفیٰ جتوئی — ”
۵۔ رفیع رضا — ”

نیشنل عوامی پارٹی

۱۔ خان عبدالولی خان — صدر نیشنل عوامی پارٹی
۲۔ میر غوث بخش بزنجو — رکن
۳۔ ارباب سکندر خان خلیل — 〃
۴۔ خیر بخش مری — 〃

جمیعت العلمائے اسلام

۱۔ مولانا مفتی محمود — جنرل سیکرٹری جمیعت العلمائے اسلام
۲۔ مولانا غلام غوث ہزاروی — رکن

تینوں جماعتوں نے اپنے اپنے نقطہ ہائے نظر کی وضاحت کی اور پھر اس معاہدے پر دستخط کئے۔

سہ فریقی معاہدے کے اہم نکات یہ ہیں۔

۱۔ (الف) پاکستان پیپلز پارٹی نے تجویز پیش کی کہ ۲۱، اپریل ۱۹۷۲ء کو قومی اسمبلی کا مختصر اجلاس منعقد کیا جائے جو تین دن سے زیادہ مدت تک کے لیے نہ ہو۔

(ب) نیشنل عوامی پارٹی اور جمیعت العلمائے اسلام نے تجویز پیش کی کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ۲۳، مارچ ۱۹۷۲ کو منعقد کیا جائے۔

(ج) یہ طے پایا کہ ارکان اسمبلی کو اجلاس میں شرکت کے دعوت نامے ۲۳، مارچ ۱۹۷۲ء کو جاری کئے جائیں۔ اور قومی اسمبلی کا اجلاس ۱۴، اپریل ۱۹۷۲ کو منعقد کیا جائے جو تین دن سے زیادہ مدت تک کے لیے نہ ہو۔ اور اس عرصے میں مندرجہ ذیل پیرا نمبر ۲، ۳ اور ۴ میں بیان کئے گئے معاملات کے بارے میں رائے لی جائے گی۔

۲۔ (الف) پاکستان پیپلز پارٹی نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک عبوری دستور کی منظوری دینے کے لیے جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء بشمول انڈیپنڈنس ایکٹ ۱۹۴۷ معہ لازمی ترمیمات کی بنیاد پر ہو یا ۱۹۶۲ کے دستور معہ لازمی ترمیمات کی بنیاد پر ہو قومی اسمبلی کا اجلاس منعقد کیا جائے۔

(ب) نیشنل عوامی پارٹی اور جمیعت العلمائے اسلام نے یہ تجویز پیش کی کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ بشمول انڈیپنڈنس ایکٹ ۱۹۴۷ معہ لازمی ترمیمات کی بنیاد پر عبوری

دستور منظور کیا جائے۔

(ج) یہ طے پایا کہ ایک عبوری دستور ایکٹ ۱۹۳۵ بشمول انڈی پنڈنس ایکٹ ۱۹۴۷ء معہ لازمی ترمیمات کی بنیاد پر تیار کیا جائے گا۔ نیز یہ کہ تین دن سے زیادہ اس پر بحث نہیں ہوگی جس میں صرف پارٹی لیڈر یا ان کے نامزد کردہ افراد تقریر کریں گے اس مقصد کیلئے یہ پارٹیاں ہوں گی۔

پاکستان پیپلز پارٹی، پاکستان مسلم لیگ (قیوم گروپ)، جمعیت العلمائے اسلام، نیشنل عوامی پارٹی، جمعیت العلمائے پاکستان، پاکستان مسلم لیگ (کونسل)، جماعت اسلامی، پاکستان مسلم لیگ (کنونشن)، قبائلی علاقوں کے آزاد ارکان قومی اسمبلی کا ایک نمائندہ اور بقیہ آزاد ارکان اسمبلی کا ایک نمائندہ

۳۔ (الف) پاکستان پیپلز پارٹی نے دوسری تجویز یہ پیش کی کہ ۲۱ اپریل ۱۹۷۲ء کو اجلاس منعقد ہونے پر قومی اسمبلی حکومت پر تحریک اعتماد منظور کرے اور ۱۴ اگست ۱۹۷۲ تک مارشل لاء کے جاری رہنے کی منظوری دے اور اس کی توثیق کرے۔

(ب) نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت العلمائے اسلام نے یہ تجویز پیش کی کہ ۷ جون ۱۹۷۲ء تک مارشل لاء جاری رکھا جائے۔

(ج) یہ طے پایا کہ اجلاس میں حکومت کے اعتماد کا ووٹ ہوگا اور ۱۴ اگست ۱۹۷۲ تک مارشل لاء جاری رکھنے کی منظوری دی جائے گی۔

۴۔ (الف) پاکستان پیپلز پارٹی نے تیسری تجویز یہ پیش کی کہ مختصر مدت کے لیے اجلاس شروع ہونے کے بعد قومی اسمبلی کو ایوان کی ایک کمیٹی مقرر کرنی چاہیے جو ایک دستور کا مسودہ تیار کر کے یکم اگست ۱۹۷۲ کو پیش کر دے۔

(ب) نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت العلمائے اسلام نے یہ تجویز پیش کی کہ دستور کا مسودہ یکم جولائی ۱۹۷۲ تک پیش کیا جائے نیز یہ کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ۷ جولائی ۱۹۷۲ کو دوبارہ منعقد کیا جائے۔

(ج) یہ طے پایا کہ دستور کی رپورٹ یکم اگست ۱۹۷۲ تک پیش کی جائے نیز یہ کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ۱۴ اگست ۱۹۷۲ کو دوبارہ منعقد کیا جائے۔

۵۔ (الف) پاکستان پیپلز پارٹی نے تجویز پیش کی کہ جب ۱۴ اگست ۱۹۷۲ کو قومی اسمبلی کا اجلاس دوبارہ منعقد کیا جائے گا تو یہ صرف دستور ساز ادارہ کی حیثیت سے کام کرے

تاکہ دستور جلد مرتب کیا جاسکے۔

(ب) نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت العلمائے اسلام نے تجویز پیش کی کہ جب ۱۴؍اگست ۱۹۷۲ کو قومی اسمبلی کا اجلاس منعقد ہو تو ۱۴؍اگست ۱۹۷۲ء کے بعد قانون ساز ادارہ کی حیثیت سے بھی کام کرے۔

(ج) یہ طے پایا کہ ۱۴؍اگست ۱۹۷۲ء کے بعد قومی اسمبلی مستقل دستور نافذالعمل ہونے تک دستور ساز ادارہ اور قانون ساز ادارہ، دونوں حیثیت سے کام کرے۔ اس امر کا اعادہ کیا گیا کہ ہنگامی حالت ختم کرنے تک قانون کے تحت صدر مملکت کے اختیارات اس وقت قائم رہیں گے جب تک کہ ہنگامی حالت ختم ہونے کا اعلان نہ کر دیا جائے۔

۶۔ (الف) پاکستان پیپلز پارٹی نے تجویز پیش کی کہ صوبائی اسمبلیوں کے اجلاس عبوری دستور کے منظور ہونے کے بعد یعنی یکم مئی ۱۹۷۲ کو منعقد کیے جائیں۔

(ب) نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت العلمائے اسلام نے تجویز پیش کی کہ صوبائی اسمبلیوں کے اجلاس ۱۰؍اپریل ۱۹۷۲ کو منعقد کیے جائیں۔

(ج) یہ طے پایا کہ صوبائی اسمبلیوں کے اجلاس ۲۱؍اپریل ۱۹۷۲ء کو منعقد کئے جائیں۔

۷۔ یہ بات منظور کر لی گئی کہ مرکز اور صوبوں دونوں میں حکومت پارلیمانی اکثریت کی بنیاد پر تشکیل دی جائے۔

۸۔ یہ بھی منظور کر لیا گیا کہ جب تک نیا دستور نافذالعمل نہیں ہوتا اس وقت تک کوئی بھی شخص جو ایک سے زائد بار اسمبلی کا منتخب رکن ہو گا اُسے دونوں ایوانوں میں اپنی نشستیں برقرار رکھنے کی اجازت ہو گی اور یہ اُس وقت تک رہے گا جب تک دستور قطعی طور پر منظور نہیں کر لیا جاتا۔ اسی طرح صدر، نائب صدر، گورنر، وزراء اور مرکز و صوبوں میں مشیروں کی متعلقہ اسمبلیوں میں نشستیں بھی برقرار رہیں گی۔

۹۔ (الف) پاکستان پیپلز پارٹی نے تجویز پیش کی کہ موجودہ گورنر نئے دستور کے منظور ہو جانے تک گورنر رہیں گے۔ لیکن عبوری دستور کی منظوری کے بعد وہ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نہیں رہیں گے۔

(ب) نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت العلمائے اسلام نے یہ تجویز پیش کی کہ گورنروں کا تقرر وزیراعلیٰ کے مشورے سے ہونا چاہیے۔ اسی اثنا میں آج سے صوبائی اسمبلیوں کے اجلاس منعقد ہونے تک

شمال مغربی سرحدی صوبے اور بلوچستان میں حکومت نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت العلمائے اسلام
کے حوالے کر دینی چاہئیں۔

(ج) یہ طے پایا کہ جب تک قومی اسمبلی مستقل دستور کی تشکیل نہیں کرتی مرکزی حکومت کو ماضی کی طرح بدستور یہ حق حاصل رہنا چاہیے کہ وہ صوبوں میں اپنے گورنر مقرر کر سکے لیکن سمجھوتے کی غرض سے مرکزی حکومت اس عبوری عرصے کے دوران گورنروں کا تقرر مذکورہ صوبوں میں اکثریتی پارٹیوں کے مشورہ سے کرے گی۔

۱۰۔ یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ اور صوبہ بلوچستان میں نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت العلمائے اسلام اکثریتی پارٹیاں ہیں۔ اور وہ ان دو صوبوں میں حکومتیں بنانے کی مستحق ہوں گی۔

۱۱۔ پاکستان پیپلز پارٹی نے یہ تجویز پیش کی کہ صوبائی اسمبلیوں کے اجلاس منعقد ہونے کے بعد جہاں تک جلد ممکن ہو لوکل باڈیز کے انتخابات کی تاریخ مقرر کی جائے نیز یہ کہ تمام صوبوں میں انتخابات ایک ہی تاریخ کو ہوں۔ اس تجویز پر اتفاق رائے ہوگیا کہ صوبائی اسمبلیوں کا اجلاس شروع ہونے کے بعد جلد ہی کسی متفقہ تاریخ کو انتخابات منعقد ہوں گے۔

۱۲۔ صدر نے یہ کہا کہ وہ آج یہ اعلان کریں گے کہ ۱۴ اگست ۱۹۷۲ء کو مارشل لاء اٹھالیا جائیگا۔

(۱) دستخط جناب ذوالفقار علی بھٹو — صدر پاکستان اور چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی

(۲) دستخط خان عبدالولی خاں — صدر نیشنل عوامی پارٹی

(۳) دستخط مولانا مفتی محمود — جنرل سیکرٹری جمعیت العلمائے اسلام

مورخہ ۶ مارچ ۱۹۷۲ء

۸ اپریل ۱۹۷۲ء کو سہ جماعتی سمجھوتہ ختم ہوگیا۔

قومی اسمبلی کا اجلاس اور قومی اسمبلی کے صدر کا انتخاب :

صدر بھٹو نے پیپلز پارٹی، نیپ اور جمعیت العلمائے اسلام کے سمجھوتے کے تحت ۱۴ اپریل ۱۹۷۲ کو قومی اسمبلی کے اجلاس کا افتتاح اسلام آباد میں کیا۔ افتتاحی خطاب میں انہوں نے کہا کہ اگر قومی اسمبلی نے عبوری آئین منظور کر لیا تو ۲۱ اپریل سے مارشل لاء ختم کر کے اسمبلی کا منظور شدہ عبوری آئین نافذ کر دیا جائے گا۔ قومی اسمبلی نے صدر پر متفقہ طور پر اظہار اعتماد کیا۔

وزیر تعلیم مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ نے صدر پر اظہار اعتماد کرنے کے لیے قرارداد پیش کی تو ۲۸ ووٹوں کے مقابلے میں ۱۰۴ ووٹوں کی اکثریت سے صدر بھٹو کو اپنا صدر منتخب کر لیا۔

دریں اثنا کونسل مسلم لیگ کے صدر سردار شوکت حیات خاں کو اسٹیٹ بنک بلڈنگ کے باہر مخالفانہ مظاہرہ کا مقابلہ بھی کرنا پڑا۔ اس بنا پر سردار شوکت حیات خاں نے قومی اسمبلی کے اجلاس کا بائیکاٹ کیا۔

۱۵/اپریل کو قومی اسمبلی کے مختصر اجلاس میں وزیر قانون میاں محمود علی قصوری نے ایوان کی منظوری کے لیے قرارداد کی شکل میں عبوری آئین کا مسودہ پیش کیا۔

۱۷/اپریل کو قومی اسمبلی نے ملک کے لیے عبوری آئین منظور کر لیا۔

آئین ساز کمیٹی کا قیام

۱۷/اپریل ۱۹۷۲ء کو مستقل آئین کی تیاری کے سلسلے میں میاں محمود علی قصوری کی سربراہی میں ایک ۲۵ رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس کمیٹی کو ہدایت کی گئی کہ وہ یکم اگست ۱۹۷۲ء تک آئین کا مسودہ اسمبلی میں پیش کرے۔ اس ضمن میں قرارداد سیاسی امور کے وزیر مسٹر غلام مصطفیٰ جتوئی نے پیش کی تھی۔ قرارداد پیش ہونے کے فوراً بعد کونسل لیگ کے رکن مسٹر جمال گوریجہ اور آزاد گروپ کے سردار شیر باز مزاری نے شکایت کی کہ ان کے گروپوں کو اس کمیٹی میں نمائندگی نہیں دی گئی ہے لیکن کونسل مسلم لیگ کے ارکان اور پیپلز پارٹی کے راؤ خورشید علی نے اختلاف کا اظہار کیا۔

کمیٹی کے ارکان کے نام یہ ہیں۔

(۱) مسٹر محمود علی قصوری (۲) ممتاز علی بھٹو (۳) غلام مصطفیٰ جتوئی (۴) عبدالحفیظ پیرزادہ (۵) سید قائم علی شاہ جیلانی (۶) ڈاکٹر مسز اشرف خاتون (۷) غلام مصطفیٰ کھر (۸) ڈاکٹر غلام حسین۔ (۹) بیگم نسیم جہاں (۱۰) ڈاکٹر مبشر حسن (۱۱) ملک محمد اختر (۱۲) ملک معراج خالد (۱۳) مولانا کوثر نیازی (۱۴) خورشید حسن میر (۱۵) شیخ محمد رشید (۱۶) مولانا مفتی محمود (۱۷) میر غوث بخش خان بزنجو (۱۸) امیرزادہ خاں (۱۹) عبدالقیوم خاں (۲۰) محمد حنیف خان (۲۱) پروفیسر غفور احمد (۲۲) شاہ احمد نورانی (۲۳) نعمت اللہ خاں شنواری (۲۴) سردار شوکت حیات خان۔ (۲۵) میاں ممتاز دولتانہ۔

کمیٹی نے بنیادی اصول طے کیے۔ ۲ دسمبر تا ۲۱ دسمبر ۱۹۷۲ء کمیٹی نے ۲۰/اکتوبر ۱۹۷۲ء کے حزب اختلاف کے ساتھ آئینی سمجھوتے کی روشنی میں مسودہ آئین پر غور کرنے کے لیے متعدد اجلاس

منعقد کئے۔ وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ نے ۳۱ دسمبر ۱۹۷۲ کو مستقل آئین کا مسودہ بل کی شکل پیش کیا

آئینی سمجھوتہ

۲۰ اکتوبر ۱۹۷۲ کو آئین کی تیاری کے سلسلے میں ملک کی تمام پارلیمانی پارٹیوں کے لیڈروں کے مابین اسلام آباد میں آئینی سمجھوتہ طے پایا اس سمجھوتے پر پیپلز پارٹی کے چیئرمین اور صدر پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو۔ پاکستان مسلم لیگ قیوم گروپ کے صدر خان عبدالقیوم خان نیشنل عوامی پارٹی کے سردار غوث بخش بزنجو اور ارباب سکندر خان خلیل جمعیت العلمائے اسلام کے مولانا مفتی محمود احمد، کونسل مسلم لیگ کے سردار شوکت حیات خان، قبائلی علاقوں کے میجر جنرل جمالدار خان، جمعیت العلمائے پاکستان کے شاہ احمد نورانی، جماعت اسلامی کے پروفیسر غفور احمد اور آزاد ارکان کے نمائندے سردار شیر باز مزاری نے دستخط کیے۔

آئینی سمجھوتے میں کہا گیا تھا کہ

۱۔ ملک میں وفاقی پارلیمانی نظام قائم کیا جائے گا۔
۲۔ ریاست کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہو گا۔
۳۔ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہو گا۔
۴۔ ملک کا صدر مسلمان ہو گا۔
۵۔ تمام اختیارات وزیر اعظم کے پاس ہوں گے۔
۶۔ کوئی قانون قرآن وسنت کے منافی نہیں بنایا جائے گا۔
۷۔ شہریوں کو بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے گی۔
۸۔ عدلیہ انتظامیہ کے اثر سے آزاد ہو گی۔
۹۔ وزیر اعظم صدر کو کسی وقت بھی پارلیمنٹ توڑنے کا مشورہ دے سکے گا۔ اور صدر وزیر اعظم کے مشورے کا پابند ہو گا۔
۱۰۔ چاروں صوبوں سے سینٹ کے چودہ چودہ ارکان لیے جائیں گے۔ ۲، ۲ ارکان وفاقی علاقے اور اسلام آباد سے لیے جائیں گے۔
۱۱۔ قومی اسمبلی کے ارکان کی تعداد ۲۱۰ ہو گی جس میں ۱۰ خواتین ہوں گی۔
۱۲۔ شہریوں کو جلد از جلد امتناعی نظر بندی کے خلاف تحفظ فراہم کیا جائے گا۔
۱۳۔ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔
۱۴۔ آئین میں ترمیم کرنے کے لیے قومی اسمبلی کے دو تہائی ارکان کی نمائندگی ضروری ہو گی۔

۱۹۷۳ء کا آئین

یہ بل ۲۸۰ دفعات اور ۶ ابواب پر مشتمل ہے۔ بل پر وسط فروری سے وسط اپریل ۱۹۷۳ء تک بحث و مباحثہ جاری رہا۔ مختلف سیاسی جماعتوں نے تقریباً دو ہزار ترمیمیں پیش کیں۔ پہلی خواندگی ۱۴ دن میں، دوسری ۱۹ دن میں اور تیسری ۹ اور ۱۰ اپریل کو ہوئی۔ آئینی بل ۱۰ اپریل کو منظور ہوا۔ ۱۲ کو صدر نے توثیق کی۔ متفقہ آئین کی منظوری ۱۲۸ ارکان میں سے ۱۲۵ ارکان نے دی۔ تین نے رائے شماری میں حصہ نہ لیا۔

۱۴ اگست ۱۹۷۳ء کو مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ۱۹۷۳ کا آئین کا نافذ کیا اس پر تمام سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے دستخط کئے اس لئے اس آئین کو پاکستان کے لیے مستقل اور متفقہ آئین کی حیثیت حاصل ہوئی۔ آئین کے بنیادی نکات یہ ہیں۔

ابتدائیہ جیساکہ کل عالم پر صرف خدائے قادر و مطلق کی حاکمیت ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجوزہ اختیارات کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ان کا استعمال پاکستانی عوام کے پاس ایک مقدس امانت کی طرح ہے۔

جمہوریہ اور اس کے علاقے (۱) پاکستان ایک وفاقی جمہوریہ ہوگا جسے اسلامی جمہوریہ پاکستان کہا جائے گا۔ اس کا اطلاق پورے پاکستان پر ہوگا۔

سرکاری مذہب: آئین کے تحت اسلام پاکستان کا سرکاری مذہب ہوگا۔

بنیادی حقوق (۱) ریاست ایسا کوئی قانون وضع نہ کرے گی جو دیئے گئے حقوق کو سلب کرتا ہو یا ان میں تخفیف کرتا ہو۔ اس شق کی خلاف ورزی میں جو بھی قانون وضع کیا جائے گا وہ خلاف ورزی کی حد تک کالعدم قرار دیا جائے گا۔

۲۔ کسی شخص کو اس کی زندگی یا املاک سے محروم نہیں کیا جائے گا اس استثنیٰ سے یہ اقدام قانون سے مطابقت رکھتا ہو۔

۳۔ گرفتار کئے جانے والے کسی شخص کو ہر ممکن حد تک گرفتاری کی وجہ جلد بتائے بغیر حوالات میں نہ رکھا جائے گا اسے اپنی مرضی کے مطابق کسی مشیر قانون سے مشورہ کرنے اور صفائی پیش کرنے کے حق سے بھی محروم نہیں کیا جائے گا۔

۴۔ پاکستان میں غلامی موجود نہیں ہے اور ممنوع ہے اور کسی قانون کے تحت اور کسی شکل میں بھی اسے پاکستان میں رائج کرنے کے لیے سہولت فراہم کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔ اس کے تحت ہر قسم کی جبری مشقت (بیگار) یا انسانی تجارت ممنوع ہے۔ ۱۴ سال سے کم عمر کے کسی بچے کو کسی کارخانے میں کسی کان میں یا مشکل نوعیت کی ملازمت میں نہیں لیا جائے گا۔

۵۔ کوئی قانون کسی ایسے شخص کو مستحق سزا قرار نہ دے گا۔

(ا) جس سے کسی ایسے کام کا ارتکاب اس وقت ہوا تھا جب وہ کام لائق تعزیر و قابل سزا نہ تھا۔

(ب) کسی جرم کی اس حد سے زائد یا اس سے مختلف سزا کے لیے جو بوقت ارتکاب ازروئے قانون اس جرم کے لیے مروج تھا۔

۶۔ (ا) کسی شخص کو ایک ہی جرم کے سلسلہ میں ایک سے زائد بار استغاثہ میں طلب نہ کیا جائے گا نہ سزا دی جائے گی۔

(ب) اسے کسی جرم کے ارتکاب پر ملزم قرار دیئے جانے کے بعد اپنے خلاف شہادت دینے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔

۷۔ فرد کی عزت نفس اور قانونی دائرے میں گھر کی رازداری و تخلیتاً قابل انفساخ ہوگی کسی شخص کو شہادت دینے پر مجبور کرنے کے لیے اذیت نہ پہنچائی جائے گی۔

۸۔ ہر شخص کو نقل و حرکت کی آزادی ہوگی۔

۹۔ عوامی مفادات کے پیش نظر ہر شہری کو پرامن طریق پر اور اسلحہ کے بغیر اجتماعات میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

۱۰۔ ہر اُس شخص کو جو سرکاری ملازم نہیں سیاسی جماعت کی تشکیل یا کسی سیاسی جماعت میں شرکت کا حق حاصل ہوگا اور ہر سیاسی جماعت ازروئے قانون اپنے فنڈ کے ذرائع کے سلسلہ میں جوابدہ ہوگی۔

۱۱۔ قانون کے مطابق ہر شخص کو تجارت یا کاروبار یا کوئی بھی پیشہ اختیار کرنے کا حق ہوگا۔

۱۲۔ ہر شہری کو آزادیٔ تقریر و آزادی اظہار خیال حاصل ہوگی۔

۱۳۔ ہر شخص کو اپنے مذہب اور عقیدے کے مطابق عبادت کی آزادی حاصل ہوگی۔

۱۴۔ قانون کی نظر میں تمام شہری اور مساوی طور پر تحفظ قانونی کے مستحق ہیں۔

صدر پاکستان کا ایک صدر ہوگا جو سربراہ مملکت ہوگا اور جمہوریہ کے اتحاد کا نمائندہ مظہر ہوگا۔

اس کی عمر ۴۵ سال سے کم نہ ہو۔ اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے نیز قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہونے کے لیے اہلیت رکھتا ہو۔

صدر کا انتخاب موجودہ صدر کی میعاد عہدہ کے اختتام سے قبل زیادہ سے زیادہ ۶۰ دن اور کم از کم ۳۰ دن کے اندر ہوگا۔

صدر کے عہدے کی مدت ۵ سال ہوگی۔ صدر دوبارہ منتخب ہو سکتا ہے لیکن دس سال پورے کرنے کے بعد تیسری بار صدر منتخب نہیں ہو سکتا۔

پارلیمنٹ: پاکستان کی ایک پارلیمنٹ ہوگی جس کے دو ایوان قومی اسمبلی و سینٹ ہونگے۔

قومی اسمبلی: قومی اسمبلی کے ارکان کی تعداد ۲ سو ہوگی جو قانون کی مطابقت سے براہ راست اور آزادانہ رائے دہی کے ذریعہ منتخب کیے جائیں گے۔

پاکستان کا ہر شہری جس کی عمر ۱۸ سال سے کم نہ ہو قومی اسمبلی کے انتخاب میں ووٹ ڈال سکتا ہے۔

قومی اسمبلی کی میعاد ۵ سال ہوگی۔

سپیکر و ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی کا ایک سپیکر اور ایک ڈپٹی سپیکر ہوگا سپیکر کی غیر حاضری یا اس کا عہدہ خالی ہونے کی صورت میں ڈپٹی سپیکر سپیکر کے فرائض انجام دے گا۔ سپیکر کے عہدے کی مدت پانچ سال ہوگی۔

انفساخ قومی اسمبلی اگر وزیر اعظم صدر کو قومی اسمبلی توڑنے کا مشورہ دے تو صدر قومی اسمبلی توڑ دے گا اور اگر قومی اسمبلی کو پہلے ہی نہ توڑا جا چکا ہو تو وزیر اعظم کے مشورے کے ۴۸ گھنٹے گزرنے کے بعد برخاست ہو جائے گی۔

سینٹ سینٹ کے ارکان کی تعداد ۶۳ ہوگی۔ ہر ایک صوبے سے ارکان کی تعداد ۱۴، ۱۴ ہوگی۔ پانچ ارکان کا انتخاب وفاق کے زیر انتظام علاقوں اور دو کا وفاقی دارالحکومت سے کیا جائے گا۔ سینٹ کے ارکان کی میعاد رکنیت چار سال ہوگی ہر دوسرے سال مجموعی ارکان سے نصف سبکدوش ہو جائیں گے۔

سینٹ کا ایک چیئرمین اور ایک ڈپٹی چیئرمین ہوگا۔

پارلیمنٹ کی رکنیت ہر وہ شخص جو پاکستان کا شہری ہے پارلیمنٹ کا رکن بن سکتا ہے بشرطیکہ (ا) اُس کی کم از کم عمر ۲۵ برس ہو اور اس کا نام قومی اسمبلی کے انتخابات کے لیے تیار کردہ کسی فہرست میں موجود ہو۔

سینٹ کی رکنیت کے لیے عمر ۳۰ سال ہو گی۔

وفاقی حکومت وفاقی حکومت وفاق کے انتظامی اختیارات صدر کے نام پر استعمال کرے گی۔ وفاقی حکومت وزیراعظم اور وفاقی وزراء پر مشتمل ہو گی۔

وفاقی وزراء وزیراعظم کی وساطت سے کام کریں گے جو وفاق کا منتظم اعلیٰ ہو گا۔

وزیراعظم قومی اسمبلی کے کل ارکان کی اکثریت سے وزیراعظم کا انتخاب ہو گا۔ وزیراعظم کے عہدے کی مدت پانچ سال ہو گی۔

اٹارنی جنرل صدر، سپریم کورٹ میں جج کی تقرری کے اہل کسی شخص کو پاکستان کا اٹارنی جنرل مقرر کرے گا۔

گورنر کا تقرر ہر صوبے کا ایک گورنر ہو گا جس کا تقرر صدر کرے گا۔ کسی شخص کو ۳۵ سال سے کم عمر میں گورنر نہیں مقرر کیا جائے گا۔

معاشرتی و اقتصادی بہبود آئین کی دفعہ نمبر ۲۹ میں عوام کی معاشرتی و اقتصادی بہبود کو فروغ دینے پر زور دیا گیا ہے دفعہ ۴۰ میں کہا گیا ہے کہ مملکت کی یہ کوشش ہو گی کہ معیار زندگی بلند کر کے عمومی مفاد کے خلاف چند ہاتھوں میں دولت اور ذرائع و تقسیم پیداوار کے ارتکاز کو روک کر اور آجروں و اجیروں اور زمینداروں اور مزارعوں کے درمیان حقوق کی منصفانہ تقسیم کر کے عوام کی فلاح و بہبود حاصل کی جائے۔

تمام شہریوں کو بنیادی ضروریات زندگی مہیا کی جائیں۔

اسلامی دفعات:

آئین میں جو اسلامی دفعات رکھی گئی ہیں اُن کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ صدر اور وزیراعظم کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

۲۔ اسلامی کونسل کا قیام تاکہ مسلمان اپنی زندگیاں اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھال سکیں۔

۳۔ قرآن پاک اور اسلامیات کی تعلیم لازمی قرار دی گئی ہے۔

۴۔ زکوٰۃ، اوقاف اور مساجد کی مناسب تنظیم کا اہتمام کیا گیا۔

اقلیتوں کے حقوق

آئین کے تحت تمام اقلیتوں کو یکساں حقوق حاصل ہوں گے اقلیتیں اپنے گرجے یا درسگاہیں اپنی مرضی کے مطابق قائم کرنے کی مجاز ہیں۔

مرکز اور صوبوں کے تعلقات

آئین میں مرکز اور صوبوں کے تعلقات پر زور دیا گیا ہے دفاع پاکستان اور اس سے متعلقہ امور، امور خارجہ، شہریت، ڈاک و تار، کرنسی، زرمبادلہ، جوہری توانائی، درآمد و برآمدات اور بعض محاصل اور ٹیکسوں کے علاوہ تمام اختیارات صوبوں کو تفویض کئے گئے ہیں۔

ریاست سے غداری

کوئی بھی شخص جو بزور قوت، بہ مظاہرہ قوت یا کسی دیگر غیر آئینی طریق سے آئین کی تنسیخ کرتا ہے یا ایسی کسی کوشش یا سازش میں ملوث پایا جاتا ہے شدید قسم کی غداری کا مرتکب شمار ہوگا۔ کسی کی معاونت کرنے والا شخص بھی غداری کا مرتکب شمار ہوگا۔ شدید قسم کی غداری کے مرتکب اشخاص کو قرار واقعی سزا دینے کے لیے پارلیمان قانون وضع کرے گی۔

صوبے

ہر وفاقی یونٹ یعنی صوبہ کی ایک اسمبلی، ایک وزیر اعلیٰ اور الگ گورنر ہوگا۔ پنجاب اسمبلی کے ارکان کی تعداد ۲۴۰، سندھ ۱۰۰، سرحد ۸۰ اور بلوچستان اسمبلی کے ارکان کی تعداد ۴۰ ہوگی۔

عوامی مفاد کی کونسل

حکومت کی پالیسیوں میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لیے عوامی مفاد کی کونسل قائم کی جائے گی یہ چاروں صوبوں کے وزراء اعلیٰ اور وفاقی حکومت کے چار نمائندوں پر مشتمل ہوگی۔

مشرقی پاکستان کی نمائندگی

جب مشرقی پاکستان بیرونی جارحیت سے نجات پالے گا تو صوبوں کو وفاق میں نمائندگی دینے اور وہاں کے عوام کو وفاقی حکومت میں شامل کرنے کے لیے آئین میں ترمیم کی جائے گی۔

آئین میں ترمیم کا حق

آئین میں ترمیم کا حق سینٹ اور قومی اسمبلی کو برابر برابر ہوگا۔

ہنگامی حالت کی صورت میں

ہنگامی حالت کے دوران ان تمام فیصلوں کو پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرنے اور ان کی منظوری حاصل کرنا لازمی ہوگی۔ سابقہ آئین میں یہ روایت نہیں تھی اس سے پارلیمنٹ کا اقتدار بلند اور اعلیٰ تسلیم کرلیا گیا۔

سول ایوارڈز کی واپسی پاکستان کے شہریوں کے تمام سول ایوارڈ، تمغے اور خطابات واپس لے لیے گئے اور آئندہ صرف ان لوگوں کو خطابات دینے کا اعلان کیا گیا جو اپنے شعبوں میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کریں گے۔

۱۹۷۳ء کے آئین کی اہم ترمیمات

پہلی ترمیم
(ا) مشرقی پاکستان کو مملکت کے علاقے سے حذف کر دیا گیا۔
(ب) پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے اجلاس کے دنوں کی کل تعداد میں ردوبدل
(ج) سیاسی جماعت بندی سے متعلق نئے ضوابط کا اجراء۔

دوسری ترمیم
مسلمانوں کی تعریف اور قادیانیوں کو علیحدہ اقلیت قرار دینا۔

تیسری ترمیم
(ا) آئین میں ترمیم کا تیسرا بل فروری ۱۹۷۵ء میں پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا جس کی رو سے ہنگامی حالات سے متعلق آئین کی شقوں میں ردوبدل کیا گیا۔
(ب) امتناعی نظربندی کے قوانین میں تبدیلی۔

چوتھی ترمیم
(ا) قومی اسمبلی کے لیے غیر مسلم اقلیتوں کی نشستوں میں اضافہ۔
(ب) امتناعی نظربندی کے قوانین میں مزید ردوبدل۔

پانچویں ترمیم
(ا) صوبائی گورنروں کے تقرر اور میعاد، عہدہ میں ردوبدل۔
(ب) سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدے کی میعاد اور ریٹائرمنٹ کی شرائط میں تبدیلی۔
(ج) ہائی کورٹ کے چیف جسٹس صاحبان کے عہدے کی میعاد اور ریٹائرمنٹ کی شرائط میں تبدیلی۔
(د) امتناعی نظربندی کے سلسلے میں ہائی کورٹ کے دائرہ اختیار میں مزید کمی۔
(ر) ہائی کورٹ کے ججوں کی تبدیلی میعاد، عہدہ اور ریٹائرمنٹ کے قوانین میں ردوبدل۔
(س) عدلیہ اور مقننہ میں علیحدگی کرنے کی میعاد میں اضافہ۔

چھٹی ترمیم
(ا) سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی ریٹائرمنٹ کی عمر میں تبدیلی۔
(ب) ہائی کورٹ کے چیف جسٹس صاحبان کی ریٹائرمنٹ کی عمر۔ قومی اسمبلی نے اس ترمیم کی منظوری ۲۲ دسمبر ۱۹۷۶ کو دی۔

ساتویں ترمیم

(ر) صدر کی طرف سے ریفرنڈم کا انعقاد اور اس کا طریقہ کار۔
(ب) فوجی کارروائی کی صورت میں ہائی کورٹ کے دائرہ اختیارات میں کمی۔

ایٹمی توانائی

بھارت کا ایٹمی دھماکا

۱۸ مئی ۱۹۷۴ء کو بھارت نے پوکھران (راجستھان) کے مقام پر زیر زمین اپنا پہلا ایٹمی دھماکا کیا۔ یہ دس سے ۱۵ کلوٹن طاقت کا تھا۔ پاکستان کے عوام نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا کہ بھارت اپنی فوجی اور ایٹمی قوت کو بڑھا رہا ہے اور پاکستان کو بھی اپنے دفاع میں کچھ کرنا چاہیے۔ عوامی ردعمل کے نتیجے میں وزیر اعظم بھٹو نے کہا کہ پاکستان اپنے ایٹمی پروگرام پر عملدرآمد تیز کر رہا ہے نیز پاکستان بھارت کے ایٹمی دھماکے کی وجہ سے اپنی خارجہ پالیسی کو تبدیل نہیں کرے گا۔ ۲۱ مئی کو وزیر مملکت برائے دفاع و امور خارجہ مسٹر عزیز احمد نے واشنگٹن میں کہا کہ پاکستان بھارتی حملے کے خلاف اقوام متحدہ اور امریکا سے ضمانت طلب کرے گا۔ اس ضمن میں وزیر اعظم نے ۲۳ مئی کو عالمی رہنماؤں کو پیغامات ارسال کئے۔ ۱۵ جون کو قومی اسمبلی کے ارکان نے وزیر اعظم بھٹو سے مطالبہ کیا کہ پاکستان کو بھی ایٹم بم بنانا چاہیے۔

دریں اثنا ۱۸ جون کو بین الاقوامی ایٹمی تحقیقاتی ادارے نے اعلان کیا کہ بھارت نے ایٹمی دھماکا فوجی مقاصد کے لیے کیا ہے۔ بھارت کے ایٹمی دھماکے کے خلاف جون ۱۹۷۴ میں ملائشیا کے شہر کوالالمپور میں اسلامی ممالک کے وزراء خارجہ نے پاکستان کی قرارداد منظور کر لی۔

ایٹمی ری پراسسنگ پلانٹ کا معاہدہ

بھارتی ایٹمی دھماکے کے پیش نظر حکومت پاکستان نے وسط دسمبر ۱۹۷۶ء میں فرانس سے ایٹمی ری پراسسنگ پلانٹ خریدنے کا معاہدہ کیا فرانس کے ساتھ ایٹمی ری پراسسنگ پلانٹ کے معاہدے کے خلاف مغربی ممالک اور امریکہ کے ابلاغ عامہ کے ذرائع نے اسے خوب اچھالا امریکہ و روس اور بھارت نے فرانس پر دباؤ ڈالا کہ وہ پاکستان کو ایٹمی ری پراسسنگ پلانٹ فراہم نہ کرے۔

سیاسی بحران

سندھ میں لسانی تنازعہ

سندھ میں لسانی تنازعے کی ابتدا جنوری ۱۹۷۱ء میں صدر یحییٰ خاں کے دور میں اُس وقت شروع ہوئی جب ثانوی تعلیمی بورڈ حیدرآباد نے سندھی زبان کو بورڈ کی سرکاری زبان قرار دیا اور غیر سندھی طلبا کے لیے سلیس سندھی کی تعلیم لازمی قرار دی گئی اگرچہ اُس وقت بھی ثانوی تعلیمی بورڈ کے اس اقدام کے خلاف آواز اٹھائی گئی تاہم مارشل لاء کی وجہ سے یہ معاملہ ٹھپ گیا لیکن مسٹر بھٹو کی سویلین حکومت کے قیام کے فوراً بعد جب ۴ جولائی ۱۹۷۲ء کو سندھی کو صوبے کی سرکاری زبان بنانے کا اعلان کیا گیا تو سندھی زبان کے بل کے خلاف پورے صوبہ سندھ میں ہڑتال کی گئی۔

۷ جولائی ۱۹۷۲ء کو سندھ اسمبلی نے اپنے خصوصی اجلاس میں سندھی کو صوبے کی سرکاری زبان بنانے کا بل طویل بحث کے بعد منظور کر لیا۔ حزب اختلاف نے اس بل کو آئین کی دفعہ ۲۶۷ کے منافی قرار دیتے ہوئے اس کی مخالفت کی چنانچہ رائے شماری کے وقت حزب اختلاف میں اردو کے حامی ارکان اسمبلی سے واک آؤٹ کر گئے اور انہوں نے سپیکر پر جانبداری کا الزام لگایا اس طرح حزب اختلاف کے بغیر یہ بل منظور ہو گیا۔ اسی روز سندھی کو سندھ کی سرکاری زبان قرار دینے اور اردو کو نظر انداز کرنے کے خلاف زبردست ہنگاموں کے بعد کراچی کے تین علاقوں گولی مار، لیاقت آباد اور ناظم آباد میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ اُردو کے حامیوں نے دوسرے روز بھی سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔ پولیس سٹیشنوں پر پتھراؤ کیا کاریں اور بسیں جلا دیں۔ ۸ جولائی کو ہنگاموں میں مزید شدت آگئی اور ۱۸ افراد ہلاک اور ۱۰۰ زخمی ہو گئے مظاہرین پر پولیس فائرنگ کی وجہ سے یہ المناک حادثہ پیش آیا تھا۔ ۹ جولائی کو ہنگاموں پر قابو پانے کے لیے کراچی کو فوج کے حوالے کر دیا گیا۔

اس روز مرکزی کابینہ کے ہنگامی اجلاس میں سندھ میں ہنگاموں سے پیدا ہونے والی صورتحال پر غور کیا گیا جس کے نتیجہ میں صدر ذوالفقار علی بھٹو نے لسانی تنازعہ کو طے کرنے کے لیے مرکزی وزراء پر مشتمل چار رکنی کمیٹی (ملک معراج خالد، مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ، معراج محمد خاں اور مسٹر حیات محمد خان شیرپاؤ) قائم کی کمیٹی نے نئے اور پرانے سندھیوں سے بات چیت کی۔ اور انہیں یقین دلایا کہ سندھی بل کا اثر اردو بولنے والوں پر نہیں پڑے گا۔ لیکن اس کے باوجود حالات مزید خراب ہو گئے اور لسانی فسادات نے حیدرآباد، ہالہ، ٹنڈو الہ یار اور سکھر کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس دوران صدر بھٹو

نے متنازعہ لسانی بل نظرثانی کے لیے طلب کر لیا۔ ۱۱ جولائی کو اسلام آباد میں قومی اسمبلی کے اجلاس میں اس پر بحث ہوئی۔ لیکن حکومت نے حزب اختلاف کو صورتِ حال پر بحث کرنے کی اجازت نہ دی۔ بالآخر ۱۴ جولائی ۱۹۷۲ کو نئے اور پرانے سندھیوں کے مابین سمجھوتہ طے پا گیا۔

لسانی آرڈی ننس کا متن

۲۱ جولائی ۱۹۷۲ء کو گورنر سندھ نے لسانی سمجھوتے پر عملدرآمد کے لیے جو آرڈی ننس نافذ کیا تھا اُس کے مسودے کا اعلان جاری کیا یہ آرڈی ننس ۱۶ جولائی سے نافذالعمل قرار پایا اُس میں کہا گیا تھا کہ بارہ سال تک کوئی شخص جو حکومت سندھ کی ملازمت کا اہل ہو محض اس بنا پر نااہل قرار نہیں دیا جائے گا کہ وہ سندھی یا اردو نہیں جانتا جو لوگ پہلے ہی ملازمت میں ہیں ان کے ساتھ بھی اس بنا پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا اور سندھی زبان کے استعمال سے اُردو کے استعمال پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ آرڈی ننس کی تمہید میں کہا گیا تھا کہ جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کے عبوری آئین کی دفعہ ۲۶۲ میں یہ بات موجود ہے کہ قومی زبان اردو کی حیثیت کو متاثر کئے بغیر صوبائی اسمبلی قومی زبان کے علاوہ کسی علاقائی یا صوبائی زبان کے استعمال کے لیے اقدامات کر سکتی ہے اور چونکہ اردو قومی زبان ہے جو عوام کے ایک قابل لحاظ طبقہ کی مادری زبان ہے اور چونکہ سندھی زبان کے استعمال کے ایکٹ پر عملدرآمد کے سلسلے میں پیدا شدہ بعض غلط فہمیوں کو دور کرنا ضروری تھا اس لیے گورنر سندھ نے یہ آرڈی ننس جاری کیا۔

مری قبائل کی بغاوت

۲۷ نومبر ۱۹۷۲ء کو ایک ہزار مری قبائلیوں نے کچھ کوہی اور لہری قبائلیوں کے ساتھ خودکار ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ضلع کچھی کے پٹ فیڈر کے علاقے میں گوٹھ محمد حسین بیدر اور بعض دوسرے دیہاتوں میں پنجابی آباد کاروں پر حملہ کیا۔ اس حملے میں ایک آباد کار اور تین سے ۵ سال کی عمر کے چار بچے جاں بحق ہو گئے کئی آباد کار زخمی ہو گئے کئی عورتوں اور بچوں کو اغوا کر لیا گیا۔ بہت سوں کو گھروں سے نکال دیا گیا فصلیں تباہ کر دی گئیں اور ان کی بعض زمینوں پر زبردستی قبضہ کر لیا گیا۔ ایک سرکاری کمیٹی نے املاک کے نقصان کا اندازہ ۸ لاکھ روپے لگایا حملے سے پہلے آباد کاروں نے حکومت سے اس لوٹ مار کی شکایت کی تھی جو قبائل اس سے پہلے کر چکے تھے۔

۱۶۰ خاندانوں پر مشتمل ان پنجابی آباد کاروں کے پاس ۷۵۰۰ ایکڑ زمین تھی۔ حملے کے پانچ روز بعد ۲ دسمبر ۱۹۷۲ کو وفاقی حکومت نے بلوچستان میں نیپ، جمعیت العلمائے اسلام کی حکومت

کی درخواست پر لوٹ مار کرنے والے قبائلیوں کو روکنے اور آباد کاروں کی حفاظت کے لیے فرنٹیئر کور کو کارروائی کا حکم دیا۔ ۲ دسمبر کو مری قبائلیوں کو الٹی میٹم دیا گیا کہ وہ اگلی صبح تک ہتھیار ڈال دیں لاقانونی کی کارروائیوں کے ذمہ دار افراد کو حکومت کے حوالے کر دیں اغوا شدہ افراد اور لوٹا ہوا مال واپس کر دیں۔ زمین کا قبضہ چھوڑ دیں اور نقصان کا معاوضہ ادا کریں۔

قبائلیوں نے اس انتباہ کو نظر انداز کرتے ہوئے جواب دیا کہ وہ صرف اپنے سردار یعنی خیر بخش مری کی ہدایات کی تعمیل کریں گے۔

لیاقت باغ فائرنگ کیس

۲۳ مارچ ۱۹۷۳ء کو یوم پاکستان کے موقع پر راولپنڈی کے لیاقت باغ میں متحدہ جمہوری محاذ نے ایک جلسے کا اہتمام کیا۔ یہ جلسہ عام رائفلوں، اسٹین گنوں، پستولوں اور دوسرے خود کار ہتھیاروں سے اندھا دھند فائرنگ، دستی بموں، چاقوؤں اور لاٹھیوں کے وحشیانہ استعمال کی نذر ہو گیا اور کم و بیش نو افراد ہلاک اور ۷۵ زخمی ہوئے۔ شر پسندوں نے پہلوی روڈ پر جماعت اسلامی کے دارالمطالعہ، جمعیت العلمائے اسلام کے دفاتر اور کوہاٹی بازار میں نیشنل عوامی پارٹی کے دفتروں پر بھی حملے کیے اور سامان کو آگ لگا دی۔

مقامی انتظامیہ نے بتایا کہ نو افراد ہلاک ہوئے جب کہ اپوزیشن نے ہلاک شدگان کی تعداد تیرہ بتلائی۔

دریں اثنا گورنر پنجاب نے ریڈیو پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ نیپ کی ایک اور سازش ناکام بنا دی گئی ہے سرحد سے دس ہزار پختون زلمے راولپنڈی لائے گئے تھے چنانچہ فائرنگ کیس کے سلسلے میں پنجاب بھر میں جلسے جلوسوں پر پابندی لگا دی گئی۔

سیاسی قتل

پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں متعدد سیاسی رہنما قتل ہوئے جن میں خواجہ رفیق، ڈاکٹر نذیر احمد، مولانا شمس الدین، عبدالصمد خاں اچکزئی، جاوید نذیر، عبدالوحید، محمد انور سمہ، مولوی سعد اللہ اور نواب محمد احمد خاں کے نام قابل ذکر ہیں۔

پیپلز پارٹی صوبہ سرحد کے صدر اور سینئر وزیر حیات محمد خان شیر پاؤ کو ۸ فروری ۱۹۷۵ کو پشاور یونیورسٹی میں بم کے دھماکے سے ہلاک کیا گیا۔

اپریل ۱۹۷۵ء میں مولانا مفتی محمود پر سجاول (ٹھٹھہ) میں قاتلانہ حملہ کیا گیا لیکن مفتی صاحب بال بال بچ گئے۔

قومیتوں کے پروپیگنڈے کا انسداد

وزیراعظم بھٹو کے عہد حکومت میں بعض سیاست دانوں نے قومیتوں کے حق میں پروپیگنڈہ کیا چنانچہ وفاقی حکومت نے ۲۲ نومبر ۱۹۷۳ کو آرڈیننس جاری کیا جس کے تحت وفاقی حکومت کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ ملکی آزادی، علاقائی سلامتی اور داخلی امن کو نقصان پہنچانے کی کوشش میں معروف کسی تنظیم کو قوم دشمن قرار دے سکتی تھی۔ آرڈیننس کا مقصد وطن دشمن اور غدارانہ سرگرمیوں کا موثر سدباب کرنا تھا اس میں وطن دشمن سرگرمیوں کی جو وضاحت کی گئی تھی اس میں زیادہ قومیتوں کا پرچار کرنا بھی غداری کے مترادف قرار دیا گیا تھا۔ آرڈیننس کے مطابق اس قسم کی سرگرمیوں میں حصہ لینے یا اکسانے پر سات سال تک قید یا جرمانے کی سزا مقرر کی گئی۔ وطن دشمن سرگرمیوں میں معاونت کرنے والوں کے لیے بھی پانچ سال تک قید یا جرمانہ کی سزا مقرر کی گئی۔

متحدہ جمہوری محاذ کا قیام

۲۸ فروری ۱۹۷۳ کو راولپنڈی میں تحریک استقلال کے سوا ملک کی حزب اختلاف کی تمام جماعتوں کا ایک قومی کنونشن منعقد ہوا ان جماعتوں کے قومی کنونشن میں فیصلہ کیا گیا کہ پاکستان میں اسلامی نظام عدل کے قیام جمہوریت کی بقا اور وطن عزیز کی سالمیت کے لیے حزب اختلاف کی جماعتیں مشترکہ جدوجہد کریں گی۔ کنونشن کے اختتام پر جو اعلان جاری کیا گیا اس میں کہا گیا تھا کہ مشرقی پاکستان کے المیہ کے بعد حکمران جماعت نے دانستہ طور پر پھر ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں جس سے باقی ماندہ ملک شدید بحران کا شکار ہو گیا ہے نہایت تیزی سے بگڑتے ہوئے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے وطن عزیز کی حفاظت کی خاطر اسلامی نظام عدل کے قیام اور جمہوریت کی بقا کے لیے وہ جماعتیں جنہوں نے اس سے قبل، ورملت کی رہنمائی میں آمریت کا مقابلہ کیا تھا ایک بار پھر باہمی اتحاد کے ساتھ فسطائیت اور آمریت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش پر آمادہ ہو گئی ہیں۔ یکم مارچ کو قومی کنونشن نے آخری اجلاس میں مستقبل کا لائحہ عمل مرتب اور ایک مجلس عمل بھی قائم کی اس کا مقصد کنونشن کے طے کردہ پروگراموں پر عمل درآمد کرانا تھا۔ کنونشن میں اس بات پر اتفاق رائے ہوا کہ اگر پاکستان کا مستقل آئین عوامی خواہشات کے مطابق نہ ہوا اور اس میں اسلامی، جمہوری و وفاقی نکات شامل نہ کئے گئے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا کنونشن کے آخری اجلاس میں سب کمیٹی کی رپورٹ بھی پیش کی گئی۔ ۲ مارچ کو کنونشن کے اختتام پر اعلان اسلام آباد جاری ہوا جو بارہ نکات پر مشتمل تھا۔

متحدہ جمہوری محاذ کے بارہ نکات

۱۔ ہم اہل وطن کو اخوت، محبت اور باہمی اتحاد کا راستہ دکھاتے رہیں گے اور پاکستان کی جغرافیائی وحدت کا تحفظ کریں گے۔

۲۔ ہم اپنے وطن کے لیے خالص اسلامی جمہوری وفاقی پارلیمانی دستور حاصل کر کے رہیں گے۔

۳۔ ہم شہریوں کو ان کے بنیادی حقوق دلائیں گے اور ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے ہر قسم کی قربانی دیں گے۔

۴۔ ہم عوام کو ہر قسم کے استحصال سے نجات دلائیں گے اور زندگی کی بنیادی ضروریات کی فراہمی کے لیے منظم اور مسلسل جدوجہد کریں گے۔

۵۔ ہم فسطائیت کے سارے منحوس نقوش مٹا کر دم لیں گے۔ وطن عزیز میں آمریت مسلط کرنے کی ساری کوششیں ناکام بنا دیں گے۔

۶۔ ہم قومی سالمیت کے تقاضوں سے ہم آہنگ صوبائی خود مختاری کی حمایت کرتے ہیں۔ صوبائی معاملات میں مرکز کی ناجائز اور غیر جمہوری مداخلت کی مزاحمت کریں گے اور علیحدگی کی ہر تحریک کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ ہم پریس اور دیگر ذرائع ابلاغ عام کو تمام غیر جمہوری اور غیر اخلاقی پابندیوں سے آزاد کرائیں گے اور ان کو ایک آزاد جمہوری ملک کے شایان شان مقام دلائیں گے۔

۷۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ قوم و ملک کے وسیع تر مفاد کی خاطر عراقی سفارت خانہ سے روسی اسلحہ کی برآمدگی کی اعلیٰ سطح پر عدالتی تحقیقات کرائی جائے اور تحقیقاتی رپورٹ شائع کی جائے اور اس سازش میں ملوث افراد کو عبرت ناک سزائیں دی جائیں۔

۸۔ ہم تمام طالب علموں، دانشوروں، صحافیوں اور محنت کشوں کے حقوق کے لیے جدوجہد کریں گے جو پاکستان کی ترقی اور استحکام کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

۹۔ ہم بھارت میں اپنے فوجی اور سول قیدی بھائیوں کی رہائی کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے۔

۱۰۔ ہم صحت مند سیاسی اصولوں اور روایات کی پابندی کریں گے اور کسی سیاسی جماعت اور حکومت کو مہذب روایات کو پامال کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

۱۱۔ ہم ان تمام اندرونی اور بیرونی سازشوں کا مقابلہ کریں گے جو نظریہ پاکستان اور ملک کی سالمیت اور جغرافیائی وحدت کے خلاف کی جائیں گی۔

۱۲۔ عوام کو حکومت کے آمرانہ اور ظالمانہ اختیارات کے بے دریغ استعمال گرفتاریوں اور انتقامی کارروائیوں سے محفوظ رکھنے کے لیئے ہم ہنگامی حالات کے فوری خاتمے کی کوشش کریں گے جس کے ذریعے حکومت کو لامحدود اختیارات حاصل ہیں۔

۱۲, مارچ کو حزب اختلاف کی جماعتوں کے قومی کنونشن میں مرتب کردہ بارہ نکاتی اعلان اسلام آباد پر عملدرآمد کرنے کے لیے راولپنڈی میں چودھری ظہور الٰہی کی رہائش گاہ پر مسلم لیگ کے رہنما پیر پگاڑا کی صدارت میں اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس میں اتفاق رائے سے متحدہ محاذ کا نام متحدہ جمہوری محاذ رکھنے کی منظوری دی گئی۔

۱۴, مارچ کو پیر پگارا کو محاذ کا صدر اور پروفیسر غفور احمد کو جنرل سیکرٹری اور نوابزادہ نصراللہ اور مفتی محمود نائب صدر مقرر کئے گئے اس کے ساتھ ہی پانچ رکنی مجلس عمل بھی قائم کر دی گئی۔ دریں اثنا متحدہ جمہوری محاذ نے آئین بل میں متفقہ ترامیم صدر کو پیش کیں۔

ازاں بعد صدر بھٹو اور متحدہ جمہوری محاذ کے رہنماؤں کے مابین آئین کے مسئلہ پر مذاکرات بھی ہوئے۔

نیشنل عوامی پارٹی کا خاتمہ

صوبہ سرحد کے سینئر وزیر حیات محمد خان شیر پاؤ کے قتل کے دو روز بعد ۱۰ فروری ۱۹۷۵ کو حکومت پاکستان نے نیشنل عوامی پارٹی کو توڑ دیا اور اس کی تمام املاک اور فنڈ ضبط کرنے کا اعلان کیا۔ سرکاری اعلان میں بتایا گیا تھا کہ وفاقی حکومت کو یقین ہے کہ نیشنل عوامی پارٹی اس طرح کام کر رہی ہے جو پاکستان کی خود مختاری اور سالمیت کے لیے نقصان دہ ہے لہٰذا پولیٹیکل پارٹی ایکٹ ۱۹۶۲ء III آف ۱۹۶۲ کے سیکشن چھ کے ذیلی سیکشن ایک کے مطابق حکومت یہ قرار دیتی ہے کہ نیشنل عوامی پارٹی جس طرح سرگرم عمل ہے وہ پاکستان کی خود مختاری اور سالمیت کے خلاف ہے۔

سپریم کورٹ کا فیصلہ

۳۰, اکتوبر ۱۹۷۵ کو سپریم کورٹ آف پاکستان کے فل بنچ نے متفقہ فیصلہ دیا کہ نیشنل عوامی پارٹی پر سیاسی جماعتوں کے قانون کے تحت جو پابندی لگائی گئی تھی وہ جائز ہے کیونکہ کالعدم نیپ پاکستان کی سلامتی اور آزادی کے خلاف کام کر رہی تھی۔

سپریم کورٹ کے فیصلے کے نتیجے میں کالعدم نیشنل عوامی پارٹی کے مرکزی اور صوبائی عہدیداروں کی اسمبلیوں کی رکنیت بھی ختم ہو گئی۔

انتخابات

عوامی نمائندگی کا بل

دسمبر ۱۹۷۶ء میں ملک میں عام انتخابات کے انعقاد کے سلسلے میں پہلے قومی اسمبلی نے اور پھر ۲۹ دسمبر کو پاکستان سینیٹ نے عوامی نمائندگی کا بل منظور کر لیا۔ اس کے اہم نکات یہ ہیں۔

۱۔ تمام وفاقی اور صوبائی عدالتی حکام الیکشن کمیشن کی مدد کریں گے۔

۲۔ صوبائی حکومتوں کو انتخابات کے سلسلے میں کسی موٹر گاڑی یا دوسری گاڑی اور سواری کا جانور حاصل کرنے کا اختیار ہو گا جسے وہ الیکشن کمیشن کی درخواست پر استعمال کریں گی تاہم صوبائی حکومتیں کسی ایسی گاڑی یا سواری کے جانور کو حاصل نہیں کر سکیں گی جو کسی امیدوار یا اس کے ایجنٹ کے استعمال میں ہو گا۔

۳۔ الیکشن کمیشن عام انتخابات کے لیے نوٹیفیکیشن جاری کرے گا۔

۴۔ کسی اسمبلی کے توڑے جانے کی صورت میں اس اسمبلی کے انتخابات کے لیے نوٹیفیکیشن اسمبلی توڑے جانے کے دو دن کے اندر اندر جاری کیا جائے گا۔

۵۔ الیکشن کمیشن ہر انتخابی حلقے کے سلسلے میں کاغذات نامزدگی داخل کرنے کاغذات کی چھان بین کرنے اور کاغذات واپس لینے کے لیے تاریخ مقرر کرے گا۔

۶۔ قومی اسمبلی کے امیدوار کو ایک ہزار اور صوبائی اسمبلی کے امیدوار کو پانچ سو روپے زر ضمانت جمع کرانا ہو گا۔

۷۔ ایسے امیدوار جو کل ووٹوں کا آٹھواں حصہ حاصل نہیں کر سکیں گے ان کا زر ضمانت ضبط کر لیا جائے گا۔

۸۔ ریٹرننگ افسر امیدواروں کو انتخابی نشان الاٹ کریں گے۔

۹۔ امیدوار انتخابی نشانوں کی الاٹمنٹ کے خلاف تین دن کے اندر اندر الیکشن کمیشن سے اپیل کرنے کا مجاز ہو گا۔

۱۰۔ کسی ایک اسمبلی کے لیے انتخابات ایک ہی دن ہوں گے اسی طرح قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات بھی ایک ہی دن کرائے جا سکیں گے۔

۱۱۔ اگر الیکشن کمیشن کو یہ اطمینان ہو جائے کہ کسی انتخابی حلقہ میں کسی قدرتی آفت یا کسی اور وجہ

سے پولنگ نہیں ہو سکتا اس صورت میں الیکشن کمیشن اس حلقے میں پولنگ کے لیے دوسری تاریخ مقرر کر سکے گا۔

۱۲۔ ووٹ برابر ہونے کی صورت میں ریٹرننگ افسر یا الیکشن کمیشن قرعہ اندازی کے ذریعہ فیصلہ کرے گا۔

۱۳۔ قومی اسمبلی کے لیے انتخابی اخراجات کی حد ۴۰ ہزار اور صوبائی اسمبلی کے لیے پچیس ہزار روپے ہوگی۔

۱۴۔ کامیاب ہونے والے امیدوار کو انتخابی نتائج کے سرکاری اعلان کے بعد ۴۵ دن کے اندر اندر اخراجات کا گوشوارہ پیش کرنا ہوگا۔

۱۵۔ چیف الیکشن کمشنر کو انتخابی عذرداری نتائج کے اعلان کے بعد ساٹھ دن کے اندر اندر کی جا سکے گی۔

۱۶۔ چیف الیکشن کمشنر انتخابی عذرداریوں کی سماعت کے لیے جتنی تعداد میں چاہے گا الیکشن ٹربیونل مقرر کر سکے گا۔

۱۷۔ انتخابی ٹربیونل کے فیصلے کے خلاف ہائی کورٹ سے اپیل کی جا سکے گی۔

۱۸۔ انتخابات کے دوران مختلف بدعنوانیوں پر قید اور جرمانے کی سزا دی جا سکے گی۔

۱۹۔ پولیس افسر پریذائیڈنگ افسر کی ہدایت پر بدعنوانی کرنے کا ارتکاب کرنے والے شخص کو بلا وارنٹ گرفتار کر سکے گا۔

پاکستان قومی اتحاد کا قیام

۷، جنوری ۱۹۷۷ء کو جب پاکستان میں عام انتخابات کا اعلان کیا گیا تو ۱۱ جنوری کو حزب اختلاف کی نو جماعتوں (۱) آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس (۲) پاکستان جمہوری پارٹی (۳) پاکستان مسلم لیگ (۴) تحریک استقلال (۵) جماعت اسلامی (۶) جمیعۃ العلمائے اسلام (۷) جمیعۃ العلمائے پاکستان (۸) پاکستان خاکسار تحریک (۹) نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی نے متحد اور مجتمع ہو کر پاکستان قومی اتحاد کی تشکیل کا اعلان کیا۔

مولانا مفتی محمود اس کے کنوینر اور رفیق احمد باجوہ جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے۔

پاکستان قومی اتحاد کے منشور میں یہ عہد کیا گیا تھا کہ

ہم ایمان رکھتے ہیں کہ

۱۔ اللہ تعالیٰ ہی پوری کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق ہے۔
۲۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں جن کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔
۳۔ قرآن پاک اللہ کی آخری کتاب ہے اور یہ کہ
۴۔ نظریہ پاکستان کی بنیاد قرآن وسنت ہے۔
۵۔ ہمارا یقین ہے کہ پاکستان کے تمام شہریوں کو بلا تفریق مذہب اس بات کا حق پہنچتا ہے کہ وہ آزادی کی نعمتوں سے مالا مال ہوں۔
۶۔ ہمیں احساس ہے کہ
موجودہ حکمران ان وعدوں کو پورا کرنے میں بری طرح ناکام ہو چکے ہیں جو انہوں نے عوام سے کئے تھے جس کے نتیجے میں آج باشندگان ملک شدید ترین پریشانیوں اور ناقابل برداشت مصائب میں گھرے ہوئے ہیں۔
۷۔ ہم پاکستان کے روشن مستقبل پر یقین رکھتے ہیں۔ پاکستان اللہ کے کرم سے قدرتی خزانوں سے مالا مال ہے ہمارے عوام بے مثال صلاحیتوں کے مالک ہیں لیکن بدقسمتی سے ان صلاحیتوں کو ایک عرصہ سے کچلا اور پامال کیا رہا ہے یہ وطن عزیز ہے جسے پوری دنیا کے لیے مشعل راہ بننا تھا آج دانستہ طور پر ایک منظم سازش کر کے خود برائیوں میں ملوث کیا جا رہا ہے عوام کو جو ملک کی اصل قوت ہیں خود انہی کو سیاسی، معاشی اور معاشرتی استحصال کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔
۸۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ عوام کو تمام ناروا پابندیوں، خوف وہراس، معاشی بدحالی اور معاشرتی پستی سے نجات دلا کر انہیں ان کا جائز مقام دلائیں گے۔ تاکہ ہر شہری عزت ووقار کے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔

ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اتحاد اور اتفاق ملک کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ لہٰذا انہی مقاصد کے حصول کے لیے پاکستان قومی اتحاد تشکیل دیا گیا ہے۔

قومی اتحاد کی تحریک

سقوط مشرقی پاکستان کے بعد پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کا قیام عمل میں آیا تو عوام اور سیاسی جماعتوں نے باقی ماندہ پاکستان کو انتشار اور بے یقینی کی فضا سے نکالنے کے لئے اپنے باہمی اختلافات فراموش کر کے جائز حد تک اس سے تعاون کیا۔

۱۹۷۳ء کے آئین کا نفاذ عمل میں آیا تو عوام کو پختہ یقین ہو گیا کہ ملک میں جمہوری اقدار و روایات کا دور دورہ ہو گا اور آئندہ حکومتوں کی تبدیلی ووٹ کے ذریعے عمل میں آیا کرے گی نیز غیر جمہوری روایات کا مکمل خاتمہ ہو جائے گا۔

دسمبر ۱۹۷۶ء میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ۱۹۷۷ء کو انتخابات کا سال قرار دیا تو عوام میں عجیب طرح کا جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ اور انتخابی شیڈول کے اعلان کے ساتھ ہی حزب اختلاف کی نو جماعتیں پاکستان قومی اتحاد کے نام سے پیپلز پارٹی کے مدمقابل آگئیں۔ اس تحریک کو تحریک نظام مصطفیٰ کا نام دیا گیا۔

تحریک نظام مصطفیٰ

۷، مارچ ۱۹۷۷ء کو قومی اسمبلی کے انتخابات ہوئے تو عوام نے والہانہ جوش و خروش سے اپنے ووٹ کے حق کا استعمال کیا اور بڑی بے صبری کے ساتھ نتیجے کا انتظار کرنے لگے۔ ۸ مارچ کو نتیجہ آیا تو پتہ چلا کہ اُن کا ووٹ دھاندلی کا شکار ہو چکا ہے۔ ۹ مارچ ۱۹۷۷ء کو پاکستان قومی اتحاد نے ایک قرارداد کے ذریعے حکومت پر قومی سطح پر انتخابی دھاندلیوں کا الزام لگایا لیکن حکومت نے اس الزام کو مسترد کر دیا۔ عوام اور قومی اتحاد کے نمائندوں نے مطالبہ کیا کہ انتخابات ازسرِنو کرائے جائیں نیز وہ ۱۱ مارچ کو ہونے والے صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا مقاطعہ کرتے ہیں اور نو منتخب قومی اسمبلی کی آئینی حیثیت کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ ۱۰، مارچ کو قومی اتحاد کے بغیر ہی صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات مکمل ہو گئے۔ پاکستان پیپلز پارٹی نے صوبائی اسمبلیوں کی ۴۶۰ میں سے ۴۳۵ پنجاب ۲۴۰ میں سے ۲۳۲ سرحد ۸۰ میں سے ۶۹ بلوچستان ۴۰ میں سے ۳۴ اور سندھ کی سو کی سو نشستیں حاصل کرلیں۔

پاکستان قومی اتحاد نے مطالبہ کیا کہ موجودہ حکومت اور الیکشن کمیشن فوراً مستعفی ہو جائے اور اس کی جگہ نگران حکومت تشکیل دی جائے۔ لیکن اس کے جواب میں وزیر اعظم بھٹو نے کہا قومی اسمبلی کے انتخابات کے سوا اپوزیشن سے دوسرے تمام امور پر بات چیت ہو سکتی ہے۔ نیز انہوں نے پاکستان قومی اتحاد کے صدر مولانا مفتی محمود کو خط لکھا کہ حکومت باضابطہ طور پر غیر مشروط مذاکرات کرنے کے لیے تیار ہے۔۔۔

۱۴، مارچ کو پاکستان قوم اتحاد کے فیصلے کے مطابق ملک کے مختلف حصوں میں احتجاجی مظاہرے شروع ہو گئے لاہور میں بڑا جلوس ایئر مارشل اصغر خان، میاں طفیل محمد، ملک محمد قاسم، میاں خورشید محمود قصوری اور قاری عبدالحمید نے دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نکالا۔ لائلپور میں متعدد

متعدد سیاسی رہنماؤں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ اسی روز پاکستان قومی اتحاد کے سیکرٹری جنرل رفیق احمد باجوہ نے وزیر اعظم بھٹو سے ملاقات کی جس کی پاداش میں قومی اتحاد نے ان سے استعفیٰ طلب کر لیا۔ اور پروفیسر غفور ان کی جگہ نئے سیکرٹری جنرل بنے۔ اگلے روز مسجد شہدا کے باہر پولیس اور مظاہرین میں تصادم ہوا۔ پولیس نے نہ صرف مسجد کے باہر لاٹھی چارج کیا بلکہ مسجد کے اندر جاکر بھی تشدد کا مظاہرہ کیا۔

قومی اتحاد کی اپیل پر تیسرے دن بھی ملک بھر میں دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کی گئی حیدر آباد میں مظاہرین اور پولیس میں فائرنگ سے ایک شخص ہلاک ہو گیا۔ ۱۷ مارچ کو پولیس نے لاہور میں ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خاں کو گرفتار کر لیا۔ قومی اتحاد کی تحریک کے نتیجے میں پنجاب، سندھ، بلوچستان اور سرحد میں احتجاجی مظاہرے ہوئے اور گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ پانچویں روز مولانا شاہ احمد نورانی، شیر باز مزاری، محمود علی قصوری اور بیگم نسیم ولی خاں کو دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کرنے اور جلوس نکالنے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ مفتی محمود کے مطالبے پر دو روز بعد اصغر خاں، غفور احمد، شاہ احمد نورانی اور شیر باز مزاری کو رہا کر دیا گیا۔ ۲۴ مارچ کو ہڑتال کے سلسلے میں پاکستان قومی اتحاد کے راہنماؤں مفتی محمود احمد، پروفیسر غفور احمد، میاں طفیل محمد، ملک قاسم، شاہ احمد نورانی، شیر باز مزاری، شاہ فرید الحق، ظہور الحسن بھوپالی، مولانا حامد علی خاں، خضر حیات اور خواجہ صفدر کو تین تین ماہ کے لیے جیل اور بیگم نسیم ولی خاں کو ان کے گھر میں نظر بند کر دیا گیا۔ قومی اتحاد کے قائم مقام صدر نوابزادہ نصر اللہ خاں نے کہا کہ قومی راہنماؤں کی گرفتاریوں کے باوجود تحریک جاری رہے گی۔

۲۶ مارچ کو وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو پیپلز پارٹی کی پارلیمانی پارٹی نے اپنا قائد منتخب کر لیا قومی اسمبلی کے ۱۶۱ ارکان نے حلف اٹھایا۔ قومی اتحاد کے کسی رکن نے حلف برداری کی تقریب میں حصہ نہ لیا۔ ۲۸ مارچ کو ذوالفقار علی بھٹو کو پانچ سال کے لیے وزیر اعظم منتخب کر لیا گیا۔

۳۰ مارچ کو لاہور کی مسلم مسجد میں نمازیوں پر پولیس کی فائرنگ اور بوٹوں سمیت مسجد میں گھس کر نمازیوں پر تشدد، ۱۹ اپریل کو پنجاب کی صوبائی اسمبلی کے ارکان کی حلف برداری کی تقریب کے وقت عوامی احتجاج کے خلاف پولیس کی فائرنگ سے ۸ افراد ہلاک ہوئے۔ لاہور ہائی کورٹ میں پناہ لینے والے سیاسی کارکنوں پر تشدد اور سینکڑوں افراد کی ہلاکت اہم واقعات میں شامل ہیں۔

پیر پگاڑا کی قیادت میں اسلام آباد میں لانگ مارچ بھی اسی تحریک کی کڑیاں تھیں۔ غرض کہ قومی اتحاد کی ملک گیر تحریک نے حکومت کے ایوانوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ جس کے نتیجے میں حکومت نے گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں اتحاد کے کارکنوں کی وسیع پیمانے پر گرفتاریاں کیں۔ لیکن اس کے باوجود جب قومی اتحاد کی تحریک پر قابو نہ پایا جا سکا تو ملک کے بڑے شہروں کراچی، حیدر آباد ملتان اور لاہور میں قبل کرفیو نافذ کیا گیا لیکن جب حالات مزید خراب ہو گئے۔ تو بھٹو حکومت نے اپنے ہی آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ان چاروں شہروں میں مارشل لا نافذ کر دیا۔ عوام نے مارشل لاء کے دوران بھی جلوس نکالے تحریک میں حکومتی ذرائع کے مطابق ۲۵۰ افراد ہلاک ہوئے جب کہ قومی اتحاد نے یہ تعداد ۹۰۰ بتائی تھی۔

ان حالات میں سعودی عرب کے سفیر ریاض الخطیب نے مصالحتی کردار ادا کیا اور قومی اتحاد کے راہنماؤں کو حکومت کے ساتھ مذاکرات پر آمادہ کیا نیز آزاد کشمیر کے سابق صدر سردار قیوم خان کی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔ انہوں نے اپنی رہائی کے بعد سہالہ ریسٹ ہاؤس میں نظر بند قومی اتحاد کے رہنماؤں سے مذاکرات کیے بالآخر مئی کے پہلے ہفتے میں مذاکرات کا آغاز ہوا حکومتی پارٹی میں مسٹر بھٹو کے علاوہ مولانا کوثر نیازی، حفیظ پیرزادہ اور طاہر محمد خاں شامل ہوئے جب کہ قومی اتحاد کی طرف سے مولانا مفتی محمود، نوابزادہ نصراللہ خاں، پروفیسر عبدالغفور اور ایئر مارشل اصغر خاں شامل تھے۔

فریقین کے مابین مذاکرات کے کئی دور ہوئے۔

قومی اتحاد اور حکومت کے مذاکرات

۱۸ رمئی ۱۹۷۷ کو قومی اتحاد کے رہنما اور قائمقام صدر پیر پگارا نے کہا کہ آئین میں ساتویں ترمیم کے بعد اب مذاکرات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۱۹ رمئی ۱۹۷۷ کو قومی اتحاد کے نظر بند رہنماؤں سے رابطہ قائم کرنے کے لیے سردار عبدالقیوم کو رہا کر دیا گیا۔ ازاں بعد مولانا مفتی محمود نے آئینی بحران حل کرنے کے سلسلے میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو سے ملاقات کی جس کے نتیجے میں ۲۵ رمئی کو قومی اتحاد کے رہنما وزیر اعظم سے مذاکرات پر آمادہ ہو گئے۔

۳ ؍جون کو باقاعدہ مذاکرات کا آغاز ہوا اور پہلے ہی مرحلے میں اخبارات پر سنسر شپ کی پابندیاں ختم کر دی گئیں اور دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کرنے والے تمام افراد کو فوراً رہا کرنے کا

فیصلہ کیا گیا۔ مذاکرات کا پہلا دور ۱/۲ ۲ گھنٹے جاری رہا۔

۶ ،جون کو مذاکرات کا دوسرا دور ہوا حکومت نے دوبارہ انتخابات کرانے کے بنیادی مسئلے کو حل کرنے کے لیے دو فارمولے پیش کئے۔

۷ ، جون کو تیسرا دور ہوا تو اس کے نتیجے میں حکومت اور قومی اتحاد ملک میں دوبارہ انتخابات کرانے پر متفق ہو گئے اور کراچی، حیدر آباد اور لاہور سے مارشل لاء اٹھالیا گیا۔ دوبارہ انتخابات کی تفصیلات تیار کرنے اور آئین میں ترمیم پر غور کرنے کے لیے ذیلی کمیٹی قائم کر دی گئی اور عام انتخابات اکتوبر ۱۹۷۷ء میں کرانے کا اعلان کیا گیا لیکن ۹ ،جون کو دوبارہ انتخابات سے متعلق بعض امور پر حکومت اور قومی اتحاد میں پھر اختلافات پیدا ہو گئے۔

۱۵ ،جون کو حکومت اور قومی اتحاد میں بنیادی مسئلوں پر سمجھوتہ طے پا گیا۔ ابھی اس سمجھوتے پر دستخط بھی نہ ہونے پائے تھے کہ وزیر اعظم بھٹو اسلامی ممالک کے دورے پر روانہ ہو گئے۔

۲۲ ،جون کو قومی اتحاد نے سمجھوتے کا مسودہ پھر حکومت کو پیش کیا۔ لیکن حکومت نے اس مسودے سے اختلاف کرتے ہوئے ۲۵ ،جون کو اپنا مسودہ پیش کر دیا ۲۹ ،جون کو پاکستان قومی اتحاد نے سمجھوتے کا حتمی مسودہ حکومت کو پیش کیا اس میں کہا گیا تھا کہ دس جولائی کو اسمبلیاں توڑ کر صوبوں میں گورنر راج نافذ کیا جائے۔ چونکہ حکومت کے لیے یہ بات قابل قبول نہ تھی اس لیے مذاکرات ناکام ہو گئے۔

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو سزائے موت

۱۰ ،نومبر ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی کے رکن مسٹر احمد رضا قصوری اپنے والد نواب محمد احمد خاں کے ہمراہ ایک شادی میں شرکت کرنے کے بعد گھر جا رہے تھے کہ شادمان کالونی کے شاہ جمال چوک میں ان کی کار پر فائرنگ کی گئی۔ چنانچہ قتل کی رپورٹ تھانہ اچھرہ لاہور میں درج کرائی گئی۔ ۱۳ ،دسمبر ۱۹۷۵ کو اس مقدمہ قتل کی تفتیش کے لیے عدالت عالیہ لاہور کے مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن کی سرکردگی میں ایک ٹریبونل قائم کیا گیا جس کی رپورٹ شائع نہ کی گئی اس دوران پولیس تھانہ اچھرہ اور پھر سی آئی اے نے تفتیش کی اور کیس کو عدم پتہ قرار دے کر بند کر دیا۔

۵ ،جولائی ۱۹۷۷ء کو ملک میں مارشل لاء نافذ ہوا تو عبوری حکومت نے ایف ایس ایف کے معاملات کی تحقیقات کا آغاز کیا جس کے دوران نواب محمد احمد خاں کے مقدمۂ قتل کے بعض حقائق بھی سامنے آئے۔

۲۴ ،جولائی ۱۹۷۷ء کو ایف ایس ایف کے انسپکٹر ارشد اقبال اور اے ایس آئی رانا افتخار کو

شامل تفتیش کر لیا گیا۔ ۲۵/ جولائی کو دونوں ملزموں سے پوچھ گچھ کرنے کے بعد انہیں گرفتار کر لیا گیا۔

۲۸/ جولائی ۷۷ ۱۹ء کو انسپکٹر ایف ایس ایف غلام حسین کو بھی گرفتار کر لیا گیا جو بعد میں وعدہ معاف گواہ بن گیا۔ ۳۱/ جولائی ۱۹۷۷ کو ایف ایس ایف کے انسپکٹر صوفی غلام مصطفیٰ کو گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۱/ اگست ۱۹۷۷ کو انسپکٹر غلام حسین کا اقبالی بیان قلمبند کیا گیا اور اس کی روشنی میں ایف ایس ایف کے ڈائریکٹر آپریشنز میاں عباس اور ڈائریکٹر جنرل مسعود محمود کو شامل تفتیش کیا گیا۔ ۱۸/ اگست کو میاں عباس کو گرفتار کر لیا گیا انہوں نے اسی روز اقبال جرم کر لیا اور انہیں وعدہ معاف گواہ بنا لیا گیا۔

۳/ ستمبر ۱۹۷۷ء کو مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو نواب محمد احمد خاں کے قتل کے الزام میں کراچی میں ان کی کلفٹن کی رہائش گاہ سے گرفتار کر لیا گیا اور اسی روز لاہور پہنچا دیا گیا۔ ۱۳/ ستمبر کو مسٹر بھٹو ۵۰ ہزار روپے کی ضمانت پر رہا کر دیئے گئے۔ لیکن ۱۰/ اکتوبر کو انہیں پھر گرفتار کر لیا گیا جس کے بعد عدالت عالیہ میں مقدمہ کی باقاعدہ سماعت جاری رہی اور ۱۸/ مارچ ۱۹۷۸ء کو ہائی کورٹ نے مقدمے کا فیصلہ سنا دیا۔ اس کے مطابق مسٹر بھٹو کے علاوہ میاں عباس، ارشد اقبال، صوفی غلام مصطفیٰ اور رانا افتخار کو موت کی سزا سنائی گئی اور تمام ملزمان کو حکم دیا گیا کہ وہ سات دن کے اندر اپیل دائر کر سکتے ہیں۔

۲۵/ مارچ ۱۹۷۸ء کو مسٹر بھٹو کے وکیل مسٹر یحییٰ بختیار نے مسٹر بھٹو کی سزائے موت کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی۔ یکم اپریل کو عدالت عظمیٰ کے پانچ ججوں پر مشتمل فل بنچ نے اپیلوں کی سماعت منظور کرتے ہوئے سزائے موت پر عملدرآمد تا فیصلہ اپیل معطل کر دیا۔ ۶ مئی ۱۹۷۸ء کو سماعت ہونا تھی لیکن یحییٰ بختیار کیس تیار نہ کر سکے لہٰذا آئندہ تاریخ سماعت ۲۰ مئی مقرر کی گئی۔

۲۰/ مئی ۱۹۷۸ کو سپریم کورٹ کے نو ججوں نے سماعت شروع کی۔ ۲۰/ اگست کو یحییٰ بختیار نے اپنے دلائل مکمل کر لئے۔ ۶ فروری ۱۹۷۹ کو عدالت عظمیٰ نے اپنے فیصلے کا اعلان کیا۔ لیکن عدالت عظمیٰ کے فیصلے کے خلاف پھر اپیل دائر کی گئی ۲۴/ مارچ ۱۹۷۹ء کو سپریم کورٹ نے سابق وزیر اعظم کی سزائے موت کے خلاف نظر ثانی کی اپیل مسترد کر دی اور سزائے موت کا فیصلہ برقرار رکھا۔

فل بنچ چیف جسٹس انوار الحق، مسٹر جسٹس دراب پٹیل، مسٹر جسٹس قیصر خان، مسٹر جسٹس محمد حلیم، اور مسٹر جسٹس صفدر شاہ پر مشتمل تھا۔

پیپلز پارٹی کا زوال

۱۹۶۷ء میں جب پاکستان پیپلز پارٹی کا قیام ایک جمہوری پارٹی کی حیثیت سے عمل میں آیا تو یہ نعرہ دیا گیا تھا کہ یہ پارٹی پاکستان کے عوام کو روٹی، کپڑا اور مکان مہیا کرے گی۔ پاکستان کی غریب عوام نے اسی بنا پر اسے کامیاب بنایا دراصل پیپلز پارٹی، پاکستان کے غریب اور محنت کش عوام کا ایک ایسا سیاسی پلیٹ فارم تھا جہاں سے انہوں نے پہلی مرتبہ اتنے وسیع پیمانے پر انقلابی جدوجہد کا آغاز کیا اس انقلابی جدوجہد کے دو رُخ تھے بیرونی دنیا میں یہ قومی آزادی و خود مختاری کی جدوجہد تھی جس کا مقصد پاکستان کو سامراج کے استحصالی نظام سے نجات دلوانا اور اس کے خلاف لڑنے والے دنیا بھر کے غریب عوام کی حمایت کرنا اور اندرونی طور پر اس کی منزل سوشلزم کے اقتصادی اصولوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک فلاحی مسلم معاشرہ قائم کرنا تھا یہ اندرونی و بیرونی جدوجہد آپس میں مربوط تھی۔

لیکن پیپلز پارٹی اپنے مقاصد کی تکمیل میں ناکام رہی۔ کیونکہ

۱۔ بیرونی لحاظ سے پارٹی نے عالمی سرمایہ داری نظام کی غلامی قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔

۲۔ داخلی طور پر اس نے تمام استحصالی طبقوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی یکجا پالیسی اختیار کی۔

۳۔ پارٹی کے اندر جمہوریت کا مکمل خاتمہ کر کے اسے فردِ واحد کی ذاتی ملکیت بنا دیا گیا اور اس چیز کا نام بھٹو ازم رکھ کر پارٹی کے بانی مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو بدنام کرنا شروع کر دیا۔

۴۔ کارکنوں کے ساتھ زیادتیاں ہوئیں اور قیادت نے اپنے پروگرام پر عمل کرنے میں کوتاہی کی جس سے عوام کو صدمہ ہوا اور ان کا سیاسی پارٹیوں پر سے اعتماد کم ہوتا چلا گیا۔

۵۔ پیپلز پارٹی نے اپنے منشور میں اسلام ہمارا دین ہے کا نعرہ بھی لگایا تھا لیکن اس کے باوجود اسی جماعت کے پنجاب کے صدر نے کہا تھا کہ ہم پاکستان کے نام سے "اسلامی" کا لفظ مٹا دیں گے۔

۶۔ پارٹی اپنے منشور کے مطابق سرمایہ داروں اور جاگیرداروں سے نجات حاصل کرنے میں ناکام رہی۔

۷۔ ۱۹۷۷ء کے عام انتخابات میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے خود کو بلا مقابلہ کامیاب قرار دلوایا اور اپنے مخالف امیدوار مولانا جان محمد عباسی کو غائب کرا دیا۔ ان کی تقلید کرتے ہوئے صوبائی وزراء نے بھی خود کو بلا مقابلہ کامیاب کرانے میں ہی اپنی عافیت جانی۔ جس سے عوام میں شکوک و شبہات کا پیدا ہو جانا ایک فطرتی بات تھی۔

۸۔ مخالف جماعتوں نے پیپلز پارٹی پر الزام لگایا کہ ۱۹۷۷ء کے قومی اسمبلی کے انتخابات میں جماعت نے وسیع پیمانے پر دھاندلیاں کی ہیں۔ اور اُس نے اپنے مخالف امیدوار کو ہراساں کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ اسی بنا پر مخالف جماعتوں نے صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا بائیکاٹ کیا اور اس طرح پیپلز پارٹی کو تمام صوبائی اسمبلیوں میں پوری کی پوری نشستیں مل گئیں۔

۹۔ پیپلز پارٹی نے بڑے بڑے صنعتی یونٹوں اور بینکوں کو قومی تحویل میں لے کر ملک کو صنعتی طور پر مفلوج کیا۔

۱۰۔ سکولوں اور کالجوں کو قومی تحویل میں لینے سے تعلیمی معیار گر گیا جس سے طلباء کی اکثریت اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے سے محروم ہو گئی۔

مسٹر بھٹو نے صدر پاکستان کا عہدہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے سنبھالا تھا انہوں نے اس عہدے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مخالفین پر فوجی عدالتوں میں مقدمے چلائے حالانکہ قومی اسمبلی میں انہیں واضح اکثریت حاصل تھی اور وہ جو قانون چاہتے اسمبلی سے بنوا سکتے تھے حتیٰ کہ ان کی حمایت کیلئے ۱۰۴ اراکین نے مارشل لاء جاری رکھنے کی دستاویز پر دستخط کئے تھے۔

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت ہزاروں کارکنوں اور عہدیداروں کو سرکاری ملازمتیں دلوائیں اور اس ضمن میں سرکاری تحفظ ملا اور انہوں نے اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کر کے حکومت کے لیے ایک مسئلہ کھڑا کر دیا۔

۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی کو مجموعی طور پر مغربی پاکستان میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی لیکن صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان میں پیپلز پارٹی کوئی خاص نشستیں حاصل نہ کر سکی چنانچہ پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو پیپلز پارٹی کو صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان میں برسر اقتدار لانے کے خواہاں تھے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے بلوچستان میں نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت العلمائے اسلام کی مخلوط وزارت کو غیر جمہوری طریقے سے برطرف کر دیا۔ جس کے ردعمل میں صوبہ سرحد کی مخلوط وزارت بھی جو متذکرہ دو پارٹیوں پر مشتمل تھی احتجاجاً مستعفی ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بلوچستان کے سیاسی عناصر نے سر اٹھا لیا اور وہ حکومت کے خلاف بغاوت پر اتر آئے۔ اور اُس وقت تک مسلح تصادم جاری رکھا جب تک کہ مسٹر بھٹو برسر اقتدار رہے۔

بھٹو دورِ حکومت کی خارجہ پالیسی

بھٹو دورِ حکومت کے ابتدائی ایام میں جو خارجہ پالیسی وضع کی گئی اس کے مقاصد حسب ذیل تھے۔

۱۔ پاکستان کے مستقبل پر دوستوں کے اعتماد کی بحالی اور اس سلسلے میں ملک کے اندر مایوسی کی فضا کو ختم کر کے قوم کے حوصلے کی تعمیر۔

۲۔ قومی رجحانات کی روشنی میں تمام بڑی طاقتوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات کو بحال کرنا اور برقرار رکھنا۔

۳۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ کے اثرات کو ختم کرنا اور بھارت کے ساتھ بات چیت کے ذریعے مفتوح ملک کی حیثیت سے نہیں بلکہ برابری کی بنیاد پر آبرومندانہ امن قائم کرنا۔

۴۔ بنگلہ دیش کے حکام کے ساتھ کوئی تصفیہ کرنا۔

۵۔ بیرونی اقتصادی امداد کی بحالی جو نہ صرف ہماری فوری ضرورتوں کے لیے درکار ہے بلکہ مستقبل کی ترقی کے لیے بھی بڑی ضروری ہے۔

۶۔ پاکستان کی ساکھ جو مغربی دنیا میں بطور خاص سابق آمرانہ حکومت کے مجنونانہ اور غیر ذمہ دارانہ اقدامات کی وجہ سے بری طرح مجروح ہوئی بھی بحال کرنا۔

اس خارجہ پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے بھٹو حکومت نے دولت مشترکہ سے علیحدگی اور عوامی جمہوریہ کوریا، مشرقی جرمنی، عوامی جمہوریہ ویت نام اور نیشنل یونین آف کمبوڈیا کی شہزادہ سہانوک کی عوامی حکومت کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا اور سیٹو سے علیحدگی اختیار کر لی۔

صدر ضیاء الحق کا دورِ حکومت

بھٹو حکومت کا خاتمہ اور مارشل لاء کا نفاذ

مسٹر بھٹو کی حکومت کا خاتمہ

مسٹر بھٹو کی حکومت کے آخری ایام میں اندرونی خلفشار اس قدر بڑھ چکا تھا کہ ملک میں لاقانونیت کا دور دورہ ہو گیا اور پیپلز پارٹی اور قومی اتحاد کے کارکنوں کے درمیان باہمی رنجشیں اس قدر بڑھ گئی تھی کہ ملک خانہ جنگی کی راہ پر چلنے لگا اور اگر مسلح افواج اُس وقت ملک کا نظم و نسق نہ سنبھالتیں تو ملک کی سلامتی خطرے میں پڑ جاتی ان حالات میں بری فوج کے چیف آف سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو ملک بھر میں مارشل لاء نافذ کر کے ملک کا نظم و نسق سنبھال لیا اُسی روز چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے قوم کے نام اپنی نشری تقریر میں کہا کہ سردست سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ صدر فضل الٰہی چودھری ملک کے بدستور صدر رہیں گے۔ اہم قومی امور کی انجام دہی کے لیے صدر کی امداد کے لیے چار رکنی قومی کونسل قائم کر دی گئی جس میں جوائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی کے چیئرمین جنرل شریف، پاکستان ایئر فورس کے ذوالفقار علی خاں اور بحریہ کے چیف آف سٹاف ایڈمرل محمد شریف شامل کئے گئے صوبوں کے گورنروں کو سبکدوش کر دیا گیا اور ان کی جگہ چاروں ہائی کورٹوں کے چیف جسٹس صاحبان کو گورنر مقرر کیا گیا، جبکہ صوبائی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹروں کو انتظامی امور کا سربراہ مقرر کر دیا گیا آئین کی تنسیخ کی بجائے اُس کی چند دفعات پر عملدرآمد روک دیا گیا قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیاں اور سینٹ توڑ دی گئیں، وزیر اعظم اور تمام وفاقی اور صوبائی وزراء اپنے عہدوں سے الگ کر دیئے گئے۔

۶ جولائی کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے ملک میں عام انتخابات کرانے کے لیے انتظامات کیلئے ہدایات جاری کر دیں۔ ۱۱ جولائی کو انتخابی قوانین کا ڈھانچہ تیار کرنے کے لیے مسٹر جسٹس مولوی مشتاق حسین کی سربراہی میں کمیٹی قائم کی گئی۔

مارشل لاء کے نفاذ کے ساتھ ہی مسٹر ذوالفقار علی بھٹو، مولانا مفتی محمود، پروفیسر غفور احمد، مولانا کوثر نیازی، حفیظ پیرزادہ، نوابزادہ نصراللہ خاں، ائیر مارشل اصغر خان، مولانا شاہ احمد نورانی اور شیر باز مزاری کو زیر حفاظت مری منتقل کر دیا گیا اور ۲۹ جولائی ۱۹۷۷ کو تمام نظر بندوں کی رہائی عمل میں آئی۔

مارشل لاء ایڈمنسٹریٹروں کا تقرر

۵ جولائی ۱۹۷۷ کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے پاکستان کو پانچ منطقوں زون اے (پنجاب)، زون بی (صوبہ سرحد) زون سی (سندھ)، زون ڈی (بلوچستان) اور زون ای (شمالی علاقے) میں تقسیم کر دیا اور مندرجہ ذیل کمانڈروں کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا۔

۱۔ زون اے — لیفٹیننٹ جنرل محمد اقبال خاں کمانڈر کور ۴

۲۔ زون بی — لیفٹیننٹ جنرل سرور خاں کمانڈر کور ۲

۳۔ زون سی — لیفٹیننٹ جنرل جہاں زیب ارباب کمانڈر کور ۵

۴۔ زون ڈی — میجر جنرل صادق الرشید محمد عباسی جنرل آفیسر کمانڈنگ ۱۶ ڈویژن۔

۵۔ زون ای — میجر جنرل سی اے مجید

اسی روز جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنی نشری تقریر میں کہا کہ پاکستان پیپلز پارٹی اور قومی اتحاد کے مابین جن امور پر اتفاق رائے ہو گیا تھا ان پر عمل درآمد کیا جائے گا۔ اس کے مطابق چاروں صوبوں کی عدالت ہائے عالیہ کے سربراہ صوبائی گورنر مقرر کیے گئے جسٹس مولوی مشتاق حسین کو پاکستان الیکشن کمیشن کا سربراہ مقرر کیا گیا اور ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۷ کو ملک میں ایک ہی دن قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کرانے کا اعلان کر دیا گیا۔

اکتوبر ۱۹۷۷ میں عام انتخابات کے التوا اور سیاست دانوں کے احتساب کا اعلان کیا گیا۔

۱۸ مارچ ۱۹۷۸ کو لاہور ہائی کورٹ نے سابق وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو احمد رضا قصوری کے والد کے قتل کے الزام میں سزائے موت کا حکم سنایا۔

۵ جولائی ۱۹۷۸ کو مارشل لاء کے زیر سایہ پہلی سول کابینہ نے حلف اٹھایا جس میں مسلم لیگ کے وزراء بھی شامل تھے بعد ازاں پاکستان قومی اتحاد میں شامل دیگر جماعتوں کے نمائندوں کو بھی کابینہ میں شامل کر لیا گیا۔

۱۴ ستمبر ۱۹۷۸ کو صدر فضل الٰہی چودھری کی جگہ جنرل محمد ضیاء الحق نے صدر پاکستان کا عہدہ بھی سنبھالا۔

۹-۱۰ فروری ۱۹۷۹ کو ملک میں پہلی بار نظام زکوٰۃ، عشر اور حدود آرڈیننس کا نفاذ ہوا۔
۲۳ مارچ ۱۹۷۹ کو ملک میں عام انتخابات کرانے کا اعلان کیا گیا۔ ۴ اپریل ۱۹۷۹ کو سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو ہائی کورٹ کے فیصلے کے مطابق پھانسی کی سزا دی گئی کیونکہ سپریم کورٹ نے ان کی اپیل مسترد کر دی تھی۔

ستمبر ۱۹۷۹ء میں ملک میں طویل عرصہ کے بعد بلدیاتی اداروں کے انتخابات منعقد ہوئے۔
اکتوبر ۱۹۷۹ میں عام انتخابات ایک بار پھر ملتوی کر دیئے گئے اور سیاسی جماعتوں پر پابندی لگا دی گئی اور پریس پر سنسر نافذ کر دیا گیا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۸۱ء کو ملک میں عبوری آئین کا نفاذ ہوا جس نے ۱۹۷۳ء کے آئین کی جگہ لی۔

۱۲ اگست ۱۹۸۳ کو صدر ضیاء الحق نے اپنا آئینی فارمولا پیش کیا جس کے تحت ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ سے قبل عام انتخابات کا اعلان کیا گیا ۲۵ فروری ۱۹۸۵ کو قومی اسمبلی اور ۲۸ فروری کو صوبائی کے انتخابات ہوئے۔ اس دوران ۱۹ دسمبر ۱۹۸۴ کو صدارتی ریفرنڈم ہوا۔ جس میں صدر ضیاء الحق کو بھاری اکثریت نے کامیاب بنایا۔

اسمبلیوں کے انتخابات غیر جماعتی بنیادوں پر منعقد ہوئے۔ ۲۰ مارچ ۱۹۸۵ کو محمد خاں جونیجو کو وزیر اعظم نامزد کیا گیا۔ ۲۳ مارچ کو پارلیمنٹ کا مشترکہ اجلاس ہوا۔ صدر ضیاء الحق اور وزیر اعظم محمد خاں جونیجو نے اپنے عہدوں کا حلف اٹھایا۔

۳۰ دسمبر ۱۹۸۵ کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ملک میں مارشل لاء کے خاتمے کا اعلان کیا۔

حالاتِ زندگی جنرل محمد ضیاء الحق

وہ ۱۹۲۴ء میں جالندھر میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ ہائی سکول شملہ سے میٹرک اور مشن کالج سے بی اے کیا مئی ۱۹۴۵ میں کمیشن ملا۔ انیس برس تک مختلف انسٹرکشنل سٹاف اور کمانڈ تقرریوں کے بعد انہیں ۱۹۶۴ء میں لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر ترقی دے کر کمانڈ اینڈ سٹاف کالج کوئٹہ میں بطور انسٹرکٹر تعینات کیا گیا۔ ۱۹۶۶ سے ۱۹۶۸ تک انہوں نے ایک رسالہ رجمنٹ کی قیادت کی۔
مئی ۱۹۶۸ء میں انہیں کرنل کے عہدے پر ترقی دے کر ایک آرمڈ ڈویژن میں بطور کرنل سٹاف تعینات کر دیا گیا۔ ۱۹۶۹ء میں بریگیڈیئر اور تین سال کے بعد میجر جنرل کے عہدے پر ترقی دی گئی۔ اپریل ۱۹۷۵ میں لیفٹیننٹ جنرل کا عہدہ سنبھالا اور کور کمانڈر مقرر ہوئے۔ پھر انہیں جنرل کے عہدے پر ترقی دے کر یکم مارچ ۱۹۷۶ کو چیف آف آرمی سٹاف بنا دیا گیا۔

انہوں نے کمانڈ اینڈ سٹاف کالج کوئٹہ سے ۱۹۵۵ء میں گریجوایشن مکمل کی اور آرمرڈ آفیسر ایڈوانس کورس اور کمانڈر اینڈ سٹاف آفیسر ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۳ء میں امریکہ سے مکمل کئے دوسری جنگ عظیم میں برما، ملایا اور انڈونیشیا کے محاذوں پر جنگی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگوں میں بھی حصہ لیا۔

۵۔ جولائی ۱۹۷۷ء کو مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کا خاتمہ کر کے ملک کی باگ ڈور سنبھالی اور صدر فضل الٰہی چودھری کے عہدے کی مدت ختم ہونے پر ۱۶ استمبر ۱۹۷۸ء کو صدر پاکستان کا عہدہ سنبھالا انہوں نے اقتدار سنبھالنے کے فوراً بعد اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے تدریجی کوششیں شروع کیں جس کے نتیجے میں ان کی مساعی جمیلہ سے ملک میں زکوٰۃ وعشر، حدود آرڈیننس شرعی عدالتوں کا قیام، بلا سود بینکاری کا نظام، قاضی عدالتوں کا قیام، اسلامی قانون شہادت، نظام صلوٰۃ قائم کیا جا چکا ہے۔

انہوں نے جمہوریت کے فروغ کے لیے بھی چند اقدامات کیے جن میں غیر جماعتی بنیادوں پر قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا انعقاد مارشل لاء کا خاتمہ، وزیر اعظم کی تقرری شامل ہیں۔ انہوں نے اپنی حکومت کی با اثر خارجہ پالیسی کی بنا پر دنیا بھر میں اہم مقام حاصل کیا ہے۔ ان کے دانشمندانہ فیصلوں کی بدولت پاکستان، افغانستان، روس اور بھارت کے ساتھ جنگ میں نہیں الجھا حالانکہ متعلق ممالک کی جانب سے متعدد بار پاکستان پر جنگ مسلط کرنے کی کوششیں کی گئیں۔

نصرت بھٹو کیس اور سیاسی سرگرمیاں

مارشل لاء قانونی حیثیت

۵۔ جولائی ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد بیگم نصرت بھٹو نے ۱۹ ستمبر ۱۹۷۷ء کو سابق وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور اُن کے دس دیگر ساتھیوں کی نظر بندی اور مارشل لاء کے نفاذ کے خلاف سپریم کورٹ میں درخواست دائر کی۔ ۱۰ نومبر ۱۹۷۷ء کو سپریم کورٹ کے نو ارکان پر مشتمل فل بنچ نے بیگم نصرت بھٹو کی درخواست مسترد کرتے ہوئے یہ فیصلہ دیا کہ مارشل لاء کا حکم ۱۲ جس کے تحت پیپلز پارٹی کے گیارہ لیڈروں کو نظر بند کیا گیا ہے نہ تو غیر قانونی ہے اور نہ ہی بدنیتی پر مبنی عدالت نے اپنے ایک سو آٹھ صفحات پر مشتمل فیصلہ میں کہا کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو ایسے تمام احکامات بروئے کار لانے اور قانونی اقدامات نافذ کرنے کا اختیار ہے جنہیں قانون ضرورت کی حدود میں عدلیہ کے حکام تسلیم کرتے رہتے ہیں۔ عدالت عالیہ نے اس موقعہ پر نظریہ ضرورت کے تحت مارشل لاء کے نفاذ کو جائز اور قانونی قرار دیا۔

فیصلے میں یہ کہا گیا تھا کہ مارشل لاء کے نفاذ کے وقت ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو جو حالات درپیش تھے وہ اتنے سنگین ہو گئے تھے کہ ملک کے وجود کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا افراتفری اور خونریزی کے خطرات منڈلا رہے تھے وفاقی حکومت کی آئینی اتھارٹی مکمل طور پر ختم ہو چکی تھی اور صوبائی حکومتیں تنہا رہ گئی تھیں یہ صورتحال اس قدر ابتر تھی کہ اس موقع پر آئین سے بالاتر کسی بھی اقدام کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے اس کا نتیجہ تھا کہ مسلح افواج نے آئین کی بعض دفعات کو معطل کر دیا ان حالات میں مروجہ قوانین کے حکم کی شق ۳ دفعہ ۲ کے تحت چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا یہ اقدام درست تھا کہ بنیادی حقوق کی بحالی کا حق معطل کر دیا گیا ہے۔ مسٹر جسٹس انوار الحق نے اٹارنی جنرل مسٹر شریف الدین پیرزادہ کے اس موقف کا حوالہ بھی دیا کہ نظریہ ضرورت کو اسلام میں بھی تسلیم کیا گیا ہے چیف جسٹس کے علاوہ فل بنچ ان فاضل ججوں پر مشتمل تھا۔

مسٹر جسٹس وحید الدین احمد، مسٹر جسٹس محمد افضل چیمہ، مسٹر جسٹس محمد اکرم، مسٹر جسٹس دراب پٹیل، مسٹر جسٹس قیصر خاں، مسٹر جسٹس محمد حلیم، مسٹر جسٹس صفدر شاہ اور مسٹر جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ شامل ہیں۔

بیگم بھٹو کی درخواست کی سماعت ۲۰ ستمبر کو شروع ہوئی اور راولپنڈی میں یکم نومبر کو ختم ہوئی مسٹر یحیٰی بختیار اور مسٹر غلام علی میمن اور مسٹر نور احمد نوری نے درخواست گزار کی پیروی کی جب کہ مسٹر اے کے بروہی اور مسٹر افضل حسین وفاق پاکستان کی جانب سے پیش ہوئے۔ مسٹر شریف الدین پیرزادہ اور مسٹر دلاور محمود عدالت کے لاء افسروں کی حیثیت سے پیش ہوئے۔

سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہ لینے کا حکم

صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے سیاستدانوں کے نمائندہ عہدوں پر فائز افراد (نا اہلی کی سزا) کے حکم مجریہ ۱۹۷۷ اور پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کی رکنیت سے نا اہلی کے حکم مجریہ ۱۹۷۷ء کے تحت ۲۵ نومبر کو محاسبہ کے عمل کے تحت سیاست دانوں کو سات سال کے لیے انتخابات اور سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا نا اہل قرار دیا۔ اور اس مقصد کے لیے مارشل لاء کے حکم نمبر ۲۱ کے تحت نا اہلی کے ٹریبونل قائم کئے گئے۔ ان احکام کے تحت مارچ ۱۹۷۸ء میں سب سے پہلے ملک کے جس سیاستدان کو نا اہل قرار دیا گیا وہ شیخ محمد رشید تھے۔

پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ ۱۹۶۲ میں ترمیم

۳۰ اگست ۱۹۷۹ء کو صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے قوم کے نام اپنی نشری تقریر

میں خارجہ تعلقات، ملکی سیاست، غیر وابستہ تحریک میں پاکستان کی شمولیت، ایٹمی توانائی کے علاوہ
پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ ۱۹۶۲ء میں اہم ترامیم کا اعلان کیا۔
ان ترامیم کی رو سے ہر سیاسی جماعت کی الیکشن کمیشن کے پاس رجسٹریشن، پارٹیز کے اندرونی انتخابات اور پارٹی کے فنڈ کا حساب کتاب لازمی قرار دیا گیا اور نظریہ پاکستان، امن عامہ، عدلیہ اور افواج پاکستان کے خلاف پروپیگنڈے کو ممنوع قرار دیا گیا تھا۔

سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دینے کا حکم

۱۶ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے مارشل لاء ضابطہ ۴۸ جاری کر کے تمام سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دے دیا۔ اس ضابطے کی شق ۳ میں کہا گیا تھا کہ پاکستان میں تمام سیاسی جماعتوں کا اپنے گروپوں، شاخوں اور فریقوں سمیت وجود ختم ہو جائیگا۔ اسی آرڈر کے تحت ان کے حسابات بینکوں میں منجمد کر دیئے گئے تھے اور دفاتر سر بمہر۔

بدعنوان سیاست دانوں کے خلاف مقدمے

۱۵ جنوری ۱۹۷۸ء کو بدعنوان سیاستدانوں کے خلاف مقدمات چلانے کے لیے ملک بھر میں خصوصی عدالتوں کا قیام عمل میں لایا گیا اس حکم کے تحت پنجاب میں ۵، سندھ میں ۳ اور سرحد و بلوچستان میں دو دو عدالتیں قائم کی گئیں۔ اس حکم کے تحت بدعنوان سیاست دانوں کو سات سال کیلئے انتخاب میں حصہ لینے کے سلسلے میں نا اہل قرار دے دیا گیا۔
۱۷ جنوری کو پنجاب کی پانچ کمیٹیوں نے اثاثوں کے گوشوارے داخل کرنے والے ۱۴۱۵ سابق اراکین اسمبلی، سینیٹروں میں سے تین سو کے گوشواروں کی چھان بین مکمل کر لی اور ان گوشواروں کی بنیاد پر ۱۰۵ سیاستدانوں کو نا اہل کرنے کی سفارش کی۔ ۲۵ جنوری کو صدر مملکت نے بدعنوان سیاستدانوں کو نا اہل قرار دینے کے لیے ٹربیونل قائم کرنے کا حکم دیا۔
۳ فروری کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے مارشل لاء کے حکم ۳۱ کے تحت نا اہل قرار دینے والے گیارہ ٹربیونل قائم کئے ہر ٹربیونل ہائی کورٹ کے ایک جج یا ایڈیشنل جج اور ایک بریگیڈیئر پر مشتمل تھا۔
یہ ٹربیونل پنجاب (۵)، سندھ (۳)، سرحد (۲) اور بلوچستان (۱) میں قائم کئے گئے ۹ سیاستدانوں کے کیس نا اہل قرار دینے والے ٹربیونل کے سپرد کئے گئے۔ ان میں عبدالحفیظ پیرزادہ، ممتاز علی بھٹو، قائم علی شاہ، معراج خالد، شیخ رشید، مخدوم ابن فہیم، عبدالوحید کٹپر، جام صادق علی،

عبدالستار گبول، حاکم علی زرداری، بشیر احمد شاہ، نصراللہ خاں خٹک، نواب صادق حسین قریشی، عبداللہ بلوچ، ڈاکٹر مسز اشرف عباسی، خورشید حسن میر، حفیظ اللہ چیمہ، چندر سنگھ، آغا صدرالدین اور طاہر محمد خاں۔ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

عام انتخابات کا اعلان

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے ملک میں عام انتخابات منعقد کرانے کے سلسلے میں ۱۵ جولائی ۷۷ ۱۹ کو مسٹر جسٹس سجاد احمد جان کی جگہ مسٹر جسٹس مولوی مشتاق حسین کو چیف الیکشن کمشنر مقرر کیا ۲۸ جولائی کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے ملک میں عام انتخابات منعقد کرانے اور قومی اتحاد اور پیپلز پارٹی کے زیر حفاظت راہنماؤں کی رہائی کا اعلان کیا۔ ۲ اگست کو چیف الیکشن کمشنر نے ایک بیان میں کہا کہ انتخابات ایک ہی دن یعنی ۱۸ اکتوبر کو منعقد ہوں گے اس دوران یکم اگست کو ملک بھر میں سیاسی سرگرمیاں محدود پیمانے پر بحال کر دی گئیں جس کے نتیجے میں پاکستان قومی اتحاد اور پیپلز پارٹی سمیت تمام سیاسی جماعتوں نے انتخابی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔

۲۰ اگست کو قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے لئے امیدواروں کے کاغذات نامزدگی کی پڑتال مکمل ہوگئی۔ ۲۴ اگست کو سیاسی جماعتوں کے نشانات الاٹ کر دیئے گئے اور حسب معمول پیپلز پارٹی کو تلوار اور قومی اتحاد کو ہل کا نشان دیا گیا۔

اس دوران مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی گرفتاری عمل میں آئی لیکن وہ ۱۳ ستمبر کو رہا کر دیئے گئے تاہم انہیں نواب محمد احمد خاں کے قتل کے مقدمے میں پھر گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۹ ستمبر کو بیگم نصرت بھٹو نے اُن کی نظر بندی کے خلاف سپریم کورٹ میں درخواست دائر کر دی۔

یکم اکتوبر ۷۷ ۱۹ کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے ۱۸ اکتوبر ۷۷ ۱۹ کو منعقد ہونے والے انتخابات کو ملتوی کرنے اور سیاسی سرگرمیوں پر پابندی کے علاوہ محاسبے کا عمل مکمل کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔

سیاسی راہنماؤں کی کانفرنس

انتخابات کے التواء کے بعد نئی تاریخ کی تقرری کے لیے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے ۱۱ اکتوبر ۷۷ ۱۹ کو سیاسی راہنماؤں کی کانفرنس طلب کی ۱۲ اکتوبر کو جنرل محمد ضیاء الحق نے کہا کہ جلد ہی سیاسی سرگرمیوں میں نرمی کے لیے مارشل لاء کا ضابطہ جاری کیا جائے گا۔ ازاں بعد چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے سیاسی رہنماؤں کی کانفرنس طلب کی جو ۴ فروری ۷۸ ۱۹ کو اسلام آباد میں منعقد ہوئی۔

سیاسی راہنماؤں کی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے ملاقات:

ملک میں انتخابات کے انعقاد کے سلسلے میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق کی دعوت پر ۴، فروری ۱۹۷۸ کو اسلام آباد میں سیاسی راہنماؤں کی ایک کانفرنس ہوئی۔ کانفرنس میں جمعیت العلمائے پاکستان اور پیپلز پارٹی کے سوا تمام بڑی بڑی سیاسی جماعتوں نے شرکت کی۔

کانفرنس میں مختلف سیاسی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے ۱۳ لیڈروں (مولانا مفتی محمود نواب زادہ نصراللہ خاں، میاں طفیل محمد، پروفیسر غفور احمد، چودھری ظہور الٰہی، خان عبدالولی خان، بیگم نسیم ولی خان، میر غوث بخش بزنجو، خان اشرف خان، خان عبدالقیوم خان، سردار شیر باز مزاری، مسٹر محمد یوسف خٹک اور مسٹر پیش امام) نے شرکت کی۔ یہ اجلاس جنرل محمد ضیاء الحق کی صدارت میں ۵ گھنٹے تک جاری رہا۔ اجلاس میں حکومت نے سیاسی لیڈروں پر اپنی پالیسیاں واضح کیں۔

۴، مارچ کو پھر قومی راہنماؤں سے جنرل محمد ضیاء الحق نے ملاقات کی ملاقات میں آئندہ انتخابات اور احتساب کا مسئلہ زیر بحث آیا۔

۱۳، مارچ کو جنرل محمد ضیاء الحق نے الیکشن سیل کو ہدایت کی کہ وہ سیاسی پارٹیوں کے سربراہوں سے انتخابات کے مسئلے پر بات چیت کرے ۱۶ مارچ کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے مشیر لیفٹیننٹ جنرل فیض علی چشتی کی سربراہی میں الیکشن سیل نے راولپنڈی میں نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی، تحریک استقلال اور پختون خواہ نیشنل عوامی پارٹی اور ۱۸، مارچ کو قومی اتحاد کے راہنماؤں مفتی محمود، چودھری ظہور الٰہی، پروفیسر غفور احمد، میاں طفیل، نوابزادہ نصراللہ خاں، سردار عبدالقیوم، عابد زبیری اور غلام محمد بلور نے الیکشن سیل کے نمائندوں سے بات چیت کی۔ الگ ملاقات کرنے والوں میں مولانا عبدالستار خاں نیازی، شاہ عزیز الحق، مولانا غلام علی اکاڑوی اور ظہور الحسن بھوپالی شامل تھے۔ الیکشن سیل نے ان رہنماؤں سے ملاقات کے بعد بتایا کہ محاسبہ کا عمل مکمل ہوتے ہی انتخابات کرائے جائیں گے۔

قومی اتحاد نے جنرل محمد ضیاء الحق اور الیکشن سیل سے ملاقات کے نتیجے میں ۲۲ مارچ ۱۹۷۸ کو قومی اتحاد نے ملک کے وسیع تر مفاد کی خاطر حکومت سے تعاون کرنے کا اعلان کیا۔

قومی اتحاد کی جماعتوں نے سول حکومت میں شمولیت کے لیے ۱۵، اپریل ۱۹۷۸ کو صدر ضیاء الحق سے بات چیت کی۔ ان کی انفرادی پوزیشن یہ تھی کہ پاکستان مسلم لیگ اس معاملے میں نیم دروں، نیم بروں تھی، جب کہ جماعت اسلامی بالکل تیار تھی، پی ڈی پی نے مخالفت کی، خاکسار تحریک اسکی حامی تھی

جمعیت العلمائے پاکستان نے شرکت ہی نہ کی اسی طرح جمعیت العلمائے اسلام کسی فیصلے پر نہ پہنچی۔ این ڈی پی نے کوئی واضح اعلان نہ کیا، مسلم کانفرنس نے تعاون کرنے کا اعلان کیا۔ مجموعی طور پر قومی اتحاد نے سول حکومت میں شمولیت کی حمایت کی۔ تاہم کوئی متفقہ فیصلہ نہ ہو سکا۔

قومی حکومت کے قیام کے سلسلے میں حزب اختلاف کی کوششیں:

پاکستان میں قومی حکومت کے قیام کے سلسلے میں قومی اتحاد کے صدر مولانا مفتی محمود نے ۲۵ مئی ۱۹۷۸ء کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق کو ایک خط لکھا جس میں کہا گیا تھا کہ پاکستان میں قومی اتحاد نے جو ملک گیر تحریک چلائی تھی جس میں اسے پورے ملک کا تعاون حاصل تھا اور جس میں عوام نے بے مثال قربانیاں پیش کی تھیں اس کا مقصد منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کے ذریعے ایک ایسی حکومت کا قیام عمل میں لانا تھا۔ جو ملک سے ظلم اور ناانصافی کا خاتمہ کرے اور غربت، جہالت اور بیماری سے نجات دلائے اور نظام مصطفیٰ کا قیام عمل میں لایا جائے تاکہ عدل، انصاف اور خوشحالی کا دور دورہ ہو۔ اس ضمن میں انہوں نے قومی حکومت کے قیام کے لیے مندرج ذیل تجاویز پیش کیں۔

۱۔ سابقہ دور میں نوکر شاہی اور افسر شاہی کے جس عنصر نے غیر قانونی، غیر آئینی اور غیر اخلاقی حرکات میں سابقہ حکومت کا بھرپور ساتھ دیا تھا ان کا سرے سے کوئی محاسبہ نہیں کیا گیا وہ آج بھی کلیدی مناصب پر فائز ہیں اور یہی گروہ ہر اصلاح کو سبوتاژ کر رہا ہے اور نت نئے مسائل کھڑے کر رہا ہے تاکہ عوام میں بے چینی بڑھتی چلی جائے۔

۲۔ غالباً اسی گروہ کی کوششوں کے نتیجے میں محاسبے کا عمل نہ بے لاگ ہے اور نہ موثر وہ افراد جو ظلم میں سابق حکومت میں بلاشبہ شریک تھے جب بلاتکلف اعلیٰ سول اور فوجی حکام تک رسائی حاصل کرتے نظر آتے ہیں اور بظاہر احتساب سے بچ نکلتے ہیں۔ تو محاسبہ کا پورا عمل مشکوک بن کر رہ جاتا ہے۔

۳۔ مارشل لاء حکام کا عوام کے ساتھ براہ راست رابطہ ممکن نہیں ہے اس لیے تمام تر اختیارات بیوروکریسی کے ہاتھوں میں مرتکز ہو گئے جن کی جانب سے کی جانے والی زیادتیوں کا ازالہ مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔

۴۔ سیاسی سرگرمیوں میں پابندی کے باعث عوامی مسائل کو حکومت کے علم میں لانے کا امکان محدود

سے محدود تر ہو گیا ہے۔

اس پس منظر میں جب ۱۸ مارچ ۱۹۷۸ کو الیکشن سیل کے اراکین نے اتحاد کے ساتھ ملاقات کے موقع پر بیوروکریسی کے رویہ پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے اور افواج کا سول معاملات میں طویل عرصے تک منہمک رہنے کو ناپسندیدہ قرار دیتے ہوئے ایک با اختیار حکومت میں شرکت کی صورت میں تعاون کا مطالبہ کیا تو ہم نے تمام پہلوؤں پر غور و خوض کرنے کے بعد اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا لیکن اس تجویز کو پیش کئے ہوئے اب دو ماہ سے زائد مدت گزر چکی ہے اس عرصہ میں یہ موضوع مسلسل اخبارات میں زیر بحث بنا رہا ہے۔ اس پر طرح طرح سے قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں۔ مارشل لاء حکام بھی وقتاً فوقتاً اس پر اپنے خیالات کا اظہار کر رہے ہیں۔ اتحاد اور الیکشن سیل کے ساتھ اور دو مرتبہ خود آپ کے ساتھ ملاقاتوں میں بھی اس پر بات چیت ہوئی ہے خود اتحاد میں شریک جماعتوں کے مابین بھی یہ مسئلہ زیر بحث آیا۔ ہماری یہ پختہ رائے ہے کہ اب موقع آیا ہے کہ اس معاملہ کو حتمی طور پر طے کر دیا جائے۔ اتحاد کے ایک غیر رسمی اجلاس میں ہم نے اس موضوع پر تبادلہ خیال کیا میں چاہتا ہوں کہ اس موضوع پر آپ کو اتحاد کے حتمی وقت سے بھی آگاہ کر دوں تاکہ آپ کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔

اتحاد کا موقف یہ ہے کہ اگر آپ کی حکومت ملک کی موجودہ انتظامی خامیوں پر قابو پانے کیلئے عوامی مسائل کو بہتر طور پر حل کرنے کے لیے عوام کے ساتھ موثر رابطہ کی بحالی کے لیے مارشل لاء کے مقاصد یعنی محاسبہ کی اطمینان بخش تکمیل اور غیر جانبدارانہ اور منصفانہ انتخابات کے ذریعہ عوام کے منتخب نمائندوں کو اقتدار کی منتقلی کے لیے اور اسلامی نظام کی راہ ہموار کرنے کے لیے ایک قومی حکومت کے قیام کو مناسب اور ضروری سمجھتی ہو تو پاکستان قومی اتحاد اس ذمہ داری کو اٹھانے کے لیے آمادہ ہے اپنی ذمہ داریوں سے موثر طور پر عہدہ برآ ہونے کے لیے مجوزہ قومی حکومت۔

۱۔ ایسے عناصر پر مشتمل ہو جن کا دامن آلودگیوں سے پاک ہو اور جو سابقہ ظلم میں کسی طرح بھی شریک نہ رہے ہوں۔

۲۔ جو با مقصد ہو، جس کے مقاصد میں بے لاگ اور موثر احتساب اور قومی انتخابات کا بلا کسی غیر ضروری تاخیر کے منعقد کرانا بطور خاص شامل ہو۔

۳۔ جو با اختیار ہو۔

اتحاد کسی ایسی حکومت میں شرکت کرنے پر آمادہ نہیں جو بے مقصد اور بے اختیار ہو۔ قومی حکومت

کا قیام مناسب یا ممکن نہ ہو تو ہماری جانب سے قومی حکومت کی تجویز کو ختم تصور کیا جائے۔

والسلام

احقر دستخط مفتی محمود صدر پاکستان قومی اتحاد

عام انتخابات کا دوبارہ اعلان

سیاسی راہنماؤں سے کانفرنس کے بعد ۲۳ مارچ ۱۹۷۹ کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے ملک میں عام انتخابات کے انعقاد کے لیے ۱۷ نومبر ۱۹۷۹ کی تاریخ مقرر کی لیکن اس کے ساتھ ہی سیاسی جماعتوں کو رجسٹریشن کرانے کا حکم بھی دیا۔

انتخابات میں دھاندلیوں کا قرطاس ابیض

۲۴ جولائی ۱۹۷۸ کو وفاقی حکومت نے ایک قرطاس ابیض جاری کیا جس میں یہ انکشاف کیا گیا تھا کہ مارچ ۱۹۷۷ کے عام انتخابات میں پیپلز پارٹی کو کامیاب بنانے کے لیے بڑے پیمانے پر دھاندلیوں کے دستاوی ثبوت فراہم کیے گئے ہیں۔ اس کے مطابق لاڑکانہ پلان انتخابات سے ایک سال قبل تیار کیا گیا تھا۔ اور محمد حیات ٹمن، رفیع رضا، وقار احمد، راؤ رشید اور پیر علی محمد راشدی اس منصوبے کے اہم کردار تھے۔ انتخابات کے لیے مسٹر بھٹو کو ایک غیر ملکی سربراہ نے تین کروڑ روپے دیئے تھے۔ وزیر اعظم کے سیکرٹریٹ کے تمام ملازم بھٹو کے اقتدار کو دائمی بنانے کے منصوبے میں شامل تھے۔ یہ منصوبہ اپریل ۱۹۷۶ میں تیار کیا گیا تھا اور مسٹر بھٹو نے اس منصوبے کو مثالی انتخابی منصوبہ قرار دیا تھا۔

قرطاس ابیض میں کہا گیا تھا کہ اگرچہ ۱۹۷۳ کے آئین میں ضمانت دی گئی ہے کہ الیکشن کمیشن کو آزاد حیثیت حاصل ہوگی اور اسے وسیع اختیارات حاصل ہوں گے۔ لیکن نومبر ۱۹۷۴ میں الیکشن کمیشن کو حکومت کے کنٹرول میں رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔

جنرل ضیاء الحق کا انتخابی فارمولا

۱۹۷۹ء میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے آئندہ عام انتخابات کے لیے متناسب نمائندگی کا اصول اپنانے کی تجویز پیش کی اور اس ضمن میں تمام سیاسی جماعتوں کے راہنماؤں کو متناسب نمائندگی کے بارے میں ایک خط کے ذریعہ ان کی توجہ دلائی۔ صدر نے ان امور کی نشاندہی کی۔

۱۔ روایتی طریق انتخاب کی خامیاں اور پاکستان کے مستقبل کے لیے اس طریقہ میں پوشیدہ خطرات کی نشاندہی کی۔

۲۔ مغربی جرمنی کے حوالے سے ایک متبادل طریق انتخاب یعنی متناسب نمائندگی کے اصول کا تذکرہ۔

۳۔ مغربی جرمنی اور دیگر ممالک کے تجربات کی روشنی میں پاکستان کے حالات کے مطابق انتخابات کا ایک سادہ اور قابل عمل فارمولا۔

بلدیاتی انتخابات

ملک کی تاریخ میں پہلی بار ۲۵ ستمبر ۱۹۷۹ء کو بالغ رائے دہی کی بنیاد پر بلدیاتی انتخابات منعقد ہوئے۔ اس کے نتیجے میں ۵۱۳۹۰ اراکین منتخب ہوئے ان میں تین ہزار چھ سو اکسٹھ یونین کونسلوں، ۸۳ ڈسٹرکٹ کونسلوں، ۱۱۹ میونسپل کمیٹیوں اور ۲۶ کنٹونمنٹ بورڈوں کے اراکین شامل تھے۔ انتخابات میں ۷۰٪ افراد نے اپنے ووٹ کا استعمال کیا اور ان پر ۴۹ء۴ ملین روپے خرچ کئے۔

۱۹۸۳ء میں صدر ضیاء الحق کے دور میں دوسری مرتبہ بلدیاتی انتخابات منعقد ہوئے انتخابات میں ۴۱۰۰ یونین کونسلوں ۸۴ اضلاعی کونسلوں ۱۲۹ میونسپل کمیٹیوں، ۲۸۵ ٹاؤن کمیٹیوں اور ۳۹ کنٹونمنٹ بورڈوں کے لیے ۶۷۱۷۷ کونسلر منتخب ہوئے۔ ان میں سے ۳۹۲۸ زمینداروں، ۴۷۲۰ ورکروں ۵۳۹۷ عورتوں اور ۲۷۴۳ نشستیں اقلیتی ارکان کے حصے میں آئیں۔

۱۹۸۲ء میں مقامی حکومت کے کمیشن کا قیام عمل میں آیا۔

متناسب نمائندگی اور سیاسی راہنماؤں کے خیالات:

تحریک استقلال کے رہنما اعتزاز احسن نے کہا کہ متناسب نمائندگی سے عدم استحکام پیدا ہوگا۔

مزدور کسان پارٹی کے سربراہ فتح یاب علی خاں نے کہا کہ پاکستان میں متناسب نمائندگی کی بنیاد پر انتخاب کرانے سے سیاسی عدم استحکام پیدا ہوگا۔ مولانا عبدالستار خاں نیازی جنرل سیکرٹری جمعیت العلمائے پاکستان نے کہا کہ متناسب نمائندگی سے صوبوں میں محرومی پیدا نہیں ہوگی۔ ہم اسے عارضی حل سمجھتے ہیں۔

این ڈی پی کی رہنما بیگم نسیم ولی خاں نے کہا کہ متناسب نمائندگی سے چھوٹے صوبوں کے حقوق کا تحفظ نہیں ہو سکے گا اور ملکی سالمیت کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے ہم اس کے تحت ہونے والے انتخابات میں حصہ نہیں لیں گے۔

مسلم لیگ خواجہ خیرالدین گروپ کے جنرل سیکرٹری ملک قاسم نے کہا کہ ہم متناسب نمائندگی

کو نظریۂ پاکستان کے خلاف سمجھتے ہیں اس سے چھوٹے صوبوں کی حق تلفی ہو گی۔ ہم انتخابات میں حصہ نہیں لیں گے پروگریسو پیپلز پارٹی کے سربراہ مولانا کوثر نیازی نے کہا کہ میں غیر جماعتی کے مقابلے میں متناسب نمائندگی کے تحت ہونے والے انتخابات کو قابل قبول سمجھتا ہوں ہم ان میں حصہ ضرور لیں گے۔

پیپلز پارٹی کے رہنما جنرل ٹکا خاں نے کہا متناسب نمائندگی میں فرد کی بجائے جماعت کو ووٹ ملتے ہیں جس سے سیاسی جماعتوں کا ارتقا ہو گا اور ملک گیر پارٹیاں ابھر کر سامنے آئیں گے اس سے صوبوں کو کوئی نقصان نہ ہو گا۔

این ڈی پی کے سربراہ سردار شیر باز مزاری نے کہا کہ منتخب پارلیمنٹ ہی متناسب نمائندگی کے بارے میں فیصلہ کرنے کی مجاز ہو سکتی ہے۔

جمعیت العلماء اسلام کے مرکزی سیکرٹری مولانا عبید اللہ انور نے کہا کہ اس طریق انتخاب سے وڈیروں اور جاگیرداروں کی قیادت سے نجات مل سکتی ہے اور یہ نظام سیاسی جماعتوں کے منشور کی آزمائش ہو گا۔ تحریک اسلامی کے ممتاز رہنما مولانا فتح محمد نے کہا کہ انتخابات متناسب نمائندگی کی بنیاد پر کروائے جائیں اس کے سوا جو بھی راستہ اختیار کیا جائے گا ملک کے لیے نقصان دہ ہو گا۔

سابق گورنر بلوچستان نواب اکبر بگٹی نے کہا کہ میں متناسب نمائندگی کے حق میں نہیں ہوں۔ یہ سوچے سمجھے منصوبے کی ایک کڑی ہے اس کے تحت الیکشن نہیں سلیکشن ہو گی نیز چھوٹے صوبوں کی قومی اسمبلی میں نمائندگی نہیں ہو سکے گی جس سے محرومی بڑھے گی۔ قومی محاذ آزادی کے سربراہ معراج محمد خاں نے بھی اس نظام کو ناپسند کیا۔ جماعت اسلامی کے امیر میاں طفیل محمد نے کہا کہ متناسب نمائندگی کے تحت ملک میں کوئی ایک ووٹ بھی ایسا نہیں رہے گا جس کی اسمبلی میں نمائندگی ہونے سے رہ جائے اور کسی جماعت کو یہ شکایت نہ ہو گی کہ اسے اپنے ووٹوں کے مطابق اسمبلی میں حصہ نہیں ملا۔

میاں ممتاز دولتانہ نے کہا کہ ۱۹۷۳ کا آئین ہر لحاظ سے مکمل ہے لہٰذا اس کے تحت انتخابات کرائے جائیں۔

تحریک استقلال کے جنرل سیکرٹری مشیر پیش امام نے کہا کہ موجودہ حالات میں متناسب نمائندگی کا مسئلہ نہ چھیڑا جائے۔

خاکسار تحریک پاکستان کے سربراہ خان محمد اشرف خاں نے کہا کہ متناسب نمائندگی کا طریق انتخاب عام طریقہ انتخاب سے اسی لحاظ سے بہتر ہے کہ اس میں رائے دینے والے کا ووٹ ضائع نہیں ہوتا۔

ظہور الحسن بھوپالی رکن مجلس شوریٰ نے کہا کہ متناسب نمائندگی ایک آئیڈیل سسٹم ہے اس سے

بہتر نظام نہیں ہو سکتا لیکن اس سے مفادات ابھریں گے۔ تصادم ہوں گے۔ حکومتیں بنتی بگڑتی رہیں گی۔
عوامی جمہوری پارٹی کے سربراہ خورشید حسن میر نے کہا کہ میں اصولی طور پر متناسب نمائندگی کے حق میں ہوں۔

پیپلز پارٹی کے جنرل سیکرٹری سردار فاروق لغاری نے کہا متناسب نمائندگی ہماری پارٹی کے منشور میں ہے۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ عوام کے مزاج کے مطابق نہیں اس سے مستحکم حکومت نہیں بن سکے گی۔

خواجہ خیرالدین نے کہا اس نظام کے تحت حصہ لینے والے افراد عوامی اعتماد سے محروم ہوں گے چھوٹے صوبوں میں تلخیاں بڑھ جائیں گی۔ مخلوط حکومت بنے گی۔ جھگڑے ہوں گے ایس ایم ظفر جنرل سیکرٹری پیر پگاڑا گروپ نے کہا متناسب نمائندگی کا تعلق سیاسی جماعتوں کی موجودگی سے ہے اور دنیا میں اس کی مقبولیت بڑھتی جا رہی ہے۔

انتخابات سے متعلق یوسف ہارون فارمولا

۲۵ اکتوبر ۱۹۸۲ کو ممتاز مسلم لیگی رہنما مسٹر یوسف ہارون نے لندن میں انتخابات کے لیے ایک فارمولا پیش کیا۔ اس فارمولے میں کہا گیا تھا کہ:

۱۔ سیاست دان ۱۹۷۳ کے آئین کے مطالبے سے دستبردار ہو جائیں اور ملک میں بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات کرائے جائیں۔

۲۔ انتخابات انفرادی طور پر نہیں بلکہ جماعتی بنیادوں پر ہونے چاہئیں۔

۳۔ چاروں صوبوں کو داخلی خود مختاری دی جائے۔ اور صرف دفاع، خزانہ اور امور خارجہ کے محکمے مرکزی حکومت کے پاس رہیں۔

نظام حکومت کے بارے میں خصوصی کمیٹی کی رپورٹ

۲۳ جولائی ۱۹۸۳ء کو مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شوریٰ کی خصوصی کمیٹی کی وہ رپورٹ پیش کی گئی جو شوریٰ نے اپنے گزشتہ اجلاس میں اسلامی نقطۂ نظر سے طرز حکومت اور نظام حکومت تجویز کرنے کے لیے قائم کی تھی۔ ۲۰ رکنی کمیٹی کے سربراہ فدا محمد خاں تھے۔ انہوں نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ پاکستان کی تاریخ کے حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے ہاں پارلیمانی طرز حکومت ملک کے لیے زیادہ موزوں رہے گا جس کی بنیاد ۱۹۷۳ کا آئین ہونا چاہیے۔ سیاسی ڈھانچہ بھی اس آئین میں کم سے کم ردو بدل کے تحت اختیار کیا جانا چاہیے۔ انہوں نے اپنی رپورٹ میں یہ تجویز بھی پیش کی کہ صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات میں معقول توازن پیدا کرنے کے لیے آئین ۔

آرٹیکل میں ضروری ترامیم کی جائیں اس طرح گورنروں اور وزراء اعلیٰ کے اختیارات میں بھی توازن پیدا کیا جائے۔

رپورٹ میں سیاسی جماعتوں کے قیام کو اسلامی نظریہ کے مطابق ہونا چاہیے۔ ویسے شریعت میں ایسا کوئی اصول نہیں ہے تاہم اسلام جمہوریت اور جمہوری اداروں پر یقین رکھتا ہے اس اعتبار سے سیاسی پارٹیوں کو کام کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے تاکہ وہ عوام کے حقوق کا تحفظ اور حکومت کا محاسبہ کر سکیں۔ نیز پارٹیوں کی رجسٹریشن بھی بڑی ضروری ہے کیونکہ سیاسی پارٹیوں پر ملک کی یک جہتی اور سالمیت کا تحفظ لازمی قرار دیا جاتا ہے۔

رپورٹ کے مطابق اسلام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ پوری کائنات پر حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اور ایک اسلامی ملک میں اختیارات کو عوام اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ حدود کے اندر استعمال میں لاتے ہیں۔

کمیٹی نے یہ سفارش بھی کی کہ آئین کی دفعہ ۴۶ کی جگہ ۱۹۵۶ کے آئین کی دفعہ ۴۲ شامل کر دی جائے اس دفعہ کے تحت وزیر اعظم وفاقی امور کے نظم ونسق کے بارے میں کابینہ کے تمام فیصلوں اور قانون سازی کی تجاویز سے صدر کو آگاہ کرنے کا پابند ہے۔ صدر ان اطلاعات کے بارے میں وزیر اعظم سے ہر قسم کی اطلاع طلب کرسکتا ہے اور وزیر اعظم صدر کی ہدایت کے مطابق کوئی مسئلہ کابینہ کے سامنے بھی پیش کرنے کا پابند ہے۔

کمیٹی نے ۱۹۵۶ کے آئین کی دفعہ ۳۷ (۷) کے تحت صدر کو کابینہ یا متعلقہ وزیر مملکت کے مشورے سے عمل کرنا ہوگا۔ ماسوائے ان امور کے جن میں وہ آئین کے تحت اپنی صوابدید پر کام کرنے کا اختیار رکھتا ہے ایک اور ترمیم یہ بھی تجویز کی گئی کہ صدر کو وزیر اعظم کی سفارش پر قومی اسمبلی توڑنے کا اختیار ہو اور اس کے بعد نوے دن کے اندر انتخابات کرائے جائیں اگر اسمبلی کا اجلاس جاری ہو اور اس میں وزیر اعظم کے خلاف تحریک عدم اعتماد زیر بحث ہو تو وہ اسمبلی توڑنے یا اس کا اجلاس ملتوی کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتا۔

۳۱ جولائی ۱۹۸۳ء کو مجلس شوریٰ نے طرز حکومت اور نظام حکومت کے بارے میں خصوصی کمیٹی کی رپورٹ پر سات دن کے تفصیلی غور کے بعد منظوری دے دی رپورٹ پر ۱۴۸ ارکان نے تقریریں کیں اور آئندہ نظام حکومت کے بارے میں بہت سی تجاویز پیش کیں تمام ارکان نے اس بات پر اتفاق کیا کہ آئندہ نظام حکومت اسلام کے مطابق ہونا چاہیے جس کی بنیاد پر پاکستان قائم ہوا۔ رپورٹ میں ایسی جماعتوں پر پابندی لگانے پر زور دیا گیا تھا جو نظریہ پاکستان کے خلاف سرگرم عمل ہیں خصوصی کمیٹی

کے چیئرمین فدا محمد خان نے بحث ختم کرتے ہوئے کہا کہ تین رکنی کمیٹی نے ان تمام تجاویز پر تفصیل سے غور کیا جو ارکان اور عام لوگوں نے پیش کیں۔ بعض ارکان نے تجویز پیش کی کہ صدارتی طرز حکومت اور نظام خلافت اپنانا چاہیے تاہم کمیٹی نے متفقہ طور پر یہ بات طے کی کہ ۱۹۷۳ کا آئین ملک کے آئندہ طرز حکومت کی بنیاد بن سکتا ہے کیونکہ یہ غیر اسلامی نہیں ہے اور اگر اس میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں کی گئیں تو اسے ریفرنڈم کے لیے قوم کے سامنے پیش کرنا ہوگا کمیٹی نے بعض ترامیم تجویز کیں تاکہ صدر اور وزیر اعظم کے درمیان اختیارات میں توازن ہو اور پارٹیاں بدلنے پر پابندی لگائی جا سکے۔ رپورٹ پر اختلافی نوٹ اور ارکان کی تقریروں کے خلاصے سمیت صدر کو پیش کرنے کے لیے ایک تحریک بھی پیش کی گئی جسے ایوان نے منظور کر لیا۔

نظام حکومت کے بارے میں انصاری کمیشن کی رپورٹ :

۴/ اگست ۱۹۸۳ء کو نظام حکومت کے بارے میں انصاری کمیشن کی رپورٹ صدر مملکت کو پیش کر دی گئی کمیشن کی رپورٹ متفقہ تھی تاہم اس میں ایک اختلافی نوٹ بھی شامل تھا۔ کمیشن نے اپنی رپورٹ میں ریاست کے تمام بنیادی اداروں کا احاطہ کیا اور ان اقدامات کی سفارش کی جو مستقبل کی حکومت کے لیے بنیاد بن سکتے تھے۔ کمیشن کی رپورٹ کے خاص موضوعات میں طرز حکومت، طریقہ انتخاب، عدلیہ کے اختیارات، اقلیتوں کے حقوق، شوریٰ کی ہیئت ترکیبی، وفاقی یا وحدانی طرز حکومت اور ایک ایوانی یا دو ایوانی مقننہ شامل کئے گئے۔ علاوہ ازیں اس مسئلے پر بھی بحث کی گئی کہ جدید ریاست کے تقاضوں کو اسلام کے سانچے میں کیسے ڈھالا جا سکتا ہے۔ کمیشن نے نظام حکومت کے بارے میں تین کمیٹیوں کی رپورٹ کا جائزہ لینے کے بعد یہ رپورٹ مرتب کی تھی۔

۱۲/ اگست ۱۹۸۳ کا ضیاء الحق سیاسی منصوبہ

۱۲/ اگست ۱۹۸۳ء کو صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے ملک میں عام انتخابات کے سلسلے میں جس سیاسی منصوبے کا اعلان کیا اُسے "۱۲/ اگست ۱۹۸۳ کا ضیاء الحق سیاسی منصوبہ" کا نام دیا گیا۔ اس ضمن میں صدر پاکستان نے کہا۔

جہاں تک انتخابات کا تعلق ہے میں نے ان کی ضرورت اور افادیت سے کبھی انکار نہیں کیا۔ یہ ہمیشہ سے میرا نظریہ رہا ہے کہ موجودہ دور میں انتخابات کا کوئی بدل نہیں ہے۔ لہٰذا کچھ دنوں یا کچھ عرصے کے بعد انتخابات منعقد ہونے چاہئیں۔ اگر حالات نے اجازت دی ہوتی تو میں ایک عرصہ قبل

انتخابات منعقد کرا دیتا۔ میں نے دو بارہ انتخابات کرانے کا ارادہ کیا لیکن ہر بار حالات کے پیش نظر انہیں ملتوی کرنا پڑا میں نے عوام کو ان کی وجوہات بتائی تھیں اور کہا تھا کہ اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔

صدر نے کہا کہ انتخابات دو مرحلوں میں منعقد ہوں گے اور ان کے انعقاد کے سلسلے میں مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھا جائے گا۔

۱۔ انتخابات بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوں گے۔

۲۔ نامزد امیدوار کے ذاتی کردار کو ترجیح دی جائے گی نہ کہ اُس کے خاندانی اثر و رسوخ کو۔

۳۔ انتخابی مہم تھوڑے عرصے کے لیے ہوگی۔ اور امیدوار اور ووٹروں کے مابین رابطہ اسلامی معیار کے مطابق ہونا چاہیے۔

۴۔ عورتوں کے حقوق کا مکمل تحفظ کیا جائے گا اور انہیں مردوں کی طرح ووٹ ڈالنے کا اختیار ہوگا۔

۵۔ اقلیتوں کے لیے جداگانہ طریق انتخاب روا رکھا جائے گا۔ تاکہ وہ اپنے دوسرے ہموطنوں کی طرح اپنے نمائندے خود منتخب کر سکیں۔

ارکان اسمبلی کی نا اہلی کی پابندی کا خاتمہ

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے ۵ جنوری ۱۹۸۵ء کو اپنے خصوصی اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے ۴۷ سابق وزراء اور ارکان اسمبلی کی نا اہلی ختم کر دی ان میں سے ۵۶ کا تعلق پنجاب سے تھا۔

فروری ۱۹۸۵ کے عام انتخابات کے لئے انتخابی قواعد کا اعلان:

۱۲ جنوری ۱۹۸۵ کو الیکشن کمیشن نے عام انتخابات میں حصہ لینے کے لیے انتخابی قواعد وضع کئے اور اعلان کیا کہ جب تک کوئی امیدوار مندرجہ ذیل شرائط پوری نہ کرتا ہو اس وقت تک قومی و صوبائی اسمبلی یا سینٹ کا انتخاب لڑنے کا مجاز نہ ہوگا۔

۱۔ پاکستان کا شہری ہو۔

۲۔ قومی اسمبلی کے امیدوار کی صورت میں کم از کم ۲۵ سال کا ہو اور اس کا نام کسی بھی حلقہ انتخاب میں ووٹر کے طور پر درج ہو۔

۳۔ سینٹ کے امیدوار کی صورت میں اس کی عمر کم از کم تیس برس ہو اور اس کا نام کسی صوبے یا وفاق کے زیر انتظام علاقے یا قبائلی علاقہ میں (جیسی بھی صورت ہو) بطور ووٹر درج ہو۔

۴۔ امیدوار اچھے کردار کا مالک ہو اور اسلامی تعلیمات کے منافی کام کرنے کی شہرت نہ رکھتا ہو۔

۵۔ اسلامی تعلیمات کا اچھی طرح علم رکھتا ہو اور فرائض پر عمل کرتا ہو گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہوتا ہو۔

۶۔ وہ پاک باز، راست گو، دیانت دار اور امین ہو اور منافع خور نہ ہو۔

۷۔ کسی اخلاقی جرم سے ارتکاب پر یا جھوٹی گواہی دینے پر سزا یافتہ نہ ہو۔

۸۔ قیام پاکستان کے بعد اس نے نظریہ پاکستان اور ملکی سالمیت کے خلاف کام نہ کیا ہو۔

نوٹ: چوتھی اور پانچویں شق کا اطلاق غیر مسلموں پر نہیں ہوگا البتہ اس کے اچھے کردار کا حامل ہونا ضروری ہے۔

قومی اسمبلی کے انتخابات کے لیے امیدواروں کی تعداد:

۲۵ فروری ۱۹۸۵ کو منعقد ہونے والے قومی اسمبلی کے انتخابات میں ۲۱۷ نشستوں کے لیے ۱۲۹۵ کاغذات نامزدگی درج کرائے گئے جن کی تفصیل یہ ہے۔

صوبہ وضلع	نشستیں	کاغذات نامزدگی
اسلام آباد	۱	۱۷
وفاقی علاقہ اور قبائلی ایجنسی	۸	۸۳
صوبہ بلوچستان	۱۱	۷۵
صوبہ پنجاب	۱۱۵	۶۸۱
صوبہ سندھ	۴۶	۳۰۷
شمال مغربی سرحدی صوبہ	۲۶	۱۷۶
اقلیتی یا غیر مسلم نشستیں	۱۰	۵۶
کل میزان	۲۱۷	۱۳۹۵

۲۵، فروری ۱۹۸۵ کو ملک بھر میں انتہائی پر امن ماحول اور غیر جانبداری کے ساتھ قومی اسمبلی کے انتخابات منعقد ہوئے قومی اسمبلی کے نتائج یہ تھے۔

صوبے کا نام	کل ووٹ	ڈالے گئے ووٹ	تناسب
صوبہ پنجاب	۲۰،۳،۳۶،۳۸۶	۱،۲۵ ۶۷،۸۳۱	۵۹،۵۹٪
صوبہ سندھ	۶۷،۴۷،۷۴۰	۳۳،۶۱،۵۸۹	۴۴،۶۰٪
صوبہ سرحد	۴۱،۸۱،۰۷۸	۱۹،۹۰،۴۶۵	۲۳،۸۱٪
صوبہ بلوچستان	۱۲،۳۸،۳۲۸	۵،۷۷،۲۷۲	۳۵،۱۳٪

صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات

قومی اسمبلی کے انتخابات کے بعد ۲۸، فروری ۱۹۸۵ کو صوبائی اسمبلی کے انتخابات منعقد ہوئے۔ صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں قومی اسمبلی کی نسبت ووٹروں کا تناسب زیادہ تھا صوبائی انتخابات میں ۹۱، ۵۶ فیصد ووٹ ڈالے گئے تھے۔ صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا تناسب یہ تھا۔

نام صوبہ	تناسب
صوبہ پنجاب	۴۶،۹۱٪
صوبہ سندھ	۴۹،۵۴٪
صوبہ سرحد	۴۷،۶۹٪
صوبہ بلوچستان	۴۶،۲۵٪

منتخب اسمبلیوں کے افتتاحی اجلاس

۱۲ مارچ ۱۹۸۵ کو صدر ضیاء الحق کی جانب سے ۱۹۷۳ کے آئین کی بحالی کے اعلان کے بعد چاروں صوبائی اسمبلیوں کے اجلاسوں میں نو منتخب ارکان کی جانب سے حلف اٹھانے سے ملک بھر میں جمہوری عمل کی بحالی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پنجاب اسمبلی کا سہ روزہ اجلاس اسمبلی ہال لاہور میں شروع ہوا۔ اجلاس کی صدارت اسمبلی کے سینئر رکن چودھری فیض احمد نے کی۔ ۲۴۶ ارکان اسمبلی میں سے ۲۳۵ ارکان نے حلف اٹھا۔ اجلاس سے قبل تلاوت کلام پاک قاری علی حسین نے کی۔

سندھ اسمبلی کا افتتاحی اجلاس اسمبلی ہال کراچی کی عمارت میں جج ہائی کورٹ سندھ مسٹر جسٹس علی مدد شاہ کی زیر صدارت منعقد ہوا جس کے بعد ۹۸ مسلم اور ۸ اقلیتی امیدواروں نے حلف اٹھایا۔

بلوچستان اسمبلی کا افتتاحی اجلاس اسمبلی ہال کوئٹہ کی عمارت میں ہوا۔ اجلاس میں ۴۳ میں سے ۴۲ منتخب ارکان اسمبلی نے حلف اٹھایا اجلاس تیمور شاہ جوگیزئی کی صدارت میں ہوا۔

سرحد اسمبلی کے منتخب ارکان نے بھی حلف اٹھایا۔ اور حلف برداری کی تقریب میں گورنر فضل حق

نے کہا کہ ارکان اسمبلی اسلام کی سربلندی اور ملکی خوشحالی کے لیے پرخلوص جدوجہد کریں۔

۱۹۷۳ کے آئین کے تحت ارکان اسمبلی کا حلف نامہ

میں صدق دل سے حلف اُٹھاتا ہوں کہ میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کا حامی ہوں اور وفادار رہوں گا۔ بحیثیت رکن صوبائی اسمبلی اپنے فرائض ایمانداری، انتہائی صلاحیت اور وفاداری کے ساتھ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین قانون قواعد خودمختاری۔ استحکام، بہبودی، خوشحالی کی خاطر انجام دوں گا۔ میں اسلامی نظریہ کو برقرار رکھنے کیلئے کوشاں رہوں گا۔ جو قیام پاکستان کی بنیاد ہے۔ میں پاکستان کے آئین کو برقرار رکھوں گا اور اس کا تحفظ اور دفاع کروں گا خدا اس کا حامی و ناصر ہو گا۔

۵، جولائی ۱۹۷۷ سے ۱۰ مارچ ۱۹۸۵ تک کے احکامات :

۱۸، مارچ ۱۹۸۵ کو صدر مملکت نے آئین میں ترمیم کا دوسرا حکم جاری کیا جس کے تحت پارلیمنٹ ۵، جولائی ۱۹۷۷ سے ۱۰ مارچ ۱۹۸۵ تک صدر کی طرف سے جاری کئے گئے احکامات اُن کی پیشگی منظوری کے بغیر ترمیم یا اُن کو منسوخ نہیں کر سکے گی۔ ان احکامات میں ۲، مارچ ۱۹۸۵ کو صدر کی طرف سے جاری کئے جانے والا آئین کی بحالی کا حکم بھی شامل تھا۔

نئے حکم کے تحت آئین کے آرٹیکل ۸۹، ۲۳۹ اور ۲۷۰، ۱، ۲ میں ترامیم کی گئیں۔

صدر پاکستان کا حلف وفاداری

۱۹ دسمبر ۱۹۸۴ کو ریفرنڈم کے نتیجے میں منتخب ہونے کے بعد صدر مملکت نے ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ کو اپنے عہدے کا حلف اٹھایا اُن سے چیف جسٹس مسٹر جسٹس محمد علیم نے حلف لیا۔ اس کے بعد صدر نے پارلیمنٹ سے خطاب کیا اور کہا کہ سیاست دانوں کو غیر ضروری طور پر نظر بند رکھنا درست نہیں رہائی کے لیے گورنروں سے بات کروں گا۔

وزیراعظم کا حلف وفاداری

۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء کو وزیراعظم محمد خان جونیجو نے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا اُن سے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے حلف لیا۔

وسطی مدت کے انتخابات کا مطالبہ

فروری ۱۹۸۵ء میں ملک میں عام انتخابات کے انعقاد کا اعلان کیا گیا تو سیاسی جماعتوں

(ایم آر ڈی) نے انتخابات کا مقاطع کیا۔ چنانچہ حکومت نے اپنے اعلان کے مطابق انتخابات منعقد کرا دیئے۔ اپریل ۱۹۸۶ میں مس بے نظیر بھٹو پاکستان آئیں تو انہوں نے اپنی پہلی تقریر میں وسطی مدت کے انتخابات کرانے کا مطالبہ کیا۔

بقول وزیر اعظم محمد خاں جونیجو کی پریس کانفرنس منعقدہ لاہور ۲۵ اگست ۱۹۸۶ء

"۱۹۸۵ کے عام انتخابات میں حصہ نہ لینے والی جماعتیں موجودہ مسلم لیگ کی حکومت کے ۵ نکاتی عوامی فلاحی پروگرام میں رکاوٹ ڈالنا چاہتی ہیں۔ انہوں نے اپنے دورہ امریکہ کے دوران اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ آپ وسطی مدت کے انتخابات کیوں نہیں کراتے اس کے جواب میں محمد خاں جونیجو نے کہا کہ جو لوگ اس کا مطالبہ کرتے ہیں وہ اپنی غلطی سے انتخابات میں حصہ نہ لے سکتے تھے انہوں نے سارے عمل سے باہر رہنے کا خود فیصلہ کیا تھا۔ جب کہ موجودہ حکومت کو عوام نے ووٹ دے کر منتخب کیا ہے انتخابات میں حصہ نہ لینے والی پارٹیوں کو خوش کرنے کے لیے وسطی مدت کے انتخابات کا مطالبہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا عوام سے مینڈیٹ لینے کے لیے انتخابات کے اعلان کی کوئی ضرورت نہیں۔

قومی اسمبلی میں حاجی سیف اللہ ڈپٹی لیڈر حزب اختلاف نے ۲۷ اگست ۱۹۸۶ کو کہا کہ یہ درست ہے کہ ۱۹۸۵ کے انتخابات غیر جماعتی بنیاد پر ہوئے تھے مگر اس بارے میں قطعی طور پر دو رائے نہیں ہیں کہ انتخابات منصفانہ اور غیر جانبدارانہ تھے اور پاکستان کے عوام کی بھرپور اکثریت نے اس میں حصہ لیا تھا۔ اور ۴۶ فیصد دانستہ انتخابات سے لاتعلق رہے۔ نیز آئین میں کہیں یہ بات درج نہیں کہ انتخابات لازماً جماعتی بنیادوں پر کرائے جائیں گے البتہ جماعتی بنیادوں پر بھی اجازت ہے۔

قومی حکومت کے قیام کا مطالبہ

۲۵ اگست ۱۹۸۶ کو لاہور میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعظم محمد خاں جونیجو نے قومی حکومت کے قیام کا انعقاد خارج از امکان قرار دیا اسی روز تحریک استقلال کے سربراہ ایر مارشل اصغر خاں نے کہا کہ وہ انتخابات کرانے کی نگرانی کے لیے ایک سو دن کے قومی حکومت کے قیام کے بارے میں ایم آر ڈی کے مطالبے کی حمایت کرتے ہیں۔

۲۷ اگست کو قومی اسمبلی میں آزاد پارلیمانی گروپ کے ڈپٹی لیڈر حاجی سیف اللہ نے کہا کہ اس وقت ملک میں از سر نو انتخابات کرانے کے لیے جو تحریک چلائی جا رہی ہے وہ کسی صورت میں ملک کے مفاد میں نہیں نیز قومی حکومت کے قیام کا مطالبہ آئین کی نفی کے مترادف ہے آئین کے دائرے میں رہتے ہوئے مسائل کا حل تلاش کیا جانا چاہیے اور معاملات کا سیاسی حل ہی دیر پا ہو سکتا ہے۔

مولانا شاہ احمد نورانی نے کہا کہ فروری ۱۹۸۵ کے انتخابات غیر جماعتی بنیادوں پر ہوئے تھے اس لیے مسلم لیگ کی حکومت قائم کرنے کا کوئی جواز نہیں للذا قومی حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے۔

سینٹ کے انتخاب کا ترمیمی بل

۷، دسمبر ۱۹۸۶ء کو قومی اسمبلی نے سینٹ کا انتخابی ترمیمی بل متفقہ طور پر منظور کر لیا۔ بل کے حق میں ۱۰۸ ووٹ اور مخالفت میں ۷ ووٹ ڈالے گئے۔ ایوان نے بل میں چھ ترمیمیں مسترد کر دیں۔ جو حزب اختلاف کے چودہ ارکان نے پیش کی تھیں۔ اس بل پر جس کا مقصد سینٹ کے انتخابی قانون کو آئینی شقوں کے مطابق بنانا تھا۔

وفاقی وزیر انصاف وسیم سجاد نے تینوں مراحل پر بل کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ بل کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسے آئین کی دفعہ ۲۱۸ اور ۲۱۹ کے مطابق بنایا جائے۔

ایم آر ڈی کا قیام اور سرگرمیاں

ایم آر ڈی کا قیام ۶ فروری ۱۹۸۱ کو پاکستان کی گیارہ سیاسی جماعتوں کے باہمی اتحاد کے ذریعے عمل میں آیا ان جماعتوں میں ایم آر ڈی کی تشکیل کے ۲۶ روز کے بعد سردار عبدالقیوم خاں کی جماعت نے اس سے اس بنا پر علیحدگی اختیار کر لی کہ اس کی ایک رکن جماعت پی آئی اے کے طیارے کے اغوا کے الزام میں ملوث بتائی جاتی تھی نومبر ۱۹۸۶ء میں تحریک استقلال نے بھی اس جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔

ایم آر ڈی کی قرارداد

۱۰، اپریل ۱۹۸۲ء کو ایم آر ڈی نے اپنے ماہانہ اجلاس منعقدہ کراچی میں تین قراردادیں منظور کیں، ایک قرارداد میں ۱۹۷۱ء کی جنگ کے زمانے سے بنگلہ دیش میں پھنسے ہوئے پاکستانیوں کی حالت زار پر سخت تشویش کا اظہار کیا گیا قرارداد میں کہا گیا کہ خالی نعروں سے بے خانماں افراد خواتین اور شیرخوار بچوں کو بھوک سے نہیں بچایا جا سکتا اگر تیس لاکھ افغانی مسلمانوں کو پناہ دی جا سکتی ہے تو ان لاکھوں مسلمانوں کے لیے یہ مہمان نوازی کیوں نہیں جو کسی بھی دوسرے پاکستانی کی طرح اس ملک کا حصہ ہیں دوسری قرارداد میں قومی اخبارات میں ایم آر ڈی کے سلسلے میں قیاس آرائیوں، من گھڑت خبروں کی اشاعت پر افسوس کا اظہار کیا گیا اور متفقہ طور پر ایم آر ڈی میں اختلافات کی خبروں کی واضح طور پر تردید کر دی گئی۔ نیز ۱۹۷۳ کے آئین کی بحالی کا مطالبہ بھی کیا گیا۔ تیسری قرارداد میں کہا گیا تھا۔ مرکزی مجلس عاملہ سرکاری تحویل میں لی گئی صنعتوں میں سے بعض منافع بخش صنعتوں کو ۲۲ خاندانوں کے بعض افراد کے حوالے کرنے کی مذمت کرتی ہے۔

۶، اکتوبر ۱۹۸۲ء کو ایم آر ڈی کی مرکزی کمیٹی کا لاہور میں اجلاس منعقد ہوا اس میں سندھ کی صورتحال

پر تشویش کا اظہار کیا گیا اور ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں کہا گیا تھا کہ موجودہ حکمرانوں کے ساتھ کسی قسم کے مذاکرات نہیں ہو سکتے۔ اجلاس میں بلدیاتی انتخابات کے انعقاد کی مذمت کی گئی اور کہا گیا کہ عوام کے ساتھ یہ دھوکا ہے اجلاس میں ایک اور قرارداد کے ذریعے اخبارات کو متنبہ کیا گیا کہ جو اخبارات نمایاں طور پر ایم آر ڈی کی خبریں نہیں چھاپتے انہیں نذر آتش کر دیا جائے گا۔ اجلاس نے برطرف شدہ صحافیوں کی بحالی کا بھی مطالبہ کیا۔

ایم آر ڈی کی تحریک نے سندھ میں کیا دیا

۱۴ اگست ۱۹۸۳ سے نومبر ۱۹۸۳ تک سندھ میں ایم آر ڈی کی تحریک جاری رہی اور کم و بیش ۵۰۰ افراد ہلاک ہوئے جہاں اتنا بڑا مالی و جانی نقصان ہوا وہاں تحریک کے کچھ نتائج بھی برآمد ہوئے۔

۱۔ سندھ میں حکومتی سطح پر دیہی ترقیاتی کاموں کو اہمیت دی جانے لگی۔ اور سندھ کے محکمہ ترقیات و منصوبہ بندی کو اپنا نیا لائحہ عمل بنانا پڑا۔

۲۔ بے روزگار دیہی نوجوانوں کو روزگار فراہم کرنے پر توجہ دی گئی۔

۳۔ پرانے اور نئے سندھیوں کے باہمی ارتباط نہ ہونے کی وجہ سے یہ تحریک ناکام رہی۔

۴۔ جی ایم سید اور اُن کے رفقاء کار کو اپنے مشن میں ناکامی ہوئی۔

۵۔ تحریک کی ناکامی کے بعد سندھ کے لوگوں کی سوچ کے دھاروں میں نمایاں تبدیلی آگئی اور انہوں نے نئی ادبی، ثقافتی، لسانی اور سماجی تنظیموں کے قیام پر زور دیا۔

۶۔ تعلیمی اداروں خصوصاً کالجوں میں انتخابات کرانے کی ضرورت محسوس کی گئی۔

۷۔ سندھ کے عوام نے نام نہاد لیڈروں کے چنگل میں آنے سے انکار کر دیا۔ اور انہوں نے اس تحریک کا ساتھ نہ دیا۔

۸۔ متحدہ مرکزی محاذ کی تشکیل، مولانا شاہ احمد نورانی کا دورہ سندھ اس تحریک کی کڑیاں ہیں۔

ایم آر ڈی کا انتخابی مقاطع

۱۹ جنوری ۱۹۸۵ کو پاکستان میں گیارہ جماعتوں پر مشتمل اتحاد ایم آر ڈی نے ایبٹ آباد میں دو دن کے اجلاس کے بعد اعلان کیا کہ بہت سے نااہل افراد اور غیر رجسٹرڈ سیاسی جماعتوں کے عہدیداروں پر انتخابات کے دروازے وا کئے جانے کے باوجود ایم آر ڈی ان انتخابات میں شرکت نہیں کرے گی۔ اس موقع پر ایم آر ڈی کے کنوینر ملک محمد قاسم نے کہا کہ ایم آر ڈی مارشل لاء کے خاتمے کے لیے جدوجہد

جاری رکھے گی اور مارشل لاء کے خاتمے کے ساتھ ہی نگران حکومت قائم کرے گی جو ۱۲۰ دن کے اندر انتخابات کرائے گی اور ۱۹۷۳ء کے آئین کی بحالی اور اس کے تحت ہونے والے انتخابات کے سوا کوئی بات نہیں مانے گی۔ ایم آر ڈی کا آئندہ اجلاس ۲۲ جنوری تک کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔
۲ اگست ۱۹۸۶ء کو ایم آر ڈی کی مرکزی مجلس عمل نے دو اہم فیصلے کئے اولاً یہ کہ اسی سال ۳۱ دسمبر تک جماعتی بنیادوں پر انتخابات کرا کے انتقال اقتدار کر دیا جائے اور اس مقصد کے لیے نئے انتخابات کے شیڈول کا اعلان ۲۰ ستمبر تک کر دیا جائے۔ دوسرے صوبائی خودمختاری کی حدود کا تعین کر لیا گیا۔ جس کے تحت وفاقی مرکز کو صرف چار محکمے دفاع، امور خارجہ، مواصلات اور کرنسی دیئے جائیں گے۔

ایم آر ڈی کے ان فیصلوں کو ملک کے دانشور اور سنجیدہ حلقوں نے ناقابل عمل قرار دیتے ہوئے کہا کہ جن سیاست دانوں نے فروری ۱۹۸۵ء کے انتخابات کا مقاطع کیا تھا یہ محض ان کی سیاسی محرومیوں کا ردعمل ہے نومنتخب حکومت نے بار بار اس کا اعلان کیا ہے کہ انتخابات ۱۹۹۰ سے پہلے نہیں ہوں گے۔

صوبائی خودمختاری کے عمل کو بھی ان حلقوں نے ملک کے لیے نقصان دہ قرار دیا اور کہا کہ اس طرح وفاق کمزور ہو کر رہ جائے گا اور اس کے پاس ان محکموں کو چلانے کے لیے مالی وسائل تک نہ ہوں گے۔ حالانکہ اس نوع کی صوبائی خودمختاری کو ۱۹۷۳ء کے آئین میں بھی منافی قرار دیا گیا ہے۔

۲ اگست کو ایم آر ڈی کے کنوینر مولانا فضل الرحمان نے کہا کہ اگر حکمرانوں نے ملک میں اس سال ۳۱ دسمبر تک انتخابات کرانے کے لیے ۲۰ ستمبر تک انتخابی شیڈول کا اعلان نہ کیا تو ایم آر ڈی عوام کی تائید سے ملک بھر میں جمہوری جدوجہد کا آغاز کر دے گی۔ اور یہ تحریک اس وقت تک جاری رہے گی جب تک ملک میں مکمل جمہوریت بحال نہیں ہو جاتی۔ ہمارے مطالبے کو تسلیم کرنے کی بجائے اگر کسی فوجی آمر یا طالع آزمانے چوتھا مارشل لاء لگایا تو ہم اس مارشل لاء کے سامنے نہیں جھکیں گے بلکہ اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔

ایم آر ڈی کی قرارداد

۲ اگست ۱۹۸۶ء کو ایم آر ڈی کی مرکزی الیکشن کمیٹی نے ایک قرارداد منظور کی جس میں کہا گیا تھا کہ جنرل ضیاء الحق جو فوجی آمریت کے تسلسل کی علامت ہیں فوراً اقتدار سے علیحدہ ہو جائیں اور اس سال کے آخر تک ۱۹۷۳ء کے آئین اور اس کے انتخابی قواعد کے مطابق ملک میں عام انتخابات کے ذریعے عوام کی نمائندہ حکومت کے قیام کا

اہتمام کیا جائے جو ملک کو درپیش خارجی اور داخلی خطرات سے محفوظ کر سکے۔

قرارداد میں کہا گیا تھا کہ جنرل ضیاء الحق نے کسی جواز کے بغیر ۱۹۷۷ء میں ملک پر مارشل لاء مسلط کیا اور قوم کے ساتھ افواج پاکستان کی جانب سے نوے دن کے اندر عام انتخابات کرانے کا عہد کرنے کے باوجود اس سے انحراف کیا اور پھر ۱۹۷۹ء میں انتخابی شیڈول کا اعلان کر کے انتخابات کو غیر معینہ مدت تک کے لیے ملتوی کر دیا اس کے بعد سیاسی جماعتیں کالعدم قرار دی گئیں۔ تقریر اور اجتماع پر پابندی عائد کی گئی عبوری آئین کے حکم کے ذریعے اعلیٰ عدالتوں کے اختیارات کو انتہائی محدود کر دیا گیا فوجی طرز عدالتیں قائم کر کے ملک میں خوف و ہراس کی فضا پیدا کی۔

قرارداد کے مطابق یہ وہ حالات تھے جن کی وجہ سے ملک کی محب وطن تنظیموں نے وطن عزیز میں فروری ۱۹۸۱ء میں بحالی جمہوریت کے لیے ایم آر ڈی کے نام سے ایک تنظیم قائم کی اور برصغیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فوجی حکومت کے خلاف تحریک مزاحمت چلا کر تابندہ روایات کو نہ صرف زندہ رکھا بلکہ ایک نئی مثال قائم کی۔ ۱۴ر اگست ۱۹۸۳ء کو ملک گیر تحریک کا آغاز کیا جس میں صوبہ سندھ کے عوام نے بالخصوص اور دوسرے صوبوں کے لوگوں نے بالعموم حصّہ لیا۔ اور سیاسی رہنماؤں، کارکنوں، طلباء، اساتذہ اور مزدور تنظیموں کے راہنماؤں کی وسیع پیمانے پر گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔ سینکڑوں افراد نے ملک میں فوجی آمریت کو ختم کرنے کے لیے اپنی جانیں قربان کیں ہزاروں کارکنوں نے قید و بند کی مصیبتیں برداشت کیں۔

قرارداد کے مطابق اپنے عوام کو فریب دینے اور عالمی رائے عامہ کو گمراہ کرنے کیلئے غیر جماعتی انتخابات کا ڈھونگ رچایا اور مارشل لاء کی چھتری تلے اسلامی قوانین کے بارے میں ریفرنڈم کا طریقہ ایجاد کیا گیا اور اعلان کیا گیا کہ مثبت نتیجہ کی صورت میں جنرل ضیاء الحق پانچ سال کے لیے صدر منتخب قرار دیئے جائیں گے اور پھر ۱۹۸۵ء میں آئینی ترامیم کے ذریعے ملک کے متفقہ آئین کو لفظاً اور معناً تبدیل کرنے کی سازش کی گئی۔ لیکن ایم آر ڈی نے جمہوری اقدار روایات کو زندہ رکھا تھا اس لیے اُس نے ریفرنڈم کا واضح طور پر بائیکاٹ کر کے جنرل ضیاء الحق اور اُن کے مارشل لاء اور اشتراک اقتدار کے فلسفے کو مسترد کر دیا۔

ایم آر ڈی کی تنظیم نو اور انتخابات کا مطالبہ

۷، دسمبر ۱۹۸۶ء کو ایم آر ڈی کی مرکزی مجلس عاملہ نے لاہور میں دو روزہ اجلاس میں حزب اختلاف کی جماعتوں کے لیے ڈھانچے کی منظوری دی اور سابقہ مرکزی مجلس عاملہ کو توڑ کر ایک نیشنل کونسل اور ایک سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی تشکیل دینے کا فیصلہ کیا۔ نیشنل کونسل تمام

رکن جماعتوں کے چھ چھ نمائندوں پر مشتمل ہوگی۔ جو پالیسیاں اور حکمت عملی مرتب کرنے کا فرض انجام دے گی۔ سنٹرل ایگزیکٹو میں ہر جماعت کے دو نامزد افراد شامل ہوں گے ایم آر ڈی نے ۲۵ دسمبر کو سندھ میں جلسۂ عام کے انعقاد کا بھی فیصلہ کیا۔

نیشنل کونسل کا اجلاس تین ماہ میں ایک بار ہونا لازمی قرار پایا سنٹرل ایگزیکٹو قومی کونسل کی مرتب کردہ پالیسیوں پر عملدرآمد کی ذمہ دار ہوگی۔ اس وقت صوبائی سطح پر جو افراد ایم آر ڈی کے جنرل سیکرٹری کے فرائض انجام دے رہے ہیں وہ بلحاظ عہدہ نیشنل کونسل اپنی اپنی جماعت کی چھ رکنی ٹیم میں شامل ہوں گے۔

اجلاس میں پاکستان نیشنل کرسچن پارٹی نے شمولیت کی درخواست کی ایم آر ڈی کا یہ ہنگامی اجلاس ملک کی مخصوص صورت حال کے پیش نظر طلب کیا گیا تھا۔ شرکاء اجلاس نے موجودہ حکومت سے مذاکرات کو خارج از امکان قرار دیا۔ اور کہا کہ حکومت سے نگران حکومت یا انتخابی شیڈول کے بارے میں تو بات ہو سکتی ہے لیکن اس سے زیادہ نہیں۔

دریں اثنا مرکزی مجلس عمل نے مطالبہ کیا کہ موجودہ حکومت کی جگہ بلا تاخیر نگران حکومت قائم کی جائے جو ایک سو بیس دنوں کے اندر جماعتی بنیادوں پر انتخابات کا اہتمام کرے تاکہ اقتدار پرامن طور پر عوام کے منتخب نمائندوں کے حوالے کیا جا سکے۔ ایم آر ڈی میں شامل تمام جماعتوں کے راہنماؤں نے شرکت کی اجلاس میں ایک اعلان اتفاق رائے سے منظور کیا گیا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ ایم آر ڈی فروغ جمہوریت کے ذریعے پاکستان کو پرامن خطہ ارض بنانے کی داعی ہے اور تمام قومی اور بین الاقوامی تنازعات اور مسائل کا حل پرامن سیاسی عمل سے ہی چاہتی ہے۔

آئینی پیش رفت

عبوری آئین ۱۹۸۱

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے ملک کا نظم و نسق چلانے کے لیے ۲۳، مارچ ۱۹۸۱ کو عبوری آئین جاری کیا۔ اس کے ابتدائیے میں ان باتوں کا ذکر کیا گیا تھا۔

جمہوریہ اور اس کے علاقہ جات

۱۔ مملکت پاکستان ایک وفاقی جمہوریہ ہوگی جس کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہوگا جسے بعد ازیں پاکستان کہا گیا ہے۔

۲۔ پاکستان حسب ذیل علاقہ جات پر مشتمل ہوگا۔

(ا) صوبہ جات بلوچستان، شمال مغربی سرحدی صوبہ، پنجاب اور سندھ۔

(ب) علاقہ دارالحکومت اسلام آباد، بعدازیں جس کا حوالہ وفاقی دارالحکومت کے طور پر دیا گیا ہے۔

(ج) وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقہ جات اور

(د) ایسی ریاستیں اور علاقے جو الحاق کے ذریعے یا کسی اور طریقے سے پاکستان میں شامل ہیں یا ہو جائیں۔

۳۔ پارلیمنٹ بذریعہ قانون وفاق میں نئی ریاستوں یا علاقوں کو ایسی قیود و شرائط پر داخل کرسکتی ہے جو وہ مناسب تصور کرے۔

۲۔ اسلام مملکتی مذہب ہوگا

۳۔ استحصال کا خاتمہ

مملکت استحصال کی تمام اقسام کے خاتمے اور اس کی بنیادی اصول کی تدریجی تکمیل کا یقین دلائے گی کہ ہر کسی سے اس کی اہلیت کے مطابق کام لیا جائے گا اور ہر کسی کو اس کے کام کے مطابق معاوضہ دیا جائے گا۔

افراد کا حق کہ ان سے قانون وغیرہ کے مطابق سلوک کیا جائے:

۱۔ ہر شہری کا خواہ وہ کہیں بھی ہو اور کسی دوسرے شخص کا جو فی الوقت پاکستان میں ہو ناقابل انتقال حق ہے کہ اسے قانون کا تحفظ حاصل ہو اور اس کے ساتھ قانون کے مطابق سلوک کیا جائے۔

(ا) کسی شخص کی زندگی، آزادی، جسم، شہرت یا جائیداد کے نقصان وہ کوئی کارروائی بجز مطابق قانون نہیں کی جائے گی۔

(ب) کسی شخص کے کوئی ایسا کام کرنے میں ممانعت یا مزاحمت نہ ہوگی جو قانوناً ممنوع نہ ہو اور

(ج) کسی شخص کو کوئی ایسا کام کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا جس کے کرنے کا قانون اس سے تقاضہ نہ کرتا ہو۔

۵۔ مملکت سے وفاداری اور آئین و قانون کی اطاعت:

مملکت سے وفاداری ہر شہری کا بنیادی فرض ہے۔

۶۔ صدر | پاکستان کا ایک صدر ہو گا اور وہ اس وقت تک انتخاب میں حصہ لینے کا اہل نہ ہو گا جب تک کہ اس کی عمر پینتالیس سال نہ ہو اور مسلمان نہ ہو نیز قومی اسمبلی کا رکن منتخب ہونے کا اہل نہ ہو۔

صدر کو معافی، مہلت اور التوا دینے اور کسی عدالت، ٹریبونل یا کسی ہیئت مجاز کی دی ہوئی سزا میں تخفیف کرنے کا اسے معطل یا تبدیل کرنے کا اختیار ہو گا۔ صدر کو آرڈی ننس نافذ کرنے کا اختیار ہو گا۔

اٹارنی جنرل برائے پاکستان | پاکستان کا ایک اٹارنی جنرل ہو گا جس کا تقرر صدر کرے گا۔ اٹارنی جنرل کا یہ فرض ہو گا کہ وہ وفاقی حکومت کو ایسے قانونی معاملات پر مشورہ دے اور قانونی نوعیت کے ایسے دیگر فرائض انجام دے جو وفاقی حکومت کی طرف سے اسے بھیجے گئے ہوں۔

نائب صدر | پاکستان کے ایک یا اس سے زیادہ نائب صدر ہوں گے جن کا تقرر چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کرے گا۔ صدر کا عہدہ اس کی وفات یا استعفیٰ کے باعث خالی ہونے پر سینیئر نائب صدر، صدر کا جانشین ہو گا۔

وفاقی کونسل | ایک وفاقی کونسل قائم کی جائے گی جو ان اشخاص پر مشتمل ہو جنہیں صدر فرمان کے ذریعے مقرر کرے گا۔

وفاقی شرعی عدالت | ایک وفاقی شرعی عدالت قائم کی جائے گی جس کا چیئرمین ایسا شخص ہو گا جو عدالت عظمیٰ کا جج ہو یا رہا ہو۔

سیاسی جماعتیں | سیاسی جماعتوں کو جب صدر اجازت دے گا کام کرنے کی اجازت ہو گی۔

آئینی ترامیم کا اعلان | صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات میں توازن قائم کرنے کے لیے ۲، مارچ ۱۹۸۵ کو آئینی ترامیم کا اعلان کیا۔

صدر نے جس صدارتی حکم کے ذریعے جن ترامیم کا اعلان کیا اُسے ۱۹۷۳ء کے آئین کی بحالی کا حکم REVIVAL OF THE 1973 CONSTITUTION ORDER 1985 کا نام دیا گیا۔

۱۹۷۳ کا آئین بارہ حصوں پر مشتمل ہے اور ہر حصے کے کئی باب ہیں اور ہر باب کئی دفعات یعنی آرٹیکلز پر مبنی ہے دیباچے کے بعد آئین کے حصہ اول کی دفعہ ۲ میں یہ جملہ درج ہے۔

اسلام پاکستان کا مملکتی مذہب ہے یہاں مذہب کی بجائے دین لکھنا چاہیئے۔ اس میں ایک اضافی دفعہ کے ذریعے قرار داد مقاصد کو ۱۹۷۳ کے آئین کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔

آئین کا حصہ دوم بنیادی حقوق اور مملکت کی حکمت عملیوں کے اصولوں پر مبنی ہے اس کی دفعہ ۱۷ کا تعلق سیاسی جماعت بنانے یا اس کے رکن بننے کے حق سے متعلق ہے۔ اس کے حصہ دوم میں دو مختصر ترامیم کی گئی ہیں۔

۱۔ آرٹیکل ۲۷ میں ملازمتوں میں امتیاز کے خلاف چند تحفظات کا ذکر ہے جن کا زیادہ تر فائدہ سندھ کے دیہی علاقوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو پہنچتا ہے اس کی مدت آئین میں دس سال رکھی گئی تھی جو ۱۹۸۳ء میں ختم ہو گئی اس مدت کے خاتمے پر وفاقی کابینہ نے اس کا جائزہ لیا اور یہ میعاد دس سال تک مزید بڑھا دی گئی چنانچہ اب ترامیم کرکے کابینہ کے اس فیصلے کو آئینی تحفظ دے دیا گیا ہے۔

حصہ سوم کے باب ۱ میں آرٹیکل ۴۱ سے ۴۹ تک صدر پاکستان کا ذکر ہے ان دفعات میں چند ایک ترامیم کی گئی ہیں جو یہ ہیں۔

۱۔ صدر اپنے فرائض کی انجام دہی میں کابینہ، وزیر اعظم یا متعلقہ وزیر کے مشورے پر عمل کریں گے۔

۲۔ صدر مملکت کو یہ اختیارات حاصل ہوں گے کہ جب کوئی بل انکے پاس بھیجا جائے تو وہ ۴۵ دن کے اندر اندر یا تو اس کی توثیق کریں یا نظر ثانی کے لیے پارلیمنٹ کو لوٹا دیں گے اور اگر پارلیمنٹ دوبارہ غور کے بعد وہی بل صدر مملکت کو واپس بھیج دے تو اس کی توثیق کرنا ان کے لیے لازم ہو گی اور صدر کے دستخطوں کے بعد متعلقہ قانونی حیثیت اختیار کر جائے گا۔

۳۔ صدر کو کچھ اضافی اختیارات بھی دیئے گئے جن میں وزیر اعظم کا تقرر بھی شامل ہے۔

۴۔ صدر مملکت کو از خود یا وزیر اعظم کے مشورے پر کسی اہم مسئلے پر ریفرنڈم منعقد کرنے کا اختیار حاصل ہو گا اس کے لئے قانون نئی قومی اسمبلی بنائے گی۔

۵۔ صدر مملکت جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کے چیئرمین اور تینوں مسلح افواج کے سربراہ مقرر کریں گے۔ اور اسی طرح مشیروں کو بھی وہ وزیر اعظم کے مشورے پر مقرر کریں گے۔
آرٹیکل ۲۴۳ میں ایک ذیلی دفعہ کا اضافہ کیا گیا ہے جس کی رو سے صدر مملکت افواج پاکستان کے سپریم کمانڈر ہوں گے۔

آئین کے حصہ سوم کے باب دوم پارلیمنٹ سے متعلق ہے۔ اس میں یہ ترامیم کی گئی ہیں۔

۱۔ سینٹ کے ارکان کی تعداد ۶۳ سے بڑھا کر ۸۷ کر دی گئی یعنی ہر صوبے سے چودہ چودہ ارکان کی بجائے انیس ارکان منتخب ہوں گے جن میں سے پانچ ارکان ممتاز علمائے کرام، پیشہ ور حضرات اور ماہرین ہوں گے۔

آٹھ ارکان قبائلی علاقوں سے اور ۳ وفاقی صدر مقام سے لیے جائیں گے۔

۲۔ سینٹ کے بارے میں دوسری ترمیم یہ ہے کہ اس کی مدت چار سال سے بڑھا کر چھ سال کر دی گئی ہے اور اس کے ایک تہائی ارکان ہر دو سال بعد سبکدوش ہوا کریں گے اور ان کی جگہ نئے سینٹر منتخب ہوں گے۔ آئین کے حصہ سوم کا تعلق وزیر اعظم سے ہے۔ اس میں یہ اضافہ کیا گیا ہے وزیر اعظم کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک بیس فیصد ارکان کی تائید سے بجٹ سیشن کے علاوہ اسمبلی کے کسی اجلاس میں پیش کی جا سکے گی۔

آئین کا حصہ چہارم گورنروں اور صوبائی اسمبلیوں سے متعلق ہے اس میں یہ ترمیم کی گئی کہ صوبے میں گورنر کو وہی اختیارات حاصل ہوں گے جو وفاقی سطح پر صدر کو ہوں گے۔ گویا گورنر صوبائی اسمبلی کا اعتماد رکھنے والے رکن کو ہر صوبے کا وزیر اعلیٰ مقرر کرے گا لیکن صدر کے مشورے سے۔

آئین کا حصہ پنجم وفاق اور صوبوں کے تعلقات سے متعلق ہے اس حصے میں صرف صوبائی اسمبلیوں کے اختیارات کو بڑھا دیا گیا یعنی وہ آئندہ صدر کے حلقہ انتخاب میں شامل کر دی گئی ہیں اور دوسرے یہ کہ آئین میں ترمیم کے لیے قومی اسمبلی میں دو تہائی اکثریت کے علاوہ صوبائی اسمبلیوں کی حمایت لازمی قرار دی گئی۔

آئین کا حصہ ششم مالیات، جائیداد، معاملات اور مقدمات سے متعلق ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

آئین کے حصہ ہفتم میں جو عدلیہ سے متعلق ہے صرف یہ اضافہ کیا گیا کہ مارشل لاء کے سات آٹھ سالوں کے اور عدلیہ سے متعلق جو قوانین بنائے گئے انہیں آئین میں شامل کیا گیا ہے عدالتوں کے

وقار کو تحفظ دینے اور اسے بلند کرنے کے لیے توہین عدالت سے متعلق دفعہ ۲۰۴ میں ترمیم کی گئی۔

آئین کے آٹھویں اور نویں حصے میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

آئین کے دسویں حصے میں صرف ایک آرٹیکل یعنی نیشنل سیکیورٹی کونسل کے قیام کا اضافہ کیا گیا۔

آٹھویں ترمیم

(و) عدلیہ کو پہلے سے زیادہ اختیارات حاصل ہوئے۔

(ب) صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات میں توازن پیدا کیا گیا۔

(ج) صوبائی خود اختیاری ۱۹۷۳ کے اصل آئین کے مطابق بحال کی گئی۔

(د) آئین بدستور پارلیمانی ہے جس میں تمام اختیارات وزیر اعظم کے پاس ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صدر کا حلقہ نیابت بھی اب قومی اسمبلی اور سینٹ سے بڑھ کر صوبائی اسمبلیوں تک وسیع ہو گیا ہے۔

نویں ترمیم

اس بل کی منظوری صرف سینٹ نے ۸ جولائی ۱۹۸۶ کو دی ہے اسے قومی اسمبلی کی منظوری حاصل نہیں ہے۔ تاہم اس ترمیم کے تحت وفاقی شرعی عدالت کے اختیارات اور دائرہ کار کو بڑھا دیا گیا ہے۔

نفاذ اسلام کی کوششیں

اسلامی حدود کا نفاذ

پاکستان میں ایک عرصے سے عوام کی آرزو تھی کہ ملک میں اسلامی قوانین کا نفاذ عمل میں لایا جائے اس ضمن میں ۱۹۷۷ میں عوام نے نظام مصطفیٰ کے قیام کے سلسلے میں بھرپور تحریک بھی چلائی تھی چنانچہ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کے فوراً بعد عوام کے احساسات کا احترام کرتے ہوئے ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ بمطابق ۱۰ فروری ۱۹۷۹ کو ملک میں اسلامی حدود و تعزیرات کے نفاذ کا اعلان کیا جسے پاکستان کی تاریخ میں نظام اسلام کے نفاذ کے سلسلے میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ پوری قوم نے صدر کے اس اعلان کو خوش آئند قرار دیا۔ ملکی ذرائع ابلاغ نے بھی بے حد سراہا۔

قرآن پاک اور سنت رسولؐ میں مختلف جرائم کے لیے سزاؤں کی جو انتہائی صورت درج ہے اسے حد کہتے ہیں یہ حدود صرف چار ہیں۔

(۱) شراب نوشی (۲) زنا (۳) چوری (۴) قذف یعنی الزام تراشی۔

۱۔ شراب نوشی: شراب نوشی کو بالکل ممنوع قرار دے دیا گیا البتہ غیر مسلموں کو ان کی مذہبی تقریبات کے موقع پر اور غیر ملکی سفارت خانوں کو اس حد سے مستثنیٰ رکھا گیا شراب اور دیگر نشہ آور چیزوں

کے استعمال کے ساتھ ساتھ ان کی تیاری، ان کو قبضہ میں رکھنا، ان کی خرید و فروخت اور درآمد و برآمد ممنوع نیز طبی اور سائنسی مقاصد کے لیے کسی نشہ آور کیمیائی مواد کی تیاری کے لیے حکومت کی اجازت لازمی قرار دی گئی۔

۲۔ زنا | زنا کے سلسلے میں بھی اسلامی سزا نافذ کر دی گئی اور ہر طرح کی بدکاری خواہ فریقین کی رضامندی کا دخل ہو یا نہ ہو اس زمرے میں شامل کی گئی۔

۳۔ چوری، ڈاکہ زنی | چوری و ڈاکہ زنی کے لیے اسلامی سزا رائج کی گئی

۴۔ قذف | الزام تراشی بھی ممنوع قرار دی گئی اور اس کے لیے بھی اسلامی سزا تجویز کی گئی۔

قانون امتناعِ منشیات | حکم صدر پاکستان ۴ مجریہ ۱۹۷۹ پاکستان گزٹ غیر معمولی حصہ اول ۷۹-۲-۱۰ ہرگاہ کہ یہ لازم ہے کہ موجودہ قانون امتناع منشیات کی ترمیم کر کے اسے اسلامی عقائد مبینہ قرآن حکیم و سنت رسول کے مطابق ڈھالا جائے لہٰذا باتباع اعلان مجریہ ۵ جولائی ۷۷ ۱۹ بشمول قوانین (تسلسل نفاذ) حکم ۷۷ ۱۹ حکم ۱ ۷۷ ۱۹ ازاں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر) ان اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے جو انہیں حاصل ہیں صدر پاکستان و چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مندرجہ ذیل حکم جاری کرتے ہیں۔

اس حکم کا اطلاق پورے پاکستان پر ہوگا اور اس کا نفاذ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ بمطابق ۱۰ فروری ۱۹۷۹ سے ہوگا۔

امتناع اور سزائیں | (الف) جو کوئی منشیات کی درآمد، برآمد، منتقلی یا تیاری کرتا ہو۔
(ب) منشیات کو بوتلوں میں بند کرتا ہو یا۔

(ج) فروخت یا پیش کرتا ہو۔

(د) مندرجہ بالا افعال میں سے کسی عمل کی اجازت کسی ایسی جگہ پر دے جو اس کی ملکیت یا اس کے قبضہ میں ہو۔

تو ایسے شخص کو پانچ سال قید اور تیس کی حد تک کوڑے بھی لگائے جا سکتے ہیں علاوہ ازیں جرمانہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

منشیات کی ملکیت کی صورت میں دو سال کی حد تک سزائے قید یا تیس کوڑے معہ جرمانہ سزا ہوگی۔ بالغ مسلمان شراب نوشی کا مستوجب حد کا مجرم قرار پائے گا اور اسے اسی کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔

جرائم بر خلاف املاک منقولہ اس قانون کا اطلاق ۱۲ ربیع الاول سے کیا گیا اور پہلی مرتبہ سرقہ مستوجب کی سزا کلائی کے جوڑ سے دائیں ہاتھ کو کاٹنا دوسری مرتبہ بایاں پاؤں ٹخنے تک، تیسری مرتبہ چوری کرنے کی صورت میں عمر قید کی سزا۔

قطع ید کی صورت میں مجاز میڈیکل آفیسر کا مشورہ بھی شامل کیا گیا تاکہ ہاتھ یا پاؤں کاٹنے کی وجہ سے مجرم کی موت واقع نہ ہو جائے۔

جُرم زنا ہر گاہ یہ لازم ہے کہ موجودہ قانون بابت جرم زنا کی ترمیم کر کے اسلامی عقائد کے مطابق بنایا جائے نیز اس کا اطلاق پورے پاکستان پر کیا گیا۔ اس قانون کے تحت زانی عورت اور مرد کی سزا بمطابق قرآن پاک ہر ایک کو ایک ایک سو کوڑے مقرر کی گئی۔

زنا بالجبر کا مرتکب ہونے والے نا بالغ کے لیے پانچ سال تک کی سزا جرمانہ یا تیس کوڑے سزا مقرر کی گئی۔

غیر فطری فعل کو بھی مستوجب سزا قرار دیا گیا اس جرم کے مرتکب کو پچیس سال قید بامشقت سزائے موت تک یا جرمانہ اور کوڑوں کی سزا مقرر کی گئی۔

زکوٰۃ فنڈ ۱۰ فروری ۱۹۷۹ کو ملک میں زکوٰۃ فنڈ قائم کیا گیا۔ اس کے لیے صدر مملکت نے ۲۲۵ کروڑ روپے کی رقم مختص کی یہ رقم پاکستان کے برادر اسلامی ممالک سعودی عرب کے شاہ خالد، شہزادہ فہد اور متحدہ عرب امارات کے شیخ زید بن سلطان النہیان نے فراہم کی۔

زکوٰۃ و عشر صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۰ جون ۱۹۸۰ کو ملک میں زکوٰۃ وعشر کا آرڈیننس نافذ کیا۔ جس کے ذریعے حکومت کو اختیار دیا گیا کہ وہ بنکوں میں جمع شدہ رقوم پر ۲½ فیصد کے حساب سے زکوٰۃ کاٹ سکتی ہے۔

پہلے سال زکوٰۃ کی مد میں ۸۴ کروڑ روپے اکٹھے ہوئے۔ اور ملک بھر میں ۳۲۰۰۰ زکوٰۃ کمیٹیاں قائم کی گئیں۔ ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۰ کو اس میں ترمیم کی گئی تاکہ یہ قانون تمام پاکستانی مسلمانوں کے لیے قابل قبول ہو۔

زکوٰۃ فاؤنڈیشن فروری ۱۹۸۲ء میں وفاقی حکومت نے نیشنل زکوٰۃ فاؤنڈیشن قائم کی۔ اور ورکنگ کیپٹل کے طور پر دس کروڑ روپے مخصوص کئے اس ادارے کا قیام کا مقصد مستحقین زکوٰۃ کی تربیت ہے تاکہ وہ ہمیشہ زکوٰۃ پر انحصار نہ کریں۔ اس کا انتظام وفاقی وزیر خزانہ کی جانب سے مقرر کمیٹی چلاتی ہے۔

سیرت کانفرنسوں کا انعقاد

صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ملک میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے ہر سال باقاعدگی کے ساتھ سیرت کانفرنسوں کے انعقاد کا انتظام کیا۔ اس ضمن میں پہلی قومی سیرت کانفرنس ۲۰ فروری ۱۹۷۷ء کو، دوسری ۲۰ فروری ۱۹۷۸ء کو راولپنڈی میں تیسری ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء کو لاہور چوتھی ۲۱ جنوری ۱۹۸۰ء کو لاہور میں پانچویں ۱۹ جنوری ۱۹۸۱ء کو اسلام آباد میں چھٹی ۹ جنوری ۱۹۸۲ء کو اسلام آباد میں، ساتویں ۲۹ دسمبر ۱۹۸۲ء کو آٹھویں ۱۹ دسمبر ۱۹۸۳ء کو اسلام آباد میں، نویں دسمبر ۱۹۸۴ء میں اسلام آباد میں، ۲۶ نومبر ۱۹۸۵ء کو اسلام آباد میں اور پھر ۱۹۸۶ء میں منعقد ہوئیں۔

مشائخ کانفرنس

ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں ۲۲ ستمبر ۱۹۸۰ء کو اسلام آباد میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی صدارت میں مشائخ کانفرنس منعقد ہوئی کانفرنس میں ایک سو سے زائد مشائخ نے شرکت کی۔

یکم فروری ۱۹۸۵ء کو مشائخ کونسل قائم کی گئی۔

دینی مدارس

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کی ہدایت پر ۱۷ جنوری ۱۹۷۹ء کو ایک قومی کمیٹی کا قیام عمل میں آیا اس کمیٹی کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ ملک بھر میں دینی مدارس کی کارکردگی کا کلی جائزہ لے کر ان کی بہتری کے سلسلے میں صدر مملکت کو اپنی سفارشات پیش کرے۔

یہ کمیٹی اسلامی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر کی سربراہی میں قائم کی گئی اور اس میں ملک کے نامور دانشوروں، ماہرین تعلیم اور تمام مکاتب فکر کے علماء کو شامل کیا گیا۔ کمیٹی نے دینی مدارس کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے بعد صدر مملکت کو ۱۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو ایک رپورٹ پیش کی کمیٹی کی سفارشات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے صدر مملکت نے وزارت مذہبی امور کے سیکرٹری کی سربراہی میں ایک ذیلی کمیٹی قائم کی۔

ذیلی کمیٹی نے تمام سفارشات سے اتفاق کرتے ہوئے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کیں۔

۱۔ دینی مدارس کے سلیبس کی تیاری کا کام مدارس کی اپنی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے۔ میٹرک تک انگریزی کو لازمی قرار دیا جائے۔

۲۔ درجہ اعلیا (بی اے) کورس کی مدت چار سال ہو اور اسے دو حصوں میں تقسیم کیا جائے یعنی دو سال ایف اے کے لیے اور دو سال بی اے کے لیے۔

۳۔ قومی کمیٹی کی جانب سے نیشنل بورڈ کے قیام کی جو تجویز پیش کی گئی اس میں محکمہ تعلیم کے سیکرٹری کی سطح تک کے ایک نمائندے کو بھی شامل کیا جائے۔

۴۔ المقتدرہ العلماء کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جائے جو علماء مشائخ پر مشتمل ہو۔

۵۔ ایک اکیڈمک کونسل قائم کی جائے۔

۲۸ مارچ ۱۹۸۵ کو ان سفارشات کی روشنی میں علماء کا بورڈ تشکیل دیا گیا تاکہ وہ دینی مدارس کے معاملات کی دیکھ بھال کر سکے۔

اسلامی وزرائے خارجہ کا اجلاس

۲۷ جنوری ۱۹۸۰ء کو اسلام آباد میں مسلم وزراء خارجہ کا بارہواں اور غیر معمولی اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں اسلامی کانفرنس کے ۴۰ رکن ممالک میں سے ۳۶ نے حصہ لیا۔ اس کے علاوہ ۹ بین الاقوامی تنظیموں کے وفود نے بطور مبصر شرکت کی۔ کانفرنس کے اختتام پر کانفرنس کے اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل مسٹر قاسم ظہیری نے چالیس نکات پر مشتمل اعلامیہ جاری کیا جسے اعلان اسلام آباد کا نام دیا گیا۔

مشترکہ اعلان کے مطابق کانفرنس کا ایجنڈا دو نکات پر مشتمل تھا پہلی بات روسی جارحیت سے پیدا شدہ صورتحال اور دوسری بات بیت المقدس پر اسرائیل کا قبضہ اور فلسطینی عوام کا حق خود ارادیت تھا کانفرنس نے جو قراردادیں منظور کیں ان کی روشنی میں مندرجہ ذیل فیصلے ہوئے۔

۱۔ افغانستان پر روسی جارحیت کی مذمت کرتے ہوئے روسی فوج کی بلا تاخیر اور غیر مشروط واپسی کا مطالبہ کیا گیا۔

۲۔ کانفرنس میں شریک ممالک کو مشورہ دیا گیا کہ وہ افغانستان کی کٹھ پتلی غیر قانونی حکومت کو تسلیم نہ کریں اور اس سے تعلقات ختم کر دیں جب تک کٹھ پتلی حکومت موجود ہے وہاں کے عوام کی مرضی کے مطابق خود مختار حکومت قائم نہیں ہو جاتی افغانستان کی اسلامی کانفرنس کی رکنیت معطل کر دی گئی ہے۔

۳۔ مسلم ممالک کو مشورہ دیا گیا کہ وہ افغانستان پر روسی جارحیت کے نتیجے میں بے گھر ہونے والے مہاجرین کو جو پڑوسی ملک (پاکستان) میں پناہ گزین ہیں مالی امداد فراہم کریں۔ اس سلسلے میں ایک امدادی فنڈ قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا جس کی نگرانی تین ممالک پر مشتمل ایک کمیٹی کرے گی۔

۴۔ کانفرنس نے مسلم ممالک کو مشورہ دیا کہ وہ جولائی ۱۹۸۰ء میں ہونے والے ماسکو اولمپکس کا بائیکاٹ کر دیں۔

۵۔ کانفرنس میں اسلامی جمہوریہ ایران کے ساتھ یک جہتی کا اظہار کیا گیا اور ایران پر امریکہ اور دوسری طاقتوں کے دباؤ اور اقتصادی بائیکاٹ کرنے کی شدید مخالفت کی گئی اور بڑی طاقتوں کو انتباہ کیا گیا کہ وہ فوجی طاقت یا کسی اور طریقے سے برادر مسلم ملک پر دباؤ ڈالنے کی کوشش نہ کریں۔

۶۔ کانفرنس نے تمام مسلم ممالک سے فلسطینی عوام سے یکجہتی کی اپیل کرتے ہوئے اسرائیل اور مصر کے درمیان تعلقات کی بحالی کی مذمت کی اور تمام مسلم ملکوں کو مشورہ دیا گیا کہ عرب لیگ مصر کے بائیکاٹ کا فیصلہ کرے تو وہ اس پر عمل کریں۔

۷۔ شمالی افریقہ کے مسلم ملک صومالیہ کے خلاف روس کے جارحانہ اقدام کی مذمت کی گئی اور اس علاقہ سے تمام غیر ملکی اڈے ختم کرنے کا مطالبہ کیا گیا اور مسلم ممالک سے کہا گیا کہ وہ اریٹریا کے مسلم عوام کی جدوجہد آزادی کی حمایت کریں اور اس علاقہ کے مہاجرین کو مالی اور دیگر امداد فراہم کریں۔

جن ممالک نے شرکت کی اُن کے نام یہ ہیں۔ الجزائر، بنگلہ دیش، بحرین، ایران، انڈونیشیا، عراق، اردن، کویت، لبنان، لیبیا، کیمرون، کومورو، چاڈ، جزائر جیبوتی، گیبون، گیمبیا، مالدیپ، ملائشیا، مالی، موریطانیہ، مراکش، نائیجر، عمان، پاکستان، تنظیم آزادی فلسطین، قطر، سینی گال، صومالیہ، سوڈان، تونس، ترکی، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، یوگنڈا اور شمالی یمن۔

مبصرین:۔ نائیجیریا، قبرص، اسلامی ایوان تجارت، عالمی اسلامی نیوز ایجنسی، عرب لیگ، رابطہ عالم اسلامی، مسلمان نوجوانوں کی عالمی تنظیم ڈبلیو اے ایم وائی، ایف ایس اور یورپی اسلامی کونسل۔

ترجمان اسلام ۱۷ رمئی ۱۹۸۰ء کو اسلام آباد میں اسلامی ممالک کے وزراء خارجہ کا جو اجلاس منعقد ہوا تھا اُس میں متفقہ طور پر یہ طے پایا کہ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاالحق اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے ۳۵ ویں سالانہ اجلاس میں پورے عالم اسلام کے ترجمان کی حیثیت سے نمائندگی کریں۔

چنانچہ یکم اکتوبر ۱۹۸۰ کو صدر پاکستان جنرل محمد ضیاالحق نے عالم اسلام کے نمائندے کی حیثیت سے اقوام متحدہ سے خطاب کیا۔ اُن کے خطاب سے قبل اقوام متحدہ کی تاریخ میں پہلی بار قاری شاکر قاسمی نے سورہ الحج کی ۴۰ ویں اور ۴۱ ویں آیات کی تلاوت کی جس کا ترجمہ یہ ہے۔

" وہ لوگ جنہیں ظلم و ناانصافی کے ساتھ محض اس لیے ان کے گھروں سے نکالا گیا کہ وہ

کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے کیونکہ اللہ بعض کو بعض کے ذریعے دفع نہ کرتا تو عبادت گاہوں، مساجد اور ان تمام مکانوں کو یقیناً مسمار کر دیتے جہاں خدا کا نام لیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ یقیناً ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں اللہ بڑی قوت اور ہیبت والا ہے اللہ کے بندے وہ ہیں جنہیں اگر ہم جب زمین پر متمکن کریں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں اور انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"

صدر پاکستان نے اپنی تقریر کا آغاز اللہ کے نام اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیج کر کیا۔ صدر نے اردو میں تقریر کی صدر کی تقریر سننے کے لیے ۱۵۴ ممالک کے نمائندے موجود تھے صدر نے اپنی تقریر میں کہا کہ دنیا سے ظلم و ناانصافی کے تمام آثار مٹا دیئے جائیں کرہ ارض کے ماحول کو خراب نہ کیا جائے تاکہ آنے والی نسلیں ایسی دنیا کی وارث بنیں جو حسین بھی ہو اور امن کا گہوارہ بھی صدر نے اپنے خطاب میں افغانستان، مسئلہ فلسطین اور کشمیر کا بھی ذکر کیا اور اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مندرجہ ذیل آٹھ نکاتی منصوبے کا اعلان کیا۔

۱۔ پندرھویں صدی ہجری اور اکیسویں صدی عیسوی کے ساتھ ایسے عہد کی ابتدا ہو گی جس میں بین الاقوامی تعلقات، مختلف طاقتوں کی گروہ بندی کی بجائے اعلیٰ اخلاقی اصولوں کی بنیاد پر قائم کیے جائیں گے۔

۲۔ ہم عالمی اخوت کی بنیاد پر نیا انسانی معاشرہ قائم کریں گے۔

۳۔ نسل، رنگ، عقیدے اور جنس کی بنیاد پر تمام تعصبات ختم کر دیئے جائیں گے۔

۴۔ دنیا میں ظلم اور ناانصافی کے بچے کھچے آثار مٹا دیئے جائیں گے۔

۵۔ طاقت ور قومیں کمزور قوموں کو نہیں ستائیں گی اور دولت مند غریبوں پر دھونس نہیں جمائیں گے۔

۶۔ سائنسی علوم اور قدرتی وسائل کو اسلحہ کے حصول اور جنگ کی دوسری تیاریوں پر ضائع کرنے کی بجائے پوری نسل انسانی کی بھلائی کے منصفانہ بنیاد پر تقسیم کیا جائے گا۔

۷۔ اس کرہ ارض کے ماحول کو خراب نہیں کیا جائے گا تاکہ آنے والی نسلیں ایسی دنیا کی وارث بنیں جو حسین بھی اور جس پر اچھی زندگی بسر کی جا سکے جیسا کہ خالق نے اسے ہمارے لیے بنایا تھا۔

۸۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ قوموں کے درمیان امن کا دور دورہ ہو گا اور لوگ بھائی چارے کے ساتھ رہیں گے تاکہ بنی نوع انسان ہماری قیمتی تہذیب کو محفوظ رکھ سکے جس میں ہر نسل کا حصہ ہے اور سیاسی اقتصادی اور معاشرتی انصاف کی بنیاد پر ایسی عمدہ زندگی بسر کریں جس کے ہم

سب کو تمنا ہے لیکن جس تک ہماری رسائی نہیں ہے۔

صدر نے اپنی تقریر کے خاتمے پر والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے الفاظ کہے۔

وفاقی شرعی عدالت

۱۹۷۳ء کے آئین میں تمام موجودہ قوانین کو اسلامی احکام کے مطابق بنانے کا تذکرہ دفعہ ۲۲۷ میں موجود ہے جس میں کہا گیا کہ قرآن وسنت کے منافی کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔ آئین میں اس مقصد کے لیے ایک اسلامی نظریاتی کونسل کے قیام کو بھی ضروری قرار دیا گیا ہے اور آرٹیکل ۲۳۰ میں اس کے دائرہ کار کا تعین بھی کر دیا گیا ہے لیکن اس کے وظائف زیادہ تر مشاورتی سفارشاتی ہیں اس ادارے نے متعدد قوانین کا اسلامی نقطۂ نظر سے بھی جائزہ لیا اور سفارشات بھی مرتب کیں لیکن ان میں سے برائے نام سفارشات کو ہی قانون سازی کا حصہ بنایا گیا ۱۹۷۷ء میں صدر مملکت نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ سنبھالنے کے بعد کہا کہ ملک میں نظامِ اسلام کا نفاذ ان کی حکومت کیلئے اولین ترجیح رکھتا ہے۔

چنانچہ اسلامی نظام کے نفاذ کی رفتار کو تیز کرنے کے لیے ایک آئینی ترمیم کے ذریعے ہر ہائی کورٹ میں تین ججوں پر مشتمل ایک شریعت بنچ۔ اور سپریم کورٹ میں تین ججوں پر مشتمل ۲ دسمبر ۱۹۷۸ء کو شریعت اپیلیٹ بنچ قائم کی گئی۔ شریعت بنچوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ کسی بھی قانون بر استثنائے چند جو عارضی طور پر ان کے دائرہ اختیار سے بوجوہ باہر رکھے گئے کو کلاً یا جزواً قرآن سنت کے خلاف قرار دے سکتی ہے۔

شریعت بنچوں کے فیصلوں کو صدر مملکت سمیت ہر ایک کے لیے بندنی قرار دیا گیا البتہ حکومت سپریم کورٹ کی اپیلیٹ شریعت بنچ کے فیصلے کے خلاف اپیل کر سکتی تھی۔ ان فیصلوں کا اطلاق وفاقی حکومت، صدر مملکت صوبائی حکومتوں، گورنروں سب پر ہوتا تھا عدالت کے احکام پر عمل لازمی تھا اور ان کی حیثیت محض سفارش یا مشاورت کی نہیں تھی۔

حکومت کے اس اقدام کی اہمیت کے پیش نظر ہر ہائی کورٹ جس کی وجہ سے اعلیٰ عدالتوں کے باقی کاموں پر اثر پڑنے لگا اور شریعت بنچوں کے اپنے کام کی رفتار بھی وہ نہ رہ سکی جس کی ضرورت تھی چنانچہ ان دقتوں کے پیش نظر ۲۶ مئی ۱۹۸۰ء کو وفاقی شرعی عدالت قائم کی گئی جو صوبائی ہائی کورٹ سے ایک جج اور سپریم کورٹ کے جج کے مرتبے کے ایک چیئرمین پر مشتمل تھی شریعت بنچوں کا دائرہ کار واختیار وفاقی شرعی عدالت کو منتقل کر دیا گیا اور شریعت بنچوں میں جو مقدمات زیر سماعت تھے وہ بھی وفاقی شرعی عدالت کو منتقل کر دیئے گئے۔

قوانین حدود میں ترمیم کے ذریعہ حدود کے تحت قائم کردہ مقدمات کی سماعت کا اختیار سیشن ججوں کو دے دیا گیا جن کے فیصلوں کے خلاف اپیلوں کی سماعت وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار میں شامل کر دی گئی۔ وفاقی شرعی عدالت کے اپیل کی سماعت کے اختیارات کو زنا کے مقدمات میں حدود کی سزاؤں کے علاوہ تعزیز کی سزاؤں تک وسیع کیا گیا اور سیشن ججوں کی طرف سے نفاذ حدود [illegible] نمس کے تحت زنا کے مقدمات میں تعزیری سزاؤں کے خلاف اپیلوں کی سماعت بھی وفاقی شرعی عدالت میں ہونے لگی۔

۱۹۸۱ء میں ایک ترمیم کے ذریعے وفاقی شرعی عدالت کو نظر ثانی کے اختیارات بھی دیئے گئے اور اس کے چار جج ارکان میں تین علماء کا اضافہ کر کے وفاقی شرعی عدالت کے ججوں کی تعداد سات کر دی گئی۔ فروری ۱۹۸۲ء میں مزید ترمیمات کے ذریعے وفاقی شرعی عدالت کے اختیارات اور بڑھا دیئے گئے۔

وفاقی شرعی عدالت کے اختیارات

۱۔ آئین کی دفعہ ۲۰۳ ڈی میں ایک ترمیم کے ذریعے وفاقی عدالت کو اختیار دیا گیا کہ وہ نہ صرف پیش کردہ مقدمات کی سماعت کر سکتی ہے بلکہ خود اپنے صوابدید سے کسی بھی معاملہ کا خود جائزہ لے سکتی ہے۔

(ب) وفاقی شرعی عدالت کو نظر ثانی کا ایک نیا اختیار دیا گیا جس کے تحت وہ قوانین حدود کے نفاذ سے متعلق عدالتوں کے احکام اور فیصلوں کا خود اپنے صوابدید سے بغیر کسی کے اپیل کئے ہوئے جائزہ لے سکتی ہے اور کسی مجرم کی سزا میں اضافہ کر سکتی ہے۔

(ج) قوانین حدود کے سلسلے میں وفاقی شرعی عدالت کے اپیل کے اختیارات کو وسیع کر دیا گیا تاکہ وہ ایسے فیصلوں کے خلاف اپیل کی سماعت کر سکے جس میں خواہ حدود کے تحت خواہ تعزیر کے تحت دو سال یا اس سے زیادہ کی سزا دی گئی۔

۴۔ فوجداری مقدمات میں اپیل کی سماعت کا اختیار یا ابتدائی عدالتی نظر ثانی کا جو اختیار شریعت بنچوں کو دیا گیا تھا وہ بعد میں وفاقی شرعی عدالت کو دیا گیا تھا۔

وفاقی شرعی عدالت کا صدر دفتر اسلام آباد میں اور شاخیں تمام صوبائی دارالحکومتوں میں ہیں۔ وفاقی شرعی عدالت سپریم کورٹ ہی کا ایک حصہ ہے۔ مسٹر جسٹس صلاح الدین وفاقی شرعی عدالت کے پہلے چیف جسٹس تھے۔

وفاقی شرعی عدالت نے ملکی قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا کام ۳۱ مئی ۱۹۸۴ء تک مکمل کر لیا۔

خلفائے راشدین، اہلبیت اور صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کی سزا

حکومت پاکستان نے ۱۵ ستمبر ۱۹۸۰ء کو خلفائے راشدین اہلبیت اور صحابہ کرامؓ کی شان میں گستاخی کرنے کے سلسلے میں سزا دینے کے لیے آئین کی دفعہ ۲۹۸ میں ترمیم کر دی۔ جس کے تحت تین سال قید بامشقت یا جرمانہ یا دونوں سزائیں ایک ساتھ دینے کا اعلان کیا گیا۔ اس ضمن میں صدر مملکت نے ۱۷ ستمبر کو آرڈی ننس بھی نافذ کیا۔

ڈگری سطح پر اسلامیات اور مطالعہ پاکستان کی تعلیم

وفاقی حکومت نے ۲۹ جولائی کو تعلیمی اداروں میں بی اے اور بی ایس سی کی سطح تک اسلامیات اور مطالعہ پاکستان کو ضروری مضمون قرار دیا البتہ غیر مسلموں کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ اسلامیات کی بجائے اخلاقیات کا مضمون اپنے لیے منتخب کر لیں۔

تیسری اور چوتھی اسلامی سربراہ کانفرنس

۲۶ جنوری ۱۹۸۱ء کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے طائف میں منعقدہ تیسری اسلامی سربراہی کانفرنس میں شرکت کی اور ۶ نکاتی منصوبہ پیش کیا۔ نکات یہ ہیں۔

۱۔ مشرق مغرب سے علیحدہ تشخص (۲) اقتصادی تعاون کے لیے ڈھانچہ۔
۳۔ بھرپور سائنسی و فنی تعاون (۴) عالم اسلام کی اجتماعی سلامتی کا فروغ۔
(۵) اختلافات ختم کرنے کے لیے طریق کار (۶) ادب و ثقافت کا احیاء۔

چوتھی سربراہی کانفرنس جنوری ۱۹۸۴ میں مراکش کے شہر کیسابلانکا میں منعقد ہوئی اس میں بھی صدر ضیاء الحق نے شرکت کی۔ پانچویں اسلامی سربراہ کانفرنس جنوری ۱۹۸۷ء میں کویت میں ہوئی۔

اسلامی یونیورسٹی

اسلامی یونیورسٹی کے قیام کا اصولی فیصلہ مراکش میں اسلامی ممالک کے نمائندوں کے ایک اجلاس میں کیا گیا تھا اور اس بات پر اتفاق کیا گیا تھا کہ اسلامی یونیورسٹی پاکستان میں قائم کی جائے گی چنانچہ حکومتِ پاکستان نے اس سلسلے میں ضروری اقدامات کئے اور یکم محرم ۱۴۰۱ھ بمطابق ۱۰ نومبر ۱۹۸۰ء کو اسلامی یونیورسٹی آرڈی ننس

جاری کیا۔ آرڈی ننس کے ابتدائیہ میں بتایا گیا ہے کہ علوم اسلامیہ کا یہ ادارہ پاکستان میں اس لیے قائم کیا جا رہا ہے کہ دنیا بھر کے لوگ خاص طور سے عالم اسلام کے دانشور علوم اسلامیہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں۔ اس یونیورسٹی کا امتیاز یہ ہے کہ یہ ایک بین الاقوامی ادارہ ہے اور اگرچہ یہ پاکستان میں قائم کیا گیا ہے لیکن اس کا تعلق پوری ملت اسلامیہ سے ہے۔

اسلامی یونیورسٹی میں علوم اسلامیہ کے ساتھ ساتھ عمرانی اور طبیعی سائنس کے تمام مضامین میں اعلیٰ تعلیم اور تحقیق کی سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ یونیورسٹی کے تدریسی عملہ میں انتہائی لائق اور اعلیٰ تعلیم یافتہ پاکستانی اساتذہ کے علاوہ الازہر یونیورسٹی، قاہرہ یونیورسٹی، ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ، اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ، شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ اور محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض کے نہایت تجربہ کار اور لائق اساتذہ شامل ہیں۔

اسلامی یونیورسٹی کے آئینی سربراہ صدر مملکت اسلامی جمہوریہ پاکستان ہیں۔ اور بلحاظ عہدہ یونیورسٹی کے چانسلر ہیں وہ اپنی مدد کے لیے ایک ریکٹر کا تقرر کرتے ہیں۔

یونیورسٹی کا انتظامی اور تدریسی سربراہ وائس چانسلر ہے جس کا تقرر چانسلر کرتے ہیں۔ یونیورسٹی کے تدریسی اور انتظامی شعبے قریب قریب وہی ہیں جو کسی بھی جدید یونیورسٹی کے ہوتے ہیں مثلاً سینٹ، بورڈ آف ٹرسٹیز، اکیڈمک کونسل، بورڈ آف سٹیڈیز، سلیکشن بورڈ وغیرہ۔

اس وقت یونیورسٹی میں مندرجہ ذیل ادارے قائم ہیں۔

۱۔ کلیہ شریعہ وقانون

۲۔ شریعہ اور پیشہ قانون میں تربیت کا انسٹی ٹیوٹ۔

۳۔ کلیہ اصول دین و دعوۃ و قرأت۔

۴۔ کلیہ علوم عمرانی (اسکول آف اکنامکس)

۵۔ کلیۃ اللغات (شعبہ عربی و انگریزی)

۶۔ ادارہ تحقیقات اسلامی۔

۷۔ اسلامی یونیورسٹی کا ادارہ برائے اسلامی تاریخ و تہذیب و ثقافت۔

۱۔ کلیہ شریعہ و قانون میں تین سال کا تعلیمی و تحقیقی نصاب ہے جس میں داخلے کے لیے اسلامی یونیورسٹی سے شریعہ اور قانون میں ایل ایل بی کی ڈگری، عربی اور فقہ پر عبور یا فقہ میں تخصیص اور انگریزی پر عبور اور پاکستانی قوانین سے واقفیت لازمی ہے۔ یہاں ایل ایل بی (شریعہ اور قانون)

کا چار سالہ کورس بھی ہوتا ہے تعلیم کم از کم انٹر سیکنڈ ڈویژن ایل ایل بی آنرز کورس تین سال کا ہے اور بی اے ہونا ضروری ہے۔

قضائیں بھی ڈپلوما دیا جاتا ہے۔

۲۔ شریعہ اور پیشہ قانون میں تربیت کا انسٹی ٹیوٹ : اس ادارے میں سول افسروں کو دوران ملازمت تین ماہ کا کورس مکمل کرایا جاتا ہے۔

۳۔ کلیہ اصول دین و دعوت و قرات : (۱) اس میں ایم اے آنرز دعوۃ (تین سالہ کورس) (۲) بی اے آنرز چار سالہ کورس کرایا جاتا ہے۔

۴۔ کلیۃ علوم عمرانی :۔ اکنامکس میں بی ایس سی آنرز کا چار سالہ نصاب پڑھایا جاتا ہے۔

۵۔ کلیۃ اللغات : (عربی و انگریزی) اس میں عربی میں بی اے اور ایم اے کے نصاب شروع کئے گئے ہیں بی اے کا نصاب چار سال کا اور ایم اے کا دو سال کا ہے۔

۶۔ ادارہ تحقیقات اسلامی : یہ ۱۹۶۰ سے قائم ہے۔ اور اسے ۱۹۸۰ء میں اسلامی یونیورسٹی میں ضم کیا گیا ہے۔ صدر مملکت نے ۷ ارمارچ ۱۹۸۵ کو اسے بین الاقوامی یونیورسٹی کا درجہ دیا۔

احترام رمضان آرڈی ننس

صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ۳ر جولائی ۱۹۸۱ء کو احترام رمضان کے سلسلے میں احترام رمضان آرڈی ننس جاری کیا جس کے اہم نکات یہ ہیں۔

۱۔ اس آرڈی ننس کا نام احترام رمضان المبارک ہو گا۔

۲۔ پاکستان بھر میں فوری طور پر نافذ العمل ہو گا۔

۳۔ اگر مضمون یا متن میں کوئی اور بات اس کے برعکس درج نہ ہوئی تو آرڈی ننس کی رو سے سر عام یا عوامی جگہ یا مقام سے مراد ہوٹل، ریستوران، کینٹین، مکان، کمرہ، خیمہ، احاطہ، گلی، پل، سڑک وغیرہ اور دیگر ایسے مقامات لیے جائیں گے۔ جن تک عوام کی رسائی ہو۔

۴۔ ہر وہ شخص جو روزہ کو دین کا رکن سمجھتا اور اپنے آپ کو روزہ رکھنے کا پابند سمجھتا ہو وہ رمضان المبارک میں روزے کے اوقات میں سر عام کھانے پینے اور تمباکو نوشی سے باز و ممنوع رہے گا خلاف ورزی پر تین ماہ قید یا پانچ سو روپے جرمانہ یا دونوں سزاؤں کا مستوجب ہو گا۔

۵۔ ماہ رمضان میں دوران اوقات روزہ کسی عوامی جگہ یا مقام کا مالک مینیجر، ملازم انچارج کسی شخص

۵۔ کو کھانے پینے کی چیزیں نہ تو پیش کرے گا اور نہ پیش کرائے گا بصورت دیگر وہ اس سزا کا مستوجب ہوگا جس کا ذکر متذکرہ بالا پیرا ۲ میں کیا گیا ہے۔ تاہم ذیل کے مقامات اس حکم سے مستثنیٰ ہوں گے۔

(ا) وہ کچن یا کینٹین جو کسی ہسپتال میں مریضوں کی خورد و نوش کے لیے قائم ہوں۔

(ب) سٹال، ہتھ گاڑی، ریڑھی یا کھانے کی کوئی ایسی جگہ جو ریلوے اسٹیشن، بس سٹینڈ، بندرگاہ، ہوائی اڈے، ریل گاڑی، بحری جہاز یا ہوائی جہاز کے اندر ہو اور وہ کسی منظور شدہ ٹھیکیدار منتظم کی تحویل میں ہو۔

(ج) ریلوے گاڑی کا سفری کچن یا کھانے کا ڈبہ۔

(د) وہ کچن یا کینٹین جو کسی پرائمری سکول کے بچوں کے لیے قائم ہو۔

۶۔ ماہ رمضان میں تمام سینما گھر، تھیٹر اور اسی قسم کے تمام تفریحی ادارے اور دفاتر غروب آفتاب کے بعد تین گھنٹوں تک بند رہیں گے۔ اگر ان کے کسی مالک، منیجر، انچارج، ملازم یا کسی اور متعلق شخص نے خلاف ورزی کی تو وہ چھ ماہ قید یا پانچ ہزار روپے جرمانہ یا دونوں قسم کی سزاؤں کا مستوجب ہوگا۔

۷۔ اگر ذیل کے اصحاب میں سے کسی کو معقول شک ہو کہ کسی عوامی جگہ یا عام مقام یا سرراہ یا ان کے قریب آرڈیننس ہذا کے تحت کسی قابل گرفت جرم کا ارتکاب ہو رہا ہے تو وہ وہاں داخل ہو کر ملازم یا ملزموں کو گرفتار کر سکے گا۔

(ا) مجسٹریٹ

(ب) ڈسٹرکٹ کونسل یا میونسپل کمیٹی یا ٹاؤن کمیٹی کا صدر۔

(ج) میونسپل کارپوریشن کا صدر۔

(د) ضلع زکوٰۃ و عشر کمیٹی کا صدر یا ممبر۔

۸۔ اگر گرفتاری مجسٹریٹ نے کی تو وہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۲۱۰ کے تحت سرسری سماعت کرنے کا مجاز بھی ہوگا تو وہ ملزم یا ملزموں کے خلاف زیر دفعہ ۲۶۵ موقع پر مناسب کارروائی کر کے فیصلہ سنا دے گا۔

۹۔ اگر گرفتاری مجسٹریٹ کے علاوہ اور کسی صاحب اختیار نے کی تو وہ صاحب اختیار مقدمے کی تحریری رپورٹ بمعہ ملزم متعلقہ تھانے کے حوالے کر دے گا تاہم اسے اختیار ہوگا کہ وہ

ملزم کو تسلی بخش مچلکہ داخل کرنے پر تا فیصلہ مقدمہ رہا کر دے۔

۱۰۔ اس آرڈی ننس کے تحت ہونے والے جسرائم میں صرف ذیل کے اصحاب مداخلت کر سکیں گے۔

(i) وہ مجسٹریٹ جسے سرسری سماعت کے مقدمہ کے اختیارات حاصل ہوں۔

(ii) وہ عوامی نمائندے اور آفیسر جن کا ذکر پیرا گراف شق ۹ تا ۱۰ میں کیا گیا ہے۔

(iii) وہ انچارج تھانہ جس کی حدود میں جرم کا ارتکاب ہوا ہو۔

۱۱۔ ہر وہ مجسٹریٹ جسے ضابطۂ فوجداری دفعہ ۲۶۰ الف کے تحت سرسری سماعت کے مقدمے کا اختیار ہوگا وہ اس آرڈی ننس کے مقدمات کی سماعت زیر دفعات ۲۶۴، ۲۶۵ ضابطہ فوجداری کر سکے گا۔

۱۲۔ اگر کسی با اختیار افسر یا متذکرہ عوامی نمائندے نے ملزم کو تھانہ کے سپرد کیا تو انچارج کیلئے ضروری ہوگا کہ وہ ملزم اور چالان کو چوبیس گھنٹے کے اندر اندر مجسٹریٹ کے ہاں پیش کرے۔

۱۳۔ ایسے مقدمات کی سماعت ترجیحی بنیادوں پر ہوگی اور حتی الامکان ان کا فیصلہ جلد از جلد مکمل کیا جائے گا۔

۱۴۔ اس آرڈی ننس کے مندرجات کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر اور اس کے مقاصد کو پورا کرنے کیلئے وفاقی حکومت مناسب قواعد وضوابط مرتب کرے گی ان کی خلاف ورزی بھی قابل تعزیر ہوگی۔

۱۵۔ اس آرڈی ننس کو احترام رمضان المبارک کے دیگر قوانین پر فوقیت حاصل ہوگی۔

مجلس شوریٰ کا نظام

صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے حکومت اور عوام کے درمیان موثر رابطے کی غرض سے ۲۴ دسمبر ۱۹۸۱ء کو راولپنڈی میں مجلس شوریٰ کے قیام کا اعلان کیا اور اس ضمن میں صدر نے کہا کہ وفاقی کونسل کی تشکیل کے پیچھے یہ جذبہ کار فرما ہے کہ جب تک باقاعدہ انتخابات کے ذریعے ایک پارلیمنٹ یا قومی اسمبلی وجود میں نہیں آتی زیادہ سے زیادہ خواتین و حضرات کو امور مملکت میں شریک کرنے کے لیے ایک ادارہ بنایا جائے۔

مجلس شوریٰ کے قیام کے سلسلے میں، جو آرڈی ننس جاری کیا گیا تھا اُس میں وفاقی کونسل کی تشکیل، دائرہ کار اور اختیارات کا تعین کیا گیا تھا۔ مجلس شوریٰ کے چند غور طلب پہلو یہ تھے۔

۱۔ وفاقی کونسل کے کل ارکان کی تعداد ۳۵۰ مقرر کی گئی جن میں سے دو سو ستاسی ارکان کا اعلان کر دیا گیا۔

۲۔ تمام وفاقی وزرا اور وزراء مملکت کو بہ لحاظ عہدہ وفاقی کونسل کا رکن مقرر کیا گیا۔

۳۔ کونسل میں شامل سیاسی شخصیتوں کو ان کی ذاتی حیثیت میں لیا گیا تھا۔

۴۔ کونسل کے ارکان میں نے صدر مملکت کو کونسل کے چیئرمین کی تقرری کا اختیار دیا۔

۵۔ کونسل کے ہر اجلاس کے لیے ہر صوبے کے ارکان سے ایک ایک وائس چیئرمین لیا گیا جن کا تقرر کونسل کے چیئرمین صدر مملکت کی منظوری سے کرتے۔

۶۔ کونسل کے چیئرمین، وائس چیئرمین اور ارکان کا رتبہ یا درجہ وہی مقرر کیا گیا تھا جو قومی اسمبلی کے اسپیکر، ڈپٹی سپیکر اور ممبران کا ہوتا۔

۷۔ کونسل کو صدر مملکت کی ہدایت پر یا از خود پانچسالہ ترقیاتی منصوبے اور سالانہ بجٹ سمیت تمام قومی مسائل پر بحث کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔

۸۔ کونسل کو نیا قانون بنانے یا کسی قانون میں ترمیم کرنے کی سفارش کرنے کا اختیار دیا گیا۔

۹۔ کونسل کے ہر رکن کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ مقررہ طریقہ کار کے مطابق متعلقہ وزیر یا وزیر مملکت سے ان کی وزارت سے متعلق سوالات پوچھ سکتا تھا۔

۱۰۔ مختلف وزارتوں کے ساتھ کام کرنے والی مشاورتی کمیٹیوں میں وفاقی کونسل کے ارکان کو مناسب نمائندگی دینے کا وعدہ کیا گیا۔

۱۱۔ کونسل کے ارکان کو اسمبلی ہال میں آزادی تقریر اور وفاقی کونسل کے اجلاس سے پہلے امتناعی حراست سے استثنیٰ کے بارے میں وہی مراعات حاصل تھیں جو قومی اسمبلی کے ممبران کو حاصل رہیں۔

۱۲۔ کسی رکن کو کونسل کی رکنیت سے استعفیٰ دینے کا اختیار دیا گیا تھا۔

۱۳۔ کونسل کا اجلاس بلانے اور ملتوی کرنے کا حق صرف صدر مملکت کو دیا گیا۔

مجلس شوریٰ کے فرائض

۱۔ ملک میں نفاذِ اسلام کے عمل کو تیز تر کرنے میں حکومت کی مدد کرنا اور ایسے اقدامات کی سفارش کرنا جن پر کاربند ہو کر اسلامی معاشرے کے قیام کے بارے میں عوام کی توقعات پوری کی جا سکیں۔

۲۔ ملک میں ایسا ماحول اور ایسے حالات پیدا کرنا کہ کسی قسم کے بحران سے دو چار ہوئے بغیر وطن عزیز جلد از جلد اپنی اسلامی جمہوری منزل سے ہم کنار ہو سکے۔

علماء کنونشن

ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں سفارشات پیش کرنے کی غرض سے صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۱ر اگست ۱۹۸۲ء کو اسلام آباد میں علماء کنونشن کا افتتاح کیا۔

ملک کی ۳۲ سالہ تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی سربراہ مملکت کی دعوت پر ملک کے چیدہ چیدہ اور برگزیدہ علماء، خطیب، مفکر اور مذہبی دانشور ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہوئے کونشن کے مقررین سے یہ درخواست بھی کی گئی کہ وہ نفاذِ اسلام کے صرف تین پہلوؤں پر اظہار خیال کریں تاکہ بات کو بآسانی سمیٹا جا سکے اور کسی نتیجے پر پہنچا جا سکے۔ ان تین پہلوؤں کو تین سوالوں کی شکل دی گئی جو یہ ہیں۔

۱۔ آپ کے خیال میں نافذ شدہ شرعی قوانین کو موثر بنانے کیلئے کیا اقدامات کئے جا سکتے ہیں۔

۲۔ زکوٰۃ اور عشر کے قانون کو کس طرح بہتر بنایا جا سکتا ہے۔؟

۳۔ نفاذ شریعت میں فقہی مسائل کو کیسے حل کیا جا سکتا ہے۔؟

کونشن کی مختلف تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے چھ کمیٹیوں کے قیام کا اعلان کیا گیا کمیٹیوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ تبلیغی اور ابلاغ عامہ کی کمیٹی: یہ کمیٹی اندرون ملک اور بیرون ملک تبلیغی پروگرام مرتب کرے گی۔

۲۔ تعلیمی کمیٹی: یہ کمیٹی اسلامی نظام تعلیم کی تدوین اور ترویج کے لیے رپورٹ مرتب کرے گی اور موجودہ نظام تعلیم کی تدوین اور ترویج کے لیے رپورٹ تیار کرے گی۔

۳۔ نفاذِ اسلام کمیٹی: یہ کمیٹی نفاذ اسلام کے عمل کی نگرانی کرے گی اور مناسب اقدامات کی نشاندہی کرے گی۔

۴۔ معاشیات کمیٹی: یہ کمیٹی بلاسود معاشی نظام قائم کرنے میں مدد دے گی۔

۵۔ قانونی اور سماجی کمیٹی: یہ کمیٹی اسلامی نظام عدل قائم کرنے میں حکومت کی مدد کرے گی۔ اس کے علاوہ سماجی برائیوں کی نشاندہی کرے گی اور ان کے قلع قمع کے لیے اقدامات تجویز کرے گی۔

۶۔ تنظیم مساجد کمیٹی: یہ کمیٹی مساجد کی بہتر تنظیم کے متعلق رپورٹ تیار کرے گی۔

ان تمام کمیٹیوں سے کہا گیا کہ وہ تین ماہ کے اندر اپنی رپورٹ پیش کریں ان کمیٹیوں کا دائرہ کار متعین کرنے کے لیے ایک کوئنگ کمیٹی قائم کی گئی جس کے ارکان یہ تھے۔

(۱) مولانا سید محمود احمد رضوی (۲) مولانا پیر کرم شاہ صاحب (۳) مولانا عبید اللہ۔ (۴) مولانا عبد القادر آزاد صاحب (۵) علامہ احسان الٰہی ظہیر (۶) جسٹس ریٹائرڈ جمیل حسین رضوی اور (۷) وزارت مذہبی امور کے سیکرٹری۔

ان کمیٹیوں کی سفارشات کا جائزہ لینے کے لیے علماء کا ایک بورڈ بھی قائم کیا گیا جس کے ارکان کے نام یہ تھے۔

(۱) محمود احمد رضوی (۲) پیر کرم شاہ (۳) ابو نصر منظور احمد صاحب (۴) مولانا عبید اللہ صاحب (۵) مولانا عبد القادر آزاد (۶) مفتی سیاح الدین کاکاخیل (۷) علامہ احسان الٰہی ظہیر صاحب، (۸) علامہ عبد القادر روپڑی (۹) مولانا شبیر الحسن محمدی (۱۰) مسٹر جسٹس جمیل حسین رضوی " (۱۱) علامہ رحمت اللہ ارشد (۱۲) بریگیڈیر گلزار احمد (۱۳) مولانا محمد بخش مسلم (۱۴) مولانا غلام علی صاحب (۱۵) مولانا یوسف قریشی صاحب۔

وفاقی محتسب

احتساب اسلامی نظام کا اہم حصہ ہے جس کا مقصد مساوات، انصاف اور قانون کی حکمرانی قائم کرنا اور تمام شہریوں سے اچھا سلوک کرنا ہے تاکہ انتظامیہ کی زیادتیوں کے خلاف عوام کے حقوق کا تحفظ ہو سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ۲۴ جون ۱۹۸۱ء کو صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنی نشری تقریر میں ملک میں وفاقی محتسب کے ادارے کے قیام کا اعلان کیا اس ضمن میں انہوں نے ۱۸ اگست ۱۹۸۳ کو وفاقی محتسب کے ادارے کے قیام کے لیے صدارتی فرمان جاری کیا۔ یہ ادارہ انتظامی جوابدہی کو باقاعدہ شکل دینے کے مقصد سے قائم کیا گیا ہے اور گزشتہ چار سال کے عرصہ میں اس نے اپنی کارکردگی کی بنیاد پر عوام کا گہرا اعتماد حاصل کر لیا ہے انتظامیہ کی جواب دہی کا یہ ادارہ حسبہ کے اسلامی تصور کی عملی شکل ہے اور اس کے ذریعے انتظامیہ کے احتساب کی ضمانت کا ایک مؤثر نظام مستحکم بنیادوں پر قائم کیا گیا ہے اس ادارے کے قیام میں خلفائے راشدین کی روایات اور ان کے قائم کردہ اداروں مثلاً محکمہ ناظر المظالم کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور جدید معاشروں مثلاً سکنڈے نیویا کے ممالک میں اومبڈسمین کے اداروں کو بھی سامنے رکھا گیا ہے۔

وفاقی محتسب کی طرح کے ادارے کے قیام کی سفارش پہلے بھی کی جاتی رہی لیکن اسے عملی شکل دینے میں صدر ضیاء الحق نے اہم کردار ادا کیا۔

وفاقی محتسب کا عہدہ غیر جانبدار اور غیر سیاسی ہے اس عہدے کی میعاد چار سال مقرر ہے اور اس میعاد کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔

اختیارات

وفاقی محتسب کا ادارہ احتساب سے زیادہ داد رسی کا ادارہ ہے کوئی بھی شہری جو کسی سرکاری محکمے، ادارے یا کسی افسر کے فیصلے، حکم، کارروائی یا اس کے فقدان کے سبب متاثر ہوا ہے سادہ کاغذ پر چند سطریں لکھ کر اور اسے سپرد ڈاک کر کے وفاقی

محتسب کے ادارے کو حرکت میں لاسکتا ہے جسے شہریوں کی دادرسی اور شکایات کے ازالے کے لیے وسیع اختیارات حاصل ہیں۔ وفاقی محتسب صرف بلا قانونی جواز کے کی گئی کارروائیوں کے خلاف نہیں بلکہ اُن کارروائیوں کے خلاف بھی شکایات پر کارروائی کرسکتا ہے جہاں قانونی جواز کی بجائے غفلت، بے توجہی، تاخیر، نااہلی اور نالائقی سے کام لیا گیا ہو یا صوابدید کے اختیارات کو مناسب طریقے سے استعمال نہ کیا گیا ہو۔

وفاقی محتسب کے ادارے کی کارگزاری اور اس ادارے پر لوگوں سے بڑھتے ہوئے اعتماد کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگست ۱۹۸۳ میں قیام کے بعد سے ۳۱ دسمبر ۱۹۸۴ء تک کے مختصر عرصے میں چھوٹی بڑی ۴۶ ہزار درخواستیں اور شکائتیں وفاقی محتسب کے دفتر کو وصول ہوئیں ان میں سے تقریباً ساڑھے بائیس ہزار درخواستیں وفاقی ایجنسیوں کے خلاف تھیں اور کوئی ساڑھے تیس ہزار کا تعلق صوبائی محکموں یا پرائیویٹ پارٹیوں سے تھا۔ آخر الذکر قسم کی درخواستیں چونکہ وفاقی محتسب کے دائرہ کار میں نہیں آتیں اس لیے ان پر مزید کارروائی نہیں کی گئی۔ لیکن انہیں ضائع بھی نہیں کیا جاتا بلکہ درخواستیں متعلقہ صوبائی حکومت کو بھیج دی جاتی ہیں اور بعض اوقات ضوابط اور طریقہ کار سے ہٹ کر درخواست گزار کی مدد ممکن ہو تو اس سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔

وفاقی محتسب کے ادارے نے کام کی افراط اور انتہائی محدود عملے کے باوجود ۲۲ دسمبر ۱۹۸۶ تک ایک لاکھ ۲۲ ہزار شکایات نمٹائیں۔

قادیانیوں سے متعلق صدارتی آرڈی ننس

۲۷ اپریل ۱۹۸۴ء کو صدر مملکت نے قادیانیوں کے خلاف اسلام سرگرمیوں کے ارتکاب کو روکنے کے لیے قانون میں ترمیم کا آرڈی ننس جاری کیا۔ جس کا متن یہ ہے۔

۱۔ (الف) اس آرڈی ننس کا نام قادیانی گروہ، لاہوری گروہ اور احمدیوں کا خلافِ اسلام سرگرمیوں کا ارتکاب، ممانعت و سزا آرڈی ننس ۱۹۸۴ء ہوگا۔

(ب) یہ فوری طور پر نافذ العمل ہوگا۔

۲۔ عدالتوں کے احکام اور فیصلوں کے استرداد کا آرڈی ننس، اس آرڈی ننس کی دفعات/عدالتوں کے احکام اور فیصلوں کے علی الرغم نافذ ہوں گی۔

۳۔ مجموعہ تعزیرات پاکستان (قانون ۴۵، بابت ۱۸۶۰) میں نئی وضاحت ۲۹۸ ب اور ۲۹۸ ج کا اضافہ

مجموعہ تعزیرات پاکستان (قانون ۱۴ بابت ۱۸۶۰) کے باب ۱۵ میں دفعہ ۲۹۸ و کے بعد حسب ذیل نئی دفعات کا اضافہ کیا جائے گا۔ ۲۹۸ ب بعض مقدس ہستیوں اور متبرک مقامات کے لیے مخصوص القاب و آداب وغیرہ کا غلط استعمال۔

قادیانی گروہ یا لاہوری گروہ (جو اپنے آپ کو احمدی یا کسی اور نام سے موسوم کرتے ہیں) کا جو شخص کسی تقریر، تحریر یا واضح علامت کے ذریعے سے۔

(و) رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی خلیفہ یا صحابی کے سوا کسی اور شخص کو امیر المومنین، خلیفۃ المومنین، خلیفۃ المسلمین، صحابی یا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(ب) رسول پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افراد و خاندان (اہل بیت) کے سوا کسی اور کو اہل بیت کہتا ہو۔

(ج) اپنی عبادت گاہ کو مسجد کے نام سے پکارے گا یا اس کا حوالہ دے گا وہ تین سال تک کی قید (کسی قسم) اور جرمانے کی سزا کا مستوجب ہو گا۔

۲۔ قادیانی گروہ یا لاہوری گروہ جو اپنے آپ کو احمدی یا کسی اور نام سے موسوم کرتے ہیں کا جو شخص تقریر و تحریر یا واضح علامت کے ذریعے سے اپنے عقیدے کے مطابق عبادت کے لیے بلانے کے طریقے یا شکل کو اذان سے موسوم کرے گا یا مسلمانوں کے طریقے کے مطابق اذان کہے گا وہ تین سال تک کی قید (کسی قسم) کی سزا نیز جرمانے کا مستوجب ہو گا۔

۲۹۸ ج۔ قادیانی گروہ وغیرہ کا اپنے آپ کو مسلم کہلانے، اپنے عقیدے کی تبلیغ کرنے یا نشر و اشاعت کرنے والا شخص قادیانی گروہ یا لاہوری گروہ (جو اپنے آپ کو احمدی یا کسی اور نام سے موسوم کرتے ہیں) کا جو شخص اپنے آپ کو بلاواسطہ یا بالواسطہ مسلم کہلاتا ہے یا اپنے عقیدے کو اسلام کہتا یا ظاہر کرتا ہے یا دوسروں کو تقریر، تحریر یا واضح علامت یا کسی بھی اور طریقے سے اپنے عقیدے کی دعوت دیتا اور مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرتا ہے وہ تین سال تک کی قید (کسی قسم) کی سزا نیز جرمانے کا مستوجب ہو گا۔

(۷) قادیانیوں کی اسلام سے منافی سرگرمیوں کی روک تھام کے لیے صدر مملکت نے جو آرڈیننس ۲۷ اپریل ۱۹۸۴ کو نافذ کیا اس ضمن میں ملک بھر میں ۱۱ مئی ۱۹۸۴ء کو یوم تشکر منایا گیا۔

(۸) **قانون شہادت** صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے ملک میں اسلامی نظام عدل کے نفاذ کے لیے مجلس شوریٰ کی سیلکٹ کمیٹی کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ قانون شہادت

کو قرآن و سنت کے مطابق بنانے کے لیے حتمی سفارشات پیش کرے چنانچہ ۲۳ جنوری ۱۹۸۳ء کو مجلس شوریٰ کی سلیکٹ کمیٹی نے اپنی سفارشات صدر کو پیش کیں، ۲۷ فروری ۱۹۸۳ء کو مجلس شوریٰ نے قانون شہادت کے نظر ثانی شدہ مسودے پر بحث کی اور ۲ مارچ ۱۹۸۳ء کو اس کی ۱۶۱ شقوں کی منظوری دی پھر وفاقی مجلس شوریٰ میں شق وار اس پر بحث ہوئی بالآخر ۲ مارچ کو متفقہ طور پر منظوری دی جسے صدر پاکستان نے ایک حکم کے ذریعے ۱۸ اگست ۱۹۸۴ء کو ملک بھر میں نافذ کر دیا۔

قاضی عدالتوں کا قیام

ابتداء میں وفاقی مجلس شوریٰ نے قاضی عدالتوں کے قیام کے لیے ۲۰ فروری ۱۹۸۳ء کو مسودہ قانون کی منظوری دی اور ازاں بعد وفاقی کابینہ نے اصولی طور پر ۱۸ اگست ۱۹۸۴ء کو اسے منظور کر لیا۔ چنانچہ صدر مملکت نے ۱۷ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو قاضی عدالتوں کے قیام کا اعلان کیا۔ قاضیوں کا تقرر تین ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی کرتی ہے اس میں وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس اور سپریم کورٹ کے شریعت بنچ کے دو جج شامل ہوتے ہیں۔

نظام صلوٰۃ کا نفاذ

۱۲ اگست ۱۹۸۴ء کو صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے نظام صلوٰۃ کے قیام کے سلسلے میں یہ ہدایت نامہ جاری کیا۔

السلام علیکم: آپ نظریہ پاکستان اور اس کے تقاضوں سے بھی واقف ہیں اور ان کوششوں سے پوری طرح آگاہ ہیں جو اس نظریے کے عملی تقاضے پورا کرنے کے لیے پچھلے سات سالوں سے کی جا رہی ہیں۔ اب ہم اللہ تعالیٰ کے ایک اور حکم یعنی اقامت صلوٰۃ کی طرف قدم اٹھا رہے ہیں کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ جب تک گلی گلی، قریہ قریہ اور گاؤں گاؤں اقامت صلوٰۃ کا اہتمام نہیں ہوگا۔ نظام اسلام کے مقاصد صحیح طور پر حاصل نہیں ہو سکیں گے مجھے آپ کو یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ اقامت صلوٰۃ وہ واحد رکن دین ہے جس کی قرآن حکیم میں سب سے زیادہ تاکید کی گئی ہے اور اس کا اہتمام کرنا حکومت وقت کے فرائض میں شامل ہے لہٰذا اس کار خیر سے تحریک کا آغاز کیا جا رہا ہے تاکہ ملک کے شہروں، دیہاتوں، قصبوں، گلی کوچوں، بنگلوں، جھونپڑیوں، غرضیکہ ہر جگہ بسنے والے مسلمانوں کو باقاعدہ پنجگانہ نماز پڑھنے کی ترغیب دی جائے اور ترغیب و تلقین کا کام اللہ کے ان بندوں کو سونپا جائے جو خود پنجگانہ نماز کے پابند ہیں نیک شہرت رکھتے ہیں اور اپنے علاقے میں خدمت دین کے لیے تیار ہیں۔ ان نیکوکار پابند صوم و صلوٰۃ افراد کو ناظم صلوٰۃ کا نام دیا گیا ہے اور ان کا اعزازی تقرر ہر محلے اور ہر گاؤں میں کیا جا رہا ہے۔

ان دیندار افراد کا واحد اور اہم ترین فرض یہ ہوگا کہ وہ اپنے محلے یا گاؤں میں لوگوں کو پنجگانہ نماز ادا کرنے کی ترغیب دیں اور جب مؤذن مسجد سے حیی علی الصلوٰۃ اور حیی علی الفلاح یعنی نماز کی طرف آیئے نجات کی طرف آیئے کی صدا بلند کرے تو اس بلاوے میں مؤذن کی آواز تنہا نہ ہو بلکہ ہماری یہ خواہش ہے کہ مؤذن کے الفاظ اس محلے کے ہر فرد کی زبان پر ہوں اور ہر طرف سے بے ساختہ اور والہانہ طور پر حیی علی الصلوٰۃ، حیی علی الفلاح کی روح پرور صدائیں بلند ہونے لگیں اور سننے والوں کے دلوں میں ایسا ولولہ پیدا ہو جائے کہ نماز کے وقت کسی کا گھر بیٹھے رہنا ناممکن ہو جائے اس طرح اقامت صلوٰۃ کی تحریک چلا کر ہم ملک میں قابلِ رشک فضا پیدا کر سکتے ہیں چونکہ یہ کام سراسر دینی ہے اور اس کی ابتداء صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے کی جا رہی ہے اس لیے بظاہر دشواریوں کے باوجود انشاء اللہ اس میں کامیابی ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے کاموں میں ہمیشہ برکت دیتا ہے اس عظیم مقصد کے لیے میں سب سے تعاون کی اپیل کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ اپنے ناظم صلوٰۃ کے ساتھ مل کر زیادہ سے زیادہ لوگوں کو نماز باجماعت ادا کرنے کی ترغیب دیں گے اور انشاء اللہ وہ وقت دور نہیں جب پاکستانی باشندے جن کے دلوں میں پہلے ہی حُبِ دین موجود ہے جوق در جوق مسجدوں کا رخ کریں گے باجماعت پانچ نمازیں ادا کریں گے اور اس مملکت خداداد کو صحیح معنوں میں اسلامی مملکت کا قابل رشک نمونہ بنا دیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ وہ نفاذِ اسلام کے دوسرے پروگراموں کی طرح نظام صلوٰۃ کی تحریک میں بھی برکت دے اور اسے کامیاب بنا دے۔ (آمین)

صدارتی ریفرنڈم کا اعلان

یکم دسمبر ۱۹۸۴ء بمطابق ۷ ربیع الاوّل ۱۴۰۵ھ کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اعلان کیا کہ صدارتی ریفرنڈم ۱۹ دسمبر کو منعقد ہوگا اس ضمن میں صدر نے کہا کہ ریفرنڈم کے دن عوام سے یہ سوال پوچھا جائے گا کہ

"کیا آپ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے اس عمل کی تائید کرتے ہیں جو انہوں نے پاکستان کے قوانین کو قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مطابق اسلامی احکامات سے ہم آہنگ کرنے اور نظریۂ پاکستان کے تحفظ کے لیے شروع کیا ہے اور کیا آپ اس عمل کو جاری رکھنے، مزید سنوارنے، مزید استوار کرنے اور منظم اور پُرامن طریقہ سے اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو منتقل کرنے کی حمایت کرتے ہیں۔"

صدر نے اپنے اعلان کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے یہ

فیصلہ دینا ہے کہ

۱۔ کیا آپ موجودہ حکومت کی پالیسیوں کی تائید کرتے ہیں۔
۲۔ کیا آپ نظریۂ پاکستان پر یقین رکھتے ہیں اور اس کے تحفظ کے خواہاں ہیں۔
۳۔ کیا آپ نفاذِ اسلام کے عمل کی حمایت کرتے ہیں۔
۴۔ کیا آپ اس عمل کو تیز کرنے اور مستحکم بنانے کے حق میں ہیں۔
۵۔ کیا آپ ۱۲ اگست ۱۹۸۳ کے اعلان کردہ پروگرام کی حمایت کرتے ہیں۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ اس پروگرام کے تحت ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ تک انتخابات مکمل کروائے جائیں گے اور ملکی سلامتی کو خطرے میں ڈالے بغیر اقتدار پُرامن اور منظم طریقے سے عوام کے منتخب نمائندوں کے سپرد کر دیا جائے۔

ریفرنڈم کے بائیکاٹ پر اکسانے کی سزا

صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ریفرنڈم کے بائیکاٹ پر اکسانے کے سلسلے میں ۵ دسمبر ۱۹۸۴ کو تعزیرات پاکستان، عوامی نمائندگی کے ایکٹ اور سینٹ نوٹیفکیشن ایکٹ میں ترمیم کیلئے تین آرڈی ننس جاری کیے۔

ایک آرڈی ننس کے ذریعے ضابطہ تعزیرات پاکستان میں ایک نئی شق شامل کی گئی جس کے تحت کسی شخص کو انتخابات یا ریفرنڈم میں حصہ نہ لینے یا بائیکاٹ کرنے یا ووٹ نہ ڈالنے پر اکسانا قابل سزا جرم قرار دیا گیا۔ اور اس کے مرتکب شخص کے لیے تین سال قید یا پانچ ہزار روپے جرمانہ یا دونوں سزائیں دینے کا اعلان کیا گیا۔ دوسری دو ترامیم میں کہا گیا تھا کہ جو شخص ضابطہ تعزیرات پاکستان کی نئی شق کے تحت جرم کا ارتکاب کرے گا وہ سات سال تک قومی اسمبلی، صوبائی اسمبلی یا سینٹ کا رکن بننے کے لیے نااہل قرار دے دیا جائے گا۔

ریفرنڈم کے اعلان کے ساتھ ہی صدر مملکت نے پورے ملک کا دورہ کیا وہ جہاں بھی گئے عوام کی کثیر تعداد نے اُن کا شاندار خیر مقدم کیا اور ان پالیسیوں کی حمایت کی جو انہوں نے عوام کی فلاح و بہبود اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے اپنائی ہیں۔

صدارتی ریفرنڈم کے نتائج

۱۹ دسمبر کو ملک بھر میں پُرامن ماحول میں صدارتی ریفرنڈم منعقد ہوا۔ ریفرنڈم کے نتائج کا اعلان ۲۰ دسمبر کو چیف الیکشن کمشنر جسٹس ایس اے نصرت نے کیا۔

ریفرنڈم کے نتائج حسب ذیل تھے۔

۱۔ رجسٹرڈ ووٹوں کی کل تعداد ۳,۴۹,۹۲,۴۲۵

۲۔ "ہاں" کے حق میں ڈالے گئے ووٹوں کی کل تعداد ۲,۱۲,۵۳,۷۵۷

۳۔ "نہیں" کے حق میں ڈالے گئے ووٹوں کی کل تعداد ۳,۱۶,۹۱۸

۴۔ مسترد شدہ ووٹوں کی کل تعداد ۱,۸۰,۲۲۶

۵۔ ریفرنڈم میں ڈالے گئے ووٹوں کی کل تعداد ۲,۱۷,۵۰,۹۰۱

۶۔ ہاں کے حق میں ڈالے گئے ووٹوں کی شرح فیصد ۹۷,۷۱ فیصد

بلاسود بنکاری ملک کے اقتصادی نظام کو سود کی لعنت سے پاک کرنے کے لیے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے ۱۰ فروری ۱۹۷۹ کو بعض اقدامات کی وضاحت کی پھر وزیر خزانہ نے بلاسود بنکاری کی طرف بتدریج پیش رفت کے پروگرام کا اعلان کیا (۲۱ جون ۱۹۸۰) ۳۱ دسمبر ۱۹۸۴ کو اعلان کیا گیا کہ ۳۰ جون سے معیشت کے تمام شعبوں سے سود ختم کر دیا جائے گا۔ اس ضمن میں صدر مملکت نے ایک آرڈیننس جاری کیا ازاں بعد صوبائی حکومتوں نے اسٹمپ ایکٹ، امداد باہمی کے ادارہ کے ایکٹ، امداد باہمی کی انجمنوں اور بنکوں کے مغربی پاکستان ایکٹ قرضوں کی ادائیگی کے آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۶ میں ترمیم کر دی۔

۲۶ جنوری ۱۹۸۵ کو پاکستان میں غیر ملکی بینکوں نے بھی غیر سودی بنکاری نظام کے طریق کو اپنا لیا اور اس طرح پاکستان میں معیشت کا پورا نظام سود کی لعنت سے پاک کر دیا گیا۔

نفاذ اسلام کنونشن صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ملک میں اسلامی نظام میں مزید پیش رفت کرنے کے لیے ۳۰ جنوری ۱۹۸۵ کو اسلام آباد میں دو روزہ نفاذ اسلام کنونشن منعقد کیا۔

کنونشن کے اختتام پر مندرجہ ذیل سفارشات پیش کی گئیں۔

۱۔ تعلیمی نظام اور ذرائع ابلاغ میں اسلامی روح پھونکی جائے۔

۲۔ پولیس ایکٹ تبدیل کیا جائے اور پولیس کی اسلامی خطوط پر تربیت کی جائے تاکہ اس کا اسلامی کردار فروغ پا سکے۔

۳۔ تمام سرکاری محکموں کو قابل احتساب بنایا جائے۔

۴۔ تقرریوں، ترقیوں کے وقت اسلامی طرز حیات اور اسلامی تعلیمات کے علم کو مدنظر رکھا جائے۔

۵۔ تمام سرکاری ملازمین کو مناسب تنخواہیں دی جائیں تاکہ وہ سادہ مگر باوقار زندگی بسر کر سکیں۔

۶۔ وزارت مذہبی امور کا نام تبدیل کیا جائے اسے داخلہ اور اطلاعات کی وزارتوں سے مربوط کیا جائے۔

۷۔ ذرائع ابلاغ سے فحاشی ختم کی جائے اور وی سی آر پر پابندی لگائی جائے۔

۸۔ معیشت کو اسلامی سانچے میں ڈھال کر تمام دیگر محکموں کو بھی اسلامی بنانے کے اقدامات کئے جائیں۔

۹۔ ذخیرہ اندوزوں، بلیک مارکیٹنگ اور بدعنوانی میں ملوث تمام افراد کے خلاف امتیاز کارروائی کی جائے۔

۱۰۔ علماء مشائخ اپنے اپنے علاقوں میں ہر قسم کی سماجی برائیوں کے خلاف جہاد کریں۔

۱۱۔ نوجوانوں کے تبادلے کے پروگرام جن میں غیر ممالک سے لڑکے اور لڑکیوں کے جو تبادلے ہوتے ہیں وہ منسوخ کئے جائیں۔

۱۲۔ علماء بدعنوانی اور بدکردار عناصر کا سماجی مقاطعہ کریں۔

۱۳۔ تعلیمی نظام میں بنیادی تبدیلیاں لائی جائیں تاکہ سماجی برائیوں کا خاتمہ ہو سکے اور اچھے اساتذہ کو بہتر مشاہرہ پر ملازم رکھا جائے۔

۱۴۔ اسلامیات کے اساتذہ کو بھی دوسرے اساتذہ کے مساوی تنخواہیں دی جائیں۔

۱۵۔ شادیوں، اموات اور عقیقہ کے موقع پر دولت کے ضیاع کو روکا جائے اور یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ وزراء امیر و کبیر اور اعلیٰ حکام سادگی اختیار کریں۔

۱۶۔ ایسی تقریبات میں سرکاری افسروں کو شرکت سے انکار کر دینا چاہیئے جن میں فضول خرچی کو اپنایا جائے۔

۱۷۔ سادہ شلوار قمیص کے احکام بدستور نافذ العمل رہیں۔

۱۸۔ سادہ سکول یونیفارم کا بھی اعلان کیا جائے۔

۱۹۔ علماء کو چاہیئے کہ وہ سادہ اسلامی طرز زندگی کے بارے میں تقاریر کریں جن میں اس کے فوائد اور اہمیت کا تذکرہ ہو۔

۲۰۔ صدر مملکت نے اختتامی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قرارداد مقاصد کو آئین کا حصہ بنایا جائے۔

شریعت بل ملک میں مکمل اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے جولائی ۱۹۸۵ء میں سینٹ کے رکن مولانا سمیع الحق اور قاضی عبداللطیف نے نفاذ شریعت بل پیش کیا۔ بل پر غور و خوض کرنے کے لیے ابتداء میں اسے قائمہ کمیٹی کے سپرد اور بعد ازاں منتخبہ کمیٹی کے حوالے کیا گیا۔ کمیٹی نے ۱۲ دسمبر ۱۹۸۵ کو ایوان میں اسے پیش کیا۔ جنوری ۱۹۸۶ میں سینٹ میں پیش ہوا۔ ۸ جولائی ۱۹۸۶ کو سینٹ نے سٹینڈنگ کمیٹی یا قائمہ کمیٹی کی رپورٹ پر متفقہ طور پر منظور کر لیا اس بل کی منظوری کے بعد وفاقی شرعی عدالت کے اختیارات اور دائرہ کار کو بڑھا دیا گیا بل کے ذریعے آئین کے آرٹیکل نمبر ۲۰۳ ب اور ۲۰۲ میں ترمیم کر دی گئی تاکہ اس بل کے ذریعے وفاقی عدالت کو مالی قوانین اور ٹیکس سے متعلق قوانین کو اسلام کے اصولوں کے مطابق بنانے کے لیے سفارشات مرتب کرنے کا اختیار بھی حاصل ہو جائے۔

بل کے اہم نکات یہ ہیں۔

۱۔ چونکہ قرارداد مقاصد کو جو کہ سابقہ دساتیر میں بطور تمہید کے رکھی گئی ہے صدر مملکت نے اپنے صدارتی اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے دستور العمل کا حصہ قرار دے دیا۔ اور

۲۔ چونکہ یہ ملک مسلمانوں کی عملی زندگی کو قرآن اور سنت کے مطابق ڈھالنے کے لیے قائم کیا گیا ہے اور

۳۔ چونکہ اس ملک کے باشندوں کے ساتھ یہ عہد کیا گیا کہ یہاں قرآن و سنت کا قانون زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی اور نافذ ہو گا۔

۴۔ چونکہ موجودہ ریفرنڈم اور انتخابات میں عوام نے صدر مملکت اور پارلیمنٹ کو شریعت کے عملی نفاذ کے لیے منتخب کیا ہے۔

لہٰذا اب حسب ذیل قانون وضع کیا جاتا ہے۔

۱۔ مختصر عنوان، وسعت اور آغاز نفاذ

(۱) یہ ایکٹ نفاذ شریعت ایکٹ ۱۹۸۵ء کے نام سے موسوم ہو گا۔

(۲) یہ پورے پاکستان پر وسعت پذیر ہو گا۔

(۳) یہ فی الفور نافذ العمل ہو گا۔

۲۔ **تعریف:** ایکٹ میں شریعت سے مراد

الف۔ دین کا وہ خاص طریقہ جسے اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے سے اپنے بندوں کے لیے مقرر کیا ہے۔

(ب) شریعت کا اصل ماخذ قرآن پاک اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔
(ج) کوئی حکم یا ضابطہ جو اجماع امت سے ثابت اور ماخوذ ہو شریعت کا حکم متصور ہو گا۔
(د) ایسے احکام جو امت کے مسلمہ اور مستند فقہاء (مجتہدین) نے قرآن پاک سنتِ رسولؐ اور اجماع امت کے قیاس و اجتہاد کے ذریعے مستنبط کر کے مدون کئے ہیں شریعت کے احکام متصور ہونگے۔

۳۔ کوئی مقننہ شریعت کے خلاف قانون نہیں بنائے گی۔ مقننہ کوئی ایسا قانون یا قرارداد منظور نہیں کر سکے گی جو شریعت کے احکام کے خلاف ہو اگر کوئی ایسا قانون یا قرارداد منظور کر لی گئی تو اسے وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا جا سکے گا۔

۴۔ عدالتیں شریعت کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کریں گی ملک کی عدالتیں تمام امور و مقدمات میں شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند ہوں گی۔

۵۔ وفاقی شرعی عدالت کا دائرہ اختیار، وفاقی شرعی عدالت کا دائرہ اختیار سماعت و فیصلہ بلا استثنیٰ تمام امور و مقدمات پر حاوی ہو گا۔

۶۔ شریعت کے خلاف احکامات دینے پر پابندی، انتظامیہ کا کوئی بھی فرد بشمول صدر مملکت اور وزیراعظم شریعت کے خلاف کوئی حکم نہیں دے سکے گا۔

۷۔ عدالتی عمل اور احتساب: حکومت کے تمام اعمال بشمول صدر مملکت اسلامی قانون عدل کے مطابق عدالتی احتساب سے بالاتر نہیں ہوں گے۔

۸۔ غیر مسلم کو تبلیغ کی آزادی: غیر مسلم باشندگانِ مملکت کو اپنے ہم مذہبوں کے سامنے مذہبی تبلیغ کی آزادی ہو گی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون کے مطابق کرنے کا حق حاصل ہو گا۔

۹۔ علما کو جج مقرر کیا جائے گا: تمام عدالتوں میں حسب ضرورت تجربہ کار جید اور مستند علماء دین کا بحیثیت جج اور معاونین عدالت تقرر کیا جائے گا۔

۱۰۔ ججوں کی تربیت: علوم شرعیہ اور اسلامی قانون کی تعلیم اور ججوں کی تربیت کا ایسا موثر انتظام کیا جائے گا کہ مستقبل میں علوم شرعیہ اور خصوصاً اسلامی قانون کے ماہر جج تیار ہو سکیں۔

۱۱۔ قرآن و سنت کی تعبیر: قرآن و سنت کی وہی تعبیر معتبر ہو گی جو اہل بیت عظام صحابہ کرام اور مستند مجتہدین کے علم اصول تفسیر اور علم اصول حدیث کے مسلم قواعد اور ضوابط کے مطابق ہو۔

۱۲- عمال حکومت کے لیے شریعت کی پابندی لازمی ہوگی۔

۱۳- ذرائع ابلاغ کی تطہیر: تمام ذرائع ابلاغ کو خلاف شریعت پروگراموں فواحش اور منکرات سے پاک کر دیا جائے گا۔

۱۴- حرام کمائی پر پابندی: حرام طریقوں اور خلاف شریعت کاروبار کے ذریعہ دولت کمانے پر پابندی ہوگی۔

۱۵- بنیادی حقوق کا تحفظ: شریعت نے جو بنیادی حقوق باشندگان ملک کو دیئے ہیں ان کے خلاف کوئی حکم نہیں دیا جائے گا۔

یہ بل ۱۹۸۶ء میں قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا لیکن تاحال (نومبر ۱۹۸۷) اس کی منظوری نہیں دی جا سکی۔

گستاخ رسولؐ کو موت یا عمر قید کی سزا

قومی اسمبلی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کو موت یا عمر قید کی سزا دینے کے لیے ۹ جولائی ۱۹۸۶ بروز بدھ یکم ذی قعد ۱۴۰۶ھ کو ایک بل منظور کیا۔

پانچواں پنجسالہ منصوبہ

ملک کا نظم ونسق سنبھالنے کے بعد جنرل محمد ضیاء الحق نے ملکی معیشت کو فروغ دینے کے لیے پنجسالہ منصوبوں کو مرتب کرنے کی ہدایت کی ان کی ہدایت پر ۳ جولائی ۱۹۷۸ کو صدر کے مشیر اور سیکرٹری جنرل انچیف غلام اسحاق خان نے پانچویں پنجسالہ منصوبے (۱۹۷۸ - ۱۹۸۳) کا اعلان کیا اس منصوبے کے لیے دو سو دس بلین (۱۴۸ ارب سرکاری شعبے میں اور ۶۲ ارب نجی) روپے مختص کیے۔

اس کے اہم نکات یہ تھے۔

۱- زرعی شعبہ میں پیداوار کی شرح میں چھ فیصد اضافہ کیا جائے گا۔ تاکہ پاکستان خوراک کے معاملے میں خود کفیل ہو جائے۔

۲- صنعتی شعبے میں دس فیصد اضافے کی توقع رکھی گئی۔

۳- منصوبے کے اختتام پر قومی بچت کی شرح میں ۱۶ فیصد اضافے کی نوید سنائی گئی اور درآمدات میں صرف ۳، ۶ فیصد کا اضافہ ہوگا۔

۴- گندم کی پیداوار میں سالانہ ۸ فیصد اضافہ ہوگا منصوبے کے آخری سال میں گندم کی پیداوار

حد ایک کروڑ ۲۸ لاکھ ٹن مقرر کی گئی۔

۵۔ چاول کی پیداواری حد ۳۹ لاکھ ٹن، کپاس کی پچاس لاکھ گانٹھ اور گنے کی پیداواری حد تین کروڑ ۴۲ لاکھ ٹن مقرر کی گئی۔

اس منصوبے میں صنعتی پیداوار کو بڑھانے اور خوراک میں خود کفیل ہونے کے سلسلے میں عملی اقدامات کئے گئے۔

چھٹا پنجسالہ منصوبہ ۳۱ مئی ۱۹۸۳ کو قومی اقتصادی کونسل نے چھٹے پنجسالہ منصوبے کی منظوری دی۔ چھٹا پنجسالہ منصوبہ یکم جولائی ۱۹۸۳ سے شروع ہوا اس منصوبے کے لیے ۴۹۵ ملین روپے (۲۹۵ سرکاری اور ۲۰۰ نجی شعبے) خرچ ہوں گے یہ منصوبہ پانچویں منصوبے کی نسبت ۱۰۹ فیصد بڑا ہے۔ اس کے لیے جو اہداف مقرر کئے گئے اُن کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ مجموعی قومی پیداوار میں اضافہ۔

۲۔ اقتصادی ترقی کی رفتار کو تیز کرنا اور اس کے فوائد کو غریبوں تک پہنچانا۔

۳۔ آبادی کے بڑے حصے کو معاشی زندگی اور ترقیاتی سرگرمیوں میں شریک کرنا۔

۴۔ چھوٹے اور درمیانے درجے کی صنعتوں کو پھلنے پھولنے کا موقع دینا۔

۵۔ فی خاندان آمدنی میں ۲۰ فیصد یا ۹۰۰ روپے سالانہ کا اضافہ۔

۶۔ دیہات میں ترجیحی بنیادوں پر پانی و بجلی کی فراہمی۔

۷۔ چالیس لاکھ افراد کے لیے روزگار مہیا کرنا۔

۸۔ دیہات میں پرائمری سکولوں کی تعداد میں ۲۰ فیصد اضافہ کرنا اور ۱۲½ لاکھ بچوں کی نشوونما کرنا۔

۹۔ چھٹا منصوبہ پانچویں کی نسبت ۱۰۱ فیصد بڑا ہے لیکن درحقیقت اور بنیادی سال کی قیمتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ گزشتہ منصوبے سے ۴۹ فیصد بڑا ہوگا۔

۱۰۔ منصوبے کے آخر تک ملک کی کل آبادی کے ساٹھ فیصد حصے کو صرف پینے کا پانی میسر ہوگا۔ جن میں ۹۰ فیصد شہری آبادی ہو گی۔

۱۱۔ ۸۶ فیصد دیہات کو بجلی فراہم کی جائے گی۔

۱۲۔ کھیتوں سے منڈیوں تک اور شہروں کی سڑکوں میں پنجسالہ منصوبے کی نسبت تقریباً دس گنا اضافہ کیا جائے گا۔

۱۳۔ نئی اشیائے خوراک کی برآمدات کی مالیت دس کروڑ ڈالر سے بڑھا کر ۵۰ کروڑ ڈالر کر دی جائے گی۔

۱۴۔ برآمدی آمدنی کی مالیت جو ۸۳-۱۹۸۲ میں دو ارب ۴۳ لاکھ ڈالر تھی ۸۸-۱۹۸۷ سے بڑھ کر چار ارب ۹۱ کروڑ دس لاکھ ڈالر ہو جائے گی۔ درآمدات میں فی سال ۵ر۵ فیصد اضافہ ہوگا۔

۱۵۔ زرعی شعبے کو ۱۲ ارب ۲۵ کروڑ روپے مہیا کیے جائیں گے۔

۱۶۔ مقامی ترقی پر کل سرمایہ کاری بیس ارب روپے ہوگی۔

۱۷۔ صنعتی سرمایہ کاری کی مالیت تقریباً ۷۷ ارب روپے ہوگی۔

۱۸۔ معدنی وسائل کی ترقی کے لیے چار ارب ۹۵ کروڑ روپے مختص کئے گئے ہیں۔

۱۹۔ توانائی کے شعبے میں ایک کھرب آٹھ ارب روپے کی سرمایہ کاری کی جائے گی۔

۲۰۔ ۲۲ ہزار پانچ سو دیہات کو بجلی اور تیل کی پیداوار ۲۱ ہزار بیرل ہو جائے گی۔ دس ہزار بجلی کے نئے کنکشن دیئے جائیں گے۔

۲۱۔ پانی کے وسائل کو ترقی دینے کے لیے ۳۲ ارب روپے مختص کئے گئے۔

۲۲۔ سرکاری اور نجی شعبے میں چھوٹے سائز کے ۶ لاکھ رہائشی پلاٹ تیار کئے جائیں گے۔

۲۳۔ قومی بچت میں اضافے کی شرح ۱۶ فیصد۔

۲۴۔ برآمدات میں ۱۱ فیصد سالانہ اضافہ اور برآمدات میں ۳ر۶ فیصد۔

۲۵۔ پٹرولیم کی مصنوعات میں ۶ر۲۴ فیصد اضافہ۔

۲۶۔ بجلی کی فی کس کھپت ۱۶۷ کلوواٹ گھنٹوں سے بڑھ کر ۲۳۷ کلوواٹ ہو جائے گی۔

۲۷۔ صحت کے شعبے میں ۴۵۹۶ بنیادی صحت کے مراکز اور ۶۲۵ دیہی صحت کے مراکز، ۲۵۸۲۰ بستروں ۱۲۹۱۷ ڈاکٹروں، ۴۷۸۰ نرسوں اور دیگر طبی عملے کا ۲۴۸۸۶ کا اضافہ ہوگا۔

۲۸۔ پرائمری سکولوں میں طلبا کی تعداد ۵۶۳۲۰۰۰ سے بڑھا کر ۷۸۰۰۰ ۹۷ کر دی جائے گی۔

۲۹۔ خوراک کے معاملے میں مکمل خود کفالت۔

نتائج:

۱۔ قومی پیداوار میں ۲ر۷ فیصد کی بجائے ۶ فیصد سالانہ کے حساب سے اضافہ ہوا۔

۲۔ صنعتی ترقی کی شرح ۱۲ کی بجائے ۹ فیصد رہی۔

۳۔ غذائی معاملے میں پاکستان نے خود کفالت حاصل کر لی۔

۴۔ چینی اور کھاد کی پیداوار میں خاطر خواہ اضافے کے سبب پاکستان اپنی ضرورت سے زیادہ بیرون ملک بھیجنے میں کامیاب ہوا۔

۵۔ بلوچستان میں ترقیاتی منصوبوں پر پانچ گنا زیادہ رقم خرچ کی جائے گی۔

اقتصادی تعاون کی تنظیم | اکتوبر ۱۹۸۴ء میں تینوں ممالک کے نائب وزراء خارجہ کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ تینوں ممالک کے مابین تجارتی اور معاشی ترقی کو فروغ دینے کے لیے ایک ادارہ قائم کیا جائے چنانچہ ۲۸ جنوری ۱۹۸۵ء کو تہران میں ایران، ترکی اور پاکستان نے اس فیصلے کی توثیق کرتے ہوئے اقتصادی تعاون کی تنظیم (ایکو) قائم کرنے کا اعلان کیا۔

بین الاقوامی معاہدے اور تنظیمیں

سلال بند | کشمیر کے علاوہ سلال بند کا مسئلہ بھی پاکستان کے لیے دردسر بنا ہوا تھا بالآخر ۱۲ اپریل ۱۹۷۸ء کو دونوں حکومتوں (بھارت اور پاکستان) کے مابین نئی دہلی میں اصولی سمجھوتہ طے پا گیا۔ ۱۴ اپریل کو دونوں حکومتوں کے نمائندوں مسٹر آغا شاہی (مشیر خارجہ پاکستان) اور مسٹر اٹل بہاری باجپائی (وزیر خارجہ بھارت) نے اس سمجھوتے پر دستخط کر دیئے۔ معاہدے کا متن یہ ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان اور جمہوریہ بھارت کی حکومتوں نے خود مختاری، برابری اور باہمی فائدے کی بنیاد پر اپنے درمیان دوستانہ تعلقات کو فروغ دینے اور مستحکم کرنے کی خواہش رکھتے ہوئے اور سندھ طاس کے پانی کے معاہدہ ۱۹۶۰ء کی دفعات کو مدنظر رکھتے ہوئے جس میں دونوں حکومتیں فریق ہیں ان اختلافات پر بات چیت کی جو دریائے چناب پر تعمیر کیے جانے والے سلال بند بجلی گھر کے ڈیزائن کے بارے میں پیدا ہو گئے تھے۔ سندھ طاس کے معاہدے ۱۹۶۰ء کو یا اس کے فریقین کے حقوق اور ذمہ داریوں کو نقصان پہنچائے بغیر دونوں حکومتوں نے حسب ذیل باتوں پر اتفاق کیا۔

دفعہ (۱) سلال بن بجلی گھر کی خاص خاص باتیں یہ ہوں گی۔

یہ منصوبہ سلال میں ہوگا۔ ذخیرہ آب کی سطح ۱۶۰۰ فٹ سے زیادہ بلند نہیں ہوگی اور

اس کی سطح کو مستقل طور پر قائم رکھا جائے گا۔ آپریٹنگ پول کوئی نہ ہوگا ذخیرہ آب میں گنجائش ۲۴۰۳۰۲ ایکڑ فٹ سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اسپل وے کے دروازوں کی تعداد ۱۲ ہوگی۔ اسپل وے کی سطح ذخیرہ آب کی سطح سے تیس فٹ سے زیادہ اونچی نہیں ہوگی۔

اسپل وے کے دروازے پچاس فٹ چوڑے اور تیس فٹ اونچے ہوں گے اور ان کا ڈیزائن ایسا ہوگا کہ اگر اسپل وے کے دروازے وقت پر نہیں کھلیں گے تو پانی ان کی چوٹی پر گرے گا۔ بجلی پیدا کرنے کے لیے ذخیرہ آب پوری سطح سے ۵ء۲۷ فٹ کم سے کم نیچے نہیں ہوگی۔ پانی کی نکاسی کے راستے چھ ہوں گے۔ سطح ۱۳۶۵ فٹ سے کم نہ ہوگی۔ یہ راستے ذخیرہ آب پہلی بار پورا بھرنے کی تاریخ سے ایک سال کے اندر (جو بھی پہلے ہو) کنکریٹ سے بند کر دیئے جائیں گے ذخیرہ آب کی سطح اس وقت تک نہیں گرے گی جب تک کوئی غیر متوقع ہنگامی حالت پیدا نہ ہو جس سے مٹی یا کنکریٹ کے بندوں کے لیے خطرہ پیدا ہو جائے اس صورت میں بھارتی حکومت پاکستانی حکومت کو صورتحال کی نوعیت سے فوراً مطلع کرے گی اگر کنکریٹ کو ہٹانا ضروری ہوگیا تو بھارتی حکومت پاکستان کے نمائندوں سے مشورہ کرے گا جس میں موقع پر پلانٹ کا معائنہ شامل ہوگا۔

دفعہ (۲) بھارت دفعہ (۱) میں بیان کردہ پلانٹ کے ڈیزائن کی خصوصیات میں باہمی سمجھوتے کے بغیر کوئی مزید ردو بدل نہیں کرے گا۔

دفعہ (۳) اگر اس سمجھوتے کی تشریح یا اس کے اطلاق کے بارے میں فریقین کے درمیان کوئی سوال پیدا ہوا یا اگر کسی ایسی حقیقت کی موجودگی ثابت ہوئی جس سے اس سمجھوتے کی خلاف ورزی ہوتی ہو تو معاہدہ سندھ طاس کی دفعہ (۹) کی شقوں کے تحت اس سے نمٹا جائے گا۔

۴۔ اس سمجھوتے میں جو امور واضح طور پر نہیں رکھے گئے ہیں وہ سندھ طاس معاہدے کے تحت ہوں گے۔

۵۔ اس سمجھوتے میں جو اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں ان کا وہی مفہوم ہوگا جو سندھ طاس معاہدے کے تحت کیا گیا ہے۔

۶۔ دستخط ہونے پر یہ سمجھوتہ نافذ ہوگا اس سمجھوتے پر آج ۱۴، اپریل ۱۹۷۸ کو اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں دستخط ہوئے۔ تینوں زبانوں کے متن یکساں طور پر مستند ہیں لیکن شک کی صورت میں انگریزی متن صحیح تصور کیا جائے گا۔ دستخط اے بی باجپئی وزیر خارجہ بھارت۔ آغا شاہی مشیر امور خارجہ پاکستان۔

غیر جانبدار ممالک کی تنظیم میں شرکت

۱۹۵۰ء سے شروع ہونے والے عشرے میں کولمبو، بوگور اور بنڈونگ میں غیر جانبدار ممالک کی تنظیم کے قیام کے لیے جو ابتدائی کوششیں کی گئیں پاکستان ان میں پوری طرح شریک رہا۔اس تحریک میں شمولیت کی ضرورت اُس وقت محسوس کی گئی جب پاکستان سیٹو اور سنٹو جیسے دفاعی معاہدوں سے علیحدہ ہو گیا۔ ان معاہدوں سے علیحدگی کے بعد پاکستان نے بلغراد میں منعقدہ غیر جانبدار ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس میں بطور مبصر شرکت کی۔ ۶ ستمبر ۱۹۷۹ء کو پاکستان باقاعدہ طور پر ہوانا (کیوبا) میں چھٹی سربراہ کانفرنس میں اس کا رکن بنا۔ اس اجلاس میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے شرکت کی اور اپنے خطاب میں دنیا کو درپیش مسائل خصوصاً ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے مسائل کا تجزیہ پیش کیا اور آخر میں ہوانا کانفرنس کے پیغام کے سات نکات کی نشاندہی کی۔ سات نکات یہ تھے۔

۱۔ اس کانفرنس کے تمام شرکا نے غیر جانبدار تحریک کے اصولوں اور مقاصد پر کاربند رہنے کا از سر نو عہد کیا ہے۔

۲۔ یہ تحریک اپنی پیش رفت کو جاری رکھے گی اور اس منفرد کردار کو ادا کرتی رہے گی جو بین الاقوامی معاملات میں اس نے اختیار کیا ہے۔

۳۔ یہ تحریک دنیا بھر میں آزادی، امن، انصاف اور ترقی و خوشحالی کے فروغ کے لیے اپنی کوششوں میں کسی قسم کی کمی یا کمزوری نہیں آنے دے گی۔

۴۔ یہ تحریک دنیا سے ہر قسم کے استحصال، بالادستی اور جبر و استبداد کے خلاف نبرد آزما ہونے میں اپنی کوششوں میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کرے گی۔

۵۔ غیر جانبدار اقوام کی یہ تحریک جنگ کی نہیں امن کی اور تصادم کی نہیں بلکہ تعاون کی خواہاں رہے گی۔

۶۔ اس تحریک کے جملہ شرکاء ایک نئے عالمی نظام کے قیام کے لیے کوشاں رہیں گے۔

۷۔ وہ بنی نوع انسان کی عزت و توقیر بحال کرنے کے لیے ہمیشہ مستعد رہیں گے۔

پہلی سارک سربراہ کانفرنس میں شرکت

۷ دسمبر ۱۹۸۵ء کو ڈھاکا میں دو روزہ پہلی سارک سربراہ کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا۔ سربراہ کانفرنس میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے شرکت کی۔ صدر نے اپنی تقریر میں کہا کہ بڑی

طاقتوں کی کش مکش سے علاقہ کو محفوظ رکھنے کی مشترکہ کوششیں کرنی ہوں گی۔ نیز جنوبی ایشیا کے ملکوں کو ایک دوسرے کے خلاف طاقت استعمال نہ کرنے کا عہد کرنا چاہیے۔ سارک کا اعلان صدر جنرل ضیاالحق نے پیش کیا۔ شرکاء نے اس کا خیر مقدم کیا۔

عدم جارحیت کے معاہدے کی پیش کش

پاکستان ایک امن پسند ملک ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اُس کے ہمسایہ ممالک کے ساتھ تعلقات بھی اچھے ہوں۔ لیکن بدقسمتی سے قیام پاکستان سے لے کر آج تک متعدد مواقع ایسے بھی آئے جن کے نتیجے میں مسلح تصادم بھی ہوا یا ہوتے ہوتے رہ گیا اس کش مکش میں پاکستان اپنا مشرقی بازو بھی کھو بیٹھا ان حالات میں پاکستان کے لیے یہ امر انتہائی اہم ہے کہ وہ اپنے دفاع کے لیے ہر وقت چوکنا رہے۔ ۱۷ رجولائی ۱۹۸۱ کو پاکستان اور امریکہ کے درمیان ہتھیاروں کی خرید و فروخت کا جو معاہدہ ہوا اور جس کے تحت امریکہ نے پانچ سال کی مدت کے لیے پاکستان کو تین ارب ڈالر کی مالیت کی امداد دینے کے اعلان کیا اس امدادی سامان میں ۴۰ ایف ۱۶ طیارے بھی شامل تھے بھارت نے اس معاہدے کے خلاف بڑا واویلا مچایا اور اسے بھارت کی سلامتی کے لیے شدید تشویش کا باعث قرار دیا۔ بھارت کی تشویش پر پاکستان نے بھارتی حکومت کو عدم جارحیت کے معاہدے کی پیش کش کی۔

۲۷ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے ایک بیان میں کہا کہ پاکستان بھارت سے جنگ نہ کرنے کے معاہدے کی بات ایک ایسے وقت پر کر رہا ہے جب متعدد ممالک سے دھڑا دھڑ اسلحہ اکٹھا کر رہا ہے۔ ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۱ کو پاکستان کے سیکرٹری خارجہ جناب ریاض پراچہ نے نئی دہلی میں کہا کہ پاکستان نے معاہدہ عدم جارحیت کی باضابطہ تجویز بھارت کے سپرد کر دی ہے بھارت کو یہ دستاویز ۲۲ نومبر کو موصول ہوئی۔

۲۵ نومبر کو بھارتی وزیر خارجہ نرسمہا راؤ نے صدر پاکستان کی تجویز کو پروپیگنڈہ قرار دیا۔ بھارت نے اس معاہدے کے سلسلے میں دس نکات پیش کیے جن میں اہم یہ ہیں۔

۱۔ دونوں ملک ایک دوسرے کے خلاف طاقت کے استعمال سے گریز کریں گے۔

۲۔ دونوں ملک یہ ضمانت بھی دیں گے کہ وہ اپنی سرزمین پر کسی غیر ملکی طاقت کو فوجی اڈے مہیا نہیں کریں گے۔

۳۔ بھارت پاکستان سے ایٹمی ہتھیار تیار نہ کرنے کے سلسلے میں ضمانت حاصل کرے گا۔

۴۔ دونوں ملک اپنی جائز دفاعی ضروریات سے زیادہ مہلک ہتھیار حاصل کرنے کی دوڑ میں شریک نہیں ہوں گے۔

۵۔ دونوں ملک علاقے میں امن واستحکام کی فضا قائم کرنے کا عہد کریں گے۔

۳۰ جنوری ۱۹۸۲ کو علی الترتیب بھارتی وزیر خارجہ اور پاکستانی وزیر خارجہ مسٹر نرسمہاراؤ اور مسٹر آغا شاہی کے مابین مذاکرات ہوئے۔ اسی روز بھارتی وزیراعظم نے کہا کہ پاکستان اور بھارت کے مابین عدم جارحیت کا ایک اور معاہدہ (شملہ معاہدہ) موجود ہے لہٰذا نیا معاہدہ دوستی کا معاہدہ ہونا چاہیے۔

۱۱ اگست ۱۹۸۲ کو عدم جارحیت کے معاہدے کے لیے دوسرا دور اسلام آباد میں ہوا۔ بھارت کے سیکرٹری خارجہ مسٹر مہاراج کرشن رسگوترا اور پاکستان کے سیکرٹری خارجہ نیاز اے نائیک نے حصہ لیا۔ ۲۳ دسمبر کو دونوں ملکوں کے درمیان پانچ سال کے لیے مشترکہ وزارتی کمیشن کا قیام عمل میں لایا گیا۔

عدم جارحیت کے معاہدے کا تیسرا دور ۱۷ جنوری ۱۹۸۳ کو اسلام آباد میں ہوا۔

یکم جون ۱۹۸۳ کو دونوں ملکوں کے وزرائے خارجہ نے اسلام آباد میں وزارتی کمیشن کے اجلاس میں پھر اس پر غور کیا، لیکن کچھ پیش رفت نہ ہو سکی۔

جولائی ۱۹۸۵ میں نئی دہلی میں پھر مذاکرات ہوئے لیکن وہ بھی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئے۔ تاحال (۱۹۸۷) اس ضمن میں کوئی معاہدہ نہیں ہو سکا۔

سیاچن گلیشئر کا تنازعہ

گزشتہ چار برس (۱۹۸۴ء) سے سیاچن گلیشئر کا مسئلہ پاکستان اور بھارت کے مابین وجہ تنازعہ بنا ہوا ہے۔ اس ضمن میں گلیشئر کے علاقے میں متعدد بار مسلح تصادم بھی ہو چکا ہے۔ نیز اسے مذاکرات کے ذریعے بھی حل کرنے کے لیے کوششیں جاری ہیں کہنے کو تو یہ ایک برفانی تودہ ہے۔ اور یہاں گھاس کا ایک تنکا بھی نہیں اگتا لیکن دفاعی نقطۂ نظر سے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ پاکستان چین اور بھارت کی سرحدیں یہاں آکر ملتی ہیں روس بھی واکھان کی پٹی کے ذریعے پاکستان کے اس علاقے سے قریب تر ہے۔ نیز یہ شاہراہ قراقرم کے لیے درہ خنجراب کو بھی کنٹرول کرتا ہے۔

اس کے پس منظر میں جانے سے پہلے اس کے اہم کوائف ملاحظہ فرمائیں۔

محل وقوع : بلتستان (شمالی علاقہ پاکستان)

رقبہ مکمل طاس : ۲۵۰۰ مربع کلومیٹر

طول : ۷۵،۶۷ کلومیٹر۔

عرض : ۲،۲۲ ۳ کلومیٹر تا ۱۰ کلومیٹر۔

سطح بحر سے بلندی : ۶۰۰۰ میٹر یا ۱۹۶۸۰ فٹ

فاصلہ : شاہراہ قراقرم سے ۲۲۵ کلومیٹر یا ۱۴۰ میل (نزدیک ترین)

کے ٹو کی پہاڑی چوٹی سے بذریعہ فضائی سروس : ۵۶ کلومیٹر یا ۳۵ میل

سکردو سے : ۱۴۴ کلومیٹر یا ۹۰ میل

سری نگر سے : ۲۵۰ کلومیٹر یا ۱۵۵ میل

بلتستان (شمالی علاقہ) میں واقع اس گلیشئر تک پہنچنے کے لیے دو ہی راستے ہیں۔ ایک لداخ کی طرف سے جو اس وقت مقبوضہ کشمیر میں ہے اور دوسرا بلتستان کی طرف سے جو اس وقت پاکستان میں ہے۔

اس کا شمار دنیا کے طویل ترین پہاڑی گلیشئروں میں ہوتا ہے یہ ایشیا کا دوسرا بڑا گلیشئر بھی ہے اور چاین کی سرحد کے قریب پاکستان کی مشہور ترین پہاڑی چوٹی کے ٹو کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ دریائے شیوک کی ایک شاخ دریائے نبرا یا نوبرا (NUBRA) اسی گلیشئر سے نکلتی ہے۔ اس کے قریب ہی ہڈن پیک (۸۰۶۸ میٹر) تیرام کانگڑی (۷۴۶۴ میٹر) بالتورو کانگڑی (۷۳۱۲ میٹر)، کندوس گلیشئر، اپر بالتورو اور شردی کانگڑی کی پہاڑی چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہ تمام چوٹیاں اور گلیشئر پاکستان کے شمالی علاقہ میں واقع ہیں۔

سیاچن کا مطلب یہ مقامی زبان (بلتی) کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے۔ جنگلی گلاب، اس کے نام سے بھی یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ بلتی علاقہ میں واقع ہے۔ جو پاکستان کا حصہ ہے۔ اس لیے بھی بھارت کا یہ دعویٰ درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

تاریخی پس منظر ۱۹۴۷ء میں جب مہاراجا کشمیر نے کشمیر کا الحاق بھارت سے کر دیا تو بھارتی حکومت نے اپنے مسلح فوجی دستے ریاست میں داخل کر دیئے مجبوراً پاکستان کو بھی

جوابی کارروائی کرنا پڑی جب دونوں ملکوں میں جنگ نے طول پکڑ لیا تو اقوام متحدہ نے یکم جنوری ۱۹۴۸ء کو کشمیر میں جنگ بند کرنے کی قرارداد منظور کی نومبر میں کشمیر کمیشن نے دونوں حکومتوں سے از سر نو بات چیت کی جس کے نتیجے میں جنوری ۱۹۴۹ء میں جنگ بندی عمل میں آئی چونکہ اس وقت بہت سی ناقابل عبور جگہوں پر واضح طور پر خط متارکہ جنگ کا تعین نہ کیا جا سکا البتہ زیرین وادی شیوک سے اوپر کا علاقہ جس میں سلسلہ کوہ قراقرم کا زیادہ حصّہ شامل ہے۔ اور رقبہ ۷۹ ہزار مربع کلو میٹر ہے پاکستان میں شامل ہوا۔ تاہم لداخ سے متصل نبرا اور شیوک بالا وادیوں کا کچھ شمالی حصّہ بھارت کے قبضے میں ہی رہا۔ دولت بیگ اولدی کی چوکی اور درہ قراقرم کا جنوبی علاقہ عوامی جمہوریہ چین کی سرحد بناتا ہے۔ اس طرح گلیشئر کا پورا طاس پاکستان کے حصے میں آیا۔

۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگوں میں بھارت نے پاکستان کے کچھ علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ لیکن شملہ معاہدہ کی رو سے سلسلہ کوہ قراقرم اور درہ قراقرم پاکستان کے پاس ہی رہے۔ اور یہی علاقہ سیاچن پر محیط ہے۔

۱۹۷۲ء میں کنٹرول لائن کا تعین کیا گیا تو بھی یہ علاقہ پاکستان کے پاس رہا پاکستانی علاقہ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ عالمی شہرت کے جریدے ریڈرز ڈائجسٹ نے جب سیاچن گلیشئر کا نقشہ اپنے رسالے میں شائع کیا تو اس نے بھی اسے پاکستان کا حصّہ قرار دیا۔ علاوہ ازیں دنیا بھر میں شائع ہونے والی دائرہ المعارف میں بھی گلیشئر پاکستانی علاقے میں شامل کیا گیا ہے۔ خود بھارت میں شائع ہونے والی ردی ریکھے کی ۱۹۸۲ء میں شائع ہونے والی کتاب انڈیا ورسس پاکستان کے نقشے میں بھی اسے پاکستانی علاقے میں دکھایا گیا ہے پھر ۱۹۸۴ء میں انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ڈیفنس سٹڈیز اور اینلیسز سے متعلق افسر کی کتاب فورتھ راؤنڈ شائع ہوئی اس میں بھی اسے پاکستان کا حصہ دکھایا گیا ہے۔

شاہراہ ریشم (اب شاہراہِ قراقرام) کی تعمیر کی وجہ سے بھارت ایک عرصے سے اس تگ و دو میں تھا کہ وہ اس شاہراہ کے قریب کسی ایسے مقام پر قبضہ کرلے جو دفاعی نقطہ نظر سے اس کے لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہو۔ اگر خدانخواستہ بھارت سیاچن گلیشئر کے پورے علاقے پر قبضہ کر لیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہ صرف پاکستان بلکہ چین کے لیے بھی خطرے کا باعث بن سکتا ہے نیز اس کے ذریعے روس بھی اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کر سکتا ہے۔ اس طرح بھارت پاکستان اور چین کو مسلسل خطرے کا الارم دیتا رہے گا۔

بھارت نے اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے ۱۹۷۸ء کے اواخر میں یکا یک دریائے نبرا کی وادی سے انڈین ہائی آلٹی ٹیوڈ وار فیئر سکول کے چھوٹے یونٹ جنوب کی طرف تعینات کر دیئے۔ اس کے ایک دستے نے سیاچن گلیشئر تک رسائی کے لیے ترن کانگری دوم کا استعمال کیا۔ اس کے بعد ۱۹۷۹ء میں بھی بھارت نے ایک مہم روانہ کی۔

۱۹۸۰ء میں حکومت پاکستان کی اجازت سے ایک امریکی مہم یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی اگر یہ علاقہ بھارت کا ہوتا تو امریکی مہم پاکستان سے اجازت نہ لیتی۔ ۱۹۸۲ء میں بھارت نے گلیشئر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اسی سال وزیراعظم بھارت مسز اندرا گاندھی نے گلیشئر پر قبضہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وزیراعظم کے حکم پر ۱۹۸۲ء میں کماؤن رجمنٹ کے دستے تعینات کر دیئے گئے۔ اپریل ۱۹۸۴ء میں ایک سو ہندوستانی فوجی دستوں نے سیاچن گلیشئر کے شمالی سرے کے تین دروں پر قبضہ کر لیا۔ اور ۱۷؍اپریل ۱۹۸۴ء کو ان دستوں نے اس علاقے میں پاکستان کے ایک ہیلی کاپٹر کو بھی نشانہ بنایا۔ جواباً بھارت کو بھی خاصا جانی نقصان اٹھانا پڑا۔

۲۳؍جون ۱۹۸۴ء کو بیلا فاونڈلا کے علاقہ میں شدید لڑائی ہوئی۔ جون کے بعد اگست اور ستمبر ۱۹۸۵ء میں بھی شدید جھڑپیں ہوئیں۔ بھارتی جرنیل نے دعویٰ کیا کہ اب تک کی لڑائی میں پاکستان کے ۱۱۰ اور بھارت کے ۲۸ فوجی ہلاک ہو چکے ہیں۔ غیر ملکی اطلاعات کے مطابق ۲۰ ستمبر کی جنگ میں بھارتی فضائیہ نے بھی حصہ لیا لیکن ۲۱ ستمبر ۱۹۸۵ء کو پاکستان کی وزارت دفاع نے اعلان کیا کہ حال ہی میں سیاچن کے علاقے میں کوئی فوجی جھڑپ نہیں ہوئی۔

دونوں ملکوں کے فوجی کمانڈروں نے ۱۶؍اکتوبر ۱۹۸۵ء کو اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے باہمی مذاکرات کئے لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ ادھر بھارت نے پاکستان پر الزام لگایا کہ اس علاقے میں چینی فضائیہ نے بھی کارروائی کی ہے۔ لیکن بھارت اس بے سروپا الزام کا کوئی ثبوت فراہم نہ کر سکا۔

سری نگر ٹائمز نے اپنی ایک اشاعت میں لکھا ہے کہ بھارت اپنے عوام کی ذہنی طور پر جنگ کے لیے تیاری کرا رہا ہے۔ کیونکہ جنگ سے پہلے ایک اشتعال انگیز صورت حال کا ہونا ضروری ہے۔ جس میں عوام پوری طرح الجھ جائیں بھارت بڑی حد تک ایسا ماحول پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

پاکستان چونکہ امن پسند ملک ہے اور اس کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ اپنے ہمسایہ ممالک سے اچھے تعلقات رکھے اور باہمی معاملات کو افہام و تفہیم کے جذبے کے تحت حل کرنے کی کوشش کرے پاکستان نے کبھی بھی اشتعال انگیزی سے کام نہیں لیا۔ اسی جذبے کے تحت پاکستان نے یہ کوشش

کی کہ بھارت سے یہ علاقہ مذاکرات کے ذریعے خالی کرا لے۔

پاکستان نے ابتدا میں سفارتی سطح پر بات چیت کی لیکن پھر صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے ۱۷ دسمبر ۱۹۸۵ء کو نئی دہلی میں بھارتی وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی سے ملاقات کی صدر پاکستان نے بھارتی وزیر اعظم کو باور کرایا کہ پاکستان جارحانہ عزائم نہیں رکھتا اس لیے یہ مسئلہ بات چیت کے ذریعے ہی حل کیا جانا چاہیئے۔ چنانچہ بھارتی وزیر اعظم نے اس پر آمادگی کا اظہار کیا۔

مذاکرات کا آغاز

دونوں ممالک کے سربراہوں کی بات چیت کی روشنی میں جنوری ۱۹۸۶ء میں دونوں ملکوں کے ڈیفنس کے سیکرٹریوں کے مابین اس مسئلے پر مذاکرات ہوئے۔ اگرچہ یہ نتیجہ خیز تو ثابت نہ ہوئے۔ تاہم دونوں ملکوں نے مذکورہ تنازعہ کے بارے میں اپنے اپنے موقف سے ایک دوسرے کو آگاہ کیا اور اس عزم کا اظہار کیا کہ سیاچن کے مسئلے کو شملہ معاہدہ کی روح کے مطابق پرامن اور بات چیت کے ذریعے طے کیا جائے گا۔ ۵ مارچ ۱۹۸۶ کو حکومت پاکستان نے سیاچن پر بھارت کا دعویٰ مسترد کرتے ہوئے کہا کہ سیاچن ہمیشہ پاکستان کے کنٹرول میں رہا ہے۔

اپریل ۱۹۸۶ء میں دونوں ملکوں کے مابین اس مسئلہ پر پھر بات چیت ہوئی بات چیت میں پاکستان کے سیکرٹری دفاع اجلال حیدر زیدی اور بھارت کے سیکرٹری دفاع ایس کے بھٹ ناگر نے حصہ لیا۔ یہ بات چیت بھی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی۔

جون ۱۹۸۶ء میں دونوں ملکوں کے سیکرٹریوں کے مابین مذاکرات کا تیسرا دور شروع ہوا۔ مذاکرات کے اختتام پر جو مشترکہ اعلان جاری کیا گیا۔ اس میں اس بات کا بطور خاص ذکر کیا گیا تھا کہ مذاکرات تعمیری تھے اور دوستانہ ماحول میں ہوئے فریقین نے اس مسئلے کو معاہدہ شملہ کی روشنی میں طے کرنے کا فیصلہ کیا۔

سیاچن کے مسئلے پر وزیر اعظم کا موقف

۲۰ جون ۱۹۸۶ء کو وزیر اعظم محمد خان جونیجو نے پارلیمنٹ میں سوالوں کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ حکومت پاکستان نے گلیشئر کے ایک حصے پر بھارتی قبضے کا سختی سے نوٹس لیا ہے۔ پاکستان اپنی مقدس سرزمین کے ایک انچ پر بھی کسی دوسرے کو قبضہ کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔

بھارت کے سابق کمانڈر انچیف کا دعویٰ

۲۷ جولائی ۱۹۸۶ء کو بھارتی فوج کے سربراہ اے ایس ودھیا نے دعویٰ کیا کہ ہم سیاچن گلیشئر کے چاروں کلیدی دروں پر بھی قابض ہیں، ہانگ کانگ سے شائع ہونیوالے

ایک جریدے میں کہا گیا کہ سیاچین کے دروں پر قبضے کے لیے گزشتہ دنوں پاکستان اور بھارتی افواج میں لڑائی ہوئی تھی۔ غیر ملکی اطلاعات کے مطابق اکتوبر ۱۹۸۷ء میں بھی جھڑپیں ہوئیں۔

پاکستان اسٹیل ملز

پاکستان اسٹیل ملز کا منصوبہ روس کے تعاون سے ۲۵ ارب روپے کے سرمائے سے دسمبر ۱۹۸۴ء میں مکمل ہوا صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے ۱۵ جنوری ۱۹۸۵ء کو اس کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر صدر پاکستان نے کہا سٹیل ملز ملک کے لیے نئے سال کا سب سے بڑا تحفہ ہے۔ نیز یہ ملک کی ترقی و خوشحالی میں ایک ستون ثابت ہوگی۔ سٹیل ملز کے کام شروع کرنے پر پاکستان میں ترقی و خوشحالی کا نیا دور شروع ہوگا۔ سٹیل ملز کی بدولت اس قیمتی زرمبادلہ کی بھی بچت ہو گی جو پاکستان کو انجنیئرنگ کی مصنوعات کی درآمد پر خرچ کرنا پڑتا تھا۔ بلکہ کئی دوسری ذیلی، نجی اور سرکاری صنعتوں کو بھی مدد ملے گی۔

اس سٹیل ملز میں سالانہ گیارہ لاکھ ٹن فولاد استعمال ہو سکے گا۔ روسی وفد کے قائد اور پاکستان میں روس کے سفیر الیس سمرنوف نے کہا کہ سٹیل مل روس اور پاکستان کے درمیان دوستی کی علامت ہو گی۔ روس نے اس مل کی تکمیل کے لیے پانچ عشاریہ ۱۳۰ ملین روپے کا سرمایہ قرض کی شکل میں فراہم کیا جو ۱۹۶۱ء سے روس کی جانب سے پاکستان کو فراہم کردہ مجموعی مالی امداد کے نصف کے مساوی ہے۔

تخریبی کارروائیاں

پی آئی اے کے طیارے کا اغوا

ملک دشمن عناصر نے پاکستان میں دہشت اور افراتفری پھیلانے کے لیے ۲، مارچ ۱۹۸۱ء کو پی آئی اے کے بوئنگ ۷۲۰ مسافر بردار طیارے کو جس میں عملے سمیت ۱۴۸ مسافر سوار تھے اس وقت اغوا کر لیا جب وہ کراچی سے پشاور محو پرواز تھا۔ ان کا سرغنہ عالمگیر عرف ٹیپو بتایا گیا۔ اغوا کنندگان طیارے کو کابل لے گئے جہاں پاکستان کے محکمہ شہری ہوا بازی کی ایک ٹیم بھی بھیجی گئی۔ لیکن کابل حکومت کے عدم تعاون کی بنا پر ٹیم کا ہائی جیکروں سے رابطہ قائم نہ ہو سکا حکومت پاکستان نے روس اور امریکہ سمیت متعدد ممالک سے رابطہ قائم کیا تاہم اغوا کنندگان نے طیارے کے ۲۸ مسافروں کو رہا کر دیا اور ممتاز سفارت کار میجر ریٹائرڈ طارق رحیم کو گولی مار کر طیارے سے نیچے پھینک دیا۔ اغوا کنندگان نے مطالبہ کیا کہ حکومت پاکستان ان ۹۲ افراد کو رہا کر دے جو کراچی یونیورسٹی کے احاطے میں قتل اور لیاقت باغ فائرنگ کیس میں ملوث ہیں اور مطالبات منوانے کے لیے ۶، مارچ کو ۳ بجے کا وقت

مقـــرر کیا۔

۷ مارچ کو حکومت پاکستان کی درخواست پر کابل میں متعین تمام اسلامی ممالک کے سفیروں نے پاکستانی طیارے، عملے اور مسافروں کی رہائی کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ اسی روز مطالبات تسلیم نہ ہونے کی صورت میں باقی جیکروں نے طیارے کو بم سے اڑانے کا اعلان کیا ۸ مارچ کو اغوا کنندگان طیارے کو دمشق (شام) لے گئے ۱۲ مارچ کو حکومت پاکستان نے اغوا کنندگان کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا کہ ۵۵ قیدی رہا کر دیئے جائیں۔ چنانچہ ان قیدیوں کو دمشق پہنچا دیا گیا اور اس طرح ۱۴، ۱۵ مارچ کی درمیانی رات کو اغوا کنندگان نے طیارے کو رہا کر دیا۔ فضائی قذاقی کی تاریخ میں یہ سب سے بڑا المیہ تھا طیارے میں سوار ۱۲۵ افراد نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اور حکومت پاکستان کی ان کوششوں کو سراہا جو انہوں نے طیارے اور طیارے کے مسافروں کو آزاد کرانے کے لیے کی تھیں۔ حکومت سعودی عرب نے تمام مسافروں کے لیے عمرہ اور زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرنے کا انتظام کیا اور ۱۸ مارچ کو وطن واپس پہنچے تو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے پشاور کے ہوائی اڈے پر اُن کا پرجوش استقبال کیا۔

مارشل لاء کا خاتمہ

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے حسب وعدہ ۳۰ دسمبر ۱۹۸۵ کو مارشل لاء کے خاتمے کا اعلان کر کے ملک میں جمہوری دور کے آغاز کا اعلان کیا انہوں نے یہ اعلان پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں کیا۔ اہم نکات یہ تھے۔

۱۔ گزشتہ آٹھ برس کی کارکردگی کے جائزے سے ثابت ہوتا ہے کہ ناکامیاں کم اور کامیابیاں زیادہ حاصل ہوئیں۔

۲۔ مارشل لاء کی انتظامیہ نے سیاست کو شرافت سے مشرف کر دیا ہے۔

۳۔ مارشل لاء نے قومی معیشت کی بحالی میں مدد دی اور صنعتی اور زرعی پیداوار میں اضافے کی راہ ہموار کی۔

۴۔ ایشیا میں پہلی بار مارشل لاء نے جمہوریت کو جنم دیا۔

۵۔ پاکستان کے وقار کو جسے ۱۹۷۷ء میں داخلی انتشار نے داغ دار کر دیا تھا بحال کر دیا گیا۔

۶۔ وقت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مارشل لاء کی انتظامیہ نے جو بھی قدم اٹھائے وہ تمام کے تمام صحیح سمت میں تھے۔

۷۔ نظام اسلام کا نفاذ جاری رہے گا اور موجودہ تبدیلی سے اس کا تسلسل متاثر نہیں ہوگا۔

۸۔ عورت نہ صرف خاتون خانہ ہے بلکہ اسے ملک میں ملکہ کا رتبہ بھی حاصل ہے۔
۹۔ خواتین نے ریفرنڈم اور عام انتخابات دونوں کو کامیاب بنانے میں ہر ممکن تعاون کیا۔
۱۰۔ جمہوریت کا عمل آگے بڑھتا رہے گا۔
۱۱۔ نئے نظام میں گزشتہ ساڑھے آٹھ سال کے دوران طے شدہ راستوں پر ہی پیش رفت ہوگی۔
۱۲۔ اس بات کا فیصلہ پارلیمنٹ پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ کیا سیاسی پارٹیوں کا نظام بہتر ہے یا غیر جماعتی نظام۔
۱۳۔ بہر حال سیاسی پارٹیوں کی بحالی سے قبل انہیں جمہوری بنیادوں پر استوار کرنا ضروری ہوگا۔
۱۴۔ غیر جماعتی بنیادوں پر منتخب ہونے والی غیر جماعتی پارلیمنٹ ہی نے مارشل لاء ختم کرنے کا راستہ ہموار کیا ہے۔
۱۵۔ مارشل لاء کے تمام دفاتر اور عدالتیں ختم کر دی گئی ہیں۔
۱۶۔ آئین کو مکمل طور پر بحال کر دیا گیا ہے۔
۱۷۔ فوجی عدالتوں میں فیصلے کے منتظر مقدمے سول عدالتوں کو منتقل کر دیئے گئے ہیں۔
۱۸۔ مارشل لاء کے نفاذ سے متعلق ۵ جولائی ۱۹۷۷ کو جاری ہونے والا اعلان واپس لے لیا گیا ہے۔
۱۹۔ مارشل لاء اٹھ جانے کے بعد اب سیاست دانوں کا کام ہے کہ وہ اپنے آپ کو تدبر اور دوراندیشی اور فراست کے ساتھ عوام کی قیادت کا اہل ثابت کریں۔
۲۰۔ بلدیاتی اداروں کی بھرپور حمایت کی جائے گی۔
۲۱۔ عوام کا معیار زندگی بہتر بنانے کے لیے ملک بھر میں جو منصوبے زیر تکمیل ہیں انہیں جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے گا۔
۲۲۔ عوام حقیقی اسلامی نظام چاہتے ہیں تاکہ اُن کے مسائل اسلامی جذبے سے حل ہو سکیں۔
۲۳۔ تعلیمی محاذ پر تین سطحوں پر جہاد شروع کیا جائے۔ اور پرائمری، ثانوی اور اعلیٰ سطحوں پر بیک وقت موثر اقدامات کئے جائیں۔
۲۴۔ ایسے انتظامات کیے جائیں گے کہ تعلیمی ادارے پڑھے لکھے بے روزگار نوجوانوں کی تعداد میں اضافہ کا موجب نہ بنیں۔

۲۵۔ تعلیم یافتہ افراد کو اس قابل ہونا چاہیے کہ وہ کسی مشکل کے بغیر خود اپنی روزی کما سکیں۔

۲۶۔ منتخب نمائندوں کو اقربا پروری سے باز رہنا چاہیے قومی امور منصفانہ طریقے سے نمٹائے جائیں

۲۷۔ اب وفاقی کمشن کا نام وزیراعظم معائنہ کمیشن ہو گا۔

۲۸۔ مارشل لاء کے تمام ضابطے اور احکام منسوخ کر دیئے گئے ہیں سوائے ان کے جنہیں آئین کے تحت تحفظ دیا جا چکا ہے۔

۲۹۔ خارجہ پالیسی کی کامیابی کا انحصار داخلی استحکام، اتحاد اور تسلسل پر ہے۔

۳۰۔ ساڑھے آٹھ کروڑ عوام بخوبی اپنا دفاع کر سکتے ہیں اس لیے ہمیں اپنے قدموں پر کھڑا ہونا چاہیے۔

۳۱۔ اگر آپ نے پارلیمانی نظام کو چلانا ہے اور اس کے لیے پارٹیاں تشکیل دینی ہیں تو آپ کی صوابدید پر ہے۔

۳۲۔ مجھے عوام کی صلاحیتوں پر پورا یقین ہے مجھے ان کے جذبہ حریت پر فخر ہے مجھے ان کے احساس جمہوریت پر پورا اعتماد ہے میں ملک کی باگ ڈور ان کے سپرد کرتا ہوں اور آج (۳۰ دسمبر ۱۹۸۵) ابھی اور فوری طور پر اپنی تقریر ختم کرنے کے بعد اس معزز ایوان کے سامنے مارشل لاء اٹھانے کا اعلان کرتا ہوں صدر نے پاکستان زندہ باد، جمہوریت پائندہ باد والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے الفاظ پر تقریر ختم کرنے کے بعد مارشل لاء کے خاتمے کے احکامات پر دستخط کئے پھر سینٹ کے چیئرمین غلام اسحاق خان، قومی اسمبلی کے سپیکر فخر امام اور وزیراعظم محمد خان جونیجو نے مارشل لاء کے خاتمے کی دستاویز پر دستخط کیے۔

عوام کے بنیادی حقوق کی بحالی

۳۰ دسمبر ۱۹۸۵ء کو ملک میں مارشل لاء کے خاتمے کے ساتھ ہی عوام کے بنیادی حقوق اور عدلیہ کی آزادی کو بحال کر دیا گیا اور اس طرح تقریباً بیس سال کے بعد ملک میں ہنگامی حالت کے خاتمے کا اعلان کیا گیا۔

ہنگامی حالت کا نفاذ اکتوبر ۱۹۵۸ میں اُس وقت ہوا جب جنرل محمد ایوب خان نے ۱۹۵۶ء کے آئین کو منسوخ کر دیا تھا ۱۹۶۲ء میں نیا آئین نافذ ہوا تو آئین میں بنیادی شہری حقوق تو تمام درج تھے لیکن عدالتوں کو اس امر کا اختیار نہ تھا کہ وہ ان کے سلسلے میں فیصلے دے سکیں۔ ۱۹۶۳ء میں ایک ترمیم کے ذریعے اس امر کو اس طرح واضح کیا گیا کہ بنیادی شہری حقوق تو موجود رہے لیکن

سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ اس ضمن میں اس وقت تک دائرہ اختیار نہ رکھتی تھیں جب تک کہ ملک میں ہنگامی حالت نافذ ہو۔

یہ سلسلہ صدر ایوب کے آخری دور تک جاری رہا پھر جنرل آغا محمد یحییٰ خاں صدر بنے تو انہوں نے بھی ملک میں ہنگامی حالت کو برقرار رکھا۔ بھٹو دور حکومت کے ابتدا میں ہنگامی حالت نافذ رہی ۱۹۷۳ء میں ملک میں نیا آئین نافذ ہوا تو عوام کے بنیادی حقوق بھی اس کا حصہ بنے لیکن عملاً کوئی پیش رفت نہ ہوئی پھر صدر ضیاء الحق کے دور میں بھی ہنگامی حالت نافذ رہی بالآخر ۳۰ دسمبر ۱۹۸۵ء کو مارشل لاء کے خاتمے کے ساتھ ہی اس کا بھی خاتمہ ہوا۔

وزیر اعظم محمّد خاں جونیجو کا دَورِ حکومت

۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء ۔ تا حال

۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء کو وزیر اعظم محمد خاں جونیجو نے پاکستان کے گیارہویں وزیر اعظم کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا اور اس طرح ان کی قیادت میں ملک ایک بار پھر جمہوریت کی طرف گامزن ہو گیا۔ اس سے اگلے روز قومی اسمبلی سے متفقہ طور پر اعتماد کا ووٹ حاصل کیا۔ وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے صوبہ سرحد کا دَورہ کیا اپریل ۱۹۸۵ء میں انہوں نے وفاقی ملازمتوں میں بلوچستان کے کوٹہ پر مکمل عملدر آمد کے احکامات جاری کئے ۲۶ مئی کو وزیر اعظم نے ملک کو مارشل لاء سے نجات دلانے کے لئے قومی اسمبلی کی ۹ رکنی خصوصی کمیٹی قائم کی۔ ۱۸ جون کو انہوں نے عید الفطر کے موقع پر تمام قیدیوں کی سزائیں دو ماہ کی تخفیف کا اعلان کیا دریں اثنا وزیر اعظم نے قومی اسمبلی میں پونے دو سو ارکان پر مشتمل مسلم لیگی پارلیمانی گروپ قائم کیا، جولائی ۱۹۸۵ء میں وزیر اعظم عمرہ کرنے کی غرض سے سعودی عرب گئے تو ہر جگہ پر ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا نومبر میں انہوں نے واہ چھاؤنی میں ۷، ۱۲ ایم ایم اینٹی ایئر کرافٹ گن فیکٹری کا افتتاح کیا۔ نومبر ہی کے مہینے میں وزیر اعظم محمد خاں جونیجو چین کے پہلے دَورے پر بیکنگ گئے۔ تو چین کے وزیر اعظم مسٹر ژاؤ ژیانگ نے اُن کا استقبال کیا۔ قیام چین کے دوران وزیر اعظم نے چینی حکام سے دونوں ملکوں کے باہمی دلچسپی اور عالمی مسائل کے بارے میں بات چیت کی۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۸۵ء کو ان کی کوششوں سے ملک میں مارشل لاء کا خاتمہ ہوا اور اس سے اگلے دن ملک بھر میں مارشل لاء کے خاتمے کی خوشی میں سرکاری تعطیل منائی گئی۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۵ء کو ملکی ترقی اور خوشحالی کے لئے انہوں نے پانچ نکاتی منشور پیش کیا۔ ۷ اپریل ۱۹۸۶ء کو لاہور میں کچی آبادیوں کے مکینوں کو مالکانہ حقوق دینے کا اعلان کیا تو کچی آبادیوں کے مکینوں نے سکھ کا سانس لیا۔ اور وزیر اعظم کے اس اقدام کو بے حد سراہا۔ ۱۸ مارچ ۱۹۸۶ء کو انہوں نے غریبوں کو مفت قانونی امداد مہیا کرنے کے لئے پانچ لاکھ روپے کے عطیے سے ایک امدادی فنڈ قائم کیا۔

حزبِ اختلاف نے مئی ۱۹۸۶ء میں وزیر اعظم کی قومی اسمبلی کی رُکنیت ختم کرنے کی ناکام کوشش

کی ۔ ۱۷ ر جولائی کو اس وقت پاکستان اور امریکہ کے مابین جدید ترین ٹیکنالوجی کی فراہمی پر دستخط ہوئے۔ جب وزیر اعظم محمد خاں جونیجو امریکہ کے دورے پر تھے وزیر اعظم نے اس موقع پر امریکی حکام کو یقین دلایا کہ پاکستان ایٹم بم نہیں بنا رہا بلکہ وہ جوہری توانائی کو دوسرے شعبوں میں استعمال کر رہا ہے۔ اس طرح وہ امریکہ سے زیادہ سے زیادہ امداد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ وزیر اعظم نے ترکی، مغربی جرمنی اور فرانس کا دورہ بھی کیا اور اس دوران میں انہوں نے متعلقہ ممالک سے پاکستان کے تعلقات میں مزید وسعت پیدا کرنے کے لئے نہایت اہم کردار ادا کیا۔

وزیر اعظم محمد خاں جونیجو نے پاک بھارت تعلقات کو معمول پر لانے کے لئے بھی کوششیں کیں اور نومبر ۱۹۸۶ء میں بنگلور میں منعقدہ سارک سربراہ کانفرنس کے دوران بھارتی وزیر اعظم راجیو گاندھی کو پاکستانی سرحدوں پر بھارتی فوجوں کے اجتماع سے پیدا ہونے والی تشویش سے آگاہ کیا اور انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ جنگ دونوں ملکوں کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگی۔ چنانچہ ان کے اس اقدام سے جنگ کا خطرہ ٹل گیا۔

ان کے عہد میں تخریب کاری کے واقعات بھی ہوئے ہیں جن میں ماہ محرم اور یوم آزادی کے دن لاہور، کراچی، حیدر آباد اور دیگر بڑے شہروں میں شرپسند عناصر کے ہنگامے اور متعدد افراد کو گولیوں کا نشانہ بنانا شامل ہیں۔ اسی طرح دسمبر ۱۹۸۶ء میں کراچی میں آپریشن کلین اپ کے دوران متعدد افراد تخریب کاری کا نشانہ بنے۔ یہ آپریشن انسدادِ منشیات کے سلسلے میں ضروری ہو گیا تھا۔

وزیر اعظم نے اس دوران ایم آر ڈی کے اس مطالبے کا کہ انتخابات جلد منعقد کرائے جائیں مسترد کرتے ہوئے کہا کہ انتخابات ہر قیمت پر ۱۹۹۰ء میں ہوں گے۔

ان کی کوششوں سے ۲۰ ر دسمبر ۱۹۸۶ء کو امریکہ نے پاکستان کو ہتھیاروں کی خریداری کے لئے اس مالی سال کے دوران کم شرح سود پر ۳۱ کروڑ ۲۵ لاکھ ڈالر کا قرضہ دینے کا اعلان کیا۔

وزیر اعظم پاکستان کی نامزدگی

چونکہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات غیر جماعتی بنیادوں پر ہوئے تھے اس لئے وزیر اعظم کی نامزدگی ضروری ہو گئی تھی۔ چنانچہ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۰ ر مارچ ۱۹۸۵ء کو سندھ سے قومی اسمبلی کے رکن مسٹر محمد خاں جونیجو کو ملک کا آئندہ وزیر اعظم بنانے کا فیصلہ کیا۔ صدر نے اس ضمن میں پنجاب سمیت مختلف صوبوں کے ارکان قومی اسمبلی سے ملاقاتوں کے دوران وزارتِ عظمیٰ کے لئے مسٹر محمد خاں جونیجو کا نام تجویز کیا اور ان سے رائے طلب کی تو انہوں نے صدر کی اس تجویز سے

اتفاق کیا اور ان پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔

۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء کو انہوں نے اپنے عہدے کا حلف اُٹھایا۔ ۲۴ مارچ کو قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر وزیرِ اعظم پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا اجلاس کی صدارت سپیکر مسٹر فخر امام نے کی، اعتماد کی قرارداد پرنس محی الدین بلوچ نے پیش کی۔

وزیرِ اعظم نے اعتماد کا ووٹ لینے کے بعد قومی اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ سول حکومت اور مارشل لاء ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔

رشوت خوروں کے لئے اب پاکستان میں کوئی جگہ نہیں۔ معیارِ تعلیم بہتر بنایا جائے گا۔ مثبت پروگرام پر عمل کر کے جتنی جلدی ممکن ہو سکا مارشل لاء سے نجات حاصل کی جائے گی۔

وزیرِ اعظم نے ۳۱ مارچ کو ریڈیو اور ٹی وی پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ رشوت خور افسروں کے لئے ملک میں کوئی جگہ نہیں ہوگی انہیں ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔ تنخواہ دار طبقہ مہنگائی کے ہاتھوں پریشان ہے محدود وسائل کے باوجود حکومت کچھ نہ کچھ ضرور کرے گی سب ساتھ رہیں ساتھ چلیں بنیادی مقصد پر مخالفوں کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں وہ بھی محبِ وطن ہیں۔ عدلیہ کے اختیارات جلد بحال کر دیئے جائیں گے۔ ہماری حکومت قومی ہوگی۔

وزیرِ اعظم محمد خاں جونیجو (مختصر حالات)

وزیرِ اعظم پاکستان محمد خاں جونیجو کا تعلق سندھ کے زمیندار گھرانے سے ہے۔ وہ ۱۸ اگست ۱۹۳۲ء کو صوبہ سندھ کے ضلع سانگھڑ کی تحصیل کھپرو کے موضع سندھڑی میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں انگلستان چلے گئے اور وہاں کی مشہور عالم یونیورسٹی کیمبرج سے سینئر کیمبرج کا امتحان پاس کیا بعد ازاں زرعی انسٹی ٹیوٹ ہسٹنگز میں داخلہ لیا اور وہاں سے زراعت میں ڈپلومہ حاصل کیا۔

انہوں نے اکیس برس کی عمر میں اُس وقت اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا جب ۱۹۵۴ء میں انہوں نے ضلع کونسل سانگھڑ کی صدارت کا انتخاب لڑا اور بلا مقابلہ صدر منتخب ہوئے اس کے بعد ۱۹۶۲ء میں سانگھڑ سے مغربی پاکستان اسمبلی کے رُکن بنے جولائی ۱۹۶۳ء میں مغربی پاکستان کی کابینہ میں صحت، بنیادی جمہوریت وبلدیات، محنت وامدادِ باہمی، تعمیرات، مواصلات اور ریلوے کے محکمے سپرد کئے گئے۔ اس کے بعد جولائی ۱۹۷۸ء میں وفاقی کابینہ میں بطور ریلوے وزیر کے شامل ہوئے اور تقریباً نو ماہ بعد ۲۱ اپریل ۱۹۷۹ء کو اس عہدے سے سبکدوش ہو گئے۔

فروری ۱۹۸۵ء میں قومی اسمبلی کے رُکن منتخب ہوئے۔ ازاں بعد انہیں صدر ضیاء الحق نے

وزیراعظم کے عہدے کے لئے نامزد کیا ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء کو انہوں نے اپنے عہدے کا حلف اُٹھایا۔

وفاقی کابینائیں

پہلی وفاقی کابینہ

محمد خاں جونیجو نے وزیرِاعظم کا عہدہ سنبھالنے کے بعد ۱۰ اپریل ۱۹۸۵ء کو اپنی کابینہ تشکیل دی جن حضرات کو کابینہ میں شامل کیا گیا ان کے نام یہ ہیں :

(۱) حامد ناصر چٹھہ (وزیر اطلاعات) (۲) غلام محمد احمد مانیکا (بلدیات)

(۳) ڈاکٹر محبوب الحق (خزانہ) (۴) صاحبزادہ یعقوب خاں (اُمور خارجہ)

(۵) عبدالغفور خاں ہوتی (ریلوے) (۶) حنیف طیب جی (محنت)

(۷) محی الدین بلوچ (مواصلات) (۸) خاقان عباسی (پیداوار)

(۹) یوسف رضا گیلانی (ہاؤسنگ و تعمیرات) (۱۰) میر ظفر اللہ جمالی (پانی و بجلی)

(۱۱) اقبال احمد خاں (انصاف و پارلیمانی اُمور) (۱۲) سلیم سیف اللہ (تجارت)

(۱۳) سید ظفر علی شاہ (صنعت)

۲۱ مئی کو وزیراعظم نے کابینہ میں مزید سات وزراء کو شامل کیا۔

(۱۴) اسلم خٹک (داخلہ اُمور) (۱۵) قاضی عبدالمجید عابد (خوراک)

(۱۶) یاسین وٹو (تعلیم) (۱۷) قاسم شاہ (کشمیر)

(۱۸) جمال سید میاں (ثقافت و سیاحت) (۱۹) نور حیات خاں نون (صحت)

(۲۰) شاہ محمد پاشا کھوڑو (وزیرِمملکت برائے داخلہ اُمور) (۲۱) نثار احمد خاں مشیر

وزرائے مملکت (۱) ڈاکٹر عطیہ عنایت اللہ (خاندانی بہبود)

(۲) مقبول احمد (مذہبی اُمور) (۳) رائے منصب علی خاں (محنت افرادی قوت)

(۴) زین نورانی (اُمور خارجہ) (۵) اسلام الدین شیخ (پیداوار)

(۶) مہر حاجی ترین (زراعت) (۷) سید قاسم شاہ (کشمیر، ریاستی اُمور)

دُوسری وفاقی کابینہ

مارشل لاء کے خاتمے کے بعد وزیراعظم محمد خاں جونیجو نے نئی کابینہ تشکیل دی جس نے ۲۸ جنوری ۱۹۸۶ء کو حلف اُٹھایا۔ پاکستان کی تاریخ میں یہ سب سے بڑی کابینہ تھی۔ وزراء کے نام یہ تھے۔

(۱) محی الدین بلوچ (تجارت) (۲) ملک نور حیات خاں نون (مواصلات)

(۳) جمال سید میاں (پانی و بجلی) (۴) محمد اسلم خاں خٹک (داخلہ امور)
(۵) سید قاسم شاہ (امور کشمیر) (۶) میاں لیسین وٹو (خزانہ)
(۷) صاحبزادہ یعقوب خاں (امور خارجہ) (۸) یوسف رضا گیلانی (ریلوے)
(۹) حامد ناصر چٹھہ (سائنس و ٹیکنالوجی) (۱۰) اقبال احمد خاں (قانون و پارلیمانی امور)
(۱۱) غلام محمد احمد مانیکا (سیاحت ثقافت) (۱۲) خاقان عباسی (پیداوار)
(۱۳) نسیم احمد آہیر (تعلیم) (۱۴) چودھری شجاعت حسین (اطلاعات و نشریات)
(۱۵) نواب مقصود احمد لغاری (محنت) (۱۶) سلیم سیف اللہ (ہاؤسنگ)
(۱۷) قاضی عبدالمجید عابد (خوراک وزراعت) (۱۸) شاہ محمد پاشا کھوڑو (صحت)
(۱۹) انور عزیز چودھری (بلدیات) (۲۰) ظفر علی شاہ (صنعت)
(۲۱) حاجی محمد ترین (مذہبی امور) (۲۲) حاجی حنیف طیب (نئی وزارت پٹرولیم)

وزرائے مملکت

(۱) سراج عزیز زراعت (۲) ابراہیم بلوچ مواصلات (۳) زین نورانی امور خارجہ۔ (۴) رائے منصب علی محنت (۵) مقبول احمد خاں مذہبی امور (۶) تسنیم نواز گردیزی نئی وزارت (کامرس) (۷) ناصر بلوچ تعلیم (۸) افسر رضا قزلباش خصوصی تعلیم و سماجی بہبود (۹) این اے خاں نئی وزارت ریلوے (۱۰) یونس الٰہی سیٹھی صنعت (۱۱) اسلام الدین شیخ پیداوار (۱۲) مہران خاں بجارانی نئی وزارت سپورٹس (۱۳) میر نواز خاں مروت نئی وزارت پارلیمانی امور۔

مشیر (۱) ڈاکٹر ایم اے قاضی سائنس و ٹیکنالوجی (۲) سردار غلام محمد خاں مہر پانی و بجلی۔ (۳) عطیہ عنایت اللہ بہبود آبادی۔

وفاقی کابینہ کا استعفیٰ کراچی کے علاقے سہراب گوٹھ میں دسمبر ۱۹۸۶ء میں ہونے والے خونریز واقعات کے پیش نظر ۲۰ر دسمبر کو وفاقی کابینہ نے وزیراعظم محمد خاں جونیجو کو اپنے استعفے پیش کئے تاکہ وہ ملک کو درپیش مسائل اور حالات سے نمٹنے کے لئے کابینہ کی ازسرنو تشکیل کر سکیں۔ کابینہ نے وزیر اعظم پر اعتماد کا اظہار کیا اور انہیں مستقبل میں بھی بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ وزیر اعظم نے جمہوریت کی بحالی کے لئے کابینہ کے ارکان کی خدمت کو سراہا۔

کابینہ کے اجلاس میں کراچی کے خونریز فسادات پر بھی تفصیل سے غور کیا گیا اور اس

قسم کے واقعات کی روک تھام کے لئے مؤثر اقدامات کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ کراچی کی صورت حال کے پیش نظر ملک میں امن وامان کی صورت حال کا بھی جائزہ لیا گیا اور قیمتی جانوں اور مالی نقصان پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ان فسادات میں ہلاک ہونے والوں کے ایصالِ ثواب کے لئے فاتحہ خوانی کی گئی مستعفی ہونے والے وزراء کے نام یہ تھے :

وزیر خزانہ محمد یٰسین خاں وٹو، اُمورِ خارجہ صاحبزادہ یعقوب خاں، ریلوے یوسف رضا گیلانی داخلہ محمد اسلم خٹک، اطلاعات ونشریات چودھری شجاعت حسین، صحت شاہ محمد پاشا کھوڑو، تعلیم نسیم احمد آہیر، مذہبی امور اقبال احمد خاں، انصاف و پارلیمانی اُمور مسٹر وسیم سجاد، پیداوار محمد خاقان عباسی، صنعت سید ظفر علی شاہ، بلدیات و دیہی ترقی مسٹر انور عزیز چودھری جمال سید میاں، کھیل و ثقافت وسیاحت غلام احمد خاں مانیکا، محنت افرادی قوت مقصود احمد خاں لغاری۔ منصوبہ بندی کمیشن ڈاکٹر محبوب الحق، سائنس وٹیکنالوجی حاجی میر ترین، خوراک وزراعت قاضی عبدالمجید عابد، ہاؤسنگ وتعمیرات سلیم سیف اللہ، اُمور کشمیر وسرحدی اُمور قاسم شاہ، پٹرولیم حاجی محمد حنیف طیب خاں، صنعت یونس الٰہی سیٹھی، وزرائے مملکت : محنت وافرادی قوت رائے منصب علی، بیگم افسر رضا قزلباش، خارجہ مسٹر زین نورانی، مذہبی اُمور مسٹر مقبول احمد خاں، تعلیم ناصر بلوچ، پیداوار اسلام الدین شیخ، تجارت تسنیم نواز گردیزی۔

نئی وفاقی کابینہ ۲۲ دسمبر ۱۹۸۶ء کو بارہ وزراء اور چار وزرائے مملکت پر مشتمل سولہ رکنی نئی وفاقی کابینہ نے راولپنڈی میں حلف اُٹھایا۔ حلف برداری کی تقریب میں صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق، وزیر اعظم محمد خاں جونیجو، سینٹ کے چیئرمین غلام اسحاق خاں، قومی اسمبلی کے سپیکر حامد ناصر چٹھہ، ڈپٹی سپیکر وزیر احمد جوگیزئی اور وزیر اعظم کے مشیر راجا ظفر الحق بھی موجود تھے جن وزراء نے حلف اُٹھایا اُن کے نام یہ ہیں :

۱۔ صاحبزادہ یعقوب خاں	خارجہ امور
۲۔ میاں محمد یٰسین وٹو	خزانہ، اقتصادی امور
۳۔ محمد اسلم خٹک	داخلہ
۴۔ نسیم احمد آہیر	تعلیم
۵۔ ابراہیم بلوچ	خوراک وزراعت، امداد باہمی
۶۔ چودھری شجاعت حسین	صنعت

(۷) قاضی عبدالمجید عابد	اطلاعات ونشریات
(۸) وسیم سجاد	انصاف وپارلیمانی امُور
(۹) چودھری انورعزیز	بلدیات و دیہی ترقی
(۱۰) حاجی حنیف طیب	ہاؤسنگ وتعمیرات
(۱۱) سید قاسم علی شاہ	ریاستیں اور سرحدی امُور
(۱۲) اقبال احمدخان	وفاقی وزیر بے محکمہ

وزرائے مملکت :

(۱) زین نورانی	خارجہ امُور
(۲) نثار محمدخان	ریلویز
(۳) سردار غلام محمدمہر	ہیلتھ
(۴) بیگم افسر رضا قزلباش	سپیشل ایجوکیشن سوشل ویلفیئر ڈویژن۔

مشیر وزیراعظم :

(۱) راجا ظفرالحق

جن وزراء کو کابینہ میں شامل نہیں کیا گیا اُن میں سلیم سیف اللہ خان، جمال سید میاں، نورحیات نون، یوسف رضا گیلانی، غلام محمد مانیکا، خاقان عباسی، سردار مقصود احمد لغاری، میر حاجی ترین، شاہ محمد پاشا کھوڑو، ظفر علی شاہ، ڈاکٹر محبوب الحق اور وزراء مملکت میں رائے منصب علی مقبول احمد خاں، تسنیم نواز گردیزی، ناصر علی بلوچ، یونس الہٰی سیٹھی، اسلام الدین شیخ، مہران خاں بجارانی اور میر نواز مروت، وزیر اعظم کے مشیروں میں ڈاکٹر ایم اے قاضی، بیگم عطیہ عنایت اللہ اور سرتاج عزیز شامل ہیں جب کہ وزیراعظم کے مشیر راجا ظفرالحق نے استعفیٰ ہی نہیں دیا تھا۔ اور غلام محمد مہر کو جو پانی اور بجلی کے مشیر تھے کو وزیر مملکت بنا دیا گیا۔

فلاح وبہبود

پانچ نکاتی پروگرام ۳۱ ردسمبر ۱۹۸۵ء کو وزیراعظم محمد خاں جونیجو نے پانچ نکاتی منشور کا اعلان کیا۔ یہ پروگرام چار برسوں پر محیط تھا۔ اس کے نکات یہ تھے:

(۱) پاکستان کی نظریاتی بنیادوں پر ایک مستحکم جمہوری سیاسی نظام کا قیام۔

(۲) منصفانہ بنیادوں پر ایک ایسے اقتصادی نظام کا فروغ جس سے بے روزی دُور ہو اور عوام کی خوشحالی کو یقینی بنایا جاسکے۔

(۳) ملک سے ناخواندگی دُور کرکے قوم کو جدید سائنسی دَور کے لئے تیار کرنا۔

(۴) معاشرے سے بدعنوانی، رشوت، ناانصافی اور دُوسری بدعنوانیوں کو ختم کرنا اور عوام کو احساسِ تحفظ اور انصاف فراہم کرنا۔

(۵) مضبوط قومی دفاع ایک غیر جانبدار متوازن خارجہ پالیسی کے ذریعے ملکی وقار اور سالمیت کا استحکام۔

وزیر اعظم نے پانچ نکاتی پروگرام کے بارے میں کہا کہ ہم اس پر عمل کرکے قیام پاکستان کے بُنیادی مقاصد کی تکمیل کر سکیں گے۔

پانچ نکاتی پروگرام پر عملدرآمد

۸ رمارچ ۱۹۸۶ء کو پانچ نکاتی پروگرام پر عملدرآمد کی رفتار کا جائزہ لینے سے متعلق کابینہ کی کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا جس میں دیہی پروگرام کے مختلف پہلوؤں پر عملدرآمد کی رفتار کا جائزہ لیا گیا۔ کمیٹی نے صوبائی حکومتوں کو ہدایت کی کہ وُہ دیہی علاقوں میں ترجیحی بُنیادوں پر بجلی کی فراہمی اور سڑکوں کی تعمیر کے لئے منتخب نمائندوں کے صلاح مشورے سے چار سالہ پروگرام تیار کریں۔ کمیٹی نے دیہی علاقوں میں پینے کے پانی کی سہولت کو بہتر بنانے کی فوری ضرورت پر زور دیا اور کہا کہ ۱۹۹۰ء تک یہ سہولت ۶۰ فیصد آبادی کو فراہم کرنی چاہیئے۔ اس وقت یہ سہولت ۲۸ فیصد آبادی کو حاصل ہے دیہی صحت کے شعبے میں ۶۷ فیصد یونین کونسلوں کو اس سال کے دوران میں صحت کے بُنیادی یونٹ فراہم کئے جائیں گے جب کہ بقایا کو ۱۹۹۰ء میں کئے جائیں گے۔ کمیٹی نے سیم وتھور پر قابو پانے کے لئے ۱۵ ہزار ملین روپے فراہم کرنے کی سفارش کی۔

ٹاسک فورس کا قیام

۲ رجولائی ۱۹۸۶ء کو سائنس اور ٹیکنالوجی کی وزارت نے وزیر اعظم محمد خان جونیجو کے پانچ نکاتی پروگرام پر عملدرآمد کرنے کے لئے ایک ٹاسک فورس قائم کی۔ وزارت کے جائنٹ سیکرٹری باسط حسین کی چیئرمین شپ میں قائم ہونے والی اس چار رُکنی ٹاسک فورس کا مقصد دیہات میں اس ٹیکنالوجی کو استعمال کرنا ہے جو تحقیقی اور ترقیاتی تنظیموں نے پیدا کی ہے اس پروگرام کے تحت چاروں صوبوں کے پانچ سو دیہات کو یہ ٹیکنالوجی مہیا کی جائے گی ان میں سے ۸۷-۱۹۸۶ء کے لئے پچاس گاؤں منتخب

کیے گئے۔ ابتدائی مرحلے میں پنجاب سے دو، سرحد سے پندرہ، سندھ سے دس اور بلوچستان سے پانچ دیہات شامل کئے گئے ہیں۔ اس منصوبے کے مطابق دیہات میں بائیوگیس پلانٹ لگائے جائیں گے۔ مائیکرو ہائیڈل پلانٹ اور ہوائی چکیاں لگا کر بجلی پیدا کی جائے گی اور زراعت کو ترقی دی جائے گی۔

کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق دینا

کچی آبادیوں کا مسئلہ ایک عرصہ سے ان کے مکینوں کے لئے دردِ سر بنا ہوا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ انہیں مالکانہ حقوق دے دیئے جائیں چنانچہ وزیر اعظم محمد خاں جونیجو نے کچی آبادیوں کے مکینوں کے اس دیرینہ مسئلے کو حل کرنے کے لئے ۷ر اپریل ۱۹۸۶ء کو لاہور میں منعقدہ ایک عظیم الشان جلسے میں انہیں مالکانہ حقوق دینے کا اعلان کیا اور کہا کہ ۲۳ر مارچ ۱۹۸۵ء تک ملک میں جو کچی آبادیاں ہیں انہیں آج سے مالکانہ حقوق دے دیئے گئے ہیں اور کچی آبادی کے لئے سو گھر کی جو شرط پہلے رکھی گئی تھی اُسے کم کر کے ۴۰ گھر کر دی گئی۔ علاوہ ازیں شہری آبادی میں پانچ مرلے کی رہائشی سکیم میں اگر کوئی کمرشل جائیداد ہے تو آج سے وہ بھی رہائشی جائیداد تصور ہوگی۔

جو لوگ شہری علاقوں میں ترقیاتی مصارف تین ماہ کے اندر ادا کر دیں گے تو اُن کے آدھے ترقیاتی مصارف معاف کر دیئے جائیں گے۔

۸ر اپریل سے کچی آبادیوں کے مکینوں کو مالکانہ حقوق دینے کے لئے ابتدائی کارروائی شروع کر دی گئی ملک میں کل ۲۰۵۰ کچی آبادیاں ہیں جو ۲۷ ہزار نوسو بارہ ایکڑ رقبہ پر مشتمل ہیں اور ان میں ۴۵ لاکھ ۴۰ ہزار نفوس آباد ہیں۔

زیر سمندر تیل کی تلاش

۱۱ر اکتوبر ۱۹۸۵ء کو وزیر اعظم محمد خاں جونیجو نے کراچی میں تیل اور گیس کی ترقیاتی کارپوریشن کی جانب سے زیر سمندر تیل کی تلاش کے پہلے کنوئیں کی کھدائی کے لئے ہیلی کاپٹر کے ذریعے ۲۱ ہزار ٹن وزنی ڈرل شپ ڈان وڈائس پر پہنچے اور پیٹرو کینیڈا انٹرنیشنل کے تعاون اور کینیڈا کی امداد سے شروع کی جانے والی زیر سمندر کنوئیں کی کھدائی کی رسم افتتاح ادا کی۔ وزیر اعظم چیف آف نیول سٹاف ایڈمرل طارق کمال خاں، گورنر سندھ لیفٹیننٹ جنرل جہانداد خاں، وزیر اعلیٰ سندھ غوث علی شاہ، وزیر مملکت برائے پٹرولیم و قدرتی وسائل ڈاکٹر محمد اسد خاں بھی ڈرل شپ پر پہنچے۔ جہاں تیل اور گیس کی ترقیاتی کارپوریشن کے چیئرمین ذکاء الدین ملک جہاز کے کپتان آسکر جیمز کس، پیٹرو کینیڈا کے مینجر پیٹر سمتھ اور دیگر افراد نے وزیر اعظم کا استقبال کیا۔ وزیر اعظم نے اس موقع پر کہا کہ پٹرولیم میں خود کفالت صرف خواب نہیں بلکہ یہ ہمارے لئے بقاء کا مسئلہ ہے

نیز نجی شعبہ بھی ملک میں تیل کی تلاش کے سلسلے میں تعاون کرے گا۔ انہوں نے کارپوریشن اور وزارت پٹرولیم و قدرتی وسائل کی کارکردگی کو سراہا اور سائنس دانوں، انجینئروں اور ٹیکنالوجسٹوں پر زور دیا کہ وُہ تیل کی تلاش کے لئے اپنی کوششوں کو تیز تر کر دیں۔

سیاسی اُمور

سندھ اسمبلی کے اسپیکر کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک

جناب محمد خاں جونیجو کے وزیر اعظم نامزد ہونے کے بعد مسلم لیگ کو سرکاری پارٹی کی حیثیت دے دی گئی تو حزبِ اختلاف نے اس کے خلاف یہ اعتراض کیا کہ غیر جماعتی ایوان کو جماعتی ایوان میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ نیز آئین کی رُو سے ایسا کرنا ممکن نہیں لہٰذا غیر جماعتی بنیادوں پر منتخب ہونے والا کوئی رُکن کسی سیاسی پارٹی کی رکنیت اختیار نہیں کر سکتا۔

چونکہ سندھ اسمبلی کے اسپیکر عبداللہ حسین ہارون نے بھی سرکاری پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔ اس لئے حزبِ اختلاف نے اُن کی نااہلی کے لئے چیف الیکشن کمشنر کو ریفرنس بھیجا۔ دریں اثناء ۳۱ مارچ ۱۹۸۶ء کو سندھ اسمبلی میں حزبِ اختلاف نے ایک قرار داد پیش کی جسے بھاری اکثریت سے منظور کر لیا گیا۔ حالانکہ خفیہ رائے شماری سے پہلے دس ارکان نے اجلاس کو غیر آئینی قرار دے کر واک آؤٹ بھی کیا تھا۔ ۳۶ ارکان کی طرف سے پیش کردہ تحریک کے حق میں ۸۸ اور مخالفت میں دو ووٹ آئے تین ووٹ مسترد کر دیئے گئے۔

نئے اسپیکر کا انتخاب

۶ اپریل ۱۹۸۶ء کو سندھ اسمبلی کے اجلاس میں معروف قانون دان اور صوبائی اسمبلی کے رُکن سید مظفر حسین شاہ کو بلامقابلہ سندھ اسمبلی کا اسپیکر چن لیا گیا اور اس طرح یہ سیاسی بحران ختم ہو گیا۔

قومی اسمبلی کے اسپیکر کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ

۱۷ مئی ۱۹۸۶ء کو مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی نے جس کا اجلاس وزیر اعظم محمد خاں جونیجو کی صدارت میں ہوا، متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ قومی اسمبلی کے اسپیکر سید فخر امام کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کی جائے اُن کے خلاف یہ الزام تھا کہ انہوں نے جانبدار رویّہ اختیار کیا ہے جو کہ قومی اسمبلی کی کارکردگی کے لئے نقصان دہ اور پارلیمانی اصُولوں اور روایات کے منافی ہے لہٰذا آئین کی دفعہ ۵۳ کی شق ۷ کے پیراگراف "سی" کے تحت فخر امام کو قومی اسمبلی کے سپیکر کے عہدے سے

ہٹانے کے لئے جلد از جلد قرارداد پیش کی جائے؛ چنانچہ ۲۶ رمئی کو ایک قرارداد پیش کی گئی جسے بھاری اکثریت نے منظور کر لیا قرارداد کے حق میں ۱۵۲ اور مخالفت میں ۷۲ ووٹ آئے ڈپٹی سپیکر مسٹر وزیر خاں جوگیزئی کی صدارت میں ہونے والے اجلاس میں رانا نذیر احمد نے تحریک عدمِ اعتماد پیش کی جس پر ایوان نے ۱۴۸ ووٹوں کی اکثریت سے بحث کی اجازت دے دی۔

عدم اعتماد کی تحریک کے سلسلے میں جو ووٹ ڈالے گئے اُن کی گنتی اس طرح ہے۔

کل ووٹ	۲۳۷	ڈالے گئے ووٹ	۲۲۷
حق میں ڈالے گئے ووٹ	۱۵۲	مخالفت میں ڈالے گئے ووٹ	۷۲

مسترد ووٹ ۳

نئے سپیکر کی نامزدگی

آئین کے تحت ۳۰ رمئی ۱۹۸۶ء کو مسلم لیگ پارلیمانی گروپ نے وزیر اعظم محمد خاں جونیجو کو نئے سپیکر نامزد کرنے کا اختیار دیا ۳۱ رمئی کو وفاقی وزیر سائنس و ٹیکنالوجی چودھری حامد ناصر چٹھہ کو بھاری اکثریت سے قومی اسمبلی کا سپیکر منتخب کر لیا گیا انہیں کُل ڈالے گئے ووٹوں میں سے ۱۷۶ ووٹ ملے جب کہ آزاد پارلیمانی گروپ کے تینوں اُمیدواروں شیخ رشید احمد، سردار آصف احمد علی اور سید نصرت شاہ نے انتخاب کا بائیکاٹ کیا تاہم شیخ رشید اور سردار آصف علی کو دو دو ووٹ ملے حاجی سیف اللہ سمیت آزاد پارلیمانی گروپ کے دُوسرے ارکان نے بھی احتجاجاً واک آؤٹ کیا حاجی سیف اللہ نے کہا کہ وہ فخر امام کے خلاف منظور کی گئی عدم اعتماد کے خلاف احتجاج کے طور پر واک آؤٹ کر رہے ہیں۔

صدارتی آرڈی ننس

قومی اسمبلی کے اسپیکر فخر امام کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کرنے سے ایک روز قبل صدرِ مملکت نے ایک آرڈی ننس جاری کیا جس کی رُو سے یہ قرار پایا کہ غیر جماعتی طور پر منتخب ارکانِ اسمبلی کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وُہ کسی بھی وقت کسی سیاسی پارٹی میں شمولیت اختیار کر سکتے ہیں اس آرڈی ننس کے نفاذ پر سابق سپیکر فخر امام کا وُہ ریفرنس جو انہوں نے وزیر اعظم محمد خاں جونیجو اور عبدالستار لالیکا کے خلاف الیکشن کمیشن کو ارسال کیا تھا بے اثر ہو گیا۔

وزیر اعظم کے خلاف نااہلی کی رٹ درخواست مسترد

۱۴ رجون ۱۹۸۶ء کو لاہور ہائی کورٹ نے وزیر اعظم محمد خاں جونیجو اور عبدالستار لالیکا کے خلاف قومی اسمبلی کے رُکن سردار آصف احمد علی کی درخواست مسترد کر دی

درخواست میں موقف اختیار کیا گیا تھا کہ محمد خاں جونیجو اور عبدالستار لالیکا مسلم لیگ کے رجسٹرڈ ہونے سے قبل مسلم لیگ کے صدر اور سیکرٹری جنرل تھے غیر رجسٹرڈ پارٹی کے رُکن ہونے کے سبب وُہ قومی اسمبلی کی رُکنیت کے اہل نہیں رہے اور یہ نااہلی ختم کرنے کے سلسلے میں حالیہ صدارتی آرڈی ننس غیر آئینی ہے اس لئے محمد خاں جونیجو اور عبدالستار لالیکا کی قومی اسمبلی کی رُکنیت منسوخ کی جائے۔

عدالتِ عالیہ نے یہ درخواست مسترد کرتے ہوئے قرار دیا کہ درخواست دہندہ عدالت کو یہ باور کرانے میں ناکام رہا کہ وزیراعظم محمد خاں جونیجو اور عبدالستار لالیکا قومی اسمبلی کی رُکنیت کے نااہل ہو گئے تھے۔

عوامی نیشنل پارٹی کا قیام

بائیں بازو کی ہم خیال اور ترقی پسند جماعتوں نے باہمی ادغام کے لئے ۲رفروری ۱۹۸۶ء کو گیارہ رُکنی کمیٹی تشکیل دی کمیٹی کے مذاکرات کے نتیجے میں ۳رمئی ۱۹۸۶ء کو بائیں بازو کی چار سیاسی جماعتوں نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی، پاکستان نیشنل پارٹی، عوامی تحریک اور پاکستان مزدور کسان پارٹی نے ایک جماعت میں مدغم ہونے کا فیصلہ کیا جس کے مرکزی عہدیداروں کے ناموں (۲۶رجولائی ۱۹۸۶ء) کا بھی اعلان کر دیا گیا نام یہ ہیں :

صدر — عبدالولی خاں

سیکرٹری جنرل — سردار شوکت علی

نائب صدر

فاضل راہو، لطیف آفریدی، محمد کامل اور عبدالعلی کاکڑ خیل

سیکرٹری اطلاعات

حسین بخش ناریجو

پرچم : اس کا پرچم سُرخ رنگ کا ہے اور اس کے کونے پر سفید ستارہ بنا ہوا ہے۔ نئی جماعت کے کنوینر نے اس کے منشور کے ان اہم نکات کا اعلان کیا۔

۱- نیشنل عوامی پارٹی برسرِ اقتدار آکر مرکز کے پاس صرف چار شعبے خارجہ امور، کرنسی، مواصلات اور دفاع کے شعبے رہنے دے گی۔

۲- بڑے بڑے زرعی فارم قومی تحویل میں لئے جائیں گے۔

۳- ایک خاندان کے لئے زیادہ سے زیادہ ۵۰ ایکڑ اراضی کی حد مقرر کی جائے گی۔

۴- مشروط غیر ملکی قرضے ختم کئے جائیں گے۔

۵ - غیر مشروط قرضے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

۶ - دفاع کے اخراجات کم کر کے صوبوں کو اپنی ملیشا قائم کرنے دی جائے گی۔

۲۶ رجولائی ۱۹۸۶ء کو جب باضابطہ طور پر اس جماعت کے قیام کا اعلان کیا گیا تو اس موقع پر جماعت کے صدر خان عبدالولی خاں نے کہا کہ قوم کا آئینی اور قانونی طریقوں سے اعتماد اٹھ گیا تو ملک میں خونی انقلاب آجائے گا۔ کنونشن میں افغان انقلاب زندہ باد ایک قوم ایک آواز انقلاب انقلاب، امریکی سامراج مردہ باد کے نعرے لگائے گئے۔

صدر عبدالولی خاں نے مزید کہا کہ آج میری سیاسی زندگی کا خوش قسمت دن ہے کہ ترقی پسند قوتیں پہلی بار متحد ہوئی ہیں ہم تو بینڈک لوگ ہیں ہم ریت کی بوری سے نہیں اس کے پیچھے چھپے ہوئے بندوق والے سے لڑیں گے ہم ڈرنے والے نہیں۔ اب جلسے جلوس سے بات نہیں بنے گی۔ امریکہ نے مفادات کے لئے پاکستان کو داؤ پر لگا دیا ہے۔

۲ راگست ۱۹۸۶ء کو ایم آر ڈی نے عوامی نیشنل پارٹی کو اپنا رُکن بنالیا۔

نیشنل پیپلز پارٹی کا قیام

۳۰ راگست ۱۹۸۶ء کو لاہور میں پاکستان کے سیاسی کارکنوں کے قومی کنونشن میں نیشنل پیپلز پارٹی کو تشکیل دیا گیا۔ سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ پاکستان پیپلز پارٹی کے سابق قائم مقام چیئرمین، سابق وزیر غلام مصطفےٰ جتوئی کو پارٹی کا ۴ سال کے لئے چیئرمین منتخب کیا گیا۔ قومی کارکنوں کا کنونشن لاہور سے ۲۰ کلومیٹر دُور ٹھوکر نیاز بیگ پر الحاج چوہدری محمد علی کی رہائش گاہ پر منعقد ہوا۔ اس اجلاس کے ۲۹ راگست کو تین سیشن اور ۳۰ راگست کو بھی تین سیشن ہوئے۔ صدارت غلام مصطفےٰ جتوئی نے کی۔ اجلاس میں پارٹی کے متعدد نام تجویز کئے گئے ان میں عوامی اتحاد، پاکستان ملت پارٹی، پاکستان اتحاد پارٹی، پیپلز یونائیٹڈ نیشنل پارٹی، پاکستان پبلک پارٹی، پیپلز ڈیموکریٹ پارٹی، سوشلسٹ ڈیموکریٹ پارٹی اور نیشنل پیپلز پارٹی شامل تھے۔ اجلاس میں اتفاق رائے سے پارٹی کا نام نیشنل پیپلز پارٹی رکھا گیا۔ کنونشن سے حنیف رامے، نصر اللہ خٹک، غوث بخش رئیسانی، حامد رضا گیلانی، حنیف خاں، نرگس نعیم، بشیر بھٹہ، اعجاز سیفی، عثمان کینڈی، مسٹر سرفراز اقبال، حاجی جاوید پال، غازی صلاح الدین، راجہ ریاض، ملک جاوید اعوان، رخسانہ ظہور، شیخ لیاقت، قمر احسان اللہ، بیگم طلعت جہاں زیب، طارق وحید، احسن عمر، ملک لعل خاں نے خطاب کیا۔

اجلاس میں نیشنل پیپلز پارٹی کے پرچم کا ڈیزائن بھی منظور کر لیا گیا۔ پرچم پر سبز سفید اور

سُرخ رنگ کی تین پٹیاں ہیں سب سے اوپر سبز، درمیان میں سفید اور سب سے نیچے سُرخ رنگ کی پٹی ہے۔ سفید پٹی پر چار ستارے بنے ہوئے ہیں۔ جو وفاق کی علامت ہیں۔

اجلاس میں ۱۶۵۰ مندوبین شریک ہوئے۔ پنجاب سے ۷۰۰، سندھ سے ۳۵۰، سرحد سے ۱۷۰ اور بلوچستان سے ۳۷ اور آزاد کشمیر سے ۵ مندوبین شریک ہوئے۔

نیشنل پیپلز پارٹی کی بنیادی دستاویز میں کہا گیا ہے کہ اس پارٹی کا پہلا راہنما اصُول اسلام، دُوسرا جمہوریت، تیسرا قومی یکجہتی، چوتھا غربت کے خلاف جنگ، پانچواں سماجی انصاف اور چھٹا امن داماں قائم کرنا ہے۔ ساتواں راہنما اصُول بدعنوانی کے خاتمہ کو بنایا گیا جب کہ آٹھواں غیر جانبدار خارجہ پالیسی کو جس کے تحت نوآبادیاتی نظام، نسل پرستی، نیو کالونیزم اور امپریلزم کے خلاف جدوجہد کرنے والی قوموں کی حمایت کی جائے گی۔

دستاویز کے نویں راہنما اصُول کے لئے انگلیلی ٹیرین ازم کی اصطلاح استعمال کی گئی جس کے تحت تمام طبقات کو مساوی سیاسی واقتصادی حقوق دیتے ہوئے پاکستان کو فیڈرل ویلفیئر اسٹیٹ بنایا جائے گا۔ دسویں رہنما اصُول کے تحت خواتین کو زندگی کے تمام شعبوں میں مردوں کے مساوی حیثیت دی جائے گی۔

پارٹی کے بنیادی عناصر زراعت، صنعت، ٹیکنالوجی اور تعلیم کو اپنے دین اور ثقافت کے ڈھانچے کے اندر رہ کر جدید بناتے ہوئے غربت کا خاتمہ کرنے پر مشتمل ہوں گے۔ تاکہ پاکستان کو دُنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل کیا جا سکے۔

پہلے راہنما اصُول "اسلام" کی وضاحت کرتے ہوئے کہا گیا کہ اسلام کی وُہ تفسیر تسلیم کی جائے گی جو قائدِاعظم نے کی تھی۔

۳۱ راگست کو ہی نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام سے سٹوڈنٹس ونگ قائم کر دیا گیا۔

نیشنل پیپلز پارٹی کے چار نعرے یہ ہیں (۱) ہماری منزل فلاحی مملکت (۲) ہمارا مقصد غربی کا خاتمہ (۳) طریقہ جمہوریت شرافت سچائی (۴) ہمارا راستہ سماجی جمہوری انقلاب

عالمی کانفرنسوں میں شرکت

دوسری سارک سربراہ کانفرنس میں شرکت

۱۶ رنومبر ۱۹۸۶ء کو سارک کے سربراہوں کی کانفرنس بھارت کے شہر بنگلور میں

منعقد ہوئی۔ وزیراعظم پاکستان جناب محمد خاں جونیجو کے علاوہ حسین محمد ارشاد، سری لنکا کے صدر جے وردھنے، مالدیپ کے صدر مامون عبدالقیوم، بھارت کے وزیر اعظم راجیو گاندھی، نیپال کے شاہ بریندرا بیر بکرم شادیو اور بھوٹان کے شاہ جگمی سنگھی وانگچک نے شرکت کی۔ اجلاس سے سالو ممالک کے سربراہوں نے خطاب کیا۔ وزیراعظم پاکستان جناب محمد خاں جونیجو نے بھی کانفرنس سے خطاب کیا کانفرنس کے دوران وزیراعظم محمد خاں جونیجو نے بھارتی وزیراعظم راجیو گاندھی سے بھی ملاقات کی اور انہیں پاکستانی سرحدوں پر بھارتی فوجوں کے اجتماع کے بارے میں پاکستان کی حکومت اور عوام میں پائی جانے والی تشویش سے آگاہ کیا اس کے جواب میں راجیو گاندھی نے کہا کہ پاکستان کی سرحدوں کی طرف بھارتی فوجوں کی نقل وحرکت محض جنگی مشقیں ہیں اور کسی جارحانہ حرکت کا پیش خیمہ نہیں ہیں۔ بھارتی وزیراعظم کے اس بیان پر وزیرِاعظم پاکستان نے یقین کرلیا ازاں بعد بھارتی وزیراعظم نے وزیراعظم پاکستان مسٹر محمد خاں جونیجو سے بھی چند سوالات کیئے اور ان سے یقین دہانی چاہی کہ پاکستان سکھوں کو تربیت دے کر بھارت بھیج کر اس کے اندرونی معاملات میں مداخلت کررہا ہے نیز وُہ منشیات کی سمگلنگ میں بھی ملوث ہے۔ اس کے جواب میں مسٹر محمد خاں جونیجو نے وزیراعظم بھارت کے ان الزامات کو غلط قرار دیا اور کہا کہ پاکستان کسی ایسی کارروائی میں ملوث نہیں ہے جو بھارت کے خلاف ہو۔

لیکن اُسی روز وزیراعظم مسٹر راجیو گاندھی نے پریس کانفرنس میں پاکستان پر یہی الزامات لگائے

معاہدے

پاک امریکی حساس ٹیکنالوجی کا معاہدہ

۱۷ر جولائی ۱۹۸۶ء کو یہ معاہدہ امریکہ اور پاکستان کے مابین واشنگٹن میں اُس وقت طے پایا جب وزیر اعظم پاکستان جناب محمد خاں جونیجو امریکہ کے دورے پر گئے۔ اس معاہدے کے تحت پاکستان کو حساس ٹیکنالوجی خریدنے کی اجازت دے دی گئی معاہدہ میں یہ شرط بھی شامل کی گئی کہ امریکہ سے خریدی جانے والی ٹیکنالوجی پاکستان اپنے ایٹمی پروگرام کے لئے استعمال نہیں کرسکے گا۔

معاہدے کے مطابق کمپیوٹر اور ترقی یافتہ مواصلاتی نظام کی ضرورت کے سلسلے میں امریکی انتظامیہ نے پاکستان سے جو ایٹمی یقین دہانیاں حاصل کیں وہ اس معاہدے کا مضبوط ترین پہلو تھا۔

امریکہ کے مطابق یہ معاہدہ پاکستان کو امریکہ کی طرف سے ایٹمی پھیلاؤ کو روکنے کے سلسلے میں عائد کردہ پابندیاں توڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ معاہدہ میں پاکستانی معیشت کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لئے حساس ٹیکنالوجی کی خرید کی اجازت دی گئی۔ خریدی جانے والی ٹیکنالوجی کو سول، فوجی اور ایٹمی مقاصد کے لئے کام میں لایا جاسکتا ہے۔

پاک چین ایٹمی سمجھوتہ پاکستان ایک امن پسند ملک ہے اور وُہ ایٹمی پھیلاؤ کی روک تھام کے سلسلے میں ایک عرصے سے کوششیں کر رہا ہے۔ تاہم پاکستان ایٹمی توانائی کے پُرامن استعمال پر یقین رکھتا ہے وُہ نہ خود ایٹمی ہتھیار بنانے کا خواہش مند ہے اور نہ ہی کسی سے حاصل کرنے کا کوئی ارادہ رکھتا ہے۔ پاکستان کی بڑھتی ہوئی صنعتی، زرعی اور دیہی ترقی میں توانائی کی ضرورت کے تحت وُہ تمام ذرائع اختیار کر رہا ہے جو اس کی پہنچ میں ہیں۔

پاکستان میں صرف کراچی میں ایٹمی بجلی گھر کام کر رہا ہے جو ضروریات کے لئے ناکافی ہے چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے پاکستان نے عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ ۱۵ ستمبر ۱۹۸۶ء کو بیجنگ میں ایک سمجھوتے پر دستخط کئے۔ سمجھوتے میں ایٹمی طاقت کے پُرامن استعمال پر زیادہ سے زیادہ زور دیا گیا ہے اس باہمی تعاون سے نہ کوئی ایٹم بم بنانا مقصود ہے اور نہ اس کو فوجی مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے گا اس کے تحت سازوسامان بین الاقوامی ایٹمی توانائی ایجنسی کے تحفظات کے تحت ہوگا پاکستان اور چین نے یہ بھی طے کیا ہے کہ ایٹمی تعاون کے منصوبے میں استعمال ہونے والا کوئی بھی سامان آلات پیشگی منظوری کے بغیر کسی تیسرے ملک کو منتقل نہیں کئے جائیں گے یہ بھی طے پایا کہ بین الاقوامی ایٹمی توانائی ایجنسی کے قواعد اور سلامتی کے تمام قواعد کا اطلاق متذکرہ سامان اور آلات پر ہوگا۔ پاکستان کی جانب سے صاحبزادہ یعقوب خاں (وزیرخارجہ) اور چین کی جانب سے وزیراعظم ژاؤ ژیانگ نے اس معاہدے پر دستخط کیے۔ وزیرخارجہ صاحبزادہ یعقوب خان نے اس سمجھوتے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس سمجھوتے کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ باہمی تعاون مستحکم ہوگا ایٹمی توانائی کے پُرامن استعمال سے اقتصادی اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی رفتار تیز کرنے میں مدد ملے گی۔

پاک بھارت سرحدوں کی مشترکہ نگرانی کا معاہدہ ۲۱ دسمبر ۱۹۸۶ء کو لاہور میں پاکستان اور بھارت کے داخلہ سیکرٹریوں نے غیر قانونی طور پر سرحد پار کرنے کے واقعات کی روک تھام اور گراؤنڈ رولز مجریہ ۱۹۶۱ء پر نظرثانی

کے بارے میں ایک معاہدے پر دستخط کئے۔

پس منظر بھارتی پنجاب میں سکھوں کی دہشت گردی نے حالیہ چند برسوں میں جو شدت اختیار کر لی تھی اس کے پیشِ نظر بھارتی حکومت پاکستان پر یہ الزام لگاتی رہی کہ پاکستان دہشت گردوں کو تربیت دے کر بھارت بھیجتا ہے حالانکہ یہ الزام صریحاً بے بنیاد تھا نیز بھارت نے یہ الزام بھی لگایا کہ پاکستان منشیات کی سمگلنگ میں بھی ملوث ہے۔ حالانکہ صورتِ حال اس کے بالکل برعکس تھی اور بھارت اپنے اس الزام پر پردہ ڈالنے کے لئے کہ اس نے پاکستان پر حملہ کرنے کے لئے سرحدوں پر بھارتی فوجیں جمع کر رکھی ہیں پاکستان پر اس قسم کے الزامات لگا رہا تھا؛ چنانچہ نومبر ۱۹۸۶ء میں وزیر اعظم محمد خاں جونیجو جب بنگلور میں منعقدہ کانفرنس میں شرکت کے لئے بھارت گئے تو انہوں نے بھی پاکستانی سرحدوں پر بھارتی اجتماع کا ذکر وزیر اعظم راجیو گاندھی سے کیا، لیکن مسٹر راجیو گاندھی نے کہا کہ فوجوں کا اجتماع فوجی مشقوں کے سلسلے میں ہے اس لئے پاکستان کو اس پر تشویش نہیں ہونی چاہیئے، لیکن جب وزیر اعظم پاکستان نے بھارت کی جانب سے لگائے گئے الزامات کو مسترد کر دیا اور انہیں یقین دلایا کہ پاکستان نہ تو دہشت گردوں کو تربیت دے کر بھارت بھیجتا ہے اور نہ ہی منشیات کی سمگلنگ میں ملوث ہے۔ تو بھارتی وزیر اعظم نے وزیر اعظم محمد خاں جونیجو کی اس یقین دہانی کو بھی تسلیم نہ کیا۔ ان شکوک و شبہات کو دُور کرنے کے لئے یہ طے پایا کہ داخلہ سیکرٹریوں کی سطح پر دونوں ملکوں میں بات چیت کی جائے۔ چنانچہ بھارت کے سیکرٹری داخلہ سی جی سومیا بات چیت کرنے کے لئے پاکستان کے تین روزہ دورے پر اسلام آباد پہنچے۔

۲۰ر دسمبر ۱۹۸۶ء کو دونوں ملکوں کے داخلہ سیکرٹریوں ایس کے مسعود (پاکستان) اور مسٹر جی ایس سومیا (بھارت) کے مابین لاہور میں مذاکرات شروع ہو گئے، مذاکرات کے نتیجے میں ۲۱ر دسمبر کو دونوں ملکوں کے مابین معاہدہ طے پایا۔ معاہدے پر دستخطوں کے بعد حسبِ ذیل مشترکہ اعلان جاری کیا گیا۔

۱۔ دونوں فریقوں نے اپنی حکومتوں کے اس عزم کا اعادہ کیا کہ وُہ پُرامن بقائے باہمی ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت، علاقائی یکجہتی کے احترام اور انصاف کے اُصولوں کی بنیاد پر اچھے ہمسایوں جیسے اور تعاون پر مبنی تعلقات قائم کریں گے۔

۲۔ حکومت پاکستان نے اس امر کا اعادہ کیا کہ وُہ بھارت کے خلاف دہشت گردوں کی سرگرمیوں کی نہ تو حمایت کرتی ہے اور نہ ہی حمایت کرے گی۔ بھارت نے بھی اسی قسم کی یقین دہانی کرائی۔

۳۔ فریقین نے مشترکہ سرحد پر غیر قانونی نقل و حرکت اور اس کے تدارک کے مخصوص اقدامات پر

غور کیا ان اقدامات میں سرحد کی مشترکہ نگرانی اور ایک ایسا طریقۂ کار شامل ہے جس کے تحت داخلی امن، استحکام اور علاقائی یکجہتی کو نقصان پہنچانے کی سرگرمیوں کے لئے کوئی فریق اپنی سرزمین استعمال کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔

۴۔ فریقین نے اس بات کو بھی تسلیم کیا کہ سرحدوں پر غیر قانونی نقل وحرکت اور دہشت گردی کے درمیان گہرا تعلق ہے ان معاملات پر مزید بات چیت پر اتفاق کرتے ہوئے فریقین نے فوری اقدام کے طور پر سرحدوں پر غیر قانونی نقل وحرکت کو کنٹرول کرنے اور دونوں ملکوں کے بارڈر سیکیورٹی فورسز کے درمیان تعاون کو مستحکم کرنے کا فیصلہ کیا جس میں دونوں ملکوں کی خارجہ اور داخلہ وزارتوں ڈائریکٹر جنرل بارڈر سیکیورٹی فورس (بھارت) اور ڈائریکٹر جنرل پاکستان رینجرز کے نمائندے شامل ہوں گے۔ یہ کمیٹی گراؤنڈ رولز میں ترمیم کے بارے میں دونوں ملکوں کی جانب سے ۸۲-۱۹۸۱ء میں پیش کی گئی تجاویز پر غور کرے گی۔

بھارت کے سیکرٹری داخلہ نے نئی دہلی پہنچنے پر اخباری نمائندوں سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ دونوں ملک لاہور میں ہونے والے سمجھوتوں پر خلوصِ نیت سے عمل کریں گے جس سے تعلقات بہتر بنانے میں مدد ملے گی نیز دورۂ پاکستان میں اپنی بات چیت سے مطمئن ہیں اور ہم نے نہ صرف افسروں کی حیثیت سے بلکہ انسانوں کی حیثیت سے بات چیت کی۔

پاکستان کے سیکرٹری داخلہ نے بھی اسی قسم کے جذبات کا اظہار کیا۔

سرحدی کشیدگی کم کرنے کا سمجھوتہ

جنوری ۱۹۸۷ء کے آواخر میں بڑی تعداد میں پاکستانی سرحدوں کے قریب بھارتی فوجوں کے اجتماع سے سرحدی صورتحال خاصی کشیدہ ہوگئی چنانچہ اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے پاکستان کے سیکرٹری خارجہ عبدالستار نئی دہلی گئے اور انہوں نے بھارتی خارجہ سیکرٹری سے مذاکرات کئے جس کے نتیجے میں ۴؍ فروری ۱۹۸۷ء کو پانچ روزہ بات چیت کے بعد سمجھوتہ طے پایا جس کے تحت دونوں ملکوں کی فوجوں کے لئے یہ تجویز کیا گیا کہ فوجیں سرحد سے تقریباً دو کلومیٹر پیچھے ہٹا دی جائیں نیز بارودی سرنگیں بھی ہٹا دی جائیں۔

دانشوروں کا قومی کنونشن

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۵؍ دسمبر ۱۹۸۶ء کو پاکستان بھر کے دانشوروں کا قومی کنونشن طلب کیا اس کا مقصد یہ تھا کہ قائداعظم کے یومِ پیدائش کو کس طرح منایا جائے اور پاکستانیوں کو کس طرح یاد دلایا جائے کہ پاکستان کتنی بیش قیمت قربانیوں سے وجود میں آیا ہے۔ صدرِ مملکت نے جب یہ تجویز سوچی تھی تو

اُس وقت کراچی کے حالات خراب نہیں تھے۔ صدر نے اس کنونشن میں دانشوروں کو ہدایت کی کہ وُہ سارا دن بیٹھ کر یہ طے کریں کہ قول و فعل میں تضاد، رشوت ستانی، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم، منشیات کے انسداد اور دیگر بے شمار مسائل کے حل کی کنجی کیا ہے۔ صدر نے شرکاء کو نو گروپوں میں تقسیم کر دیا اور ہر گروپ کا ایک ترجمان مقرر کیا۔ اہلِ علم و دانش کے اس اجتماع میں ۱۶۵ افراد نے شرکت کی۔ نو گروپوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

گروپ نمبر ۱ :- اے کے بروہی، راجہ افراسیاب، جسٹس جاوید اقبال، جسٹس (ریٹائرڈ) محمد افضل چیمہ، نثار احمد، رضوان احمد، ظہور الحق۔

گروپ نمبر ۲ :- پروفیسر اے ایچ دانی، ڈاکٹر دلیر خان، ڈاکٹر احسان رشید، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، جی اے الانہ، حسن بلوچ، پروفیسر شیخ امتیاز علی، حاجی کفایت اللہ خان، ڈاکٹر منظور احمد، مظہر الحق صدیقی، ڈاکٹر محمد افضل، پروفیسر مرزا محمد منور، پروفیسر منیر الدین چغتائی، ڈاکٹر رفیق احمد، پروفیسر رشید خان طاہر خیلی، پروفیسر شریف المجاہد، سی ڈبلیو ٹرمیلر، ڈاکٹر طاہر حسین، ڈاکٹر وحید قریشی، یوسف طلال علی، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر زیڈ اے خلجی، ضیاء الدین احمد۔

گروپ نمبر ۳ :- امان اللہ حسین، عارف نظامی، عبدالقادر حسن، آغا ناصر، فصیح اقبال، حسین حقانی، اشفاق احمد، ابن الحسن، انقلاب ماتری، میر خلیل الرحمان، ایم اے زبیری، محمد صلاح الدین، مصطفیٰ صادق، محمود احمد مدنی، مجید نظامی، مقبول شریف، شاہد حسین، قطب الدین عزیز، شبیر حسین شاہ، سلیم گیلانی، زیڈ اے سلہری، ضیاء الاسلام انصاری، عطاء الحق قاسمی، امجد اسلام امجد۔

گروپ نمبر ۴ :- علامہ عباس حیدر زیدی عابدی، مولانا عبدالرحیم اشرف، مولانا عبدالرحمان آزاد، مولانا اسعد تھانوی، مولانا عبداللہ خلجی، مولانا ارشاد الحق تھانوی، مولانا معین الدین لکھوی، صاحب زادہ فیض علی فیضی، مفتی محمد حسین نعیمی، مولانا محمد مالک کاندھلوی، مولانا محمد عبیداللہ، علامہ سید محمد رضی، پیر محب اللہ، علامہ نصیر الاجتہادی، پیر صاحب روح الامین، مولانا صدر الدین الرفاعی، مولانا مفتی سیاح الدین، مولانا سعید الدین شیر کوٹی، سید صادق حسین شاہ عادل، پروفیسر طاہر الحق قادری، علامہ طالب جوہری، ذکریا کا مدار۔

گروپ نمبر ۵ :- عزیز اے ذوالفقار، قاضی عبداللطیف، شہزادہ عالم منو، بی ڈی اواری، میاں فضل حق، قاضی فضل اللہ، فرانسیس لوبو، خورشید احمد، مفتی محمد ادریس، پروفیسر محمد شفیع ملہی، ملک نعمت اللہ شنواری، سید رفیق محمد شاہ، قاری سعید الرحمان، شاکر حسین، وصی مظہر ندوی، مولانا ظفر احمد انصاری، جمیل جالبی، مسرت حسین زبیری۔

گروپ نمبر ۶ :- پروفیسر عباسی عابدی، ڈاکٹر فخر النساء، نسیمہ بنت سراج، بیگم نثار فاطمہ زہرہ، ڈاکٹر پروین شوکت علی، ڈاکٹر قمر واحد، بیگم شائستہ اکرام اللہ، شاہین عتیق الرحمان، بیگم سلمیٰ احمد، بیگم ثاقبہ رحیم الدین سلمیٰ خواجہ، بیگم صبوحی شکیل، بیگم یاسمین لاری، بیگم زری سرفراز، ذکیہ شاہ نواز نیازی۔

گروپ نمبر ۷ :- آغا شاہی، جنرل (ریٹائرڈ) محمد اقبال خان، جنرل (ریٹائرڈ) سوار خان، ائیر چیف مارشل (ریٹائرڈ) ذوالفقار احمد خان، ایڈمرل (ریٹائرڈ) کرامت رحمان نیازی، اعجاز اے نائیک، ڈیلاد خان، لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) اے آئی اکرم، لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) اعجاز عظیم، بی اے قریشی، محمد خان اورک زئی، ریاض پراچہ، سلمان علی، سجاد حیدر، اے بی اعوان، ایس ایس جعفری۔

گروپ نمبر ۸ :- ڈاکٹر اشفاق احمد، اے جے خان، ڈاکٹر امیر محمد، پروفیسر عطاء الرحمان، ڈاکٹر افتخار احمد، ڈاکٹر اعجاز شفیع گیلانی، ڈاکٹر ایم اے قاضی، لیفٹیننٹ جنرل ایم اے زید محی الدین، ڈاکٹر ایم ڈی شامی، ڈاکٹر رشید چودھری، میاں ممتاز علی، حکیم محمد سعید، منیر احمد خان، ڈاکٹر نعیم احمد خان، ڈاکٹر نذر محمد اعوان، ڈاکٹر ریاض الدین صدیقی، ڈاکٹر ایس ایچ مجتبیٰ، سلیم محمود، ڈاکٹر صالح میمن، ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی، حکیم ظہیر

گروپ نمبر ۹ :- عبداللہ جمال دینی، علی محمد راشدی، ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی، بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) گلزار احمد غلام مصطفیٰ قاسمی، غلام ربانی آگرو، جمیل الدین عالی، محمود احمد غازی، میر مٹھا خان مری، مولانا محمد بخش مسلم، مولانا محمد متین ہاشمی، ڈاکٹر این اے بلوچ، ڈاکٹر نواب حیدر نقوی، پروفیسر پریشان خٹک، رانا صفدر جنگ، سراج منیر، مفتی زین العابدین، سید ضمیر جعفری۔

۲۵ دسمبر کو نو گروپوں کے ترجمانوں نے صدر سے اپنے اپنے گروپوں کی سفارشات پیش کیں اور مشترکہ طور پر یہ رائے دی کہ حقیقی پارلیمانی جمہوریت کی بحالی اور شریعت کا مکمل نفاذ واحد حل ہے انتخابات کے موجودہ طریق کے تحت اہل افراد آگے نہیں آسکے لہٰذا جماعتی بنیاد پر مڈٹرم الیکشن کا فوری اعلان کیا جائے۔

رپورٹ گروپ ۱ : ممتاز وکیل اے کے بروہی نے اپنے گروپ کی رپورٹ میں کہا کہ ان کے گروپ کی متفقہ رائے ہے کہ ملک کو درپیش سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اس کی بقا کی حفاظت کی جائے۔ کراچی میں حالیہ فسادات کے بعد یہ رائے قائم کی گئی ہے۔ اس شہر میں پاکستان کے تقریباً سبھی حصوں کے لوگ بستے ہیں اور بے شک وشبہ یہ شہر پاکستان کی حقیقی نمائندگی کرتا ہے۔ اے کے بروہی نے اس مسئلے کو طویل المیعاد اور مختصر المیعاد حل تجویز کیا اور کہا کہ لوگوں کی عام بہبود کے لئے قانون بنایا جائے۔ اور ان میں پاکستانیت کا شعور پیدا کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں ابھی تک عملی طور پر اسلام

داخل نہیں ہوا۔ اسلام کا حقیقی جذبہ پیدا کرنے کے لئے کوششیں کرنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا اسلام فرائض سے شروع ہوا، حقوق سے نہیں، لوگوں میں یہ جذبہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے حقوق کو قوم و معاشرے کی طرف سے عائد فرائض کے تابع کریں، فوری اقدام کے طور پر تمام سطحوں پر قومی مہم شروع کرنے کی ضرورت ہے، جس کے تحت عوام کو بتایا جائے کہ پاکستان کس خطرناک صورتحال سے دوچار ہے اگر سیاسی طور پر ضروری ہو تو صدر پاکستان لوگوں کو جمع کریں اور ان پر زور دیں کہ ملک کو مزید ٹکڑے ہونے سے بچانے کی اشد ضرورت ہے۔ کراچی میں ہونے والے فسادات کے بارے میں بروہی نے تجویز پیش کی کہ اس مسئلہ کی تحقیقات کے لئے ایسے ممتاز افراد مقرر کئے جائیں جنہیں ملک بھر میں احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہو انہوں نے کراچی کی صورت حال کا ذمہ دار سندھ کی حکومت کو بھی قرار دیا۔ دوسرے گروپ کے نمائندے ڈاکٹر محمد افضل نے کہا کہ قابلِ عمل سماجی ڈھانچہ کا نہ ہونا ملک کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ لوگوں کو انصاف کی فراہمی اور تمام شہریوں کو قومی ترقی میں شریک کرنے کی ضرورت ہے موجودہ پالیسیوں میں تبدیلی نہ کی گئی تو انتشار اور گڑبڑ کا خطرہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ لوگوں کو پالیسی ساز اداروں میں نمائندگی دی جانی چاہیئے تاکہ ان کا احساسِ محرومی دُور ہو سکے۔ دیہی علاقوں میں صحت، رہائش اور پانی کی بنیادی سہولتیں فراہم کی جائیں۔ بے روزگاری نوجوانوں میں ذہنی انتشار پیدا کر رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ سیاسی عمل کو مستقل بنیادوں پر جاری رہنا چاہیئے۔ صوبوں میں احساس محرومی دُور کرنے کے لئے صوبوں اور فیڈریشن میں فنڈز کی تقسیم کے نظام میں تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ انہوں نے زرعی اصلاحات پر بھی زور دیا، انہوں نے کہا کہ معاشرے سے غربت اور افلاس دُور کرنے کے لئے زکوٰۃ اور عشر کے نظام کو مؤثر بنایا جائے۔ اقتصادی منصوبہ بندی کی مرکزیت ختم کی جائے اور اسے ضلعی سطح پر شروع کیا جائے۔ ضلعی سطح کے افسروں کی ترقی، علاقے کی ترقی میں ان کی کارکردگی کی بنیاد پر کی جائے۔ پارلیمانی کمیٹیاں بنائی جائیں جو مختلف محکموں کی کارکردگی کی نگرانی کریں۔

صحافیوں کے گروپ کے نمائندے انقلاب ماتری نے کہا کہ ملک کا حقیقی مسئلہ قومی سالمیت و یکجہتی کا فقدان اور وفاقی پارلیمانی جمہوری نظام کا قیام ہے۔ لوگوں کا اعتماد ملکی یکجہتی سے ختم ہو رہا ہے جو سنگین مسئلہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ صحیح پارلیمانی جمہوریت کی بحالی اس مسئلہ کا حل ہے۔

علماء کے گروپ کے نمائندے مفتی محمد حسین نعیمی نے کہا کہ بڑا مسئلہ ملکی یک جہتی اور بقاء کا ہے اور اس کا واحد حل شریعت کا مکمل نفاذ ہے۔ انہوں نے افسوس کا اظہار کیا کہ مارشل لاء حکومت نے ماضی میں اس قسم کے اجتماعات کی سفارشات پر عمل نہیں کیا۔ انہوں نے کہا کہ ملکی اتحاد اور سالمیت کے منافی مواد کی

اشاعت کو مؤثر طریقے سے روک دیا جائے۔ اور سماجی برائیوں کے خاتمے کے لئے ہنگامی اقدامات کئے جائیں۔ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے فروغ کے لئے علماء کا بورڈ قائم کیا جائے اور سماجی ڈھانچہ اسلامی تعلیمات کے مطابق بنایا جائے۔ ملک میں انتخابات کا موجودہ طریقہ بدلا جائے کیونکہ موجودہ طریق کار کے تحت دیانت دار، مخلص اور اہل افراد اسمبلیوں کے ارکان منتخب نہیں ہوسکے اس لئے اسلام نافذ نہیں کیا جاسکتا۔

انہوں نے کراچی کی صورت حال کا ذمہ دار صوبائی انتظامیہ کو قرار دیا۔ صوبائی حکومت لوگوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کے سلسلے میں اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرسکی۔

پانچویں گروپ کے نمائندے عزیزہ ذوالفقار نے کہا کہ ملک میں اس وقت جتنی بھی خرابیاں ہیں وہ اسلامی نظام کے قیام سے دُور ہوسکتی ہیں انہوں نے کہا کہ سیاسی قیادت انتخابات کے عمل سے ابھرنی چاہیئے۔ برسراقتدار لوگوں کو سادہ زندگی گزارنی چاہیئے قانون کی بالادستی ہونی چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ کارکنوں کو ان کے حقوق دیئے جائیں امیر اور غریب کا فرق دُور ہونا چاہیئے صوبوں کے اختیارات بڑھائے جائیں۔ عدلیہ آزاد ہو، انہوں نے کہا کہ شریعت بل جلد سے جلد منظور کیا جائے۔

قومی اسمبلی کی رُکن بیگم سلمیٰ احمد نے جو خواتین کے گروپ کی نمائندہ تھیں کہا کہ سب سے بڑا مسئلہ ملکی بقاء، اور اس کے نظریئے کا تحفظ ہے انہوں نے کہا کہ اس وقت قومی اتحاد ختم ہو رہا ہے قومی تشخص کا بحران ہے علاقائی تعصب کا بول بالا ہے اور عوام میں عدم تحفظ پایا جاتا ہے انہوں نے کہا کہ جمہوری اداروں کا تحفظ وقت کی بڑی ضرورت ہے انہوں نے انتظامی بنیادوں پر سات صوبوں کی تشکیل کی تجویز پیش کی۔ بھارت میں گیارہ صوبوں کی بجائے ۲۳ صوبے بنا دیئے گئے ہیں انہوں نے مرکز میں بین الصوبائی رابطہ وزارت قائم کرنے پر زور دیا۔

قومی اسمبلی کی رُکن بیگم نثار فاطمہ نے کہا کہ احساس قومیت کا فقدان سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ اس کی وجہ سے دُوسرے بہت سے مسئلے پیدا ہو رہے ہیں انہوں نے کہا کہ معاشرے کے دو طبقے حکمران اور طلباء، احساس قومیت بیدار کرنے میں مؤثر کردار ادا کرسکتے ہیں انہوں نے کہا کہ اس کے لئے اسلامی اصُولوں پر عمل کرنے کی ضرورت ہے لہٰذا فوری طور پر اسلامی نظام نافذ کیا جانا چاہیئے۔

سابق وزیر خارجہ آغا شاہی نے جو خارجہ امُور کے گروپ کے نمائندے تھے کہا کہ سب سے بڑا مسئلہ قومی بقاء کا ہے یہ مسئلہ داخلی انتشار کی وجہ سے ہے جو متفقہ سیاسی نظام کے سیاسی فقدان سے پیدا ہوا۔ انہوں نے کہا کہ بیرونی خطرات بھی قومی بقاء کے درپے ہیں انہوں نے کہا کہ لوگوں کو سیاسی عمل میں بھرپور طریقے سے شریک کیا جانا چاہیئے، اس مقصد کے لئے جماعتی بنیاد پر مڈٹرم الیکشن

کرانے کا موزوں اعلان کیا جائے۔ یہ انتخابات ۱۹۷۳ء کے بلاترمیم آئین کے تحت کرائے جائیں اور حکومت سیاسی جماعتوں سے مذاکرات کرے۔ آغا شاہی نے کہا کہ قائداعظم کے نظریات بھلا دینے سے بھی مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ قوم کی اخلاقی حالت زوال پذیر ہے جس سے قومی سطح پر بدعنوانی اور منافقت پھیل گئی ہے اس پر مستزاد یہ کہ عوامی احتساب نہیں ہو رہا، جس سے معاملات اور بھی بگڑ گئے ہیں اس کا حل ایک ہی ہے کہ ہر سطح پر احتساب کا عمل نافذ کیا جائے۔ اس سلسلے میں کراچی کے فسادات میں قتل عام کا حوالہ دیا گیا گروپ کے ارکان نے زور دیا کہ اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے انتظامی مشینری کی کارکردگی کا ناقدانہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

سندھ کے ممتاز سیاستدان قاضی فضل اللہ نے کہا کہ اس وقت بڑا مسئلہ قومیت کے جذبہ کو فروغ دینا اور علاقائیت کی روک تھام کرنا ہے۔ دوسرا مسئلہ دیانت دار اور صاف ستھری انتظامی مشینری کا فقدان ہے انہیں جلد سے جلد حل کرنے کی ضرورت ہے۔ بدعنوانی انتظامیہ میں سرایت کر چکی ہے۔ بدعنوان سرکاری افسروں کو نہ صرف برطرف کیا جائے بلکہ ان کی جائیداد بھی ضبط کی جائے۔ ممتاز سائنسدان ڈاکٹر رضی الدین صدیقی نے جو سائنس اور ٹیکنالوجی گروپ کے نمائندے تھے کہا کہ سب سے بڑا مسئلہ ملک کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کرنا ہے۔ قومی اتحاد بھی ایک بڑا مسئلہ ہے، مختلف سطحوں پر اقتصادی عدم توازن سے بھی مسئلے پیدا ہو رہے ہیں جسے مزید وقت گنوائے بغیر دُور کرنے کی ضرورت ہے

بیگم صبیحہ شکیل نے کہا کہ قوم و ملک اس وقت کسی ایک بڑے مسئلہ سے نہیں بلکہ بہت سے بڑے مسئلوں سے دوچار ہے، ان میں آزادی، نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت بھی شامل ہے داخلی شرپسندوں سے بھی ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے جو کراچی کے فسادات کے بعد مختلف حصّوں میں اسی قسم کے فسادات کرا سکتے ہیں۔ انہوں نے غیر جانبدار پالیسی کی مخالفت کی جس سے پاکستان کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ دانش مندی کا راستہ یہ ہے کہ ایک بڑے ملک کے ساتھ وابستہ ہوا جائے۔

سندھ سے بیگم ڈاکٹر قمر واحد نے کہا کہ صوبائی تعصب سب سے بڑا مسئلہ ہے جس پر قابو پانے اور چاروں صوبوں میں احساسِ قومیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے انہوں نے کہا کہ مشترکہ ثقافت بناتے وقت علاقائی ثقافتوں کو تباہ نہیں کرنا چاہیئے۔

اس موقع پر صدر نے صحافیوں کے گروپ کے چار افراد کو تقریر کرنے کی دعوت دی۔

جناب صلاح الدین نے کہا کہ سب سے بڑا مسئلہ اخلاق و کردار کی کمی ہے یہ کمی دُور نہ کی گئی

تو ملک مسائل سے دوچار رہے گا۔

جناب احسن اقبال نے کہا کہ ان کے خیال میں سب سے بڑا مسئلہ صحیح قیادت کا نہ ہونا ہے انہوں نے کہا کہ نئی نسل کی صحیح خطوط پر نشوونما کی ضرورت ہے تاکہ وُہ قوم کے اصل دشمنوں کو جان سکیں جناب حسین حقانی نے کہا کہ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ سیاسی، سماجی اور اقتصادی شعبوں میں قابل عمل نظام نہیں ہے انہوں نے بھی نوجوانوں پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت پر زور دیا تاکہ وُہ قومی ترقی میں تعمیری اور مثبت کردار ادا کر سکیں۔

مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی نے جو دینی سکالروں کے گروپ کی نمائندگی کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ قومی جذبہ کی کمی سے بہت سے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ اگر صحیح اخلاقی کردار کے حامل لوگ آگے آئیں تو وُہ سب بحران حل کر لیں گے۔

جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال نے سب سے آخر میں تقریر کی انہوں نے کہا کہ قومی اتحاد کا فقدان ایک بڑا مسئلہ ہے اس کی وجہ سے دینی گروہوں اور سیاست میں تشدد پیدا ہوا ہے انہوں نے کہا کہ مارشل لاء بھی اس لئے لگے کہ سیاستدانوں نے تشدد کی راہ اپنا لی تھی، انہوں نے کہا کہ پاکستان واحد ملک نہیں ہے جو ان مسائل سے دوچار ہے۔ تیسری دُنیا کے اکثر ملکوں کو چار مسئلوں کا سامنا ہے اوّل جاگیرداری پر مبنی زرعی معیشت۔ دوم ناخواندگی، سوم آبادی میں اضافہ۔ اور چہارم صنعتی ترقی کا فقدان۔ پاکستان میں صنعتی ترقی کی راہ میں توانائی کی کمی رکاوٹ ہے۔ انہوں نے اس مقصد کے لئے شمسی اور ایٹمی توانائی سے استفادہ کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔

صدر نے ۲۵ر دسمبر کو اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ دانشوروں کے کنونشن کی سفارشات پر عمل کیا جائے گا ملکی مسائل کے لئے نیا انداز فکر اختیار کرنا چاہیئے۔ میرا جمہوریت پر پختہ یقین ہے جمہوری اداروں کا فروغ چاہتا ہوں۔ نیز پاکستان کی بقاء کو کوئی خطرہ نہیں روس اور بھارت ہمیں کمزور دیکھنا چاہتے ہیں۔

غیر ملکی امداد اور قرضے

۱۹۴۷ء میں جب پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو اس نوزائیدہ مملکت کا نظم ونسق سنبھالنے کے لئے کچھ بھی نہ تھا ملکی نظم ونسق چلانے کے لئے پاکستان کو ابتداء ہی سے غیر ملکی امداد کا سہارا لینا پڑا۔ چنانچہ اس ضمن میں پاکستان نے ترقی یافتہ ممالک سے امداد کی درخواست کی جس کے نتیجے میں ۱۹۵۱ء میں پاکستان کو امداد ملنا شروع ہوئی۔ جون ۱۹۸۵ء کے آخر تک پاکستان کو ۲۴٫۹ بلین ڈالر کی امداد ملی جن میں ۱۸٫۵ بلین ڈالر

امداد کے طور پر اور ۱۰۱۹ بلین ڈالر قرضوں کی صورت میں اور صرف ۰۷ء بلین ڈالر مال کے بدلے مال کی صورت میں ملی اس میں افغان مہاجرین کو دی جانے والی ایک بلین ڈالر کی امداد شامل نہیں ہے۔

۹ء۲۴ بلین ڈالر کی رقم میں سے صرف ۶ فیصد رقم ادائیگیوں کے توازن کی پابندیوں کے بغیر دی گئی بقایا ۹۴ فیصد رقم مخصوص منصوبوں اور اشیاء کی خریداری کے لئے دی گئی امداد دینے والے اکثر ممالک نے اشیائے صرف صرف انہی ممالک سے خریدنے پر پابندی بھی عائد کی۔

کل رقم میں سے ۸ء۱۵ بلین ڈالر یا ۶۴ فیصد مخصوص منصوبوں اور ۱ء۹ بلین ڈالر یا ۳۶ فیصد غیر منصوبوں اور خوراک کی خریداری کے لئے دی گئی۔ ۸۲ فیصد رقم کنسورشیم ممالک نے اور بقیہ ۱۸ فیصد غیر کنسورشیم ممالک اور اسلامی ممالک نے مہیا کی۔

۳۰ جون ۱۹۸۶ء تک پاکستان کے ذمے گیارہ ارب ڈالر سے زیادہ کے قرضے واجب الادا تھے ہر سال ایک ارب دس کروڑ ڈالر قرضے واپس کئے جاتے ہیں۔

خارجہ پالیسی

۲۳ مارچ ۱۹۸۶ء کو یوم پاکستان کے سلسلے میں اسلام آباد میں عوام کے نام اپنے پیغام میں اپنی حکومت کی خارجہ پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے وزیر اعظم محمد خاں جونیجو نے کہا:

۱۔ خارجہ حکمتِ عملی کے شعبے میں میری حکومت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ملکی تحفظ کو یقینی بنایا جائے اور اقتصادی ترقی کے لئے دوست ملکوں کے ساتھ تعاون کیا جائے۔ ہم پاکستان کو بین الاقوامی برادری میں ایک اسلامی جمہوری اور غیر جانبدار ملک کا باوقار مقام دلانا چاہتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ ہم نہ صرف اپنی ترقی بلکہ ساری دُنیا کے امن و خوشحالی کے لئے بھی بھرپور کردار ادا کریں۔

۲۔ ہماری خارجہ پالیسی کا دُوسرا اہم مقصد برادر اسلامی ملکوں کے ساتھ باہمی تعاون واشتراک میں اضافہ اور عالمِ اسلامی کے بعض افسوسناک تنازعات کو پُرامن طریقوں سے طے کرانا ہے۔ فلسطینی عوام کے حقوق کی حمایت اور بیت المقدس کی بازیابی ہمیشہ سے ہماری خارجہ پالیسی کے اہم مقاصد رہے ہیں اور جب تک یہ مقاصد حاصل نہیں ہو جاتے ہماری طرف سے ان کی بھرپور حمایت جاری رہے گی اس طرح ہم غیر جانبدار تحریک کے اُصولوں کے پابند ہیں اور اس تحریک سے وابستہ رہنا چاہتے ہیں اس سلسلے میں ہم دُنیا کے سب ملکوں سے دوطرفہ بنیادوں پر خوشگوار اور دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتے ہیں

۳ - ہماری خارجہ پالیسی کا ایک اور اہم پہلو اس خطّے میں تنازعات اور اختلافات کی وجوہات کو دُور کرنا اور بقائے امن کی کوششوں میں مکمل تعاون کرنا بھی شامل ہے، لیکن ایسا کرنے میں ہم اس کا خیال رکھتے ہیں کہ ہم کسی سپر پاور کے حلیف نہ بن جائیں لہٰذا ہم فوجی معاہدوں میں شامل ہونے کے بھی مخالف ہیں۔

۴ - اس وقت ہمارے لئے سب سے اہم مسئلہ افغانستان سے آئے ہوئے لاکھوں مہاجروں کی باعزت طور پر اپنے وطن واپسی اور افغانستان کے مسئلے کا افغان عوام کی مرضی کے مطابق پُرامن، باعزت اور سیاسی حل ہے ہماری خواہش ہے کہ افغانستان کا مسئلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں اور اسلامی ملکوں کی تنظیم کی سفارشات کے مطابق جلد از جلد طے کیا جائے۔

۵ - میری حکومت کی یہ کوشش بھی رہی ہے کہ ہمارے پڑوسی ملک بھارت سے عزت و وقار کی بنیادوں پر خوشگوار دوستانہ تعلقات بحال ہو جائیں۔

۶ - میری حکومت بھارت کے ساتھ جموں وکشمیر کے مسئلے سمیت سارے پُرانے تنازعات کو اقوام متحدہ کی قراردادوں اور شملہ معاہدے کی روشنی میں طے کرانے کی خواہش مند ہے، یہاں میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہماری ان پُرامن خواہشوں اور کوششوں کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ بھارت اس بارے میں کیا رویّہ اختیار کرتا ہے۔

سرحدوں پر کشیدگی اور معاہدہ

پاکستان اور بھارت کے درمیان سرحدوں پر فوجوں کے اجتماع سے پیدا ہونے والی کشیدگی کو کم کرنے کے لیے پاکستان اور بھارت نے خارجہ سیکرٹریوں کی سطح پر بات چیت کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس ضمن میں پاکستان کے خارجہ سیکرٹری عبدالستار نئی دہلی گئے، اور انہوں نے ۳۱ جنوری ۱۹۸۷ء کو بھارتی سیکرٹری خارجہ سے ساڑھے چار گھنٹے تک طویل مذاکرات کئے، اور ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو سنا اور کشیدگی کو کم کرنے کے لیے بعض تجاویز بھی پیش کیں۔ یہ مذاکرات صرف سرحدوں پر فوجوں کے اجتماع تک محدود رہے اور کسی دوسرے مسئلہ کو ان میں نہیں اُٹھایا گیا۔

یکم فروری کو بات چیت میں ایک روز کی توسیع کر دی گئی۔ یہ توسیع دونوں فریقوں کے درمیان سامنے آنے والی ٹھوس تجاویز کے پیشِ نظر کی گئی تھی۔

۳ فروری کو دونوں ممالک سرحدوں پر کشیدگی کم کرنے پر آمادہ ہو گئے۔
۴ فروری کو دونوں ملکوں نے مفاہمتی دستاویز پر دستخط کر دیئے پہلے مرحلے پر اکھنور اور راد ھوپور سیکٹر سے فوجیں ہٹانے کا اعلان کیا گیا۔ معاہدے کے دیگر نکات یہ تھے۔

۱- ایک دوسرے پر حملہ نہ کیا جائے۔ انتہائی احتیاط کا مظاہرہ کرتے ہوئے سرحد کے ساتھ ساتھ اشتعال انگیز کارروائیوں سے پرہیز کیا جائے۔
۲- سرحدوں سے فوجوں کی واپسی کے لیے ہر سیکٹر میں کام کیا جائے۔
۳- راوی اور چناب کے کاریڈور سے فوجیں واپس بلائی جائیں اس مقام سے تمام دفاعی اور جنگی افواج اس یادداشت پر دستخط کے پندرہ دن کے اندر زمانہ امن کے مقامات پر بلانے کا اعلان کیا گیا۔
۴- راوی چناب کاریڈور میں موجود اضافی فوجیں مثلاً پاکستان کا چھٹا آرمرڈ ڈویژن اور ۱۷ واں انفنٹری ڈویژن اور بھارت کا چھتا ماؤنٹین ڈویژن بھی اس مدت میں زمانہ امن کی پوزیشن پہ واپس بلانے کا عہد کیا گیا۔ اس طرح پاکستان کو ایک انڈیپنڈنٹ آرمڈ بریگیڈ اور ایک انڈیپنڈنٹ انفنٹری بریگیڈ کو تعینات رکھنے کا اختیار ہوگا
۵- بچھائی گئی بارودی سرنگوں کو صاف کرنے کا عہد کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی یہ عہد بھی کیا گیا کہ آئندہ کوئی سرنگ نہیں بچھائی جائے گی۔
۶- تمام سٹلایٹ ایئر فیلڈز کی کارروائی فوری طور پر بند کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔
۷- دونوں ملکوں کے ڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشنز باہم رابطہ رکھیں گے۔

صدر پاکستان جنرل محمد ضیا الحق نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ پاک بھارت سمجھوتے سے بعض داخلی مشکلات سمیت کئی مسائل حل ہو گئے ہیں۔
معاہدے کے مطابق پاکستان اور بھارت کی فوجوں کی واپسی کا سلسلہ ۸ فروری ۱۹۸۷ء کو شروع ہو گیا۔ ۱۹ فروری کو بھارت اور پاکستان نے راوی اور چناب کے علاقوں سے اپنی اپنی افواج کی واپسی کا کام مکمل کر لیا۔ پاکستان اور بھارت کے اس اقدام کی تصدیق دونوں جانب سے کی گئی۔
وزیر اعظم محمد خان جونیجو نے اس موقع پر بھارتی وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی کو

مبارکباد کا پیغام بھیجا جس میں کہا گیا تھا کہ راوی چناب سیکٹر سے بھارتی فوجوں کی واپسی سے سرحدوں پر کشیدگی کم کرنے میں مدد ملے گی نیز پاکستان باہمی تعلقات کو معمول پر لانے کے وعدے پر قائم رہے گا۔ دریں اثنا بھارت کے ممتاز اخبار ہندوستان ٹائمز نے سرحدی کشیدگی ختم کرنے کے پہلے مرحلہ کے پاک بھارت سمجھوتے کو سراہتے ہوئے بھارتی وزیراعظم کو یہ مشورہ دیا کہ جس جذبے سے سمجھوتہ طے پایا ہے۔ اسی جذبے سے سیاچن گلیشیر اور کشمیر کے مسئلے کا بھی بات چیت کے ذریعے تصفیہ کیا جائے۔

ادھر صدر جنرل محمد ضیا الحق دو روزہ سرکاری دورے پر ۲۱ فروری ۱۹۸۷ کو نئی دہلی پہنچے تو انہوں نے وزیراعظم بھارت مسٹر راجیو گاندھی سے باہمی دلچسپی کے امور پر اہم مذاکرات کئے صدر ذیل سنگھ سے غیر رسمی مذاکرات ہوئے۔ اس موقع پر صدر پاکستان نے کہا کہ

پاکستان جنگ اور دہشت گردی کے خلاف ہے ہم علاقہ میں امن کے قیام کے خواہاں ہیں۔ نئی دہلی میں صدر پاکستان نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ بھارت نام نہاد پختونستان اور سندھو دیش تحریک سے لاتعلقی کا اعلان کرے پاکستان بھارت کے اندرونی تعلقات میں مداخلت نہیں کرے گا۔

تیسری سارک سربراہ کانفرنس

جنوبی ایشیا کے ممالک کے مسائل حل کرنے کی غرض سے معمول کے مطابق ۲ نومبر ۱۹۸۷ء کو نیپال کے دارالحکومت کھٹمنڈو میں جنوبی ایشیا کے ممالک کی سربراہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ کانفرنس کا افتتاح نیپال کے شاہ بریندرا بیر بکرم نے کیا۔ اس میں پاکستان کے وزیراعظم محمد خان جونیجو بھارت کے وزیراعظم مسٹر راجیو گاندھی، مالدیپ کے صدر مامون عبدالقیوم، بنگلہ دیش کے صدر جنرل حسین محمد ارشاد، بھوٹان کے شاہ وانگچوک اور سری لنکا کے جے وردھنے نے شرکت کی۔

وزیراعظم پاکستان مسٹر محمد خان جونیجو نے اپنے خطاب میں کہا کہ سارک ممالک کو چاہیئے کہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کو یہ یقین دلانے کے لیے مشترکہ اعلان کریں کہ اُن میں سے کوئی ملک ایٹمی ہتھیار بنانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ تمام ملکوں کو ایسا علاقائی سمجھوتہ بھی کرنا چاہیئے جس کے تحت ایٹمی تجربات پر مکمل پابندی لگا دی جائے۔ کیونکہ جنوبی ایشیا کے گنجان آباد علاقے کو ایٹمی ہتھیاروں سے پاک رکھنا علاقے کے تمام ممالک کے مفاد میں ہے اور ان میں سے کوئی بھی ملک ایٹمی ہتھیار بنانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔

وزیراعظم نے جنوبی ایشیا کے علاقے کو درپیش اہم مسائل مثلاً دہشت گردی، منشیات

کے غلط استعمال اور منشیات کی غیر قانونی نقل و حمل پر بھی روشنی ڈالی۔ خوراک کے علاقائی ذخائر قائم کرنے اور رکن ممالک کے مابین دوستانہ تعاون کی بنیاد ایک دوسرے کی سیاسی آزادی، علاقائی سالمیت اور خود مختاری کے احترام پر رکھی جائے۔

وزیر اعظم نے اس موقع پر فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ گزشتہ سال کے دوران سارک کی کارکردگی کا جائزہ لیا گیا ہے اور دہشت گردی پر قابو پانے کا جو معاہدہ تیار کیا گیا اس کے مثبت نتائج نکلیں گے نیز پاکستان اپنے علاقائی ذخیرے کو دگنا کرنے کے لیے بھی تیار ہے۔

بھارت نے جنوبی ایشیا کے علاقے پر اپنی بالادستی قائم کرنے کی غرض سے بھارت سری لنکا معاہدے کو مشترکہ اعلان میں شامل کرنے کی انتھک کوشش کی لیکن وزیر اعظم پاکستان کی بر وقت مداخلت سے اپنے منصوبے میں ناکام رہے۔

پاکستان نے اس کانفرنس میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ وزیر اعظم محمد خاں جونیجو کی حکمت عملی اور کامیاب ڈپلومیسی سے انتہائی کامیاب نتائج مرتب ہوئے جس کے نتیجے میں پہلی بار سارک نے اپنے اعلامیہ میں جنوبی ایشیا کو ایٹمی ہتھیاروں سے پاک رکھنے کے لیے ایک پیراگراف شامل کیا۔ پاکستان کی اس تجویز کو شاہ نیپال، سری لنکا کے صدر اور بھوٹان کے بادشاہ نے سراہا۔ پاکستان کی ایک اور تجویز جو ماحولیات کے تحفظ اور قدرتی آفات سے بچاؤ کے بارے میں کمیشن کے قیام کی تھی۔ اس کی بھارت نے شدید مخالفت کی لیکن تمام رکن ممالک ماسوائے بھارت نے اس کی حمایت کی اور اتفاق رائے سے یہ منظور کی گئی۔

۴ نومبر کو سارک ممالک کے سربراہان نے دہشت گردی ختم کرنے کے لیے باہمی تعاون کا اعلان کیا۔

وزیر اعظم محمد خاں جونیجو کی حکومت کی برطرفی اور قومی و صوبائی اسمبلیوں کی تنسیخ

وزیر اعظم محمد خاں جونیجو کے دورہ چین سے واپسی کے فوراً بعد ۲۹ مئی ۱۹۸۸ء کو صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے قومی اسمبلی اور وفاقی کابینہ کو توڑنے اور ۹۰ دن میں جماعتی بنیادوں پر انتخابات کرانے کا اعلان کیا۔ صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے آپریشن فیئر پلے کی طرح ۲۹ مئی ۱۹۸۸ء کو آپریشن کلین اپ کا منصوبہ بھی انتہائی خفیہ رکھا اور آخر وقت تک کسی کو اس کی خبر نہ ہونے دی۔ صدر نے اپنے اس فیصلے کا اعلان

پونے سات بجے شام (بروز اتوار) آئین کے آرٹیکل ۵۸ کی شق دو کے تحت اپنے آئینی اختیارات استعمال کرتے ہوئے کیا۔ ان کے چیف آف جنرل سٹاف سید رفاقت حسین کے سوا شاید ہی کسی کو علم ہو۔ اعلان کا مکمل متن یہ ہے۔

چونکہ جن اغراض و مقاصد کے لیے قومی اسمبلی منتخب کی گئی تھی وہ پورے نہیں ہوئے چونکہ ملک میں امن و امان کی صورتحال تشویشناک حد تک خراب ہو گئی ہے جس میں بے شمار قیمتی جانوں اور مال کا نقصان ہوا ہے اور چونکہ پاکستان کے شہریوں کی جان و مال اور عزت مکمل طور پر غیر محفوظ ہو گئی تھی اور پاکستان کی یکجہتی اور نظریہ کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا تھا اور چونکہ اخلاق عامہ اس حد تک گر چکا تھا کہ جس کی مثال نہیں ملتی اور چونکہ میری رائے میں ایسی صورتحال پیدا ہو گئی تھی جس میں حکومتِ پاکستان آئین کے مطابق نہیں چل سکتی اور انتخابات ضروری ہو گئے تھے۔ اس لیے میں جنرل محمد ضیاء الحق صدر پاکستان اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آرٹیکل (۵۸ کی کلاز (۲) بی کے تحت حاصل کردہ اختیارات کے تحت فوری طور پر قومی اسمبلی کو توڑتا ہوں جس کے نتیجے میں کابینہ بھی ٹوٹ گئی ہے۔

صدر مملکت نے یہ بھی کہا کہ یہ قدم ہمیں جمہوریت کی طرف لے جائے گا تین سال میں نے بڑی گذارشات کیں۔ پارلیمنٹ سے بھی خطاب کیا کہ قوم کو اسلام کی طرف لائیے۔ اب میں یہ اقدامات کروں گا اور کوشش کروں گا کہ آئندہ اچھے لوگ منتخب ہو کر آئیں۔

عام انتخابات کرانے کا اعلان

۲۰ جولائی ۱۹۸۸ء کو صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے پاکستان میں قومی و صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے ۱۶ نومبر ۱۹۸۸ء کی تاریخ مقرر کرنے کا اعلان کیا۔ صدر نے آئینی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے الیکشن کمیشن کو ہدایت کی کہ وہ انتخابی حلقہ بندیوں کا جو کام آٹھ نو ماہ میں مکمل کرتا تھا اسے وہ تین ماہ میں مکمل کرے۔ — صدر مملکت نے اگرچہ عام انتخابات کے انعقاد کا اعلان تو کر دیا تھا تاہم انہوں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ انتخابات جماعتی یا غیر جماعتی بنیادوں پر ہوں گے۔

صدر نے اس موقع پر کہا کہ آئین کا تقاضا ہے کہ عام انتخابات اسمبلیاں توڑنے کے بعد جلد سے جلد کرائے جائیں یہ میری خواہش تھی کہ نوے روز کے اندر انتخابات کا عمل مکمل کر لیا جاتا مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ عملاً ایسا کرنا ممکن نہیں جس کی کئی ایک وجوہات ہیں مثلاً محرم کا پہلا عشرہ ماہ اگست کے تیسرے اور چوتھے ہفتے میں آ رہا ہے۔ اس وقت جذبات

کا ایسا عالم ہوتا ہے کہ اس میں عام انتخابات کرانا حالات خراب کرنے کے مترادف ہوگا دوسری وجہ یہ ہے کہ اگست برسات کا موسم ہے۔ اس بار تو بارانِ رحمت ضرورت سے زیادہ ہو رہی ہے اس وجہ سے اگست میں ہمارے ملک میں سیلاب کا زور ہوتا ہے یا سخت گرمی اور حبس ہوتا ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ اسّی نوّے ہزار پاکستانی حجاج حجاز مقدس گئے ہوئے ہیں ان کی واپسی میں بھی وقت لگے گا۔ ان کی اکثریت ووٹ ڈالنا چاہے گی۔ ان میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو خود الیکشن کے امیدوار ہوں گے۔

وفاقی وزیر برائے انصاف و پارلیمانی امور مسٹر وسیم سجاد نے کہا کہ انتخابی شیڈول کا اعلان انتخابات کی تاریخ سے ۳۸ روز قبل یعنی ۹ اکتوبر کو کیا جائے گا۔

نگران حکومت کا قیام

۲۹ مئی ۱۹۸۸ء کو صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے جونیجو حکومت کی برطرفی کے موقع پر اعلان کیا کہ انتظامی امور کی انجام دہی کیلئے وفاقی اور صوبائی سطح پر نگران حکومتیں قائم کی جائیں گی چنانچہ اس کے تحت ۹ جون ۱۹۸۸ء کو مرکز میں جناب اسلم خٹک کی قیادت میں نگران حکومت کا قیام عمل آیا۔ انہیں سینئر وزیر کا مرتبہ دیا گیا تھا۔ پہلے مرحلے پر اٹھارہ ارکان پر مشتمل وزراء نے حلف اٹھایا۔ صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے حلف لیا ـــــ اسی طرح صوبہ پنجاب میں میاں نواز شریف نے ۳۰ مئی ۱۹۸۸ء کو پنجاب کے وزیر اعلیٰ، ۳۱ مئی کو سابق گورنر فضل حق نے سرحد کے نگران وزیر اعلیٰ، ۱ جون ۱۹۸۸ء کو صوبہ سندھ میں اختر علی قاضی کو نگران وزیر اعلیٰ اور ۲۴ جون ۱۹۸۸ء کو میر ظفر اللہ جمالی کو بلوچستان کا نگران وزیر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔

سیاسی جماعتوں کی رجسٹریشن کی منسوخی سے متعلق سپریم کورٹ کا فیصلہ

ملک میں پہلی بار ۱۹۶۲ء میں صدر ایوب نے سیاسی جماعتوں کا ایکٹ نافذ کیا۔ ۱۹۷۷ء اور ۱۹۷۹ء میں اس میں ایک ترمیم کے ذریعے ہر سیاسی جماعت کی رجسٹریشن کو لازمی قرار دیا گیا۔ چنانچہ پاکستان پیپلز پارٹی شریک چیئرمین بے نظیر بھٹو نے اکتوبر ۱۹۸۷ء میں سپریم کورٹ میں اسے چیلنج کر دیا سپریم کورٹ نے اس رٹ کی باقاعدہ سماعت فروری ۱۹۸۸ء میں کی۔ عدالت میں وفاقی حکومت کی نمائندگی سابق اٹارنی جنرل مسٹر علی انیے فضل نے کی جب کہ چاروں صوبوں کے ایڈووکیٹ جنرلوں اور دیگر ممتاز وکلاء

نے ان کی معاونت کا مسز بے نظیر کی طرف سے اس رٹ کی پیروی مسٹر یحیٰی بختیار نے کی جب کہ مسٹر اعتزاز احسن اور دیگر وکلاء نے ان کی معاونت کی۔ سپریم کورٹ نے فریقین کے دلائل سننے کے بعد فیصلہ محفوظ رکھا۔

۱۵ جون ۱۹۸۸ء کو صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے شریعت آرڈی ننس نافذ کیا تو انجمن اسوہ حسنہ پاکستان کے بانی ابو مصطفیٰ بن مصطفیٰ نے شریعت آرڈی ننس کی دفعہ ۴ کی ذیلی دفعہ ۳ کے تحت ۱۹ جون ۱۹۸۸ء کو سندھ ہائی کورٹ میں سیاسی جماعتوں کے ایکٹ اور اسمبلیوں کے انتخابی آرڈر کو چیلنج کر دیا۔ اپنی رٹ میں ابو مصطفیٰ بن مصطفیٰ نے بالا آرڈی ننس کی دفعہ کے تحت سیاسی جماعتوں کے ایکٹ ۱۹۶۲ء ایوانہائے پارلیمانی و صوبائی اسمبلیوں کے انتخابی آرڈر ۱۹۷۷ء اور عوامی نمائندگی کے ایکٹ ۱۹۷۶ء کو جزوی طور پر غیر اسلامی اور شریعت کے منافی ہونے کی بنا پہ چیلنج کیا اور کہا کہ عوامی نمائندگی کے ایکٹ مجریہ ۱۹۷۶ء کی دو دفعات دفعہ ۲ (ذیلی شق ۴) اور دفعہ ۲ (سی) اور دفعہ ۴ قرآن و سنت سے متصادم ہیں۔ درخواست گزار نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ شریعت میں اوصاف کو بڑی اہمیت حاصل ہے اس سلسلے میں درخواست گزار نے قرآنی آیات کے حوالے بھی دیئے اور کہا کہ کسی منصب یا عہدے کے حصول کے لیے تقویٰ۔ علم، لیاقت اور امانت ضروری ہیں۔ درخواست گزار نے اس کے علاوہ جسٹس بدیع الزماں کیکاؤس بنام وفاق کے ایک فیصلے کا بھی حوالہ دیا جو ۱۹۸۱ء میں صادر کیا گیا تھا۔ اس فیصلے میں درخواست کو اگرچہ ثانوی موشگافی کے سبب خارج کر دیا گیا تھا لیکن وفاقی شرعی عدالت کی اکثریتی رائے یہ تھی کہ

امیدواران قومی و صوبائی اسمبلی کو ان اوصاف کا حامل ہونا چاہیئے۔

درخواست میں وفاق پاکستان اور الیکشن کمیشن آف پاکستان کو فریق بنایا گیا۔ درخواست گزار کی پیروی جی ایم سلیم نے کرنے کا اعلان کیا۔

سندھ ہائی کورٹ نے اس رٹ پٹیشن کی ابھی کارروائی بھی نہ کی تھی کہ ۲۰ جون ۱۹۸۸ء کو سپریم کورٹ نے مسز بے نظیر بھٹو کے حق میں فیصلہ دے دیا اور پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ میں سیاسی پارٹیوں کی رجسٹریشن سمیت بعض شقوں کو بنیادی حقوق سے متصادم قرار دیتے ہوئے انہیں کالعدم قرار دیا۔

سپریم کورٹ کے گیارہ ججوں پر مشتمل فل بنچ نے متفقہ طور پر آئینی پٹیشن پر اس فیصلے کا اعلان کیا۔ سپریم کورٹ کا فل بنچ ان ججوں پر مشتمل تھا۔

(۱) چیف جسٹس محمد حلیم (۲) مسٹر جسٹس اسلم ریاض حسین
(۳) مسٹر جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ (۴) مسٹر جسٹس محمد افضل ظلہ
(۵) مسٹر جسٹس عبدالقادر شیخ (۶) مسٹر جسٹس شفیع الرحمان
(۷) مسٹر جسٹس ظفر حسین مرزا (۸) مسٹر جسٹس جاوید اقبال
(۹) مسٹر جسٹس سعد سعود جان (۱۰) مسٹر جسٹس علی حسین قزلباش اور
(۱۱) مسٹر جسٹس ابن عثمان علی شاہ

فیصلے کے اعلان کے وقت پاکستان کی نمائندگی اٹارنی جنرل آف پاکستان مسٹر عزیز اے منشی نے جبکہ بے نظیر کی نمائندگی ایڈووکیٹ آن ریکارڈ محمد افضل صدیقی نے کی۔ سپریم کورٹ نے آئینی پٹیشن کی سماعت یکم فروری سے ۱۷ فروری تک گیارہ دنوں میں مکمل کی جس کے بعد فیصلہ محفوظ کر لیا گیا تھا آئینی پٹیشن پر سپریم کورٹ نے ۱۸۹ صفحات پر مشتمل اپنا تفصیلی فیصلہ تحریر کیا۔ جبکہ مسٹر جسٹس محمد اسلم ریاض حسین۔ مسٹر جسٹس محمد افضل ظلہ۔ مسٹر جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ۔ مسٹر جسٹس عبدالقادر شیخ۔ مسٹر جسٹس شفیع الرحمن اور مسٹر جسٹس ظفر حسین مرزا نے ۴۸ سے ۷ صفحات پر مشتمل الگ الگ اضافی نوٹ بھی لکھے۔

سپریم کورٹ کے فیصلے سے متاثرہ دفعات

سپریم کورٹ کے فیصلے کی روشنی میں

سیاسی جماعتوں کے ایکٹ مجریہ ۱۹۶۲ء کی درج ذیل دفعات کو اس حد تک کالعدم قرار دیا جاتا ہے جس حد تک ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ آئین کے آرٹیکل ۱۷ (۲) اور (۳) کے تحت دیئے گئے بنیادی حقوق کے منافی ہے۔

۱۔ دفعہ ۳(۱) جس میں کسی سیاسی جماعت کی تشکیل کے لیے تحفظِ پاکستان کی پابندی عائد کی گئی ہے کالعدم ہے تاہم اس میں نظریہ اسلام۔ اخلاقیات اور تحفظ امنِ عامہ کی پابندی کو برقرار رکھا جاتا ہے جس کی وضاحت فیصلہ کے متعلقہ باب میں کی گئی ہے۔

آئین کی دفعہ ۱۷ جماعت سازی کی آزادی

۲- ملک کے ہر شہری کو سیاسی جماعت قائم کرنے یا کسی سیاسی جماعت کی رکنیت حاصل کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ ماسوائے اُن پابندیوں کے جو پاکستان کی خود مختاری اور سالمیت کے تقاضوں کے مطابق قانون کے تحت عائد کی گئی ہوں۔ جب کہ اس قانون کے مطابق وفاقی حکومت اعلان کرے گی کہ فلاں سیاسی جماعت پاکستان کی خود مختاری یا سالمیت کے تقاضوں کے منافی قائم ہوئی ہے۔ وفاقی حکومت اس اعلان کے پندرہ روز کے اندر اندر اس سیاسی جماعت کے خلاف سپریم کورٹ میں ریفرنس پیش کرے گی اور سپریم کورٹ کا فیصلہ اس جماعت کے بارے میں حتمی ہوگا۔

۳- ہر سیاسی جماعت قانون کے تقاضوں کے مطابق اپنے فنڈز کے ذرائع سے آگاہ کرنے کی پابند ہوگی۔

دفعہ ۳ (۱) پولیٹکل پارٹیز ایکٹ :-
(سیاسی جماعتوں کی تشکیل کی ممانعت)

کوئی ایسی سیاسی جماعت قائم نہیں کی جا سکے گی جس کی تشکیل نظریہ اسلام یا پاکستان کی خود مختاری، سالمیت یا تحفظ یا اخلاقیات یا تحفظ امنِ عامہ کے منافی ہو۔

سپریم کورٹ نے پولیٹکل پارٹیز ایکٹ کی شق ۳ (بی) کو کلی طور پر کالعدم قرار دے دیا۔ یہ الیکشن کمیشن کے پاس سیاسی جماعتوں کی رجسٹریشن کو پارٹی یعنی مینی فیسٹو قومی اور صوبائی عہدیداروں کی فہرستیں پیش کرنے سے متعلق ہے۔ فاضل عدالت نے شق نمبر ۳ (سی) کو بے معنی قرار دے دیا۔

سپریم کورٹ نے پولیٹکل پارٹیز ایکٹ کی شق نمبر ۷ اور ۸ جو کالعدم قرار پانے والی سیاسی پارٹیوں کے عہدیداروں کو سزائیں دینے اور انہیں پارلیمنٹ کی رکنیت

سے نااہل قرار دینے سے متعلق ہیں فیصلہ کیا کہ جس طرح سپریم کورٹ ، دوسری شقوں کے بارے میں قانون ساز ادارہ خود ترمیم کرے ۔

ساتویں پنجسالہ منصوبے کی تشہیر

ساتویں پنجسالہ منصوبے پر نظر ثانی کے بعد ۱۹ جولائی

۱۹۸۸ء کو وزیر خزانہ ڈاکٹر محبوب الحق نے رائے عامہ جاننے کے لیے جاری کر دیا ۔ ساتویں پنجسالہ منصوبے کا حجم ۲،۶۶۰ ارب روپے ہے ۔ جس میں پبلک سیکٹر کا حصہ ۸، ۳۶۷ ارب روپے اور پرائیویٹ سیکٹر کا حصہ ۴، ۲۹۲ ارب روپے ہوگا ۔ ان میں سے ۹٫۳۴ ارب روپے وفاقی وزارتوں اور محکموں کے لیے ۱۰۱٫۷۰ ارب روپے صوبوں کے لیے مختص کیے گئے ہیں ۔ منصوبے کے مطابق باقی ماندہ رقوم ۔ فیڈرل پبلک سیکٹر کارپوریشنوں کے لیے مخصوص کی گئیں ۔ پبلک سیکٹر کے ترقیاتی پروگراموں کے لیے بجٹ میں رقوم رکھی جائیں گی ۔ جس میں وفاقی حکومت کی طرف سے ۵، ۲۲۶ ارب روپے کے غیر ملکی قرضے اور امداد شامل ہوگی ۔ جب کہ ۱۲۳٫۵ ارب روپے پبلک سیکٹر میں کام کرنے والی کارپوریشنیں اپنے وسائل سے پیدا کریں گی ۔ اس کے لیے وہ غیر ملکی قرضے بھی حاصل کرنے کے علاوہ اپنے حصص بھی فروخت کر سکیں گے ۔

زرعی شعبے میں پبلک سیکٹر کے لیے فنڈز اتنے ہی رکھے گئے ہیں جتنے چھٹے پنجسالہ منصوبے میں رکھے گئے تھے جب کہ توانائی کے شعبے کا حصہ ۳۲ فیصد سے بڑھا کر ۳۶ فیصد کر دیا گیا ہے ۔ مسودے کے مطابق صحت اور تعلیم کے شعبوں کے فنڈز بھی چھٹے پنجسالہ منصوبے کے برابر رکھے گئے ہیں ۔ جو ۱۰ فیصد ہیں ۔

اس طرح پلان کا حجم ۶۴۲٫۴ ارب روپے بنتا ہے اور اس میں پبلک سیکٹر ڈویلپمنٹ کا حصہ ۳۵۰ ارب روپے ہے ۔ کنسورشیم پاکستان کو ۲٫۳ ارب ڈالر کی امداد دے

گا۔ صوبوں کو ۲۵ ارب روپے کے خصوصی فنڈز کی تقسیم کا فیصلہ ایک کمیٹی کرے گی جس کے صدر وفاقی حکومت کے چیف ایگزیکٹو اور رکن چاروں صوبوں کے وزیر اعلیٰ ہوں گے۔ اس منصوبے کے دوران ایک لاکھ افراد کو ملازمت دی جائے گی۔

ساتویں منصوبے کا سرسری جائزہ

شعبہ	چھٹا پنجسالہ منصوبہ	ساتواں پنجسالہ منصوبہ
توانائی	۸۷،۸ ارب روپے	۲۴۱،۳ ارب روپے
ٹرانسپورٹ اور مواصلات	۵۲،۲ ارب روپے	۶۱،۵ ارب روپے
پانی	۲۶،۱ ارب روپے	۲۸،۴ ارب روپے
فزیکل پلاننگ اور ہاؤسنگ	۲۷،۹ ارب روپے	۲۰،۰ ارب روپے
تعلیم	۱۶،۱ ارب روپے	۲۳،۱ ارب روپے
صنعت و معدنیات	۱۸،۱ ارب روپے	۱۶،۰ ارب روپے
صحت	۱۱،۹ ارب روپے	۱۳،۴ ارب روپے
زراعت	۹،۶ ارب روپے	۱۲،۳ ارب روپے
دیہی سڑکیں اور ماڈل گاؤں	۶،۳ ارب روپے	۵،۲ ارب روپے
دیگر شعبے	۲۵،۰ ارب روپے	۴۵،۵۹ ارب روپے

صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی ناگہانی وفات

۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کو بروز بدھ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق مختصر دورے سے فوجی یونٹوں کا معائنہ کرنے کے بعد واپس آ رہے تھے کہ ان کے طیارے کو حادثہ پیش آیا اور وہ اپنے تیس ساتھیوں کے ہمراہ انتقال کر گئے۔

صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے کارہائے نمایاں (ایک نظر میں)

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق اپنے اقتدار کے ۱۱ سال ۴۲ دن مکمل کرنے کے بعد ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کو بہاولپور کے قریب طیارے کے حادثے کے نتیجے میں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ انہیں پاکستان کی ۴۱ سالہ تاریخ میں طویل ترین دور تک حکمرانی کا اعزاز حاصل رہا۔ ان کے دورِ اقتدار کے خصوصی اقدامات تاریخوں کی روشنی میں حسب ذیل تھے۔

۲۴ جولائی سے ۹ جنوری ۱۹۷۸ء: بھٹو حکومت کے خلاف قرطاس ابیض کی اشاعت۔

۱۶ ستمبر ۱۹۷۸ء: صدر فضل الٰہی چوہدری کی صدارت کی میعاد مکمل ہونے پر ملک کے چھٹے صدر کی حیثیت سے عہدہ سنبھالا۔

۵ جولائی ۱۹۷۸ء: اپنی پہلی بائیس رکنی کابینہ کا اعلان کیا جس میں قومی اتحاد کے وزیر بھی شامل تھے۔

۴ اپریل ۱۹۷۹ء: لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے اور سپریم کورٹ کی توثیق پر وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی کی سزا دی گئی۔

۱۶ اکتوبر ۱۹۷۹ء: دوسری مرتبہ ۱۷ نومبر ۱۹۷۹ء کو ہونے والے انتخابات کا التوا، اس کے ساتھ ہی سیاسی جماعتوں پر پابندی عاید کر کے متعدد سیاستدانوں کو نظر بند کر دیا گیا اور مارشل لا سخت کر دیا گیا۔

۳۔۲ مارچ ۱۹۸۰ء: کالعدم سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں سے افغان مسئلے پر مذاکرات کئے۔

۲۴ مارچ ۱۹۸۱ء: عبوری آئین کا حکم نافذ کیا جس کے تحت ججوں نے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔

۲۴ دسمبر ۱۹۸۱ء: ۳۵۰ ارکان پر مشتمل وفاقی مجلسِ شوریٰ قائم کی گئی۔

۱۱ جنوری ۱۹۸۲ء: ملک کی پہلی نامزد پارلیمنٹ (مجلسِ شوریٰ) کے اجلاس سے خطاب کیا۔

۱۲ اگست ۱۹۸۳ء: صدر ضیاء الحق نے اپنے انتخابی منصوبے کا اعلان کیا جو ۱۸ ماہ پر محیط تھا۔ ایم آر ڈی نے اسے مسترد کر کے ان کے خلاف تحریک چلائی۔

اکتوبر ۱۹۸۳ء: ملک میں دوسری مرتبہ بلدیاتی انتخابات منعقد ہوئے۔ اس سے قبل ۲۵ ستمبر ۱۹۷۹ء کو پہلے بلدیاتی انتخابات کرائے گئے تھے۔

۱۹ دسمبر ۱۹۸۴ء: ملک میں اسلامی نظام کے لیے ریفرنڈم منعقد کرایا اور ۵ سال کے لیے صدر منتخب ہوئے۔

۲۵ فروری ۱۹۸۵ء: ملک بھر میں قومی اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔ یہ انتخابات غیر جماعتی بنیادوں پر کرائے گئے۔
۲۸ فروری ۱۹۸۵ء: ملک میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے انعقاد کا اعلان۔
۲ مارچ ۱۹۸۵ء: ۱۹۷۳ء کے آئین میں ترمیم کر کے اسے مرحلہ وار شامل کرنے کا اعلان کیا گیا۔
۲۰ مارچ ۱۹۸۵ء: سندھ سے رکن قومی اسمبلی محمد خاں جونیجو کو وزیر اعظم پاکستان نامزد کیا
۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء: صدر پاکستان اور محمد خاں جونیجو نے اپنے اپنے عہدوں کا حلف اٹھایا۔
۸ ستمبر ۱۹۸۵ء: قومی اسمبلی میں آٹھویں آئینی ترمیم کا بل پیش ہوا جسے ۸ اکتوبر قومی اسمبلی اور ۱۴ اکتوبر کو سینٹ نے منظور کر کے صدر ضیاء الحق کو مارشل لاء کے تمام اقدامات کو آئینی شکل دے دی گئی۔
۳۰ دسمبر ۱۹۸۵ء: ملک میں مارشل لاء ختم کر دیا گیا اور عوام کے بنیادی حقوق بحال کر دیئے گئے۔
اپریل ۱۹۸۸ء: افغانستان کے مسئلے پر جنیوا میں معاہدہ ہوا۔
۲۹ مئی ۱۹۸۸ء: صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے وزیر اعظم محمد خان جونیجو کی حکومت کو برطرف کر دیا اور کابینہ اور قومی اسمبلی توڑ دی۔ نگران حکومت کے قیام کا اعلان کیا گیا۔
جون ۱۹۸۸ء: ملک بھر میں شریعت آرڈیننس کا نفاذ۔
۱۴ اگست ۱۹۸۸ء: بھارت کے سابق وزیر اعظم مرارجی ڈیسائی کو نشان پاکستان کا اعزاز دے کر کھلبلی مچا دی۔

اسلامی نظام کی طرف پیش رفت

صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں بھی نمایاں خدمات سر انجام دیں اور ملک میں اسے روشناس کرانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ مثلاً
۱۰ فروری ۱۹۷۹ء: ملک میں اسلامی قوانین کے نفاذ اور زکوٰۃ و عشر کا نظام قائم کرنے اعلان کیا۔
۸ فروری ۱۹۷۹ء: چاروں صوبوں میں شریعت بنچیں قائم کیں۔
۲۰ جون ۱۹۸۰ء: زکوٰۃ و عشر کے آرڈیننس کا نفاذ
یکم جنوری ۱۹۸۱ء: بنکوں سے سودی نظام ختم کرنے کا اعلان کیا۔
۱۴ اگست ۱۹۸۴ء: نظام صلوٰۃ قائم کیا۔
یکم جولائی ۱۹۸۵ء: سودی نظام کے مکمل خاتمے کا اعلان۔
جون ۱۹۸۸ء: شریعت آرڈیننس کا نفاذ۔

عالم اسلام کو متحد کرنے کی کوششیں

صدر جنرل محمد ضیاء الحق کو اسلام اور عالم اسلام سے گہری دلچسپی تھی۔ اس کا اظہار انہوں نے

اُن عملی اقدامات سے کیا جن کی بدولت عالم اسلام کو دنیا میں اہم مقام حاصل ہوا ہے مثلاً:

انہوں نے عراق اور ایران جنگ بند کرانے کے سلسلے میں اُمتہ امن کمیٹی کے قیام میں مدد دی اور اسلامی سربراہی کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے ان ممالک کا دورہ کیا اور دونوں ملکوں کو جنگ بند کرنے کی ترغیب دی۔

۱۹۷۹ء میں جب روس نے افغانستان میں اپنی فوجیں داخل کر دیں تو انہوں نے اس ملک کی آزادانہ حیثیت کو بحال کرانے کے لیے انتھک سعی کی۔ ہر عالمی فورم میں اس مسئلے کو پیش کر کے دنیا بھر کی تائید و حمایت حاصل کی جس کے نتیجے میں اپریل ۱۹۸۸ء میں معاہدہ جینوا طے ہوا اور افغانستان سے روسی فوجوں کا انخلا شروع ہوا۔

کیمپ ڈیوڈ سمجھوتہ پر دستخط کرنے کی پاداش میں مصر کو اسلامی کانفرنس کی تنظیم سے علیحدہ کر دیا گیا تھا تو انہوں نے کیسا بلانکا کی اسلامی سربراہی کانفرنس میں اس مسئلے کو اٹھایا۔ چنانچہ مصر کو پھر سے اس تنظیم کا رکن بنا دیا گیا۔

صدر ضیاء الحق کی اسلامی خدمات کے اعتراف کے طور پر تمام اسلامی ممالک نے انہیں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں عالم اسلام کی نمائندگی کا اعزاز بخشا اور انہوں نے عالم اسلام کے پہلے سربراہ کی حیثیت سے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں تلاوت کلام پاک کا اہتمام کیا اور دنیا کو عالم اسلام کی قوت اور طاقت کو باور کرایا۔

صدر ضیاء الحق نے عالم اسلام کو جدید سائنسی ٹیکنالوجی سے روشناس کرنے کے سلسلے میں اسلامی ممالک کی تنظیم کے تحت سائنس اور ٹیکنالوجی کے ادارے کے قیام میں مدد دی۔

صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے پیش رفت کی جس کے نتیجے میں سوڈان، ایران، بنگلہ دیش میں اسے بتدریج رائج کرنے کا اہتمام کیا گیا۔

صدر کی ان خدمات کی بنا پر بلا شبہ انہیں خادم اسلام کا لقب دیا گیا ہے۔

قائمقام صدر مسٹر غلام اسحاق خاں کا دورِ حکومت

جنرل محمد ضیاء الحق کی ناگہانی موت

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کو فوجی یونٹوں کا معائنہ کرنے کے لیے مختصر دورے پر بہاولپور تشریف لے گئے۔ واپسی پر ان کے سی ۱۳۰ جہاز نے تیسرے پہر ساڑھے چار بجے بہاولپور کے ہوائی اڈے سے پرواز کی۔ پرواز کے چند ہی منٹ بعد ہوائی جہاز ایک دھماکے سے

پھٹ گیا صدر مملکت کے جہاز میں اُن سمیت بشمول عملہ کے تیس افراد سوار تھے جو سب کے سب جاں بحق ہوگئے۔ ان میں چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کے جنرل اختر عبدالرحمٰن اور آرمی کے وائس چیف آف سٹاف لیفٹیننٹ جنرل محمد افضال سمیت پانچ جنرل، پانچ بریگیڈیئر، ایک سکواڈرن لیڈر، امریکہ کے سفیر آرنلڈ رافیل اور عملہ کے چودہ ارکان شامل تھے

حادثے کی فوری تحقیقات کا حکم دے دیا گیا اور اسی روز سینیٹ کے چیئرمین جناب غلام اسحٰق خان نے صدر مملکت کے عہدے کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ چیف جسٹس محمد حلیم نے پریذیڈنسی راولپنڈی میں ان سے حلف لیا جس کے بعد ان کی صدارت میں پریذیڈنسی میں وفاقی کابینہ کا ہنگامی اجلاس منعقد ہوا جس میں وفاقی وزراء کے علاوہ تینوں مسلح افواج کے سربراہوں نے بھی شرکت کی۔ حکومت نے صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی وفات پر دس دن کے قومی سوگ اور سرکاری و نیم سرکاری اداروں میں تین روز کی تعطیل کا اعلان کیا۔

صدر جناب غلام اسحاق خاں کے حالاتِ زندگی

وہ ۲۰ جنوری ۱۹۱۵ء کو اسمٰعیل خیل (بنوں) میں پیدا ہوئے انہوں نے کیمسٹری اور باٹنی میں بی ایس سی کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی لاہور سے حاصل کی۔ ۱۹۴۰ء میں شمال مغربی سرحدی صوبے کی سول سروس میں شمولیت اختیار کرلی۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۷ء میں چیف منسٹر کے سیکرٹری بھی رہے۔ بعد ازاں ہوم سیکرٹری خوراک اور ڈائریکٹر سپلائز مقرر کیا گیا ون یونٹ بننے کے بعد مغربی پاکستان کا سیکرٹری منصوبہ بندی بنایا گیا۔ بعد ازاں یکم فروری ۱۹۶۱ء کو واپڈا کے چیئرمین بنا دیئے گئے۔ اس حیثیت سے انہوں نے ملک میں بجلی اور پانی کے نظام کو منظم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ ۱۱ اپریل ۱۹۶۶ء تک اس عہدے پر فائز رہنے کے بعد وفاقی وزارت خزانہ کے سیکرٹری بنا دیئے گئے۔ چار سال تک اسی عہدے پر خدمات انجام دیتے رہے یکم ستمبر ۱۹۷۰ء کو صدر کے سیکرٹریٹ میں کینٹ ڈویژن کا سیکرٹری مقرر کیا گیا ۲۱ دسمبر ۱۹۷۱ء کو انہیں گورنر سٹیٹ بینک آف پاکستان کا عہدہ سونپا گیا۔ اپریل۔ مئی ۱۹۷۴ء میں جدہ میں اسلامی مملکتوں کی معاشی کمیٹی میں پاکستانی وفد کی قیادت کی۔ ۲۴ نومبر ۱۹۷۵ء کو حکومت نے انہیں وزارت دفاع کا سیکرٹری جنرل بنا دیا۔ ۷ جولائی ۱۹۷۷ء کو وفاقی وزیر کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ ۱۴ جولائی ۱۹۷۸ء کو انہیں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا مشیر برائے منصوبہ بندی و ترقیات امور مقرر کیا گیا۔ ۲۳ اگست ۱۹۷۸ء کو وفاقی وزیر خزانہ، منصوبہ بندی اور پھر وزارت خزانہ کا قلمدان سنبھالا۔ مارچ ۱۹۸۵ء میں انہیں سینیٹ کا چیئرمین منتخب کر لیا گیا مارچ ۱۹۸۸ء میں وہ دوبارہ سینیٹ کے چیئرمین منتخب ہوئے اور وہ اس عہدے پر فائز تھے کہ صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی ناگہانی وفات پر صدر پاکستان کا عہدہ سنبھالا۔

وہ متعدد بین الاقوامی معاشی کانفرنسوں میں پاکستان کی نمائندگی کر چکے ہیں۔ ان کی اعلیٰ خدمات کے اعتراف کے طور پر حکومت پاکستان نے ہلالِ قائداعظم اور ستارہ پاکستان سے بھی نوازا۔ وہ پاکستان کے مختلف شعبہ جات میں ماہر کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کی شہرت کلیین کی ہے۔

صدر جناب غلام اسحق خان نے عہدہ صدارت سنبھالنے کے فوراً بعد ۱۱ بجکر ۵۰ منٹ پر قوم کے نام اپنے ایک نشریے میں کہا۔

یہ سانحہ محض ایک عظیم المیہ ہی نہیں بلکہ قوم کے لیے ایک کڑی آزمائش ہے ایک ایسی ہی جس سے ہمیں متحد ہو کر گزرنا ہے۔ زندہ قومیں آزمائش کی ایسی گھڑیاں صبر، اتحاد اور استقامت اور یقین محکم کے ساتھ سرخرو ہو کر گزارتی ہیں۔ آزمائشوں کی آگ قوموں کو کندن بنا دیتی ہے اور اُن کے جوہر اور نکھرتے ہیں۔ ان کا عزم بلند تر پائندہ تر ہو کر سامنے آتا ہے مجھے یقین ہے کہ پاکستان کا ہر شہری قومی ابتلاء کی اس گھڑی میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرے گا اور اس کے تقاضے پورے کرنے میں پوری استقامت اور بہادری کا ثبوت دے گا ہمارا دین ہمیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی تعلیم دیتا ہے ہم آج اس کے حضور مرد مومن کی مغفرت کی دعا کرنے کے ساتھ یہ التجا بھی کرتے ہیں کہ وہ ہمیں قومی اتحاد اور یکجہتی کو قائم و دائم رکھنے کا حوصلہ، صلاحیت اور عزم بھی عطا کرے تاکہ ہم سچے مسلمانوں کی طرح اپنی قوم کی عظمت اور سربلندی کی نئی رفعتوں پر پہنچانے کی جدوجہد میں کامیابی سے آگے بڑھتے رہیں اللہ کے فضل و کرم سے آج پاکستان کی بنیادیں مضبوط اور مستحکم ہیں۔ قوم اور ملک کو استحکام کی بیش بہا دولت سے نوازنے میں ہمارے محبوب صدر مملکت (جنرل محمد ضیاء الحق) کا ناقابل فراموش حصہ رہا ہے۔ جنہوں نے گیارہ سال تک مملکت کی سربراہی کے فرائض انجام دیئے۔ اسلام سے ان کی مکمل وابستگی اور محبت، غریبوں اور ناداروں کی ازحد شفقت اور فرائض منصبی سے بے پناہ خلوص نے قوم اور ملک کو نئی بحرانی مرحلوں سے بخیر و خوبی گزارا۔ ان کا سب سے عظیم کارنامہ وہ حیثیت اور وہ عزت و وقار ہے جو بحیثیت ایک ملک پاکستان کو اسلامی دنیا میں خصوصاً اور پوری عالمی برادری میں عموماً حاصل ہے۔

ہمیں بجا طور پر فخر ہے کہ جنرل ضیاء الحق نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم کے رہنما تسلیم کئے جاتے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ آج ہر پاکستانی کی طرح تمام اسلامی دنیا کے عوام ان کے غم میں اشکبار رہیں گے۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے پاکستان کو بہت کچھ دیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ورثے کے طور پر ایک ایسی قوم چھوڑ گئے ہیں جو اپنی آزادی اور خود مختاری پر جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ اب یہ ہمارا فرض ہے کہ آزادی اور خود مختاری کی اس عظیم

نعمت کی قدر نہ کی۔ نہ صرف دل و جان سے حفاظت کریں بلکہ اس کے استحکام کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں۔ یہ ہمارے قومی استحکام کا تقاضا ہے۔

ابتدائی اقدامات صدر جناب غلام اسحٰق خاں نے ملک کا نظم ونسق چلانے کے لیے چند اقدامات کا اعلان بھی کیا جو یہ ہیں۔

۱۔ ملک میں ہنگامی حالات نافذ کرنے کا اعلان کیا۔
۲۔ ایمرجنسی کونسل کا قیام عمل میں لایا گیا جو حکومت کو آئین کے مطابق کاروبار مملکت چلانے میں مدد دے گی۔
۳۔ انتخابات طے شدہ پروگرام کے مطابق ۱۶ نومبر کو منعقد ہوں گے۔
۴۔ جنرل مرزا اسلم بیگ کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی ذات سے خالی ہونے والے چیف آف سٹاف پر فائز کیا گیا۔
۵۔ خارجہ پالیسی کو بدستور جاری رکھے جانے کا عہد کیا گیا۔
۶۔ چاروں صوبوں میں نگران حکومتوں کو بدستور کام کرنے کی اجازت دے دی گئی۔
۷۔ ہوائی جہاز کے حادثے کی تحقیقات کرانے کی اعلان کیا گیا اور یہ خدشہ ظاہر کیا گیا کہ تخریب کاری کا امکان بھی ہو سکتا ہے

ہنگامی کونسل کے ارکان صدر پاکستان جناب غلام اسحٰق خاں نے ملک کا نظم ونسق اور رہنمائی کے لیے جو کونسل قائم کی اس کے ارکان یہ ہیں۔

(۱) سینئر وفاقی وزیر محمد اسلم خٹک (۲) وفاقی وزیر داخلہ نسیم آہیر
(۳) وفاقی وزیر دفاع محمود ہارون (۴) وفاقی وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب خاں
(۵) وفاقی وزیر انصاف و پارلیمانی امور وسیم سجاد
(۶) چیف آف دی آرمی سٹاف مرزا اسلم بیگ
(۷) چیف آف دی نیول سٹاف افتخار احمد سروہی۔
(۸) چیف آف دی ایئر سٹاف حکیم اللہ خاں
(۹) وزیر اعلیٰ پنجاب نواز شریف (۱۰) قائمقام گورنر سندھ جنرل رحیم الدین
(۱۱) وزیر اعلیٰ سرحد فضل حق (۱۲) وزیر اعلیٰ بلوچستان ظفر اللہ خاں جمالی۔
(۱۳) سندھ کابینہ کے سینئر وزیر الحاج شمیم الدین۔

وفاقی کابینہ کا ہنگامی اجلاس

۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی ناگہانی وفات پر سینٹ کے چیئرمین جناب غلام اسحٰق خان نے قائمقام صدر کا عہدہ سنبھالا عہدہ سنبھالنے کے بعد انہوں نے کابینہ کا ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا۔ جس میں اسلام آباد میں موجود وفاقی کابینہ کے ارکان کے علاوہ بری فوج کے سربراہ مرزا محمد اسلم بیگ۔ بحریہ کے سربراہ افتخار احمد سروہی اور فضائیہ کے سربراہ ایئر چیف مارشل حکیم اللہ نے شرکت کی۔ صدر ضیاء الحق کی موت پر حکومتِ پاکستان نے دس روز تک سوگ منانے کا اعلان کیا اور صدر کے طیارے کو پیش آنے والے حادثے کی تحقیقات کا فوری حکم دے دیا۔

وفاقی کابینہ کے اس اجلاس میں صدر ضیاء الحق کی موت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا اور ان کے ساتھ جاں بحق ہونے والوں کے ایصالِ ثواب کیلئے فاتحہ خوانی کی گئی اور صدرِ مملکت کی اچانک موت سے پیدا ہونے والی صورتِ حال کا جائزہ لیا گیا۔

طیارے کے حادثے کی تحقیقات

قائمقام صدر جناب غلام اسحٰق خان نے صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی طیارے کے حادثے کے نتیجے میں جاں بحق ہونے پر تحقیقات کا حکم دے دیا اور اس ضمن میں ایئر کموڈور عباس مرزا کو تحقیقاتی ٹیم کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ ۲۰ اگست ۱۹۸۸ء کو ابتدائی رپورٹ مرتب کی گئی۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ دریائے ستلج کے کنارے سے ایک بغیر نمبر کی کار ملی ہے جس میں مشکوک افراد سوار تھے۔ دریں اثناء امریکہ کے صدر ریگن نے پاکستان کو اس طیارے کی تباہی کی تحقیقات کے لیے ماہرین بھجوانے کی پیشکش کی جسے پاکستان کی ایمرجنسی کونسل نے ایک اجلاس کے بعد قبول کر لیا۔

صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی تدفین

صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی فیصل مسجد کی تعمیر میں دلچسپی، پاکستان میں اسلامی تعلیمات کو فروغ دینے کے لیے اقدامات اور عالم اسلام کے لیے ان کی خدمات کو ملحوظ رکھتے ہوئے وفاقی کابینہ نے ۱۸ اگست ۱۹۸۸ء کو یہ فیصلہ کیا کہ ایک مومن، ایک غازی اور ایک شہیدِ وطن کی نمازِ جنازہ فیصل مسجد میں ادا کر کے انہیں اس کے دامن میں سپردِ خاک کر دیا جائے۔

چنانچہ اس فیصلے کے مطابق صدرِ مملکت کا جسدِ خاکی ۱۹ اگست ۱۹۸۸ء کو ایک فوجی تقریب کے بعد توپ گاڑی پر رکھا گیا اور بعد ازاں انہیں ملکی اور غیر ملکی شخصیتوں کی موجودگی میں فیصل مسجد میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

بین الاقوامی شخصیات نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی

صدر ضیاء الحق کو سینیٹ کا خراج عقیدت

۱۸ راگست ۱۹۸۸ء کو سینیٹ کے ڈپٹی چیئرمین سید فضل آغا کی صدارت میں سینیٹ کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس میں انصاف و پارلیمانی امور کے وزیر مسٹر وسیم سجاد نے ایک قرارداد پیش کی جس میں کہا گیا کہ

"اس نازک مرحلے میں صدر ضیاء الحق کی دفات سے قومی زندگی میں ایک خلا پیدا ہو گیا ہے کیونکہ مرحوم ماضی اور مستقبل کے درمیان ایک اہم رابطہ تھے۔ قرارداد میں یاد دلایا گیا کہ صدر نے انتہائی نازک لمحے میں ملک کی قیادت سنبھالی تھی اور قوم کو شدید بحرانوں سے نکالا۔

انہوں نے اسلام کے لیے خدمات انجام دیں اور ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی مخلصانہ کوششیں کیں۔ قرارداد میں مرحوم صدر کی کامیاب خارجہ پالیسی کا ذکر کیا گیا۔ جس سے بیرونِ ملک پاکستان کا وقار بلند ہوا اور خاص طور پر اُمتِ مسلمہ میں اسے باعزت مقام نصیب ہوا۔

قرارداد میں کہا گیا تھا کہ مرحوم صدر کو افغان عوام کے مقصد سے گہری دلچسپی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ افغان عوام کے مقصد کے حصول کو پایۂ تکمیل تک پہنچتا ہوا نہ دیکھ سکے۔ قرارداد میں کہا گیا تھا کہ صدر ضیاء الحق عالمِ اسلام کے مسلمہ رہنما تھے اور تمام سربراہان مملکت اور حکومت ان کا بے حد احترام کرتے تھے اور ان کی بات کو بے حد اہمیت دیتے تھے۔

ایوان نے جنرل اختر عبدالرحمٰن اور امریکی سفیر اور دوسری قیمتی جانوں کے نقصان پر بھی گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔

محرک سمیت ۲۲ ارکان نے قرارداد پر تقاریر کیں۔ انہوں نے ملک اور اسلام کے لیے مرحوم صدر کی ناقابلِ فراموش خدمات کی تعریف کی۔ مرحوم کے لیے فاتحہ خوانی بھی کی گئی بعد میں سینیٹ کا اجلاس غیر معینہ مدت تک کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔

حسنِ ترتیب

پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈی نینس کی تنسیخ، اسمبلی توڑنے کا غیر قانونی حکم، جماعتی بنیادوں پر انتخابات کرانے کا فیصلہ، عام انتخابات، قومی اسمبلی کے انتخابات، صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات، قومی اسمبلی میں خواتین کی نشستیں، انتخابی اتحاد اور سیاسی جماعتیں، اسلامی جمہوری اتحاد، پاکستان عوامی اتحاد، لیفٹ اینڈ ڈیموکریٹک فرنٹ، نیشنل پیپلز پارٹی کھر گروپ کا قیام، پاکستان نیشنل ڈیموکریٹک الائنس، دہشت گردی کی روک تھام کے ۵ آرڈی نینس، اقتدار کی منتقلی کا مرحلہ، ہنگامی حالت کا خاتمہ۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کا دورِ حکومت

وزیر اعظم مسز بے نظیر بھٹو کے حالاتِ زندگی۔ سپیکر اور ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی کا انتخاب صدارتی انتخاب، سینٹ کے چیئرمین کا انتخاب، بلوچستان اسمبلی کی تنسیخ، بلوچستان اسمبلی کی بحالی کا عدالتی فیصلہ، بلوچستان کی نئی حکومت، چوتھی سارک سربراہ کانفرنس، ایٹمی تنصیبات پر حملہ نہ کرنے کا پاک بھارت معاہدہ، ضمنی انتخابات، پاکستان عوامی تحریک، آئین میں آٹھویں ترمیم کے خاتمے کا مسئلہ، پیپلز ورکس پروگرام کا اجراء، سام میزائیلوں کا کامیاب تجربہ، سینٹ کی تنسیخ کے اقدامات، مرکز اور پنجاب کی محاذ آرائی۔

پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈی نینس کی تنسیخ

ایک عرصہ سے یہ مطالبہ کیا جارہا تھا کہ پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈی نینس کو منسوخ کیا جائے۔ چنانچہ صحافیوں کے اس دیرینہ مطالبے کو پورا کرتے ہوئے وفاقی کابینہ نے ۴ ستمبر ۱۹۸۸ء کو پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈی نینس کو منسوخ کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کی جگہ رجسٹریشن آف پبلی کیشنز اینڈ پریس آرڈی نینس ۱۹۸۸ء جاری کیا۔ صدر جناب غلام اسحٰق خاں نے بھی اس کی منظوری دیدی نئے قانون میں پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈی نینس کی گئی دفعات ختم کردی گئیں۔ اس میں صوابدید کے استعمال کے عنصر کو مکمل طور پر ختم کردیا گیا اور کوئی تادیبی شق نہیں رکھی گئی اس میں خلاف ورزی کرنے والے کو ہائی کورٹ میں اپیل کا حق بھی دیا گیا۔

نئے قانون کی تیاری میں پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈی نینس کی ۱۰ دفعات کو بالکل ختم کردیا گیا اور ۹ میں بڑی حد تک ترمیم کردی گئی اور ۱۲ میں معمولی ردوبدل کیا گیا۔

پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈی نینس وفاقی قانون کے طور پر اس وقت نافذ کیا گیا جب ۱۹۶۰ء میں ملک میں مارشل لاء نافذ تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ پریس سے متعلق تمام قوانین کو کسی ایک ہی قانون میں موثر بنایا جائے تاکہ انتظامیہ کو اخبارات سے فوری اور موثر طور پر نمٹنے کے لیے قطعی اختیارات حاصل ہو جائیں بعد میں آنے والی تمام حکومتوں نے اسے برقرار رکھا۔

اسمبلیاں توڑنے کا غیر قانونی حکم

جب سابق صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۹ مئی ۱۹۸۸ء کو قومی اسمبلی کو توڑنے اور وزیر اعظم محمد خاں جونیجو کی حکومت کو برطرف کرنے کا اعلان کیا تو صدر کے اس اقدام کو لاہور ہائی کورٹ میں چیلنج کردیا گیا۔ لاہور ہائی کورٹ نے ۲۷ ستمبر ۱۹۸۸ء کو اپنے فیصلے میں اسمبلیاں توڑنے کے حکم کو غیر قانونی قرار دیا۔ یہ فیصلہ فل بنچ نے کیا تھا۔

لاہور ہائی کورٹ نے اپنے مختصر حکم میں کہا کہ قومی اسمبلی اور پنجاب اسمبلی توڑنے کے حکم کی بنیاد ہی مبہم عمومی یا نہ ہونے کے مترادف ہے کہ ان احکامات کو قانونی تحفظ نہیں دیا جا سکتا۔ اس طرح کے احکامات ہمیشہ کسی بھی وقت جاری کئے جاتے ہیں۔ آئین مرضی کی بنیاد پر اسمبلیاں توڑنے کی اجازت نہیں دیتا آئین کی روح یہ ہے کہ جمہوریت لائی جائے اور امور مملکت جمہوری طریقے سے چلائے جائیں۔

جس کے لیے اس میں نشستیں رکھی گئی ہیں اور آئینی تقاضوں کے تحت قائم مقام صدر نے اقتدار سنبھال لیا ہے اور نمائندہ اداروں کے لیے انتخابات کا اعلان کر دیا ہے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات مرحوم صدر کے اعلانؐ کے مطابق ۱۶ نومبر ۱۹۸۸ء کو ہوں گے اور منتخب نمائندوں کو آئین کے مطابق اقتدار منتقل ہو جائے گا۔

عدالت نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے کہ عدالت آئین کے آرٹیکل نمبر ۱۹۹ کے تحت اپنی صوابدید کے آئینی اختیارات کے تحت توڑی گئی اسمبلیاں بحال نہیں کر سکتی عدالت نے اس بات پر زور دیا کہ جمہوری ریاست کے عمل میں کوئی مداخلت نہ کی جائے۔ قوم کی گاڑی کو پٹڑی پر چڑھنے دیا جائے یہی آزاد اور خود مختار قوم کے شایان شان ہے۔

تاہم عدالتِ عالیہ نے اسمبلیاں توڑنے کے حکم کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے اسمبلیاں بحال نہ کرنے کا بھی حکم جاری کیا تاکہ انتخابات کے عمل میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہ پڑ سکے۔

لاہور ہائی کورٹ کے اس فیصلے کا یہ تاثر لیا گیا کہ اسمبلیاں بحال ہو گئی ہیں چنانچہ ۲۹ ستمبر ۱۹۸۸ء کو قومی اسمبلی کے سپیکر حامد ناصر چٹھہ نے پارلیمنٹ ہاؤس میں سابق ارکان قومی اسمبلی کا اجلاس بلا لیا۔ ۳۰ ستمبر کو سپریم کورٹ کے فیصلے پر عمل درآمد اس وقت تک روک دیا گیا جب تک حکومت کی طرف سے دائر کردہ درخواست نمٹائی نہ جائے۔ چنانچہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے اجلاس نہ بلائے جا سکتے۔

جماعتی بنیادوں پر انتخابات کرانے کا فیصلہ

۲ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو سپریم کورٹ آف پاکستان نے پاکستان پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن مسز بے نظیر بھٹو کی آئینی درخواست کا فیصلہ سناتے ہوئے آئندہ انتخابات جماعتی بنیادوں پر منعقد کرانے کا حکم دیا۔ یہ فیصلہ سپریم کورٹ کے ۱۲ رکنی فل بنچ نے کیا اس کا متن یہ ہے۔

آئین کے آرٹیکل نمبر ۱۸۴ (۳) کے تحت یہ درخواست قبول کی جاتی ہے جس کی وجوہات بعد ازاں ریکارڈ پر لائی جائیں گی۔ عدالت یہ اعلان کرتی ہے۔

۱۔ ۱۶ نومبر ۱۹۸۸ء کو ہونے والے قومی و صوبائی اسمبلیوں کی ہر نشست پر ہر سیاسی جماعت حصہ لینے کی اہل ہے

۲۔ عوامی نمائندگی کے ایکٹ مجریہ ۱۹۷۶ کی سیکشن نمبر ۲ جیسا کہ اس میں ۱۹۸۵ کے

آرڈی نینس نمبر ۲ اور نمبر ۳ کے ذریعے ترامیم کی گئی تھیں وہ آئین کے آرٹیکل ۱۷ (۲) میں دیئے گئے بنیادی حق کی خلاف ورزی ہے کیونکہ یہ الیکشن کے عمل میں سیاسی جماعتوں کی شرکت اور موجودگی کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے علاوہ ازیں یہ دفعہ سیاسی جماعتوں کے لیئے انتخابی نشان مخصوص کرنے کے خلاف ہے اس لیے اس ترمیم کو کالعدم قرار دیا جاتا ہے ان کے نتیجے میں سیاسی جماعتیں عوامی ایکٹ (کنڈکٹ آف الیکشن) رولز ۱۹۷۷ کے رول نمبر ۹ (۲) کی شقوں کے تحت کام کریں گی جن کے تحت الیکشن کمیشن اس امر کا اختیار رکھتا ہے کہ وہ کسی ایک سیاسی جماعت یا سیاسی جماعتوں کے گروپ کو مخصوص انتخابی نشانات میں سے کوئی نشان الاٹ کرے جو الیکشن میں مشترکہ امیدوار کھڑا کرنے پر متفق ہوں فیصلے میں کہا گیا تھا کہ اپیل کے اخراجات فریقین خود برداشت کریں گے۔ صوبائی حکومت عدالت عظمیٰ کی معاونت کے لیے بلائے جانے والے وکلا کو پانچ پانچ ہزار روپے بطور فیس ادا کرے گی۔

سپریم کورٹ کے اس فیصلے کو نہ صرف اندرونِ ملک سیاسی رہنماؤں نے سراہا بلکہ بیرون ملک بھی اس کی تعریف کی گئی۔

۵ راکتوبر ۱۹۸۸ء کو سپریم کورٹ نے لاہور ہائی کورٹ کے اس فیصلے کی توثیق کردی کہ کالعدم اسمبلیاں اور حکومتیں بحال نہیں کی جائیں گی۔

عام انتخابات

۸ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو چیف الیکشن کمشنر نے صدارتی اعلان کے مطابق انتخابی شیڈول عدلیہ کی نگرانی میں انتخابات کے انعقاد کا اعلان کیا۔ ۱۱ اکتوبر کو سیاسی جماعتوں اور اتحادوں کو انتخابی نشان الاٹ کردیئے گئے۔

پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن مسز بے نظیر بھٹو نے کہا کہ انتخابات کے لیے ووٹر کو شناختی کارڈ پیش کرنے کی شرط ختم کی جائے لیکن حکومت اور سپریم کورٹ نے اس پابندی کو اس لیے برقرار رکھا تاکہ انتخابات منصفانہ اور آزادانہ ہوں۔

قومی اسمبلی کے انتخابات

صدارتی اعلان کے مطابق ۱۶ نومبر ۱۹۸۸ء کو ملک میں جماعتی بنیادوں پر قومی اسمبلی کے انتخابات منعقد ہوئے۔ ان میں ملک کے بڑے بڑے سیاسی رہنما ہار گئے۔ ہارنے والوں میں

تحریک استقلال کے سربراہ ائیر مارشل ریٹائرڈ اصغر خان، محمد خان جونیجو (سابق وزیر اعظم) جمعیت العلمائے پاکستان کے سربراہ مولانا شاہ احمد نورانی، جماعت اسلامی کے رہنما پروفیسر غفور احمد کے علاوہ حمیدہ کھوڑو، لیاقت جتوئی، غلام مصطفےٰ جتوئی اور رسول بخش پلیجو شامل تھے کراچی میں ایم کیو ایم اور چاروں صوبوں میں پاکستان پیپلز پارٹی نے ۹۲ اور اسلامی جمہوری اتحاد نے ۵۵ نشستیں حاصل کیں۔ پارٹی پوزیشن اس طرح ہے۔

پارٹی	کل نشستیں	صوبہ پنجاب	صوبہ سندھ	صوبہ بلوچستان	صوبہ سرحد	قبائلی علاقے	وفاقی دارالحکومت
اسلامی جمہوری اتحاد	۵۵	۴۵	-	۲	۸	-	-
پاکستان پیپلز پارٹی	۹۲	۵۲	۳۱	۱	۷	-	۱
پی ڈی پی	۱	۱	-	-	-	-	-
پاکستان عوامی اتحاد	۳	۳	-	-	-	-	-
جے یو آئی درخواستی گروپ	۱	-	-	-	۱	-	-
جے یو آئی فضل الرحمٰن گروپ	۷	-	-	۴	۳	-	-
عوامی نیشنل پارٹی	۳	-	-	-	۳	-	-
این پی پی کھر گروپ	۱	۱	-	-	-	-	-
حق پرست، ایم کیو ایم	۱۳	-	۱۳	-	-	-	-
بلوچستان نیشنل الائنس	۲	-	-	۲	-	-	-
آزاد	۲۷	۱۲	۲	۲	۳	۸	-
کل میزان	۲۰۵	۱۱۴	۴۶	۱۱	۲۵	۸	۱

قومی اسمبلی کی ۲۰۷ نشستوں میں سے ۲۰۵ نشستوں کے لیے انتخاب ہوا، دو نشستوں پر امیدواروں کے انتقال کی وجہ سے الیکشن ملتوی ہو گیا۔

صوبہ سندھ میں منتخب پندرہ آزاد اراکین قومی اسمبلی میں سے ۱۳ کا تعلق مہاجر قومی موومنٹ سے ہے۔

صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات

الیکشن کمیشن کے اعلان کے مطابق ۱۹ نومبر ۱۹۸۸ء کو چاروں صوبوں کی اسمبلیوں کے انتخابات مکمل ہو گئے۔ قومی اسمبلی کے انتخابات کی طرح صوبائی اسمبلیوں میں بھی بااثر شخصیتیں انتخاب نہ جیت سکیں۔ ان صوبائی انتخابات کی اہمیت قومی اسمبلی کے انتخابات کے سیاق و سباق میں معمول سے زیادہ ہو گئی کیونکہ قومی اسمبلی کے انتخابات میں کسی پارٹی کو واضح اکثریت حاصل نہیں ہو سکی اور اس کے بعد سے دو بڑی حریف تنظیمیں یعنی پاکستان پیپلز پارٹی ۹۲ نشستیں اور اسلامی جمہوری اتحاد (۵۵) نے دعویٰ کیا کہ انہیں قومی اسمبلی کے اتنے آزاد ارکان کی حمایت حاصل ہو گئی ہے کہ وہ حکومت کی تشکیل کر سکتی ہیں۔

قومی اسمبلی کے انتخابات کا سب سے زیادہ اثر پنجاب پر پڑا کیونکہ پاکستان پیپلز پارٹی نے قومی اسمبلی میں اکثریت حاصل کی تھی اور اس کے مقابلے میں اسلامی جمہوری اتحاد کو کم ووٹ ملے تھے۔ لیکن صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں حالات اسلامی جمہوری اتحاد کے حق میں رہے اور اسے پنجاب میں اکثریت حاصل ہوئی۔ پارٹی پوزیشن اس طرح ہے۔

سیاسی جماعتیں	پنجاب	سندھ	سرحد	بلوچستان
کل نشستیں	۲۴۰	۱۰۰	۸۰	۴۰
اسلامی جمہوری اتحاد	۱۰۸	۱	۲۸	۸
پاکستان پیپلز پارٹی	۹۴	۶۷	۲۰	۴
مہاجر قومی موومنٹ	-	۲۶	-	-
آزاد امیدوار	۳۲	۵	۱۵	۲
جمعیت العلمائے اسلام (فضل الرحمٰن گروپ)	۱	-	۲	۱۱
عوامی نیشنل پارٹی	-	-	۱۲	-
پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی	۲	-	-	-
این پی پی کھر گروپ	۱	-	-	-
پنجابی پختون اتحاد	-	۱	-	-

بلوچستان نیشنل الائنس	-	-	-	۱۰
پاکستان عوامی اتحاد	۲	-	-	-
پاکستان نیشنل پارٹی	-	-	-	۲
پختون ملی عوامی اتحاد	-	-	-	۲
وطن پارٹی	-	-	-	۱
میزان	۲۴۰	۱۰۰	۷۷	۴۰

قومی اسمبلی میں خواتین کی نشستیں

	پیپلز پارٹی	اسلامی جمہوری اتحاد	ایم کیو ایم	جے یو آئی	بی این اے	آزاد	اے این پی
قومی اسمبلی	۱۲	۵	۱	۱	-	۱	-
پنجاب اسمبلی	۵	۷	-	-	-	-	-
سندھ اسمبلی	۴	-	۱	-	-	-	-
سرحد اسمبلی	۲	۱	-	-	-	-	۱
بلوچستان اسمبلی	۱	-	-	-	۱	-	-

انتخابی اتحاد اور سیاسی جماعتیں

سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد سیاسی جماعتوں نے اپنی سرگرمیوں کو تیز کر دیا بعض نے دوسری جماعتوں میں مدغم ہونے کا اعلان کیا اور بعض جماعتوں نے انفرادی طور پر انتخاب میں حصہ لینے کا عزم کیا۔ انتخابات کے اعلان کے نتیجے میں جو انتخابی اتحاد تشکیل دیئے گئے ان کے نام یہ ہیں:

اسلامی جمہوری اتحاد

۶ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو دائیں بازو کی آٹھ سیاسی و مذہبی جماعتوں نے اسلامی جمہوری اتحاد

کے نام سے سیاسی اتحاد بنانے کا اعلان کیا۔ اتحاد میں نیشنل پیپلز پارٹی، مسلم لیگ فدا گروپ، جمعیت العلمائے اسلام درخواستی گروپ، لکھوی گروپ، آزاد گروپ، نظام مصطفےٰ گروپ، حزب جہاد اور جمعیت المشائخ نامی جماعتیں شامل ہوئیں۔ جماعت اسلامی نے بعد میں شمولیت اختیار کی۔ نیشنل پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر غلام مصطفےٰ جتوئی کو اتحاد کا کنوینر مقرر کیا گیا۔ اتحاد میں شامل جماعتوں نے جن بنیادی نکات کا پر اتفاق کیا وہ یہ ہیں:

۱۔ ملک میں اسلامی قانون کی بالادستی قائم کرنا۔
۲۔ ملک میں برابری کی بنیاد پر تمام طبقات کے لیے قابل قبول معاشی مواقع کی فراہمی جس میں تاجر، مزدور، کسان اور طالب علموں کے حقوق کا تحفظ کرنا بھی شامل ہوگا۔
۳۔ ملک کے ہر شہری کے لیے بلا رنگ و نسل سستے انصاف کی فراہمی
۴۔ خواتین کے حقوق کا مکمل تحفظ
۵۔ جہادِ افغانستان کی مکمل حمایت و پشت پناہی
۶۔ ایٹمی توانائی کے پروگرام کا فروغ اور ملک کی ترقی کے لیے اس کا پُرامن استعمال
۷۔ غیر وابستہ خارجہ پالیسی جس کے نتیجے میں فلسطین و کشمیری عوام کی جدوجہد کی مکمل حمایت ہو۔
۸۔ تیسری دنیا کے ممالک سے تعاون۔

مسٹر غلام مصطفےٰ جتوئی اس کے صدر بنے وہ ۵ جنوری تک اس عہدے پر قائم رہے پھر ۱۲ فروری ۱۹۸۹ء کو جناب نواز شریف کو اس کا صدر منتخب کیا گیا۔

پاکستان عوامی اتحاد

اسلامی جمہوری اتحاد کے دو روز بعد ۸ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو مسلم لیگ جونیجو گروپ، تحریک استقلال اور جمعیت العلمائے پاکستان کے ادغام سے پاکستان عوامی اتحاد کا قیام عمل میں آیا۔ جمعیت العلمائے پاکستان کے سربراہ مولانا شاہ احمد نورانی کو اس اتحاد کا کنوینر اور لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ اے ایم ایچ انصاری کو جنرل سیکرٹری مقرر کیا گیا۔

تینوں جماعتوں نے پاکستان کے نظریہ کے تحفظ، ملکی سالمیت و یکجہتی، نظام مصطفےٰ کے ذریعے قرآن و سنت کی مکمل بالادستی کے قیام، ملکی دفاع کو ناقابلِ تسخیر بنانے۔ تمام شہریوں کے درمیان مکمل مساوات اور برابری، خواتین کے حقوق اور پچھلے ہوئے عوام کے لیے ترجیحی بنیادوں پر جدوجہد کرنے کا عزم کیا۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے اتحاد نے قراردادِ مقاصد اور ۱۹۷۳ء کے آئین میں درج مندرجہ ذیل اعلان

کو اپنے منشور اور حکومتی پروگرام کی بنیاد قرار دیا یہ اتحاد عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے اختیارات کا استعمال کرے گا۔ جاگیرداری نظام اور ہر قسم کے استحصال کا خاتمہ کرے گا۔ غیر وابستہ خارجہ پالیسی کو اپنائے گا اور مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کرے گا۔ ۴ر اکتوبر ۱۹۸۸ء کو محمد خان جونیجو کی مسلم لیگ اس اتحاد سے علیحدہ ہو گئی

لیفٹ اینڈ ڈیموکریٹک فرنٹ

۸ر اکتوبر ۱۹۸۸ء کو قومی محاذ آزادی، مزدور کسان پارٹی (غلام نبی کلو گروپ) وطن دوست انقلابی پارٹی، کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان، عوامی فکری محاذ اور پاکستان سوشلسٹ پارٹی نے لیفٹ اینڈ ڈیموکریٹک فرنٹ کے نام سے اتحاد کے قیام کا اعلان کیا۔

فرنٹ کے جو مقاصد بیان کئے گئے ان کی تفصیل یہ ہے:

فرنٹ کے مقاصد میں زرعی اصلاحات کا نفاذ۔ خارجہ پالیسی پر نظر ثانی، دفاعی بجٹ میں کٹوتی۔ پاکستان میں قیام پذیر تمام طبقوں کے مساوی حقوق شامل ہیں۔

فرنٹ نے دیہی علاقوں میں صنعتوں کے پھیلاؤ۔ خواتین کے مساوی حقوق۔ صنعتوں کو قومیانے، ٹریڈ یونینوں، طلبا تنظیموں پر سے پابندی کے خاتمے کے لیے عملی جدوجہد کرنے کا اعلان کیا اور اس امر کا مطالبہ کرنے کا بھی اعلان کیا کہ تمام زبانوں کو قومی زبان کا درجہ دیا جائے کچی آبادیوں کو قانونی حیثیت دی جائے۔ کم تنخواہ دار عملے کی تنخواہیں بڑھائی جائیں۔ طبی سہولتیں بہتر کی جائیں۔ سامراجی سرگرمیوں کی حوصلہ شکنی کر کے عالمی امن کو فروغ دیا جائے۔

نیشنل پیپلز پارٹی کھر گروپ کا قیام

۹ر اکتوبر ۱۹۸۸ء کو نیشنل پیپلز پارٹی نے اسلام آباد میں اپنے ایک اجلاس میں پارٹی کے چیئرمین غلام مصطفےٰ جتوئی پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے غلام مصطفےٰ کھر کو نیشنل پیپلز پارٹی کا چیئرمین منتخب کیا۔

پاکستان نیشنل ڈیموکریٹک الائنس

۱۰ر اکتوبر ۱۹۸۸ء کو پاکستان مسلم لیگ (زہری گروپ) پاکستان مسلم محاذ، تحریک تعمیر پاکستان

پاکستان لبرل پارٹی، جیوے پاکستان پارٹی نے پاکستان نیشنل ڈیموکریٹک الائنس کے نام سے ایک وسیع تر اتحاد قائم کیا۔ سینیٹر مسٹر نبی بخش زہری کو اتحاد کا چیئرمین منتخب کیا گیا جب کہ پاکستان قومی محاذ کے چوہدری محمد اسلم جنرل سیکرٹری بنا دیئے گئے۔ الائنس نے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کیا۔

دہشت گردی کی روک تھام کے ۵ آرڈی نینس

صدر مملکت جناب غلام اسحٰق خاں نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو دہشت گردی کے جرائم کی روک تھام کے لئے پانچ آرڈی نینس جاری کئے۔ ان آرڈی نینسوں میں دہشت گردی کی روک تھام کا خصوصی عدالتوں کا ترمیمی آرڈی نینس مجریہ ۱۹۸۸ء پاکستان آرمز ترمیمی آرڈی نینس مجریہ ۱۹۸۸ء فوجداری قانون کا ترمیمی آرڈی نینس ۱۹۸۸ء۔ مقدمات کے سماعت کے لیے خصوصی عدالتوں کا ترمیمی آرڈی نینس اور ضابطہ فوجداری کا ترمیمی آرڈی نینس مجریہ ۱۹۸۸ء شامل ہیں۔

یہ آرڈی نینس فوری طور پر نافذ کر دیئے گئے۔ نئے احکامات کے تحت ممنوعہ بور کے ہتھیار جن میں آٹومیٹک اسلحہ کلاشن کوف، جی تھری رائفل شامل ہے رکھنے پر پابندی لگا دی گئی۔ جو شخص ممنوعہ اسلحہ اپنے پاس رکھے گا یا فروخت کرے گا نئے قانون کے تحت اسے ۱۴ سال قید، جرمانے منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کی ضبطی کی سزائیں دی جا سکیں گی یہ سزا کم سے کم ۷ سال قید سخت ہوگی۔

اقتدار کی منتقلی کا مرحلہ

قومی اسمبلی میں کسی سیاسی جماعت کی واضح اکثریت نہ ہونے کی بنا پر انتقالِ اقتدار کا مسئلہ بڑا پیچیدہ صورت اختیار کر گیا تھا قومی اسمبلی میں دونوں بڑی جماعتوں نے دعویٰ کیا کہ منتخب نمائندوں کی اکثریت ان کے ساتھ ہے لہٰذا اقتدار انہیں منتقل کیا جائے۔ اس ضمن میں صدر مملکت جناب غلام اسحٰق خاں نے انتہائی سمجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے قومی اسمبلی کے انتخابات میں جیتنے والی جماعتوں کے سربراہوں سے ملاقات کی۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنماؤں نے مطالبہ کیا کہ قومی اسمبلی کی رکنیت کا حلف اٹھائے بغیر پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن مسز بے نظیر بھٹو کو وزارت عظمیٰ کے عہدے کے لیے نامزد کیا جائے اس کے جواب میں وفاقی حکومت نے کہا کہ یہ ناممکن ہے کیونکہ آئینی تقاضوں کے تحت کسی شخص کو وزیر اعظم مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ جس نے قومی اسمبلی کے رکن کی حیثیت سے حلف نہ اٹھایا ہو تاہم صدر مملکت حالات کا جائزہ لیتے ہوئے یکم دسمبر ۱۹۸۸ء کو پاکستان پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن محترمہ بے نظیر بھٹو کو

پاکستان نامزد کر دیا۔ انہوں نے قوم کے نام اپنی پہلی نشری تقریر میں کہا تھا کہ میں اس نتیجہ پہنچا ہوں کہ پاکستان پیپلز پارٹی سے اس بات کی زیادہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اسے اراکین قومی اسمبلی کی اکثریت کا اعتماد حاصل ہو گا کیونکہ عوام نے اس جماعت اور اس کی قیادت پر زیادہ اعتماد کیا ہے۔ صدر نے کہا کہ نامزد وزیر اعظم کو ساٹھ دنوں میں قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنا ہو گا۔

ہنگامی حالت کا خاتمہ

یکم دسمبر ۱۹۸۸ء کو صدر غلام اسحٰق خاں نے ملک میں ہنگامی حالت اٹھانے اور ایمرجنسی کونسل کو ختم کرنے کا اعلان کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ مجھے یہ اعلان کرتے ہوئے بے حد مسرت ہو رہی ہے کہ جمہوری عمل کامیاب تکمیل کے نتیجہ میں حکومت نے فوری طور پر ہنگامی حالت کو ختم کرنے اور ایمرجنسی کونسل کو توڑ دیا تاکہ نئی وزیر اعظم ایک مکمل جمہوری فضا میں اپنی ذمہ داریاں سنبھال سکیں صدر نے ۲ دسمبر کو عبوری کابینہ توڑنے کا اعلان کیا۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کا دور حکومت

یکم دسمبر ۱۹۸۸ء کو صدر پاکستان جناب غلام اسحٰق خان نے قومی اسمبلی میں زیادہ نشستیں حاصل کرنے کے نتیجے میں محترمہ بے نظیر بھٹو کو بطور وزیر اعظم پاکستان نامزد کیا۔ ان کی نامزدگی پر پاکستان میں جمہوری روایات کی نئی بنیاد ڈالی گئی تھی اور دنیا بھر کے ممالک نے صدر غلام اسحٰق خاں اور پاکستان آرمی کے چیف آف سٹاف مرزا اسلم بیگ کی ان خدمات کو سراہا جو انہوں نے جمہوریت کی بحالی کے لیے انجام دی تھیں ۔

صدر کے اعلان کے مطابق ۲۔ دسمبر ۱۹۸۸ء کو محترمہ بے نظیر بھٹو نے وزیر اعظم پاکستان کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔ انہوں نے اپنی پہلی نشری تقریر میں ان اقدامات کا ذکر کیا جو آن کی حکومت آئندہ کرنا چاہتی ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے سیاسی قیدیوں کی رہائی اور طلبا تنظیموں پر سے پابندی ختم کرنے اور نیشنل پریس ٹرسٹ کو توڑنے کا اعلان کیا ان کی تقریر دیگر اہم نکات یہ تھے ۔

پاکستان پیپلز پارٹی بھائی چارہ، مساوات، تحمل اور برداشت کے اعلیٰ اصولوں پر کاربند رہے گی ۔

۲۔ ہر شہری کے جان و مال کا تحفظ کیا جائے گا۔ احساسِ محرومی کو ختم کر دیا جائے گا۔
۳۔ طلبا، یونینوں اور مزدور یونینوں کو آزادی سے کام کرنے کی اجازت ہو گی۔
۴۔ سیاسی قیدی رہا کر دیئے جائیں گے۔
۵۔ ٹیلی ویژن اور ریڈیو کو بھی آزادی حاصل ہو گی۔
۶۔ چین سے روایتی دوستی کو مزید مستحکم کیا جائے گا۔
۷۔ جمہوریت کے شہیدوں کی یادگاریں بنائی جائیں گی۔
۸۔ بیروزگاروں کو روزگار اور ناخواندہ افراد کو تعلیم دینے کے مناسب مواقع فراہم کئے جائیں گے
۹۔ سیاسی بنیادوں پر کی گئی سرکاری ملازمین اور مزدوروں کی چھانٹی کا از سرِ نو جائزہ لیا جائے گا۔
۱۰۔ خواتین کو ان کے حقوق سے محروم کر دینے والے تمام قوانین ختم کر دیئے جائیں گے۔
۱۱۔ صحت کی جدید سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔
۱۲۔ واضح اور بامقصد خارجہ پالیسی اختیار کی جائے گی اور پڑوسیوں سے پُر امن تعلقات قائم کئے جائیں گے۔
۱۳۔ انسانی وسائل کے استعمال اور انسانی و قدرتی وسائل کا ضیاع روک کر اقتصادی خود کفالت حاصل کی جائے گی۔
۱۴۔ اسلامی ورثے کی حفاظت کی جائے گی۔
۱۵۔ تیسری دنیا کے مفادات اور حقوق اور فلسطینی بھائیوں کے مقصد کو اوّلیت دی جائے گی۔

وزیراعظم نے اپنی نامزدگی کے دس روز بعد ۱۲ دسمبر ۱۹۸۸ء کو قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ بھی حاصل کر لیا۔

اس دوران ۳ دسمبر ۱۹۸۸ء کو قومی اسمبلی نے پاکستان پیپلز پارٹی کے جناب ملک معراج خالد کو سپیکر اور ڈاکٹر مسز اشرف عباسی کو ڈپٹی سپیکر منتخب کر لیا ۱۲ دسمبر کو صدارتی انتخاب مکمل ہوا اور جناب غلام اسحٰق خان بھاری اکثریت سے صدر منتخب ہو گئے۔

۱۵ دسمبر ۱۹۸۸ء کو گورنر بلوچستان نے بلوچستان اسمبلی توڑ دی جس سے بلوچستان میں آئینی بحران پیدا ہو گیا تاہم بلوچستان ہائی کورٹ کے فیصلے کے بعد اسمبلی بحال کر دی گئی۔

۲۴ دسمبر کو جناب وسیم سجاد سینٹ کے چیئرمین منتخب ہو گئے دسمبر میں چوتھی سارک سربراہ کانفرنس اور پاک بھارت ایٹمی تنصیبات پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ ہوا محترمہ بے نظیر بھٹو نے جب اقتدار سنبھالا تو بقول ان کے خزانہ خالی تھا اور انہیں گندم کے گودام بھی خالی ملے نیز زرمبادلہ کے ذخائر خطرناک حد تک کم ہو چکے تھے اور خسارے کی سرمایہ کاری اس حد تک کی جا چکی تھی کہ ان کی حکومت کے چھ ماہ گزرنے کے باوجود کرنسی کی بیرونی قدر میں کمی کا رجحان جاری رہا۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت نے ۲ جون ۱۹۸۹ء کو چھ ماہ مکمل کر لیے اور اگر حکومت کے اقدامات پر نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس دوران ملک کے معاشی معاملات کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی اور سب سے زیادہ احکامات اور اقدامات اسی شعبے میں جاری کیے اور اٹھائے گئے۔

۲ دسمبر ۱۹۸۸ء کو زرمبادلہ کے ذخائر خطرناک حد تک کم ہو کر ۲۱۴ ملین ڈالر تک پہنچ چکے تھے جو بمشکل تین ہفتوں کی تجارتی ضروریات پورا کرنے کے لیے استعمال ہو گئے تھے تاہم حکومت کی کی مسلسل کوششوں سے زرمبادلہ کے ذخائر میں تین گنا اضافہ ہوا اور وہ ۴۲۳ ۹ ملین ڈالر تک پہنچ گئے۔ بیرون ملک نقد اور قلیل عرصہ کی سیکیورٹی میں بھی دوگنا سے زائد اضافہ رونما ہوا اور وہ ۵۴۳،۱ ملین ڈالر سے بڑھ کر ۳۴۶۹ ملین ڈالر تک پہنچ گئے تاہم اس کے ساتھ ساتھ جاری کردہ نوٹوں کی تعداد میں تقریباً ۱۲ ارب روپے کا اضافہ رونما ہوا اور وہ ۹۲ ارب سے بڑھ کر ۱۱۴ ارب روپے ہو گئے۔ تجارتی خسارے میں ۳ ارب روپے کی کمی ہوئی اور افراط زر کی شرح ۲ دسمبر ۱۹۸۸ کو ۱۸ فیصد بیان کی گئی جو حکومتی دعووں کے مطابق ۱۱ فیصد رہ گئی۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کو بیرونی محاذ پر اپنی معاشی ڈپلومیسی میں زبردست کامیابی ہوئی جس کے نتیجے میں آئی ایم ایف کی شرائط نرم ہو گئیں اور پاکستان وہ پہلا ملک ہے جسے قرضوں کی شرائط میں چھوٹ دی گئی دوسری کامیابی کنسورشیم ممالک سے ۲ ارب ڈالر سے زائد کی اقتصادی امداد کا حصول ہے تیسری کامیابی پاکستان میں ترقیاتی سرگرمیوں کی تکمیل میں بیرونی ممالک کی امداد شامل ہے۔

گزشتہ چھ ماہ سے وفاقی حکومت آئین میں آٹھویں ترمیم کو ختم کرنے کے لیے کوششوں میں مصروف ہے۔ تاہم ابھی تک آٹھویں ترمیم ختم نہیں ہو سکی وفاقی حکومت نے پیپلز ورکس پروگرام کے نام سے ایک پروگرام شروع کیا ہے۔ صوبہ سندھ اور صوبہ سرحد میں تو اس پروگرام کی مخالفت نہ کی گئی لیکن صوبہ بلوچستان اور پنجاب کی حکومتوں نے اس ضمن میں اس پروگرام میں حکومت کے ساتھ تعاون کرنے سے

انکار کر دیا۔ تاہم اپنے طور پر یہ پروگرام ان دونوں صوبوں میں جاری ہے۔

موجودہ حکومت کو جس سب سے بڑے بحران کا سامنا کرنا پڑا وہ ملکی تاریخ کا سخت لوڈ شیڈنگ ہے جس سے صرف صنعتی شعبے میں ۶۰۰ کروڑ روپے روزانہ کے نقصان کا سامنا ہے جبکہ پانی و بجلی کی کمی سے زرعی شعبے کو بھی زبردست نقصان اٹھانا پڑا ہے تاہم حکومت اس معاملے سے بے خبر نہیں ہے اور اس کی کوشش ہے کہ اس بحران پر جلد قابو پا لیا جائے۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کا سب سے اہم واقعہ سارک سربراہ کانفرنس ہے جو دسمبر ۱۹۸۸ء کے آخر میں اسلام آباد میں منعقد ہوئی۔ کانفرنس کے شرکاء نے نئی حکومت سے ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔

وزیر اعظم مسز بے نظیر بھٹو کے حالات زندگی

وہ ۲۱ جون ۱۹۵۳ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں۔ وہ پاکستان کے سابق اور پہلے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی بڑی صاحبزادی ہیں۔ ان کے دو بھائی میر مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو اور ایک بہن صنم بھٹو ہیں۔ شاہنواز بھٹو ۱۸ جولائی ۱۹۸۵ء کو کینز (فرانس) میں اپنے فلیٹ میں پراسرار حالت میں انتقال کر گئے تھے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو ۱۹۷۹ء کے موسم بہار میں پیپلز پارٹی کی قائم مقام چیئرمین اور جنوری ۱۹۸۴ء میں شریک چیئرمین منتخب ہوئیں۔ انہوں نے مارشل لاء کے تحت ہونے والے جبر و تشدد اور اذیتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

انہوں نے پاکستان کے مختلف ادلیول سکولوں میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ہارورڈ یونیورسٹی سے بی اے کیا ۱۹۷۶ء میں حصول علم کے لیے آکسفورڈ یونیورسٹی سے رجوع کیا جہاں سیاسیات فلسفہ اور معاشیات ان کے مضامین تھے۔ بے نظیر بھٹو نے خارجہ امور میں بھی ڈپلومالیا اور پاکستان کے دفتر خارجہ سے وابستہ ہو کر عملی زندگی کی ابتدا کی۔

وہ آکسفورڈ یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین کی صدر بھی رہیں۔ ستر کے عشرے میں پاکستان کی فارن سروس سے بھی وابستہ رہیں جہاں انہوں نے ریسرچ اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کیا

محترمہ بے نظیر بھٹو نے ساڑھے آٹھ سالہ مارشل لاء کے دوران ساڑھے پانچ سال سے زائد عرصہ قید میں گزارا انہیں پہلی مرتبہ ۱۹۷۷ء میں گرفتار کیا گیا تھا۔ جب ان کے والد کی وزارت عظمیٰ کے خاتمے اور فوجی قبضے کو صرف دو ہی ماہ ہوئے تھے۔ جنوری ۱۹۸۴ء سے اگست ۱۹۸۵ء تک جلاوطن رہیں۔ اس عرصے میں وہ اپنے جواں مرگ بھائی شاہنواز بھٹو کی میت لے کر پاکستان

آئیں تو انہیں پھر سے نظر بند کر دیا گیا۔ اس نظر بندی میں وہ پھر جلاوطن کر دی گئیں پھر وہ ۱۰ اپریل ۱۹۸۶ء کو ملک واپس آئیں جہاں ان کا شاندار استقبال کیا گیا انہوں نے وطن واپس آکر پارٹی میں جمہوری عمل کا آغاز کیا اور یکم نومبر ۱۹۸۶ء سے ۱۵ فروری ۱۹۸۷ء تک رکنیت کی مہم جاری رکھی۔ تقریباً دس لاکھ افراد نے رکنیت حاصل کی۔

۱۸ دسمبر ۱۹۸۷ء کو اُن کی شادی جناب آصف علی زرداری سے ہوئی۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۸۸ء کو ان کے ہاں ایک بیٹے بلاول زرداری نے جنم لیا۔ ۱۶ نومبر ۱۹۸۸ء کے عام انتخابات میں انہوں نے لاڑکانہ لاہور اور کراچی کے انتخابی حلقوں سے کامیابی حاصل کی۔

۲ دسمبر ۱۹۸۸ء کو انہوں نے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔ انہوں نے قوم کے نام اپنی پہلی نشری تقریر میں کہا کہ ہر شہری کی جان و مال اور عزت کا بلا امتیاز تحفظ کیا جائے گا۔ خود انحصاری کی معیشت کو فروغ دیا جائے گا۔ انسانی و قدرتی وسائل ضائع نہیں ہونے دیئے جائیں گے۔ پریس کی آزادی کے تمام قوانین منسوخ کر دیئے جائیں گے اور سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا جائے گا انہوں نے طلباء اور مزدور یونینوں پر سے بھی پابندی ختم کر دی۔

۱۲ دسمبر ۱۹۸۸ء کو محترمہ بے نظیر بھٹو نے قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لیا۔ تحریک اعتماد کی حمایت میں ۱۴۸ اور مخالفت میں ۵۵ ووٹ آئے۔ جمعیت العلمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان اور اے این پی نے رائے شماری میں حصہ نہ لیا۔ دو ارکان نے واک آؤٹ کیا۔

سپیکر اور ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی کا انتخاب

۳ دسمبر ۱۹۸۸ء کو پاکستان پیپلز پارٹی کے ملک معراج خالد اور ڈاکٹر مسز اشرف عباسی کو بالترتیب سپیکر اور ڈپٹی سپیکر منتخب کیا گیا۔ ان کے مدمقابل اسلامی جمہوری اتحاد کے امیدوار شیخ رشید احمد اور حاجی گل خطیب تھے۔ ملک معراج خالد نے شیخ رشید احمد کے ۲۰ ووٹوں کے مقابلے میں ۱۳۴ ووٹ لئے جبکہ مسز اشرف عباسی نے سردار گل خطیب کے ۶۵ ووٹوں کے مقابلے میں ۱۳۳ ووٹ حاصل کئے۔ انتخاب میں ۲۰۷ ارکان نے ووٹ ڈالے انتخاب کے بعد چیف الیکشن کمشنر نے سپیکر سے ان کے عہدے کا حلف لیا۔

صدارتی انتخاب

۱۲ دسمبر ۱۹۸۸ء کو صدر مملکت کے انتخاب کے لیے صدر غلام اسحٰق خان۔ نوابزادہ

نصراللہ خان اور پاکستان پیپلز پارٹی کے سیکرٹری جنرل سمیت ۸ افراد نے کاغذات نامزدگی داخل کرائے۔ پیپلز پارٹی اور اسلامی جمہوری اتحاد نے متفقہ امیدوار کے طور پر نوابزادہ نصراللہ خاں کو نامزد کیا تاہم انتخابات میں چار امیدوار جناب غلام اسحق خان۔ نوابزادہ نصراللہ، احمد ای ایچ جعفر اور ملک نوروز نے حصہ لیا۔

۱۲ دسمبر ۱۹۸۸ء کو چاروں صوبائی اسمبلیوں نے جناب غلام اسحق خان کو بھاری اکثریت سے صدر منتخب کر لیا۔ صدارتی انتخاب کے اعداد و شمار اس طرح تھے:

تناسب کے لحاظ سے	غلام اسحق خاں	نوابزادہ نصراللہ خاں	احمد ای ایچ جعفر	ملک محمد نوروز
حاصل کردہ ووٹ	۳۴۸	۹۱	۶	۱
پارلیمنٹ	۲۳۳	۳۹	۶	۱
پنجاب اسمبلی	۲۰۴	۳۹	×	۱۲
سندھ اسمبلی	۱۰۴	۱	—	—
سرحد اسمبلی	۴۷	۳۳	×	×
بلوچستان اسمبلی	۱۵	۲۸	×	×

۱۳ دسمبر کو انہوں نے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا اور اسی روز قوم کے نام خطاب کیا

سینٹ کے چیئرمین کا انتخاب

۲۴ دسمبر ۱۹۸۸ء کو اسلامی جمہوری اتحاد کے جناب وسیم سجاد بھاری اکثریت سے سینٹ کے چیئرمین منتخب کر لیے گئے کل ۸۰ ووٹ ڈالے گئے جن میں سے وسیم سجاد کو ۵۳ ووٹ جبکہ ان کے مدمقابل طارق محمود چوہدری کو ۲۵ ووٹ ملے۔ تین ووٹ خارج کر دیے گئے۔ وسیم سجاد کو اسلامی جمہوری اتحاد کی حمایت حاصل تھی جبکہ طارق چوہدری آزاد امیدوار تھے لیکن انہیں پیپلز پارٹی کا امیدوار بتایا گیا

بلوچستان اسمبلی کی تنسیخ

بلوچستان اسمبلی کو قائم ہوئے ابھی بمشکل پندرہ روز ہی ہوئے تھے کہ گورنر بلوچستان جنرل ریٹائرڈ محمد موسیٰ خاں نے وزیر اعلیٰ بلوچستان میر ظفر اللہ جمالی کے کہنے پر ۱۵ دسمبر ۱۹۸۸ء کو بلوچستان اسمبلی کو توڑتے

اور عام انتخابات کے انعقاد اور نگران حکومت کے قیام کا اعلان کیا گورنر کے اس اقدام کی ملک بھر میں شدید مخالفت کی گئی۔ قومی اسمبلی میں اسمبلی توڑے جانے کا بھی بڑا واویلا ہوا۔ حزب اختلاف کے ارکان نے وزیر اعظم پر الزام عائد کیا کہ بلوچستان اسمبلی کو ان کے ایماء پر توڑا گیا ہے تاہم وزیر اعظم نے کہا کہ گورنر کا یہ اقدام جمہوری تقاضوں اور آئین کے مطابق ہے اور جو شخص اس اقدام سے مطمئن نہیں اُسے عدالت کا رُخ کرنا چاہیئے۔ حزب اختلاف نے قومی اسمبلی کا چھ روز تک بجٹ اجلاس کے دوران بائیکاٹ جاری رکھا۔ بالآخر بائیکاٹ اس وقت ختم ہوا جب وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو نے حزب اختلاف کے مقتدر رہنماؤں نواب زادہ نصراللہ خان، خان عبدالولی خان اور مولانا فضل الرحمن سے تفصیلی ملاقات کی اس ملاقات میں بلوچستان کے تنازعہ کو حل کرنے کی ممکنہ تجاویز بھی زیر بحث آئیں۔

پنجاب اسمبلی نے بھی گورنر بلوچستان کے اس اقدام کے خلاف قرارداد منظور کی اور اسمبلی کو بحال کرنے کا مطالبہ کیا۔

بلوچستان اسمبلی کو توڑنے کا پس منظر یہ ہے کہ جب بلوچستان کے وزیر اعلیٰ کے انتخاب کا مسئلہ پیش آیا تو سپیکر نے انہیں اپنا کاسٹنگ ووٹ دے کر منتخب کرا لیا۔ اُس وقت حزب اختلاف نے وزیر اعلیٰ کے خلاف عدم اعتماد کی کوئی تحریک پیش نہ کی چونکہ اقلیت اور اکثریت کا انحصار ایک دو ووٹوں پر تھا اس لیے بلوچستان اسمبلی میں بھی توازن قائم نہ کیا جا سکا اور دونوں فریق مخالف فریق کی اکثریت توڑنے میں معروف ہو گئے۔ ان حالات میں وزیر اعظم پاکستان مس بے نظیر بھٹو نے اپنے خصوصی نمائندے (سید افتخار گیلانی) کو کوئٹہ بھیجا۔ چنانچہ وزیر اعظم کے خصوصی نمائندے سید امتیاز گیلانی نے ۱۳ دسمبر ۱۹۸۸ء کو جمعیت العلماء اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمان کو ایک خط تحریر کیا جس میں یہ تحریر تھا کہ وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو کو بلوچستان کی موجودہ صورتحال سے بڑی تشویش ہے اور وہ چاہتی ہیں کہ یہ مسئلہ جلد طے ہو جائے نیز بلوچستان کے وزیر اعلیٰ کے بارے میں بھی کچھ باتیں تصفیہ طلب ہیں۔ لیکن یہ خط مولانا کو بروقت نہ مل سکا اور اس دوران میر ظفر اللہ جمالی نے گورنر بلوچستان کو اسمبلی توڑنے کا مشورہ دیا حالانکہ انہیں ابھی اسمبلی نے اعتماد کا ووٹ بھی نہ دیا تھا۔ اسی طرح وزیر اعلیٰ بلوچستان کے اس اقدام کی شدومد سے مخالفت کی گئی۔

دریں اثناء ۲۲ دسمبر ۱۹۸۸ء کو جناب خدا بخش مری نے بلوچستان کے نگران وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔ اس دوران میں ۱۵ دسمبر کو بلوچستان ہائی کورٹ میں بلوچستان اسمبلی کے توڑے جانے کے خلاف ایک رٹ دائر کی گئی جسے ۲۲ دسمبر ۱۹۸۸ء کو عدالت عالیہ نے خارج کر دیا۔ عدالت نے

اپنے مختصر حکم میں یہ لکھا تھا کہ درخواست دہندہ کا تعلق متاثرہ پارٹی سے نہیں اور متاثرہ پارٹی ۴۴ اراکان اسمبلی ہیں لہٰذا یہ رٹ درخواست مسترد کی جاتی ہے۔

بلوچستان اسمبلی کی بحالی کا عدالتی فیصلہ

۲۳ جنوری ۱۹۸۹ء کو بلوچستان ہائی کورٹ نے بلوچستان اسمبلی کی بحالی کا حکم دیا اس فیصلے کا اعلان بلوچستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس نے ۱۹ جنوری ۱۹۸۹ء کو شروع ہونے والی سماعت کے اختتام پر کیا۔ فیصلے کا اعلان چیف جسٹس مسٹر عبدالقدیر چوہدری، مسٹر جسٹس میر ہزار خاں کھوسہ، مسٹر جسٹس منور احمد مرزا اور مسٹر جسٹس امیر الملک مینگل پر مشتمل فل بنچ نے متفقہ طور پر کیا۔ دریں اثناء ایڈووکیٹ جنرل بلوچستان مسٹر یعقوب یوسف زئی نے اس حکم پر عمل کی منسوخی اور سپریم کورٹ میں اپیل دائر کرنے کی اجازت دینے کے لیے ہائی کورٹ میں ایک درخواست بھی دائر کی۔ فل بنچ کی طرف سے دیئے جانے والے متفقہ فیصلے کا متن درج ذیل ہے

سپیکر کی طرف سے جاری کئے گئے سرٹیفکیٹ کے مطابق مسٹر ظفر اللہ خاں جمالی کے بارے میں پتہ چلا کہ انہوں نے سپیکر کے کاسٹنگ ووٹ سمیت بائیس ووٹ حاصل کئے تھے جو کہ اسمبلی کے ارکان کی اکثریت کے مترادف نہیں ہے۔ متذکرہ بالا مسلّم حقیقت کے پیش نظر مسٹر ظفر اللہ خاں جمالی کو آئین کی دفعہ ۱۳۰(۳) کے تحت صوبائی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنا باقی تھا اس لیے آئین کے تحت وہ اس بات کے اہل نہیں تھے کہ گورنر کو اسمبلی توڑنے کا مشورہ دے سکیں اس لیے اسمبلی کو توڑا جانا غیر آئینی اور کسی قانونی جواز کے بغیر تھا۔ لہٰذا صوبائی اسمبلی بلوچستان بحال کی جاتی ہے۔ درخواستیں اخراجات کے حکم کے بغیر منظور کی جاتی ہیں۔

ہائی کورٹ کے فیصلے کے مطابق بلوچستان اسمبلی کے سپیکر سردار محمد خان باروزئی نے ۵ فروری ۱۹۸۹ء کو صوبائی اسمبلی کا اجلاس طلب کیا انہوں نے یہ اجلاس آئین کی دفعہ ۵۴ اور دفعہ ۱۲۷ کے تحت صوبائی اسمبلی کے ۱۲ ارکان کی طرف سے اجلاس بلانے کی درخواست پر طلب کیا دریں اثناء ۲۴ جنوری کو بلوچستان ہائی کورٹ کے فل بنچ نے ایڈووکیٹ جنرل بلوچستان کی جانب سے دائر کردہ رٹ درخواست مسترد کر دی جس میں استدعا کی گئی تھی کہ صوبائی حکومت کو بلوچستان اسمبلی کی بحالی کے حکم کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کرنے کی مہلت دینے کے لیے اسمبلی کی بحالی کے حکم پر عملدرآمد ۱۵ دن کے لیے روک جائے۔

بلوچستان کی نئی حکومت کا قیام

۲۵ جنوری ۱۹۸۹ء کو بلوچستان ہائی کورٹ کے حکم سے بلوچستان کی صوبائی اسمبلی کی بحالی کے

جمعیت العلمائے اسلام اور بلوچستان نیشنل الائنس کے مابین مخلوط حکومت کے قیام کے سلسلے میں دس نکات پر مبنی ایک سمجھوتے پر اتفاق ہوا جس پر جمعیت کے سیکرٹری جنرل مولانا فضل الرحمن اور بی این اے کے سربراہ نواب اکبر بگٹی نے دستخط کئے ۶ فروری ۱۹۸۹ء کو بلوچستان کے وزیر اعلیٰ نواب اکبر بگٹی نے آئین کے تحت اعتماد کا ووٹ لیا۔ ایوان میں موجود ۳۸ ارکان میں سے ۳۲ نے ان کے حق میں ووٹ دیئے ۵ ارکان غیر حاضر تھے۔ سپیکر میر اکرم نے غیر جانبدار رویے کا اظہار کیا۔

چوتھی سارک سربراہ کانفرنس

سارک ممالک میں باہمی اعتماد کی فضا پیدا کرنے، معاشی، معاشرتی، سائنسی اور ثقافتی شعبوں میں تعاون بڑھانے کے سلسلے میں اسلام آباد میں چوتھی سربراہ کانفرنس ۲۹ دسمبر ۱۹۸۸ء کو منعقد ہوئی۔ سارک سربراہ کانفرنس کا ایجنڈا تیار کرنے کے لیے وزرا خارجہ کا اجلاس ۲۷ دسمبر ۱۹۸۸ء کو منعقد ہوا۔ اجلاس کے نتیجے میں دس نکاتی ایجنڈے پر اتفاق کیا گیا۔ وزراء خارجہ کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کے وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب خان نے وزارتی کونسل کے نئے منتخب صدر کی حیثیت سے کہا کہ سارک ایک ایسی علاقائی تنظیم ہے جو بڑی تیزی سے ابھری ہے اور اس کے رکن ممالک اپنی حاکمیت آزادی اور قومی مفادات پر کسی قسم کی آنچ آئے بغیر ایک مشترکہ طرز عمل اختیار کر رہے ہیں۔

وزراء خارجہ اجلاس کے بعد ایجنڈے کے تحت ۲۹ دسمبر ۱۹۸۸ء کو سارک ممالک کے سربراہوں کا اجلاس اسلام آباد میں منعقد ہوا۔ اس میں محترمہ بے نظیر بھٹو (وزیر اعظم پاکستان) مسٹر راجیو گاندھی (وزیر اعظم بھارت) مسٹر حسین محمد ارشاد (صدر بنگلہ دیش) مسٹر جے وردھنے (صدر سری لنکا) مامون عبدالقیوم (صدر مالدیپ) بریندرا بیر بکرم (شاہ نیپال) اور شاہ جگمے سنگھے وانگچوک (شاہ بھوٹان) نے شرکت کی۔ اجلاس کی کارروائی کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔ اس کے بعد نیپال کے بادشاہ نے جو تیسری سارک کانفرنس کے چیئرمین تھے وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو کو نیا چیئرمین منتخب کرنے کا اعلان کیا رکن ممالک کے سربراہوں نے پاکستان کے صدر مرحوم جنرل محمد ضیاء الحق کو سارک کے سلسلے میں ان کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا اور پاکستان میں نئی جمہوری حکومت کے قیام پر محترمہ بے نظیر بھٹو کو مبارکباد دی۔ اجلاس سے تمام سربراہوں نے باری باری خطاب کیا اور اپنے اپنے علاقائی مسائل پر روشنی ڈالی۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے جنوبی ایشیا میں اسلحہ کی تخفیف اور دفاعی اخراجات کا بوجھ کم کرنے پر زور دیا انہوں نے ویٹ نام اور افغانستان کی جنگ کے بارے میں کہا کہ اس سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ فوجی طاقت اور اسلحہ کی بنیاد پر پالیسی

قوت محدود ہے تاہم یہ کانفرنس کئی لحاظ سے خصوصی اہمیت کی حامل قرار پائی۔ کانفرنس کے اختتام پر جو اعلان جاری کیا گیا اُسے اعلان اسلام آباد کا نام دیا گیا۔ اس کے اہم نکات یہ تھے :

۱۔ سارک ممالک کے سربراہوں نے سارک کے منشور پر سختی سے عملدرآمد کرنے کے عزم کا اعادہ کیا۔

۲۔ سارک ممالک نے جنوبی ایشیا کے عوام کی بہبود کے فروغ کے لیے تعاون کرنے اور غربت، جہالت بھوک اور بیماری جیسے مشترکہ مسائل کو حل کرنے کے لیے مل جل کر کام کرنے کا عہد کیا۔

۳۔ رکن ممالک آپس میں ثقافتی، سماجی اور تاریخی رشتوں سے منسلک ہیں اور ان کے پاس وافر مقدار میں انسانی اور قدرتی وسائل ہیں جو کہ علاقائی تعاون کی ٹھوس بنیاد اور مواقع فراہم کرتے ہیں رکن ممالک نے اس عزم کا ایک بار پھر اعادہ کیا کہ وہ ان وسائل کا اپنے عوام کے مفاد میں مشترکہ مقاصد کے حصول کے لیے مشترکہ طور پر جدوجہد کرتے ہوئے بہترین مواقع استعمال کریں گے۔

۴۔ سارک رہنماؤں نے وزارتی کونسل کے اس فیصلے کی توثیق کی کہ علاقے کا کوئی بھی ملک سارک چارٹر کے اصول و مقاصد سے اتفاق رکھتا ہو۔ سارک سربراہان کے مشترکہ فیصلے کے مطابق تنظیم کا رکن بن سکتا ہے۔

۵۔ سارک سربراہان نے مربوط ایکشن پروگرام پر عملدرآمد میں ہونے والی پیش رفت پر بھی اظہار اطمینان کیا اور اس ضمن میں قریبی تعاون پر زور دیا اور ہدایت کی کہ سیکرٹری جنرل سارک کی مختلف سرگرمیوں کو بہتر اور موثر بنانے کے لیے اپنی سفارشات سٹینڈنگ کمیٹی کو بھیجے۔

۶۔ سارک سربراہان نے زرعی اطلاعات کے مرکز کے قیام کا بھی خیر مقدم کیا۔

۷۔ سربراہان نے نوجوان رضاکاروں کے پروگراموں میں سماجی، اقتصادی اور فنی موضوعات پر بھی زور دیا۔

۸۔ سربراہان نے جنوبی ایشیا کے فوڈ سکیورٹی ریزرو کے شروع ہونے پر بھی اطمینان کا اظہار کیا۔

۹۔ منشیات کی سمگلنگ کا خاتمہ کرنے کے لیے ۱۹۸۹ء کو سارک کا سال قرار دیا گیا۔

۱۰۔ اعلامیہ میں منشیات کے خاتمے کے لیے قریبی تعاون، منشیات کے خطرات سے زیادہ سے زیادہ باخبر رکھنے کے لیے ماہرین کے تبادلے، اطلاعات میں اشتراک، منشیات کی سمگلنگ کے خاتمے کے لیے ٹھوس اور زیادہ سے زیادہ مؤثر قوانین کے نفاذ پر زور دیا گیا تھا۔

۱۱۔ سارک کے سربراہوں نے ۱۹۸۸ء کے سال کے دوران بنگلہ دیش، بھارت، نیپال اور پاکستان میں سیلابوں، طوفانوں اور زلزلوں سے ہونے والے نقصانات پر گہرے

رنج و غم کا اظہار کیا۔

۱۲۔ قدرتی آفات کے نتیجے میں درپیش مسائل کو حل کرنے کے لیے ماہرین کے گروہ کو جلد جائزہ تیار کرنے کے لیے کہا گیا تاکہ اس کی روشنی میں ایکشن تیار کیا جا سکے۔

۱۳۔ تجارت، مینوفیکچرز اور سروسز کے میدان میں تعاون کے امکانات کا جائزہ لیا جائے اور منصوبہ سازوں کی رپورٹ کا وزارتی کونسل کے آئندہ اجلاس میں جائزہ لیا جائے۔

۱۴۔ سربراہان نے سارک ممالک میں بچوں کی صورتحال کا بھی جائزہ لیا اور بنگلور ڈیکلریشن کا اعادہ کیا کہ قومی ترقیاتی پروگرام میں بچوں کی ضروریات کو اولین ترجیح دی جائے گی نیز اس بات پر زور دیا گیا کہ انسانی وسائل کی ترقی کے تصور میں بچوں کے حقوق کے بارے میں اقوام متحدہ کے کنونشن کو سال ۱۹۸۹ء میں اپنایا جائے۔

۱۵۔ سارک سربراہان نے فیصلہ کیا کہ رکن ممالک کے سپریم کورٹ کے ججوں اور ارکان پارلیمنٹ کو خصوصی معنوی دستاویزات دی جائیں جس کی وجہ سے وہ ویزوں سے مستثنیٰ قرار پائیں گے۔

۱۶۔ تمام رکن ممالک نے اپنے منصوبوں میں بنیادی دلچسپی کے میدانوں کو شامل کیا۔

۱۷۔ سربراہوں نے ایک دوسرے ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرنے اور باہمی تنازعات کو پُرامن طریقوں سے طے کرنے پر زور دیا۔ سربراہوں نے غیر جانبدار تحریک کے اصولوں پر اپنی گہری وابستگی کا بھی اعادہ کیا اور قبرص میں ہونے والی کانفرنس پر اطمینان کا اظہار کیا۔

۱۸۔ سربراہوں نے روس اور امریکا کے مابین درمیانے درجے کی ایٹمی قوت کے بارے میں ہونے والے معاہدے کا خیر مقدم کیا۔

۱۹۔ سربراہوں نے ۳ نومبر ۱۹۸۸ء کو مالدیپ پر قبضہ اور حکومت کا استحکام ختم کرنے والے عناصر کی مذمت کی۔

۲۰۔ کانفرنس نے ۱۹۹۰ء کو بچی کا سارک کے سال کے طور پر منانے اور ترقی پذیر ممالک کی مدد کرنے پر زور دیا۔

ایٹمی تنصیبات پر حملہ نہ کرنے کا پاک بھارت معاہدہ

ایک عرصہ سے دونوں ممالک میں یہ تشویش پائی جاتی تھی کہ ایٹمی تنصیبات کو باہمی تحفظ نہیں دیا جا سکا اور دونوں ممالک کو

ہر وقت یہ خطرہ لاحق رہتا تھا کہ ایک ملک دوسرے ملک کی ایٹمی تنصیبات کو تباہ ہی نہ کر دے چنانچہ اس ضمن میں جب بھارتی وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی چوتھی سارک سربراہ کانفرنس میں شرکت کے لیے پاکستان آئے تو انہوں نے ۳۱ دسمبر ۱۹۸۸ء کو وزیر اعظم پاکستان کے ساتھ مذاکرات کے نتیجے میں ایٹمی تنصیبات پر حملہ نہ کرنے کے معاہدہ پر بھی رضامندی کا اظہار کیا۔ اس معاہدے کے لیے دو اور معاہدے دوہرے ٹیکسوں کی ادائیگی کے خاتمے اور ثقافتی وفود کے تبادلوں کے معاہدے بھی طے پائے۔

ایک دوسرے کی ایٹمی تنصیبات پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ دونوں ملکوں کے اس عزم کا اعادہ کرتا ہے کہ دونوں ممالک آپس میں پائیدار امن کا قیام، دوستی اور یگانگت کی بنیاد پر باہمی تعلقات کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ معاہدہ کی رو سے دونوں ممالک یکم جنوری کو ہر سال ایک دوسرے ملک کی ایٹمی تنصیبات حجم اور طول اور عرض اور ان میں کسی بھی تبدیلی کے بارے میں آگاہ کیا کریں گے۔ یہ معاہدہ اس روز سے نافذ العمل سمجھا جائے گا جس روز اس کی توثیق ہوگی، اور توثیقی دستاویزات کا تبادلہ ہوگا۔

دونوں ممالک نے ثقافتی تعلقات کے فروغ کے بارے میں جس معاہدے پر دستخط کئے اس کی رو سے فنونِ لطیفہ، ثقافت، آثار قدیمہ، تعلیم، ابلاغ عامہ اور کھیلوں کے سلسلے میں تعلقات بڑھانے کا عہد کیا گیا معاہدے کے تحت دونوں ملک ایک دوسرے کے ملک میں ثقافتی مراکز بھی قائم کریں گے۔

معاہدے کے لیے ماہرین تعلیم، تنظیمیں، پروفیسر ایک دوسرے ملک کا دورہ کر کے لیکچر دے سکیں گے اور مطالعاتی دورہ کر سکیں گے۔ مذہبی سکالر، فنکار اور سپورٹس اور صحافیوں کی تنظیمیں باہمی انتظامات کے تحت دورے کر سکیں گی۔ اس کے علاوہ کانگرسیوں، کانفرنسوں، سیمیناروں میں بھی شرکت کی اجازت ہوگی اور آثار قدیمہ سے متعلق مواد کے تبادلہ کی اجازت ہوگی۔ کتابوں، اخبارات جرائد اور دیگر تعلیمی ثقافتی سرگرمیوں اور کھیلوں کے بارے میں جرائد کا تبادلہ ہو سکے گا۔ دونوں ملک ایک دوسرے ملک کے کھلاڑیوں کی ٹیموں کے دورہ کی حوصلہ افزائی کریں گے۔

اس بات کا بھی خیال رکھا جائے گا کہ دونوں ممالک کے تعلیمی اداروں میں پڑھائی جانے والی نصابی کتب میں ایک دوسرے ملک کی دل آزاری کا سبب بننے والا مواد شامل نہ ہو۔ ان معاہدوں پر عملدرآمد اور ان میں دیئے گئے مقاصد کے حصول کا جائزہ لینے کے پاک بھارت مشترکہ کمیشن ثقافتی و تعلیمی تبادلوں کے پروگرام بنائے گا اور عملدرآمد کا جائزہ لے گا۔ یہ معاہدہ تین سال کے لیے ہوگا اور اس کی تجدید بھی ہو سکے گی۔

اگرچہ ایٹمی تنصیبات پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ طے پا گیا تاہم کشمیری عوام کو حق خود ارادی دینے کے مسئلے کو بھارتی وزیر اعظم نے سنجیدہ نوعیت کا مسئلہ قرار دیا۔ نیز سیاچن گلیشئر اور وولر منصوبہ کے بارے میں کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔ اس بات کا اعتراف وزیر اعظم راجیو گاندھی نے بھی کیا کہ یہ مسائل دونوں ملکوں کے دوستانہ تعلقات کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔

ضمنی انتخابات

۲۸ جنوری ۱۹۸۹ء کو قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ضمنی انتخابات منعقد ہوئے جن میں اسلامی جمہوری اتحاد نے قومی اسمبلی کی سات اور پاکستان پیپلز پارٹی نے پانچ نشستیں حاصل کیں۔ ایک نشست ایم کیو ایم کو ملی اور پیپلز پارٹی نے قومی اسمبلی کی ایک نشست پہلے ہی جیت لی تھی پنجاب اسمبلی کی پانچ میں سے ۳ نشستیں اسلامی اتحاد اور ایک پیپلز پارٹی کے حصے میں آئی۔ سرحد میں دونوں صوبائی نشستیں پیپلز پارٹی نے حاصل کیں۔ سندھ کی واحد صوبائی نشست پہلے ہی پیپلز پارٹی کو بلا مقابلہ مل گئی تھی۔ کوٹ ادو کا معرکہ سب سے اہم تھا جو اسلامی جمہوری اتحاد کے امیدوار غلام مصطفیٰ جتوئی نے بھاری اکثریت سے جیت لیا۔ انہوں نے اپنے قریب ترین حریف پاکستان پیپلز پارٹی کے طارق گورمانی کو ۳۸۳۴۳ ووٹوں کی اکثریت کے ساتھ شکست دی۔ یہ نشست ملک غلام مصطفیٰ کھر نے چھوڑی تھی اور مسٹر جتوئی کو انتخاب لڑنے کی دعوت دی۔ اس طرح یہ نشست اسلامی اتحاد اور پاکستان پیپلز پارٹی کے لیے وقار کا مسئلہ بن گئی اور دونوں طرف سے ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا تاہم غلام مصطفیٰ جتوئی واضح اکثریت کے ساتھ یہ نشست جیت گئے۔ انہوں نے ۷۰۱۲۴ ووٹ جبکہ ان کے مخالف طارق گورمانی نے ۳۱۷۷۹ ووٹ حاصل کیے اور وہ دوسری بار انتخاب ہار گئے۔

پاکستان عوامی تحریک

اس سیاسی جماعت کے قیام کا اعلان ۲۵ مئی ۱۹۸۹ کو پروفیسر محمد طاہر القادری نے لاہور میں ایک جلسۂ عام کے دوران کیا۔ اس ضمن میں انہوں نے اپنی تحریک کے تین سالہ پروگرام کا بھی اعلان کیا۔ اعلان میں کہا گیا تھا کہ پاکستان عوامی تحریک اس ملک میں مصطفوی انقلاب لائے گی جس کے نتیجے میں سرزمین پاکستان کے کروڑوں عوام حقیقی سکھ عزت اور امن و حفاظت کی زندگی گزارنے کے قابل ہو جائیں گے۔ اس موقع پر انہوں نے اپنے تیس نکاتی پروگرام کا بھی اعلان کیا جس کے اہم نکات

کی تفصیل اس طرح ہے :

* ___تمام دفاتر اور پورے نظامِ حکومت سے رشوت کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا جائے گا۔
* ___دفتری، سرکاری، حکومتی اور ریاستی امور میں سفارش کا مکمل خاتمہ کر دیا جائے گا۔
* ___ہر سطح پر ظلم و استحصال کا خاتمہ کر کے ہر شہری کو بنیادی حقوق کے طور پر سستا اور فوری انصاف مہیا کرنے کی ضمانت دی جائے گی۔
* ___سمگلنگ اور دولت کمانے کے حرام اور استحصالی ذرائع اس طرح ختم کر دیئے جائیں گے کہ ہر شخص کو اس کی استعداد اور محنت کے مطابق کسبِ معاش کے جائز مساویانہ اور عادلانہ مواقع میسر آسکیں۔
* ___ملک سے منشیات کا نام و نشان اس طرح مٹا دیا جائے گا کہ آئندہ نسلیں اس لعنت سے پاک ہو سکیں۔
* ___فحاشی بدکاری کے اڈے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیئے جائیں گے اور قتل و غارت اور بدامنی ختم کر کے امن و حفاظت کا ماحول قائم کیا جائے گی۔
* ___معاشرے کے ہر صحت مند فرد کو روزگار کی فراہمی اور ہر معذور محتاج اور بے سہارا شخص کو مالی کفالت کی ایسی ضمانت مہیا کی جائے گی کہ کوئی فرد بھی بنیادی معاشی حقوق سے محروم نہ رہے۔
* ___ہر شخص کے لیے بنیادی تعلیم اور ضروری حد تک مفت علاج کا انتظام کیا جائے گا۔
* ___تمام ضرورت مندوں کو باعزت زندگی مہیا کرنے کے لیے امداد باہمی، عشر، زکوٰۃ قرضِ حسنہ اور معاشی کفالت کے دیگر ذرائع پر مبنی ایسا انقلابی اور ٹھوس نظام وضع کیا جائے گا جس سے عزتِ نفس مجروح کئے بغیر ملک کے ہر فرد کی معاشی کفالت کی ضمانت میسر آئے۔
* ___ٹیکسوں کا موجودہ ظالمانہ اور غیر عادلانہ نظام بدل دیا جائے گا اور اس کی جگہ حکومتی نمائندوں، صنعت کاروں، تاجروں، ملازموں اور دیگر متعلقہ افراد پر مشتمل مشاورتی بورڈ تشکیل دیئے جائیں گے۔
* ___پاکستان کے دفاع کو اوّلین حقیقت دیتے ہوئے اسے ناقابلِ تسخیر بنایا جائے گا۔
* ___قرآن و سنت کو ملکی آئین اور قانون پر مکمل بالادستی حاصل ہو گی۔

* ـــــ غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کا اسلامی تعلیمات کے مطابق مکمل تحفظ کیا جائے گا۔
* ـــــ پاکستان کی خارجہ پالیسی آزادانہ غیر جانبدارانہ اور متوازن ہوگی۔
* ـــــ آزادیٔ رائے، آزادیٔ تقریر و تحریر اور صحافت کی اس طرح عملی ضمانت دی جائے گی کہ حکومت کسی طور پر اس پر اثر انداز نہ ہو سکے۔
* ـــــ کشمیری عوام کی اُمنگوں کے مطابق آزاد کشمیر کو اپنی ریاستی پالیسیوں میں اوّلین حیثیت دی جائے گی۔

آئین میں آٹھویں ترمیم کے خاتمے کا مسئلہ

سابق صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے وزیر اعظم اور صدر کے اختیارات میں توازن قائم رکھنے کے لیے آئین میں آٹھویں ترمیم کی تھی لیکن اس کے ذریعے صدر کا پلہ بھاری ہوگیا چنانچہ پاکستان پیپلز پارٹی نے اس ترمیم کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا اور اس کا جوازیہ پیش کیا کہ چونکہ اس ترمیم کو غیر جماعتی اسمبلی نے منظور کیا تھا اس لیے اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے جبکہ حزب اختلاف خصوصاً اسلامی جمہوری اتحاد کا مطالبہ یہ ہے کہ ۱۹۷۳ سے آٹھویں ترمیم تک جتنی بھی ترمیمیں ہوئی ہیں اُن سب کو منسوخ کیا جائے۔ آٹھویں ترمیم کے خلاف جو اعتراضات اُٹھائے گئے وہ یہ ہیں:

* ـــــ آٹھویں ترمیم کے سبب صدر کے اختیارات میں اضافہ اور وزیر اعظم کے اختیارات میں کمی ہوئی ہے
* ـــــ آٹھویں ترمیم کی منظوری ایک ایسی اسمبلی نے دی ہے جس کو غیر جماعتی ایوان نے منظور کیا تھا (حالانکہ یہ جماعتی بن چکا تھا)
* ـــــ آٹھویں ترمیم کے ذریعے مارشل لاء کے دوران انجام دیئے جانے والے جابرانہ اقدامات کو تحفظ ملا ہے۔
* ـــــ آٹھویں ترمیم کی بناء پر آئین اپنی افادیت کھو بیٹھا ہے۔
* ـــــ پارلیمانی نظام میں حائل ایک بڑی رکاوٹ آٹھویں ترمیم ہے۔
* ـــــ آٹھویں ترمیم کے ذریعے اعلیٰ عدالتوں کے اختیارات کو محدود کر دیا گیا اور شہریوں کے حقوق کا تحفظ ناممکن ہوگیا۔
* ـــــ صدر کو وہ صوابدیدی اختیارات حاصل ہیں جن کے تحت وہ قومی اسمبلی کو توڑ سکتے ہیں۔

پیپلز پارٹی ۔ مارشل لاء کے تحت اقدامات کو آئینی تحفظ ختم کرنا چاہتی ہے اس کی یہ کوشش ہے ہے کہ مارشل لاء کے تحت کیے گئے بعض اقدامات کو سول عدالتوں میں چیلنج کر دیا جائے۔ ادھر اسلامی جمہوری اتحاد نے اس بات پر زور دیا کہ اگر پیپلز پارٹی آٹھویں ترمیم کو ختم کرنا چاہتی ہے تو وزیر اعظم کی عمر ۴۵ سال ہونی چاہیئے۔

۱۷ر جنوری ۱۹۸۹ء کو آٹھویں ترمیم کو سندھ ہائی کورٹ میں چیلنج بھی کیا گیا اس سے اگلے روز اسلامی جمہوری اتحاد نے آٹھویں ترمیم کے معاملے پر حکومت سے مذاکرات کی پیشکش کی اور تجویز پیش کی کہ آٹھویں ترمیم کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے دونوں پارٹیوں کے ارکان پارلیمنٹ پر مشتمل مشترکہ کمیٹی کی تشکیل دی جائے ۲۸ جنوری کو اسے بلوچستان ہائی کورٹ میں چیلنج کیا گیا۔ حکومت نے اس ترمیم کو ختم کرنے کے لیے قومی اسمبلی کے پارلیمانی گروپوں سے بھی مذاکرات کیے۔

پیپلز ورکس پروگرام کا اجراء

۲۲ر اپریل ۱۹۸۹ء کو وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو نے پشاور میں پیپلز ورکس پروگرام کے پہلے مرحلے کا افتتاح کیا اور کہا کہ ہم عوام کی فلاح وبہبود پر یقین رکھتے ہیں اور پیپلز پروگرام اس سلسلے کی ایک کڑی ہے اور وہ دن دور نہیں جب عوام کے اکثر مسائل اس پروگرام کے تحت حل ہوں گے پنجاب اور بلوچستان کی حکومتوں نے اس پروگرام کی شدید مخالفت کی۔ تاہم اپنے طور پر پیپلز پارٹی نے یہ پروگرام شروع کر رکھا ہے۔

سام میزائل کا میاب تجربہ

پاکستان اپنے دفاع کو مضبوط بنانے کے لیے ہر قسم کے اسلحے کی تیاری کر رہا ہے۔ اس ضمن میں ۱۴ فروری ۱۹۸۹ء کو پاکستان نے زمین سے زمین پر مار کرنے والے میزائل کی کامیاب تیاری کے بعد دفاعی پیداوار کے شعبے میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ یہ میزائل ڈاکٹر عبد القدیر خاں نے آرمی چیف آف سٹاف جنرل اسلم بیگ کے حوالے کیے۔

کندھے پر رکھ کر چلانے والے اس میزائل کا نام حضرت زبیرؓ کے نیزے کے نام پر عنزہ رکھا گیا۔ حضرت زبیرؓ نے یہ نیزہ غزوہ بدر، غزوہ احد اور جنگِ خیبر میں استعمال کیا تھا۔ حضور اکرمؐ نے بھی یہ نیزہ متعدد غزوات میں استعمال کیا تھا۔ عنزہ ۵۰ میٹر سے ۵ ہزار میٹر بلندی تک مار کر سکتا ہے

اس کی ستر فیصد تیاری مقامی طور پر کی گئی

لیزر رینج فائنڈر ۵۰ سے ۱۵ ہزار میٹر تک طیاروں کا پتہ چلا سکتا ہے۔ اس کی ۵۰ فیصد تیاری مقامی طور پر کی گئی۔ یہ ہتھیار ریسرچ لیبارٹری راولپنڈی میں تیار کیے گئے۔

پاکستان نے مصنوعی سیارے بھی بنانا شروع کر دیئے ہیں۔

سینٹ کی تنسیخ کے اقدامات

پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنماؤں نے حکومت سنبھالنے کے بعد سینٹ کو بھی توڑنے کا مطالبہ کیا اور اس کا جواز پیش کیا کہ سینٹ غیر جماعتی انتخاب کے سلسلے میں معرض وجود میں آئی ہے لہٰذا اسے توڑ دیا جائے اس ضمن میں پشاور ہائی کورٹ میں ۲۰ فروری ۱۹۸۹ء کو ایک رٹ بھی سماعت کے لیے منظور کر لی گئی اس میں وفاق کو فریق بنایا گیا۔ تاہم بعد ازاں کورٹ نے اسے برقرار رکھنے کا فیصلہ دیا۔

مرکز اور پنجاب میں محاذ آرائی

اگرچہ نومبر ۱۹۸۸ء کے انتخابات کے نتیجے میں مرکز میں پاکستان پیپلز پارٹی کی اور پنجاب میں اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومتیں قائم ہوگئیں تاہم فریقین نے ایک دوسرے کی حیثیت کو تسلیم نہ کیا جس کے نتیجے میں محاذ آرائی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس ضمن میں محاذ آرائی ختم کرنے اور مرکز سے تعاون کرنے کے لیے ۲۱ فروری ۱۹۸۹ء کو پنجاب کے وزیر اعلیٰ جناب نواز شریف نے ۹ نکاتی فارمولا پیش کیا جو اس طرح ہے۔

(۱) نفاذِ اسلام (۲) رشوت خاتمہ
(۳) روزگار کی فراہمی (۴) فوری انصاف
(۵) بے گھروں کے لیے گھر (۶) زمینوں کی تقسیم
(۷) ایٹمی پروگرام (۸) فحاشی کا خاتمہ اور
(۹) افغانستان اور کشمیر جیسے مسائل کا حل

وزیر اعلیٰ پنجاب اور وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے بھی محاذ آرائی ختم کرنے کے لیے اقدامات بھی کیے لیکن تاحال (جولائی ۱۹۸۸ء) یہ سلسلہ جاری ہے۔ کیونکہ پیپلز پارٹی کے رہنماؤں نے اس فارمولے کو یکسر مسترد کر دیا ہے۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کی برطرفی اور نگران حکومت کا قیام

نومبر ۱۹۸۸ء میں پاکستان میں عام انتخابات منعقد ہوئے تو ان کے نتیجے میں مرکز اور صوبہ سندھ اور صوبہ سرحد میں پاکستان پیپلز پارٹی اور پنجاب اور صوبہ بلوچستان میں علی الترتیب اسلامی جمہوری اتحاد اور بلوچستان نیشنل الائنس اور جمعیت العلمائے اسلام کی حکومتیں بنیں پاکستان پیپلز پارٹی اور اسلامی جمہوری اتحاد اور بلوچستان نیشنل الائنس اور جمعیت العلمائے اسلام کے نظریات میں یکسانیت نہ ہونے کی بنا پر مرکز اور صوبوں میں محاذ آرائی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ابتدا میں جب بلوچستان کی صوبائی اسمبلی توڑ دی گئی تو حزب اختلاف نے وزیر اعظم پر الزام لگایا کہ یہ سب کچھ ان کے کہنے پر ہوا ہے اس کے جواب میں وزیر اعظم نے کہا کہ جسے اعتراض ہو وہ عدالت میں جائے چنانچہ جب اسے عدالت عالیہ میں لے جایا گیا تو بلوچستان ہائی کورٹ کی بروقت کارروائی سے اس بحران پر قابو پالیا گیا اس ضمن میں ہائی کورٹ نے اسمبلی بحال کر دی عدلیہ کے اس کردار کو پورے ملک میں سراہا گیا۔

ادھر مرکز کی جانب سے پنجاب میں اعلیٰ افسروں کے تبادلوں اور اپنی مرضی کے آفسر تعینات کرنے کے سلسلے میں بھی مہم چلائی گئی۔ پنجاب اور بلوچستان کو ان کے حصے کے فنڈز ریلیز نہ کئے گئے۔ ان وجوہات کی بنا پر دونوں صوبائی حکومتوں (پنجاب اور بلوچستان) نے وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو کو ان کے صوبوں میں آمد کے موقع پر مناسب پروٹوکول نہ دیا۔

اس طرح محترمہ بے نظیر بھٹو جب ماہی بندر کی

افتتاحی تقریب میں شرکت کے لئے گئیں تو بلوچستان حکومت نے انہیں مناسب پروٹوکول نہ دیا پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں نواز شریف اتفاق انڈسٹریز کے مالک ہیں اور اس کارخانے میں لوہے کی مصنوعات کی تیاری کا کام ہوتا ہے ریلوے نے انہیں کراچی سے سکریپ لانے کے لئے ویگنیں مہیا نہ کیں ریلوے کا موقف یہ تھا کہ کراچی سے سامان کی ترسیل پہلے آئیے پہلے پایئے کی بنیاد پر ہو گی اور باری آنے پر وزیر اعلیٰ کو ویگنیں مہیا کر دی جائیں گی لیکن جب یہ معاملہ عدالت کے پاس گیا تو عدالت نے ریلوے کو ویگنیں مہیا کرنے کی ہدایت کی۔ اس بنا پر وزیر اعلیٰ پنجاب نے وفاقی حکومت کی جانب سے کئے گئے ایسے اقدامات کی مخالفت کی جو ان کی نظر میں درست نہ تھے۔

دریں اثنا دسمبر ۱۹۸۸ء میں جب بھارت کے وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی سارک سربراہ کانفرنس میں شرکت کے لئے اسلام آباد آئے تو حزب اختلاف کے رہنماؤں نے مطالبہ کیا کہ مہمان وزیر اعظم سے مسئلہ کشمیر پر بھی بات چیت کی جائے اس ضمن میں کشمیریوں نے مسٹر راجیو گاندھی کی آمد پر مظاہر بھی کیا اور مطالبہ کیا کہ کشمیریوں کو اقوام متحدہ کی قرار دادوں کے مطابق حق خود ارادیت دیا جائے۔ لیکن دونوں رہنماؤں کی بات چیت میں اس مسئلے کو پس پشت ڈال دیا گیا تاہم وزیر اعظم محترمہ بے نظیر

بھٹو اور مسٹر راجیو گاندھی نے مشترکہ پریس کانفرنس میں صحافیوں کے سوالوں کے جوابات دیتے ہوئے کہا کہ یہ مسئلہ شملہ معاہدہ کے مطابق حل کیا جائے گا اور معاہدہ کے تحت اسے کسی بین الاقوامی فورم میں پیش نہیں کیا جا سکتا انہی ایام میں پاکستان ٹیلی ویژن پر حزب اختلافات کی سرگرمیوں کو مناسب کوریج نہ دی گئی اور موسیقی کا ایک ایسا پروگرام پیش کیا گیا جو فحش بھی تھا اور جس کے ذریعے نوجوان نسل کے جذبات کو بھڑکانے کی بھی کوشش کی گئی تھی اس پروگرام کو بند کرنے کے سلسلے میں پورے ملک کے سنجیدہ طبقے نے احتجاج کیا اس کے باوجود ایک وفاقی وزیر نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ یہ پروگرام کسی لحاظ سے بھی فحش نہیں ہے اور اس کے بند کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تاہم عوام کے دباؤ کے تحت اسے بند کر دیا گیا۔ مناسب کوریج نہ دینے کے سلسلے میں حزب اختلاف کے ممتاز ارکان اسمبلی نے ٹیلی ویژن سٹیشن کے سامنے مظاہرہ بھی کیا لیکن حکومت نے اس ضمن میں کوئی مثبت قدم نہ اٹھایا اور اپنی سابقہ روش کو برقرار رکھا پنجاب حکومت نے اس کا ازالہ کرنے کے لئے پنجاب ٹیلی ویژن قائم کرنے کا منصوبہ بنایا جسے وفاقی حکومت نے مرکز سے غداری کے مترادف قرار دیا

پیپلز پارٹی کی حکومت نے پیپلز ورکس پروگرام کا آغاز کیا تو مخالف صوبائی حکومتوں کے رہنماؤں نے کہا کہ پروگرام ان کے مشورہ کے بغیر شروع کیا گیا ہے لہٰذا اسے بند کیا جائے یہ ۵ ارب روپے سے شروع کیا گیا تھا دونوں حکومتوں پنجاب اور بلوچستان نے اس کی زبردست مخالفت کی اور پیپلز پروگرام کے مختلف منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے سے روک دیا مخالف صوبائی حکومتوں کا مطالبہ تھا کہ اس منصوبے کے تحت پایہ تکمیل تک پہنچائے جانے والے مختلف کاموں میں اسلامی جمہوری اتحاد کے ارکان قومی اسمبلی اور پنجاب اسمبلی کو بھی شریک کیا جائے لیکن جب وفاقی حکومت نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو مخالف صوبائی حکومتوں نے تعمیر وطن کے نام سے اپنا پروگرام شروع کیا۔ اور اس طرح پیپلز ورکس پروگرام کی پذیرائی نہ ہو سکی ۔ حالانکہ بقول ارکان قومی اسمبلی پاکستان پیپلز پارٹی پروگرام قوم کی فلاح و بہبود کے لئے شروع کیا گیا تھا صوبہ پنجاب اور بلوچستان کی حکومتوں کو وفاقی حکومت نے جب ان کے ترقیاتی پروگراموں کی تکمیل کے لئے فنڈز مہیا نہ کئے چنانچہ وزیر اعلیٰ پنجاب میاں نواز شریف نے پنجاب بینک کے قیام کا اعلان کیا۔ اس بینک کا الحاق سٹیٹ بنک سے ضروری تھا لیکن وفاقی حکومت نے اس کی منظور نہ دی ۔ وزیر اعلیٰ کے اس اقدام کو بھی ملک سے غداری کے مترادف قرار دیا گیا

ادھر ایم کیو ایم اور پاکستان پیپلز پارٹی کی مابین ۵۲ نکاتی معاہدہ طے پایا تھا جس پر پیپلز پارٹی کی حکومت نے عملدر آمد نہ کیا تو ایم کیو ایم معاہدہ سے دستبردار ہو گئی اور اس نے آئی جے آئی سے معاہدہ طے کر لیا

وفاقی حکومت نے اپنے آدمیوں کو ملازمتیں مہیا کرنے کے لئے پلیس منٹ بیورو قائم کیا اور پیپلز پارٹی کے ایم این ایز کا ملازمتوں کا کوٹہ مقرر کیا۔ پلیس منٹ بیورو نے ۲۶ ہزار افراد کو ملازمتیں مہیا کیں وفاقی محکموں میں نہ تو آئی جے آئی کے ارکان اسمبلی کا کوٹہ مقرر کیا گیا اور نہ ہی عام افراد کو ملازمتیں ملیں

اس طرح اہل افراد کو ملازمتوں سے محروم کر دیا گیا۔ لیکن اس کے برعکس سابق وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے ایک بیان میں کہا کہ انہوں نے ۱۹ ماہ میں پاکستان میں ستر ٹیکسٹائل ملیں قائم کیں ان میں سے ۶۰ صرف پنجاب میں ہیں ان میں نوکریاں بلاول اور بخت آور کو نہیں ملنی پنجاب کے غریب عوام کو ملنے والی تھیں ۔ انہوں نے سرکاری ملازمین کے بارے میں یہ کہا کہ گذشتہ ۵ برسوں میں سرکاری ملازمین کی تنخواہ میں صرف ایک مرتبہ اضافہ ہوا لیکن ہم نے ۲ سال میں تنخواہوں میں دو مرتبہ اضافہ کیا

دریں اثناوزیر مملکت برائے خزانہ احسان الحق پراچہ کو بدعنوانی کے الزام میں ہائی کورٹ نے نااہل قرار دیا تھا لیکن نہ تو وزیر خزانہ خود مستعفی ہوئے اور نہ ہی وزیراعظم نے انہیں سبکدوش کیا اس بنا پر حزب اختلاف نے مطالبہ کیا کہ انہیں ۹۱ ـ ۱۹۹۰ء کا بجٹ پیش کرنے سے روک دیا جائے لیکن ہر طرف سے مخالفت کے باوجود وزیر مملکت برائے خزانہ احسان الحق پراچہ نے بجٹ پیش کیا جو سراسر زیادتی کے مترادف تھا اور یوں پاکستان کا بجٹ منظور ہو گیا۔

حزب اختلاف پارلیمنٹ میں مختلف گروپوں میں بٹی ہوئی تھی چنانچہ جب اس کے زعما نے دیکھا کہ حکومت ان کا کوئی مطالبہ بھی پورا کرنے کے لئے تیار نہیں تو انہوں نے اتحاد کا فیصلہ کیا اور متحدہ حزب اختلاف کے قیام کا اعلان کر دیا مسٹر غلام مصطفیٰ جتوئی کو متحدہ حزب اختلاف کا رہنما چن لیا گیا۔

متحدہ حزب اختلاف نے بے نظیر بھٹو کی حکومت کو آئینی طور پر ختم کرنے کا منصوبہ بنایا وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنی حکومت کو بچانے کے لئے ارکان اسمبلی کو اپنے ساتھ ملانے کیلئے خرید و فروخت کا سلسلہ شروع کیا حزب اختلاف نے بھی اسی طرح کا کاروبار کیا۔ قومی اسمبلی کے ارکان کی خرید و فروخت کو اصطلاح میں ہارس ٹریڈنگ کا نام دیا گیا جسے نہ صرف ملک بھر کے عوام نے حکومت اور متحدہ حزب اختلاف کے ارکان کے اس اقدام کی مذمت کی بلکہ بیرون ملک بھی اس مذموم کاروبار کی تضحیک کی گئی صدر مملکت جناب غلام اسحاق خان نے بھی اس ضمن میں ایک بیان دیا ۔ حزب اقتدار و حزب اختلاف کے اس اقدام سے جمہوری روایات کو پامال کرنے کی کوشش کی گئی جس سے دنیا بھر میں ہمارے وقار کو سخت دھچکا لگا ۔ اس کے باوجود ہمارے ارکان اسمبلی کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی ۔ پروگرام کے مطابق یکم نومبر ۱۹۸۹ء کو قومی اسمبلی میں متحدہ حزب اختلاف نے محترمہ بے نظیر بھٹو کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کی اگرچہ وہ معمولی اکثریت سے جیت گئیں تاہم متحدہ حزب اختلاف کے ارکان نے الزام عائد کیا کہ ان کے آدمیوں کو قومی اسمبلی میں آنے سے روک دیا گیا تھا اس لئے وہ مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں ناکام ہو گئے ہیں ۔ ووٹنگ کے نتیجے میں تحریک کے حق میں ۱۱۹ ووٹوں کی بجائے ۱۰۷ ووٹ آئے اور اس طرح متحدہ حزب اختلاف کی یہ تحریک صرف ۱۲ ووٹوں سے ناکام ہو گئی ۔

اسی دوران حکمران جماعت نے آئین میں آٹھویں ترمیم کو ختم کرنے کے سلسلے میں بھی مہم
چلائی اور لاکھ کوشش کے باوجود متحدہ حزب اختلاف نے اس ترمیم کو ختم نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایڈمرل
افتخار احمد سروہی چیئرمین جوائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی کی علیحدگی کا مسئلہ بھی حکومت کے زیر غور
رہااس ضمن میں متعدد بیانات بھی جاری کئے گئے تاہم نامعلوم وجوہات کی بناپر ان کی خدمات کو جاری
رکھا گیا۔

پیپلزپارٹی کی حکومت کے عہد میں سندھ میں امن و امان کی صورتحال بڑی مخدوش رہی۔ اور ہر
طرف لوٹ مار، قتل و غارت اور اغواء کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہو گیا جس کے نتیجے میں
بھاری تاوان لیا گیا اور کئی لوگ اپنی زندگیوں سے محروم ہوگئے اور حکومتی کوششوں کے باوجود امن قائم
نہ ہو سکا۔ حالانکہ اس صوبے میں پیپلزپارٹی کی اپنی حکومت قائم تھی وہاں فوج کو امن و امان بحال
کرنے کا فریضہ سونپا گیا لیکن فوج کو مکمل اختیارات نہ دیئے گئے تاہم فوجی کارروائی سے سندھ میں
امن قائم ہوگیا۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کے عہد میں افغان پالیسی میں تبدیلی کی گئی اور اس بنا پر وہاں کے عوام اپنی
مرضی کی حکومت نہ قائم کرسکے اور افغان مہاجرین کی مکمل واپسی ممکن نہ ہو سکی۔
پرائیویٹ طور پر سینٹ میں شریعت بل پیش کیا گیا جسے سینٹ نے منظوری کے بعد قومی اسمبلی
میں بھیج دیا لیکن وفاقی وزراء نے اس بل کی مخالفت کی اور یہ بل قومی اسمبلی میں منظور نہ ہو سکا جس
سے عوام کے ذہنوں میں اشتعال پیدا ہو گیا۔

دریں اثنا مرکز اور پنجاب کے مابین مصالحت کرانے کے لئے مذاکرات کا آغاز کیا گیا تھا ابتدا میں
دونوں جانب سے ایک دوسرے کے خلاف بیانات کا سلسلہ روکنے کی خواہش کا اظہار کیا گیا لیکن دونوں
جانب سے کوئی پیش رفت نہ ہوئی اور ایجنڈے کے پہلے نقطے فلور کراسنگ پر ہی اختلاف رائے پیدا
ہوگیا تھا اور اس طرح فریقین کے مابین معاہدہ طے نہ ہو سکا۔ یہی وجہ تھی کہ متحدہ حزب اختلاف کی
جانب سے یہ خبریں آنے لگیں کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کے خلاف عدم اعتماد کی ایک اور
تحریک پیش کی جائے گی اور صدر ضیاء الحق کی برسی سے قبل ہی محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کا
خاتمہ کر دیا جائے گا۔ اس ضمن میں جنرل محمد ضیاء الحق کے صاحبزادے اعجاز الحق کا وہ بیان جو پاکستان بھر
کے عوام کی توجہ کا مرکز بنا کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت ۱۷ اگست ۱۹۹۰ء سے پہلے ہی ختم کر دی
جائے گی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس وقت تو اس بیان کو زیادہ اہمیت نہ دی گئی لیکن جب صدر مملکت
نے ۶ اگست ۱۹۹۰ء کو محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کی برطرفی اور قومی اسمبلی کی تنسیخ کا اعلان کیا تو اعجاز
الحق کے اس بیان پر اس رد عمل کا اظہار کیا گیا کہ مسلم لیگ کے چیف آرگنائزر اعجاز الحق کو صدر کے
اس اقدام کی پہلے سے خبر تھی۔

سابق صدر کے صاحبزادے اور مسلم لیگ کے چیف آرگنائزر کے اس بیان کے علاوہ غیر ملکی نشریاتی اداروں نے بھی اس قسم کی خبروں کی اشاعت کی کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کی کشتی ڈول رہی ہے اور ملک میں غیر معمولی نوعیت کا واقع رونما ہونے والا ہے۔

۶ اگست ۱۹۹۰ء کو صدر پاکستان جناب غلام اسحٰق خان نے قومی اسمبلی کو منسوخ کرنے اور محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کی برطرفی کے علاوہ ملک میں ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا اور متحدہ حزب اختلاف کے رہنما جناب غلام مصطفیٰ جتوئی کو نگران وزیر اعظم مقرر کیا صدر نے بے نظیر بھٹو کی حکومت پر بدعنوانی اپنے اختیارات کے ناجائز استعمال اور جمہوری روایات کو پامال کرنے کے الزامات لگائے نیز انہوں نے ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو عام انتخابات کرانے کا بھی اعلان کیا۔

وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو کی برطرفی اور قومی و صوبائی اسمبلیوں کی تنسیخ

(تنقیدی جائزہ)

۶ اگست ۱۹۹۰ء کو وزیراعظم بے نظیر بھٹو کی بے طرفی اور قومی و صوبائی اسمبلیوں کی تنسیخ کے سلسلے میں تمام سیاسی جماعتوں نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق جس رد عمل کا اظہار کیا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

پاکستان جمہوری پارٹی کے سربراہ نوابزادہ نصراللہ خان نے کہا کہ قومی اسمبلی کی برطرفی جواں مرگ افسوسناک ہے لیکن پیپلزپارٹی کی حکومت نے ایسا رویہ اختیار کیا تھا جس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا محترمہ بے نظیر بھٹو پورے ملک کی وزیراعظم بننے کی بجائے صرف پیپلزپارٹی کی وزیراعظم بن کر رہ گئی تھیں۔

انہوں نے کہا کہ پاکستان میں جمہوری اقدار کو استحکام نصیب نہیں ہو سکا جب کہ غیر جمہوری اقدار اور مارشل لاء کی روایات مستحکم ہو چکی ہیں پاکستان کے عوام کی قربانیوں کے نتیجہ میں جمہوریت آئی تھی لیکن اس سے عوام کی توقعات پوری نہیں ہو سکیں۔ پیپلز پارٹی نے قومی مفاہمت کی طرف توجہ دینے کی بجائے مختلف محاذ کھول دیئے۔ اللہ کرے کہ وزیراعظم غلام مصطفیٰ جتوئی مقررہ تاریخ پر منصفانہ انتخابات کرائیں ہم تو صرف دعا ہی کر سکتے ہیں باقی معاملہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

پاکستان پیپلزپارٹی کی چیئرپرسن اور سابق وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو نے کہا صدر غلام اسحاق خان کی جانب سے قومی اسمبلی کو توڑنے کا اقدام سراسر غیر آئینی اور غیر قانونی ہے اور یہ آئینی کوڈٹا ہے۔ انہوں نے بااعتماد لہجہ میں کہا کہ پاکستان کے عوام ہمارے ساتھ ہیں اور ہم کسی کو بھی عام انتخابات سے فرار کی راہ کا بہانہ نہ اپنانے دیں گے اور نہ ہی اس کو کوئی عذر بنانے دیں گے کہ جمہوری سیاسی عمل کو روکا جا سکے۔ جب انتخابات ہوں گے تو عوام پھر بھرپور انداز میں پیپلزپارٹی کا ساتھ دیں گے۔ یہ کس قدر السناک اور مضحکہ خیز بات ہے کہ منتخب جمہوری حکومت کو اس وقت برطرف کیا گیا جب مقبوضہ کشمیر اور عوامی تحریک آزادی زوروں پر ہے اور وہاں کشمیری عوام پر بدترین ظلم و ستم کیا جا رہا ہے اور بھارتی فوج مادر وطن کی سرحد پر جارحانہ نگاہوں سے کھڑی ہے۔ ان حالات میں کشمیری عوام میں سخت مایوسی پھیلے گی اور ان کے جذبہ حریت پسندی اور تحریک آزادی کو سخت دھچکا لگے گا ایک نامزد وزیراعظم کس طرح عوام میں اعتماد کی فضا قائم کر سکتا ہے یا کس طرح لوگوں کا اعتماد حاصل کر سکتا ہے جو کہ اپنے حلقہ اور اپنے ہی آبائی صوبہ میں انتخابات ہار چکا ہے اور وہ تمام حلقوں سے انتخابات ہار گیا تھا۔

احتساب کے نام پر پہلے بھی ملک پر آمریت مسلط کی گئی تھی۔ ایوب خان نے دس سال تک

احتساب کا نام لے کر سیاہ ترین آمریت مسلط کی اور پھر ضیاء الحق آمر نے بھی گیارہ برس تک احتساب کا نام لے کر سیاہ ترین آمریت مسلط کی اور انسانی حقوق کو بری طرح پامال کیا۔ جب سے ان کی حکومت بنی تھی اس وقت سے ہی کچھ ہاتھ ان کی حکومت کو ہٹانے کے لئے سرگرم عمل تھے اور آخر انہی ہاتھوں نے صدر کو مجبور کیا کہ قومی اسمبلی کو توڑا جائے۔

امور خارجہ کے سابق وزیر مملکت زین نورانی نے قومی اسمبلی توڑنے کے اقدام کو صدر کی آئینی ذمہ داری سے تعبیر کیا اور کہا کہ پیپلزپارٹی جس راہ پر چل رہی تھی اس سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ بے نظیر حکومت مکمل طور پر ناکام رہی تھی۔

پاکستان دنیا کے بیشتر ملکوں کی نظروں میں مذاق بن کر رہ گیا تھا آخر کب تک صدر غلام اسحاق خان خاموش تماشائی رہ سکتے تھے صدر کی کچھ ذمہ داریاں ہیں انہیں پورا کرنا تھا انہیں خوشی ہے کہ صدر نے بروقت اقدام کر کے ملک کو بچانے کے لئے بروقت قدم اٹھایا۔

جمعیت علمائے اہل حدیث کے جنرل سیکرٹری قاضی عبدالقدیر خاموش نے کہا کہ موجودہ اسمبلیوں کو ان کی معیاد پوری کرنے کی اجازت ملنی چاہئے اسمبلیاں توڑنے کا فیصلہ جمہوری عمل کو متاثر کرے گا۔ تاہم وفاقی وزراء کی بدعنوانی اور نااہلیت اسمبلیوں کی تحلیل کی بنیادی وجہ ہے۔

مزدور کسان پارٹی کے صدر فتح یاب علی خان نے کہا ہر شخص کو ملک میں غیر جانبدارانہ اور منصفانہ انتخابات کرانے کو یقینی بنانا چاہئے کیوں کہ عوام ہی خود مختار اتھارٹی ہیں۔ غلام مصطفیٰ جتوئی ایم آر ڈی کی جدوجہد میں ہراول دستے میں رہے اور انہوں نے امید ظاہر کی کہ وہ ذاتی پسند یا ناپسند سے بالاتر ہو کر آزادانہ منصفانہ انتخابات کو یقینی بنائیں گے۔

سابق وزیر اعظم محمد خان جونیجو نے کہا صدر مملکت غلام اسحاق خان نے وفاقی حکومت اور اسمبلی کو برطرف کر کے ملک و قوم کی ایسی خدمت کی ہے جو ملک کی جمہوری تاریخ میں ایک روشن باب کے طور پر سنہری حروف میں لکھی جائے گی اسمبلی ہمارے مطالبے پر ٹوٹی ہے اس کی وجہ وہی ہے جو ہم بیان کرتے تھے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو اور ان کی جماعت نے ملک کو اس نہج پر پہنچا دیا تھا جہاں ملک کی سالمیت کو بھی شدید خطرات لاحق تھے اب حالات ایسے تھے کہ ملک کی باگ ڈور اور پیپلزپارٹی کے بس کی بات نہیں رہی تھی۔ کرپشن انتہا کو تھی اور ملک تباہی کے دہانے کھڑا تھا جہاں تک صوبائی حکومت کا معاملہ ہے صوبوں میں قانون نام کی کوئی شے باقی نہ رہی تھی امن و امان ناپید تھا جب میری حکومت کو غیر آئینی طور پر برطرف کیا گیا تھا تو اس وقت ملک کے حالات نارمل تھے اور اب افراتفری کا عالم تھا۔ صدر نے نئے انتخابات کی تاریخ کا اعلان کر کے بھی ایک احسن قدم اٹھایا ہے اب ہم عوام کے پاس نیا جمہوری مینڈیٹ لینے کے لئے حصہ لیں گے اور اگلے انتخابات میں ملک کو بہتر قیادت ملے گی۔

جمعیت العلمائے پاکستان کے صدر شاہ احمد نورانی نے کہا کہ پارلیمنٹ توڑ کر صدر اسحاق نے ملک

اور قوم پر بڑا احسان کیا ہے۔ سابق وزراء نے جس طرح قومی دولت کو لوٹا ہے ان کا محاسبہ ہونا چاہئے ملک تباہی کے راستے چل نکلا تھا کشمیر اور افغانستان کے مسئلوں کو سردخانے میں ڈال دیا گیا۔

صدر ضیاء الحق کے صاحبزادے اور مسلم لیگی راہنما اعجاز الحق نے کہا کہ صدر کے قومی اسمبلی کو توڑنے کا اقدام قابل تحسین ہے سپریم کورٹ کے ججوں پر مشتمل ایسے ٹریبونل قائم کئے جائیں جو سابق وزیر اعظم اور ارکان قومی اسمبلی کی بے قاعدگیوں کی تحقیقات کریں۔

مہاجر قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین نے وفاقی حکومت کی برطرفی کے صدارتی اقدام کو قطعاً آئینی و جمہوری قرار دیا اور صدر مملکت اور نگران حکومتوں پر زور دیا کہ ملکی خزانے کو لوٹنے اور عوام کا قتل عام کرنے والوں کا سختی سے احتساب کریں۔ انہیں ملک سے فرار نہ ہونے دیا جائے اور ان کو ایسی کڑی سزائیں دی جائیں کہ آئندہ کسی کو اقتدار کے نشے میں عوام پر مظالم کرنے اور قومی دولت لوٹنے کی جرات نہ ہو سکے۔ صدر اگر یہ کام پہلے کرتے تو سینکڑوں بے گناہوں کی جانیں بچ سکتی تھی اگرچہ یہ اقدام تاخیر سے ہوا تاہم قیمتی انسانی جانوں کے نقصان کی تلافی اسی صورت میں کی جا سکتی ہے کہ اقتدار کی قوت کے زور پر عوام کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنانے والوں کو عبرت ناک انجام تک پہنچایا جائے۔ انہوں نے صدر سے اپیل کی کہ وہ ملک میں احتسابی عمل جاری کریں۔ پیپلز پارٹی کے ہاتھوں گرفتار ایم کیو ایم کے کارکنوں کو غیر مشروط طور پر رہا کیا جائے۔ جو لوگ زمین پر خدا بنے بیٹھے تھے وہ اپنے انجام کو پہنچ گئے۔

جماعت اسلامی کے ممتاز رہنما پروفیسر عبدالغفور نے کہا کہ پیپلز پارٹی نے اقتدار میں آنے کے بعد منشور اور آئین کو نظر انداز کر دیا تھا عام آدمی نے پیپلز پارٹی کی حکومت کے بیس ماہ کے دوران بڑا کڑا وقت گزارا۔ صدر کا اقدام موجودہ حالات میں غیر متوقع نہیں۔

سیاسی رہنما حمیدہ کھوڑو نے کہا کہ صدر مملکت کا یہ اقدام بروقت اور لائق ستائش ہے انہوں نے صدر کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ سابق حکومت نے جمہوری عمل کو بدعنوانی اور نااہلیت سے بدنام کیا تھا۔ پیپلز پارٹی کے دور میں سب سے زیادہ مصائب سندھ کے عوام نے جھیلے جنہیں نہ قصبات میں تعینات ہیں اور نہ ہی گاؤں میں تحفظ حاصل تھا صوبے کی اقتصادیات بھی بری طرح متاثر ہوئی سندھ کے عوام نے تاریخ میں ایسا برا وقت کبھی نہیں دیکھا۔ پیپلز پارٹی کی حکومت نے سندھ کو تباہ کیا اب وقت آگیا کہ سندھ کے عوام کی حکومت کے ہاتھ مضبوط بنائیں تاکہ وہ تدبر اور حوصلے سے مسائل سے عہدہ برآ ہو سکے جمعیت العلمائے اسلام کے سیکرٹری اطلاعات زاہد الراشدی نے کہا کہ بے نظیر بھٹو کو شریعت کی مخالفت کرنے پر خدا کی طرف سے سزا ملی ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی پنجاب کے صدر فخر الزمان نے کہا کہ کسی جواز کے بغیر قومی اسمبلی برخاست کرنے اور محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت توڑنے کا فیصلہ قابل مذمت ہے۔

سابق اٹارنی جنرل یحیٰ بختیار نے قومی اسمبلی کو تحلیل کرنے کے اقدام کو باطل حکم اور بلا جواز قرار دیا۔

بی بی سی نے کہا کہ صدر غلام اسحاق کے بقول بے نظیر بھٹو کو عوام کا اعتماد حاصل نہیں رہا تھا تاہم بے نظیر کی حکومت مشکلات سے دو چار رہی خصوصاً صوبہ سندھ میں انہیں زیادہ مشکلات درپیش رہیں ۔ اپوزیشن نے ۱۲ اگست ۱۹۹۰ء بروز اتوار کو وزیراعظم کے خلاف عدم اعتماد کی دوسری تحریک پیش کرنے کا اعلان کیا تھا لیکن صدر اسحاق نے اس سے پہلے قومی اسمبلی توڑ کر نئے الیکشن کا اعلان کر دیا بی بی سی کے مبصر کے مطابق بے نظیر کو شروع ہی سے اس مسئلہ کا سامنا کرنا پڑا کہ ایک با اختیار صدر اور فوج کے درمیان توازن کی راہ کیوں کر اپنائی جائے کیوں کہ پاکستانی فوج برسوں تک اقتدار پر قابض رہی ۔ گذشتہ نومبر میں بے نظیر کو عدم اعتماد کی تحریک میں چند ووٹوں کی سبقت حاصل رہی ۔ صدر نے اپنے اعلان میں بے نظیر کی حکوت پر اختیارات کے ناجائز استعمال ' اقربا پروری اور بدعنوانی کے الزامات بھی عائد کئے اس سے پہلے بے نظیر کے شوہر آصف زرداری پر بھی اس ضمن میں کڑی نقطہ چینی ہوتی رہی تھی ایک اہم امر یہ بھی ہے کہ خود پیپلز پارٹی کے بعض اندرونی حلقے بھی حکومت کی کارکردگی پر تنقید کر رہے تھے اور یہ اطلاعات بھی تھیں کہ مصطفیٰ کھر اور مخدوم خلیق الزمان پارٹی کے اندر منحرف عناصر کو ملا کر ایک نیا گروپ تشکیل دینا چاہتے تھے ۔

بے نظیر کی برطرفی کی کچھ اور وجوہات بھی ہیں ۔ جن میں سندھ کا مسئلہ کشمیر کی صورت حال اور شریعت بل بھی شامل ہیں فوج اور صدر کو اس ضمن میں کافی خدشات لاحق ہو چکے تھے سندھ کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ حکومت نے نئی گڑ بڑ کے بعد گذشتہ آٹھ ہفتے سے کوئی سیاسی قدم نہیں اٹھایا سندھ میں لسانی تقسیم بڑھ رہی تھی کہ کشمیر کے بارے میں فوج کا خیال تھا کہ حکومت کو بھارت سے مذاکرات کے لئے کچھ وقت مل چکا ہے اس لئے فوج اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر سندھ کی صورت حال کی بہتری کے لئے کام کرنا چاہتی تھی ۔ شریعت بل کے بارے میں فوج کا یہ خیال تھا کہ اس وقت شریعت بل کے باعث مسلمانوں میں تقسیم ہو سکتی ہے ان وجوہات کی بنا پر بے نظیر بھٹو کے فوج اور صدر کے ساتھ کافی تعلقات خراب ہو چکے تھے اور ان تینوں کے درمیان باہمی مفاہمت کا امکان بھی ختم ہو چکا تھا ۔ بی بی سی نے مزید بتایا کہ غلام مصطفیٰ جتوئی پر بھی اعتراض ہو سکتے ہیں کیوں کہ وہ گذشتہ انتخابات میں سندھ میں دونوں حلقوں سے ہار گئے تھے اور پھر مصطفیٰ کھر کے حلقہ میں ضمنی الیکشن میں غلام مصطفیٰ کھر کے اثر و رسوخ کے نتیجے میں کامیاب ہوئے ۔

جمعیت العلمائے پاکستان (نیازی گروپ) کے سربراہ مولانا عبدالستار خان نیازی نے کہا کہ مرکز اور صوبوں میں محاذ آرائی نے ملک کو تباہی کے کنارے پر لا کھڑا کیا تھا قومی اسمبلی کے سابق ارکان اور وفاقی وزراء کا احتساب ہونا چاہئے ۔

پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ پروفیسر طاہر القادری نے کہا کہ پاکستان عوامی تحریک مڈٹرم الیکشن میں بھرپور حصہ لے گی ۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ انتخابات میں صوبائی انتظامیہ اور پولیس کی دخل اندازی کو روکا جائے اور انتخابات فوج کی زیر نگرانی میں پوں جانبدارانہ اور منصفانہ طریقے سے کرائے جائیں ۔ انہوں نے صدر کی جانب سے وزیراعظم کی برطرفی اور اسمبلیاں توڑنے کے حکم کا خیر مقدم کیا

امریکہ نے صدر غلام اسحاق خان کی طرف سے بے نظیر بھٹو کی حکومت کو برطرف کرنے اور نئے انتخابات کرانے کے اقدام کی حمایت کی اور کہا کہ ہم پاکستان میں ہمیشہ جمہوریت کی حمایت کرتے رہے ہیں ۔ صدر اسحاق کے اس اقدام کی بھی حمایت کرتے ہیں جو پاکستان میں جمہوری روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے آئینی دفعات کے مطابق کیا گیا۔

امریکہ اس اقدام کے بارے میں مزید معلومات حاصل کر رہا ہے ہم صورت حال کا بغور جائزہ لے رہے ہیں ادھر امریکہ کے ذرائع ابلاغ نے پاکستان میں پیپلز پارٹی کی حکومت کے خاتمے کی خبر کو انتہائی اہم خبر کے طور پر نشر کیا حالانکہ ان دنوں امریکی ذرائع ابلاغ کی سب سے بڑی خبر عراق کویت صورت حال سے متعلق تھی ۔

ہنگامی حالت نافذ کرنے کا صدارتی حکم

۱۴ اگست ۱۹۹۰ء کو ایک سرکاری اعلان کے مطابق صدر مملکت نے آئین پاکستان کے آرٹیکل ۲۳۲ کی کلاز (۱) کے تحت ملک بھر میں فوری طور پر ہنگامی حالت نافذ کر دی اعلان میں کہا گیا تھا کہ صدر مملکت کا یہ فیصلہ عوام کی مرضی کے مطابق ہے کہ کسی بھی شخص کو قوم اور ملک کے مستقبل سے کھیلنے کی اجازت نہیں دی جائے گی کیونکہ عوام ہی ملک کے اصل حاکم ہیں ۔ صدر مملکت نے کہا کہ ان کا یہ فیصلہ ملک و قوم اور جمہوریت کے بہترین مفاد میں ہے ۔

عوام ایک منتخب حکومت کی غلطیوں اور ناقص کارکردگی سے بالکل مایوس ہو چکے تھے صدر مملکت نے گزشتہ سال پارلیمنٹ سے خطاب کے دوران منتخب حکومت کی غیر تسلی بخش کارکردگی کی نشاندہی کر دی تھی لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا ۔

سیاسی ہارس ٹریڈنگ عوامی مینڈیٹ کی پامالی کی مکروہ ترین حرکت ہے سیاسی چپقلش نے قوم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور قومی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا جاتا رہا۔

مختلف طریقوں سے پارلیمنٹ کے وقار کو مجروح کیا گیا سالانہ بجٹ کے سوا پارلیمنٹ نے کوئی قانون سازی نہیں کی ۔ سینٹ کے وقار اور عزت کو جان بوجھ کر نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی ۔ صدر کے ہنگامی حالت نافذ کرنے کے حکم میں کہا گیا ہے کہ پاکستان کی سیکورٹی کو بیرونی جارحیت اور اندرونی فسادات کے خدشات کی وجہ سے ہنگامی حالات کا سامنا ہے اور ایسے خوفناک حالات پر قابو پانا صوبائی حکومتوں کے بس کی بات نہیں اس لئے پاکستان کے آئین کے آرٹیکل ۲۳۲ کی ذیلی شق نمبر (۱)

کے تحت صدر مملکت کو جو اختیارات حاصل ہیں کے مطابق صدر مملکت نے فوری طور پر ہنگامی حالت نافذ کر دی ہے۔

عام انتخابات کے انعقاد کا اعلان

۶ اگست ۱۹۹۰ء کو صدر مملکت جناب غلام اسحاق خان نے وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو کو برطرف کرنے اور قومی اور صوبائی اسمبلیوں کو توڑنے کے ساتھ ساتھ یہ اعلان بھی کیا کہ عام انتخابات ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو منعقد ہوں گے۔

نئے وزیر اعظم غلام مصطفیٰ جتوئی سے دریافت کیا گیا کہ موجودہ حالات میں انتخابات کا عمل نوے دن میں مکمل کرنا ممکن ہوگا تو انہوں نے کہا کہ نگران حکومت اپنی ذمہ داریاں پوری کرے گی۔ انہوں نے کہا کہ بدعنوانی کے مرتکب ایسے سیاست دانوں کو آئندہ انتخابات میں حصہ لینے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ جن کے خلاف الزامات ثابت ہوجائیں گے عبوری حکومت انتخابات کے انتظامات اور احتساب کے عمل کو پہلو بہ پہلو آگے بڑھائے گی۔ ہمیں احتساب کرانا ہوگا اس کے سوا بہتر چارہ کار نہیں کیوں کہ کالعدم اسمبلی اور معزول وزراء کے بارے میں بدعنوانیوں کی شکایات پر قوم میں شدید اضطراب پایا جاتا ہے جس کی بنا پر احتساب کے عمل کو بھی انتخابات کے ساتھ ساتھ عمل میں لانا ہوگا

نگران صوبائی وزراء اعلیٰ اور گورنر

۶ اگست ۱۹۹۰ء کو صدر مملکت کے قومی اسمبلی توڑنے کے اعلان کے فوراً بعد صدارتی حکم کے تحت پنجاب اور سرحد کے گورنر تبدیل کر دیئے گئے۔ پنجاب کے گورنر ٹکا خان کی جگہ میئر لاہور میٹروپولیٹن کارپوریشن میاں اظہر، جب کہ فخرالدین جی ابراہیم کی جگہ محمود ہارون کو گورنر سندھ بنا دیا گیا۔ دونوں نے اپنے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا تین صوبوں میں نگران وزارتیں قائم کر دی گئیں صوبہ سرحد میں میر افضل خان کو سندھ میں جام صادق علی کو اور بلوچستان میں ہمایوں کو نگران وزیر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔

پنجاب اسمبلی رات گئے وزیر اعلیٰ نواز شریف کی سفارش پر توڑ دی گئی اور عبوری وزیر اعلیٰ کا اعلان نہیں کیا گیا تاہم غلام حیدر وائیں کا نام سننے میں آیا جام صادق علی کے ساتھ دو وزراء ڈاکٹر شفقت علی شاہ اور عرفان اللہ مروت نے بھی حلف اٹھایا۔

نگران وزیر اعظم جناب غلام مصطفیٰ جتوئی کے حالات زندگی

وہ ضلع نواب شاہ کے ایک زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، ۱۴ اگست ۱۹۳۱ء کو نیو جتوئی (مورو تحصیل نواب شاہ) میں پیدا ہوئے۔ اپنے گاؤں میں سندھی کی چار جماعتیں پڑھیں اس کے بعد نوشہرہ مدرسہ ہائی سکول میں دو سال تک تعلیم حاصل کی۔ پھر گورنر سندھ کی کوششوں سے گرائمر

سکول میں داخلہ لیا اور وہاں سے سینئر کیمرج تک پڑھا۔ مزید تعلیم کی خواہش انہیں انگلستان لے گئی جہاں سے انہوں نے اے لیول کیا اور بعد ازاں بیرسٹری کا امتحان پاس کرنے کی کوشش کی لیکن ۱۹۵۲ء میں والد صاحب کی بیماری کے باعث بار میں داخل ہونے کے بعد واپس چلے آئے اور اپنے والد کی سیاست اور جائیداد کی نگرانی کے کاموں میں الجھ گئے۔

شکار ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ قائداعظم سے بھی ان کی ملاقات ہوئی۔ قیام پاکستان کے بعد اپنے علاقے سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوتے رہے۔ ۱۹۷۰ء کے عام انتخاب کے بعد جب جمہوری حکومتیں بنیں تو وہ سندھ کے وزیراعلیٰ مقرر ہوئے اور وہ ۱۹۷۴ء تا جولائی ۱۹۷۷ء خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۸۹ء میں کوٹ ادو سے قومی اسمبلی کے رکن بنے پھر متحدہ حزب اختلاف کے رہنما چنے گئے اور ۶ اگست ۱۹۹۰ء کو نگران وزیراعظم کا عہدہ سنبھالا۔

نگران وزیراعظم کی ترجیحات یہ ہیں۔

نگران وزیراعظم مسٹر غلام مصطفیٰ جتوئی نے کہا کہ ان کی حکومت کی چار ترجیحات ہیں۔

۱۔ احتساب کا عمل ۴۵ دن میں مکمل کیا جائے گا۔

۲۔ رشوت ستانی اور بدعنوانی کا خاتمہ کیا جائے گا۔

۳۔ انصاف کا بول بالا ہو گا۔

۴۔۔۔۔۔ امن و امان کی بحالی۔

قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات

۶ اگست ۱۹۹۰ء کو جب صدر مملکت نے محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت اور قومی اسمبلی کی برطرفی کا اعلان کیا تو اس موقع پر انھوں نے ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو قومی اسمبلی کے انتخابات کرانے کا عہد بھی کیا۔

صدارتی اعلان کے ساتھ ہی صوبائی اسمبلیاں اور حکومتیں بھی توڑ دی گئیں صوبہ سرحد کے سابق وزیر اعلیٰ نے صدر کے اس اقدام کو پشاور ہائی کورٹ میں چیلنج کیا پشاور ہائی کورٹ نے صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ کے حق میں فیصلہ دیا لیکن وفاقی حکومت نے سپریم کورٹ سے حکم امتناعی حاصل کر لیا بعد ازاں سندھ ہائی کورٹ اور لاہور ہائی کورٹ نے صدر کے اقدام کو جائز قرار دے دیا۔

صدارتی اعلان کے مطابق ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۰ کو قومی اسمبلی اور ۲۷ اکتوبر کو صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا انعقاد عمل میں آیا۔ جس کے نتیجہ میں آئی جے آئی نے مرکز اور صوبوں میں پی ڈی اے (پیپلز ڈیموکریٹک الائنس) کو بری طرح شکست سے دوچار کیا۔ آئی جے آئی کو ۲۰۶ عام نشستوں میں سے ۱۰۵ نشستیں ملیں (ایک پر الیکشن نہ ہوا) جب کہ پیپلز ڈیموکریٹک الائنس کو ۴۵، ایم کیو ایم ۱۵، جمیعت العلمائے اسلام فضل الرحمٰن گروپ کو ۶، عوامی نیشنل پارٹی کو ۶، جمیعت العلمائے پاکستان نورانی گروپ کو ۳، جمہوری وطن پارٹی کو ۲ اور آزاد امیدواروں کو ۲۴ نشستیں حاصل ہوئیں۔ انتخابی نتائج سب کے لیے حیران کن تھے اس بنا پر وہ تمام اندازے، جائزے، پیش گوئیاں اور امکانات بھی کلیتاً غلط ثابت ہوئے، جو عام انتخابات کے انعقاد سے قبل ظاہر کیے گئے تھے۔ ان انتخابی نتائج سے خود اتحاد کے قائدین بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ کیوں کہ جب سے پاکستان پیپلز پارٹی کا قیام عمل میں آیا تھا اس وقت سے ۱۹۹۰ء کے انتخابات تک ماسوائے (غیر جماعتی انتخاب کے) کسی انتخاب میں اسے بری طرح شکست کا سامنا نہ کرنا پڑا تھا۔

خود موجودہ وزیر اعظم اور اسلامی جمہوری اتحاد کے صدر میاں نواز شریف نے کہا تھا کہ انھیں انتخابات میں کامیابی کا اندازہ تو تھا لیکن اتنی زبردست کامیابی نے انھیں حیران کر دیا ہے انھوں نے کہا کہ اس کامیابی کا سہرا غریب اور نادار عوام کے سر ہے جس نے اسلامی جمہوری اتحاد پر اعتماد کا اظہار کیا انشاء اللہ ہم ان کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائیں گے۔ لیکن اس کے برعکس پی پی پی کی

چیئرپرسن محترمہ بے نظیر بھٹو نے الزام لگایا کہ انتخابات میں بڑے پیمانے پر دھاندلی کی گئی ان کی پارٹی کو شکست دینے کے لیے بیلٹ بکس تبدیل کیے گئے نیز یہ کہ نئی اسمبلی ایک منتخب اسمبلی نہیں ہو سکتی۔ پی ڈی اے کے رہنما ایئر مارشل ریٹائرڈ اصغر خان اور سیکرٹری جنرل میاں خورشید محمود قصوری نے الیکشن کمیشن سے کہا کہ حلقہ نمبر ۹۵ (لاہور) کا الیکشن کالعدم قرار دیا جائے۔

ادھر الیکشن کمیشن نے پیپلز پارٹی کی شریک چیئرپرسن محترمہ بے نظیر بھٹو کی طرف سے ۲۴، اکتوبر کے عام انتخابات میں دھاندلی کے الزام کی سختی سے تردید کی اور اس کے جواب میں کہا کہ قومی اور بین الاقوامی میڈیا سے تعلق رکھنے والے سینئر جرنلسٹوں کی مختلف ٹیموں نے چاروں صوبوں کے پولنگ سٹیشنوں کا دورہ کیا وہ ان پولنگ سٹیشنوں پر بھی گئے جنہیں حساس قرار دیا گیا تھا لیکن ان کی رائے کے مطابق بھی پولنگ آزادانہ اور غیر جانبدارانہ تھا۔

اسلامی جمہوری اتحاد کے صدر اور قومی اسمبلی کے منتخب رکن میاں نواز شریف نے کہا کہ عوام نے آئی جے آئی کو تاریخی مینڈیٹ دے کر کامیاب کیا ہے۔ انتخابات میں عوام نے سچ اور جھوٹ، غلط اور صحیح حق اور باطل کے درمیان تمیز کی ہے میں ان کے سیاسی شعور کو داد دیتا ہوں۔ ہم انتخابات کی کشیدگی کو بھول جانا چاہتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ پیپلز پارٹی بھی اسے بھول جائے ہم نے اس کشیدگی کو نتائج کے بعد دفن کر دیا ہے۔

ازاں بعد جب ۲۷، اکتوبر ۱۹۹۰ء کو صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات مکمل ہوئے تو چاروں صوبوں میں بھی پی ڈی اے کے علاوہ آئی جے آئی دوسری جماعتوں کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ اگرچہ پی ڈی اے کے رہنماؤں نے حکومت پر بڑے پیمانے پر انتخابات میں دھاندلی کا الزام عائد کیا تھا تاہم اس ضمن میں وہ کوئی ثبوت فراہم کرنے میں ناکام رہے۔ ایک غیر جانبدار مبصر کی حیثیت سے ۱۹۹۰ء کے انتخابات کا جائزہ لیا جائے تو حسب ذیل نکات سامنے آئیں گے۔

۱۔ چیف الیکشن کمشنر کے مہیا کردہ اعداد و شمار کے مطابق انتخابات میں اسلامی جمہوری اتحاد کو ۳۶،۸۶۲ فیصد ووٹ ملے جب کہ پی پی پی اور اس کی حلیف جماعتوں پر مشتمل پی ڈی اے نے ۳۶،۸۴۲ ووٹ لیے اس طرح ووٹوں کی تعداد کے لحاظ سے آئی جے آئی کو پی ڈی اے پر صرف ۲۰ء فیصد کی برتری حاصل رہی۔ گویا پی ڈی اے کو اتنے ہی ووٹ ملے جو گزشتہ انتخابات میں اُسے ملے۔ اس اعتبار سے پی ڈی اے کے رہنماؤں کا انتخابات میں دھاندلی کرنے کا الزام غلط ثابت ہوتا ہے۔ ۱۹۸۸ء کے انتخابات کے صرف تین چار ماہ بعد عوام پی پی پی کی حکومت سے

تنگ آگئے تھے اس دوران پنجاب میں چودہ ضمنی انتخابات ہوئے ان میں سے گیارہ آئی جے آئی نے جیتے حالانکہ اُس وقت بے نظیر بھٹو خود وزیراعظم تھیں دراصل ۱۹۸۸ کے عام انتخابات سابق وزیراعظم بھٹو کی پھانسی کی بنا پر عوام نے پی پی پی کو ہمدردی کا ووٹ دیا تھا لیکن اس کی حکومت بننے کے بعد عوام کی اکثریت جلد ہی اس کے خلاف ہوگئی جس کا ثبوت ۱۹۹۰ء کے انتخابات میں ہوا ہے۔

۲۔ پاکستان کے عوام پر اسلامی ذہن رکھتے ہیں اور اسلام کے خلاف کوئی بات سُننا تک گوارا نہیں کرتے چونکہ انتخابات سے قبل پی پی پی کی چیئرپرسن محترمہ بے نظیر بھٹو نے اسلامی سزاؤں کو ظالمانہ سزائیں قرار دیا تھا اس لیے عوام کی اکثریت ان کی جماعت کے خلاف ہوگئی۔

۳۔ پی پی پی نے ایسی سیاسی جماعتوں سے انتخابی اتحاد کیا جن کی سیاسی حیثیت مستحکم نہ تھی اگرچہ اس اتحاد سے پیپلز پارٹی کو تو کوئی فائدہ نہ ہوا تاہم اس کی حلیف جماعتوں کا دھندلایا ہوا تشخص از سرِ نو ابھرا۔ قبل ازیں پیپلز پارٹی نے کسی جماعت سے انتخابی اتحاد نہ کیا تھا اس لیے عوام پر یہ نفسیاتی اثر ہوا کہ پیپلز پارٹی خود کو مضبوط جماعت نہیں سمجھتی اس لیے اس نے دیگر جماعتوں سے انتخابی اتحاد کیا ہے اس لیے عوام پیپلز پارٹی کے اس اقدام کے بھی خلاف تھے اور اسی بنا پر انہوں نے پیپلز پارٹی نے اُن تمام جماعتوں سے انتخابی اتحاد کر لیا تھا جو سابقہ انتخاب میں اس کے مدمقابل تھیں اور اسی بنا پر اسلامی جمہوری اتحاد تمام صوبوں میں کل پاکستان جماعت کی حیثیت سے اُبھرا۔

۴۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی انتخابی منصوبہ بندی بھی حد درجہ تک ناقص تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو اس کے رہنماؤں کو احتسابی عمل کا سامنا تھا اور دوسرے انہوں نے خود کو عام انتخابات کے لیے، قبل ازیں تیار نہیں کیا تھا۔

۵۔ انتخابی مہم کے دوران اتحاد کے بڑے بڑے رہنماؤں نے پی پی پی کی قیادت پر یہود پروری اور امریکا پسندی کا الزام اس تواتر کے ساتھ لگایا کہ ملک بھر کے باسیوں کو اس الزام میں صداقت کا عنصر نظر آنے لگا جس کے بعد انھوں نے اس قیادت کا ساتھ نہ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن عوام نے اپنا یہ فیصلہ اس قدر خفیہ رکھا کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔

۶۔ انتخابات کے غیر جانبدارانہ اور آزادانہ انعقاد کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ بعض مقتدر

سیاسی رہنما اور سیاسی جماعتوں کے قائدین اپنے حریفوں سے شکست کھا گئے ان میں آئی جے آئی میں شامل بعض سیاسی جماعتوں کے قائدین بھی شامل تھے اسی طرح پی ڈی اے میں شامل بعض سیاسی قائدین بھی اپنی نشستیں نہ بچا سکے۔

۷۔ انتخابات کے دوران یہ بات بھی (اخبارات کے ذریعے) سننے میں آئی کہ پی پی پی کی شریک چیئرپرسن نصرت بھٹو نے امریکا جا کر پاکستان کی امداد بند کرا دی ہے حالانکہ حقائق اس سے کچھ مختلف ہیں۔ لیکن چونکہ ہمارے عوام کی اکثریت (۷۰ فیصد) سیاسی حقائق سے بے خبر رہتی ہے اور یہی اکثریت کسی جماعت کے جیتنے کا باعث بنتی ہے اس لیے عوام کی ایک بڑی تعداد نے محترمہ کے اس اقدام کو حب الوطنی کی بجائے غداری قرار دیا اور اس طرح اس جماعت کو وہ ووٹ نہ ملے جو اس سے قبل مختلف سیاسی جماعتیں حاصل کرتی تھیں۔

۸۔ پیپلز پارٹی کی بیس ماہ کی حکومت کے دوران وفاقی اور دو صوبائی حکومتوں کے مابین محاذ آرائی کا سلسلہ جاری رہا اس لیے عوام نے اس خیال کے تحت (کہ اگر پاکستان پیپلز پارٹی اور اس کی حلیف جماعتیں پھر برسر اقتدار آ گئیں تو محاذ آرائی کا سلسلہ پھر سے شروع ہو جائے گا جو بالآخر ملک کی سلامتی کے لیے زبردست نقصان دہ ثابت ہوگا) پی ڈی اے کو ووٹ نہ دینے اور بھاری اکثریت سے آئی جے آئی اور اس کی حلیف جماعتوں کو کامیاب کرایا تاکہ محاذ آرائی کی صورتحال کا سامنا نہ رہے۔

۹۔ انتخابات سے قبل امریکا نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر اعتراض کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ اگر انتخابات جیتنے کے بعد اقتدار محترمہ بے نظیر بھٹو کے سپرد نہ کیا گیا تو پاکستان امریکا تعلقات ہمیشہ ختم ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے باشعور عوام نے امریکا کے ان اقدامات کو پاکستان کے معاملات میں کھلی مداخلت قرار دیا اور نتائج کی پرواہ کیے بغیر اپنے شعوری حق کو بھرپور طریقے سے استعمال کیا۔ اور آئی جے آئی کو کامیاب بنایا۔

۱۰۔ نومبر ۱۹۸۸ء کے انتخابات میں کسی سیاسی قوت کو واضح اکثریت نہ ملنے کی وجہ سے سیاسی محاذ آرائی کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور کوئی بھی سیاسی جماعت اپنی جگہ دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ اپنی پالیسیوں کو عملی جامہ نہ پہنا سکی۔ اسی لیے عوام نے ایک نئی جماعت کے حق میں ووٹ ڈالے۔

۱۱۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت نے مسئلہ کشمیر حل کرنے کے سلسلے میں بھارت سے کسی قسم کے

مذاکرات نہ کیے اور افغانستان میں جیتی ہوئی جنگ کو بھی ہار دیا اور وہاں افغان عوام کو ان کی مرضی کی حکومت بنانے میں کسی قسم کی کوئی پیش رفت نہ کی اسلامی جمہوری اتحاد نے انتخابی مہم کے دوران ان دو مسائل کے بارے میں محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کی عدم توجہی کا بھرپور ذکر کیا اور عوام کے ذہنوں میں اچھی طرح سے یہ بات بٹھا دی اگر پی ڈی اے برسر اقتدار آگئی تو مسئلہ کشمیر جو پاکستان کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتا ہے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا اور افغانستان کی حکومت بھی پاکستان پر حاوی ہو جائے گی۔

۱۲۔ پیپلز پارٹی کی حکومت کے دوران سندھ میں امن و امان کی صورت حال ابتر رہی اور حکومت سندھیوں کے مسائل حل کرنے میں ناکام رہی۔

وزیر اعظم میاں نواز شریف کی حکومت کا قیام

اسلامی جمہوری اتحاد اور اس کی اتحادی پارٹیوں نے اتحاد کے صدر جناب میاں نواز شریف کو یکم نومبر ۱۹۹۰ء کو اپنے ایک اجلاس میں متفقہ طور پر پارلیمانی لیڈر منتخب کیا۔ نگران وزیر اعظم غلام مصطفیٰ جتوئی نے پارلیمانی پارٹی کے لیڈر کے طور پر ان کا نام تجویز کیا۔ مسلم لیگ کے سربراہ محمد خاں جونیجو نے اس کی تائید کی جب کہ جماعت اسلامی کے سربراہ قاضی حسین احمد، اے این پی کے سربراہ عبدالولی خاں، جمہوری وطن پارٹی کے سربراہ نواب محمد اکبر خاں بگتی، سید فخر امام، سخی جان (فاٹا)، جے یو پی کے سربراہ مولانا عبدالستار خاں نیازی اور اقلیتی رہنما رانا چندر سنگھ نے میاں نواز شریف کو پیپلز پارٹی کے خلاف دلیرانہ جدوجہد کرنے اور انتخابات میں بھرپور کامیابی حاصل کرنے پر زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ اجلاس میں ایک قرارداد کی بھی منظوری دی گئی جس میں صدر غلام اسحٰق خاں اور چیف الیکشن کمشنر کو منصفانہ انتخابات کے انعقاد اور ملک کو سیاسی بحران سے نجات دلانے کے لیے ان کی کاوشوں پر مبارکباد دی۔

۳، نومبر ۱۹۹۰ء کو صدر مملکت کی ہدایت پر قومی اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا اور آئی جے آئی اور دیگر جماعتوں کے ۱۴۵ ارکان اور ۴ نومبر کو مزید ۶۰ ارکان نے حلف وفاداری اٹھایا۔

۶، نومبر کو وزیر اعظم کا انتخاب عمل میں لایا گیا اس ضمن میں اسلامی جمہوری اتحاد نے میاں محمد نواز شریف کو اور پی ڈی اے نے محمد افضل کو اپنا اپنا امیدوار نامزد کیا جناب نواز شریف کے

حق میں ۱۵۲ اور جناب محمد افضل کے حق میں ۳۹ ووٹ ڈالے گئے۔ اسی روز انھوں نے اپنے عہدے کا حلف اُٹھایا حلف صدر پاکستان جناب غلام اسحٰق خاں نے لیا۔

میاں نواز شریف ۲۵ دسمبر ۱۹۴۸ء کو ایک مذہبی اور کاروباری گھرانے (اتفاق فیملی) میں پیدا ہوئے انھوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کیا ازاں بعد پنجاب یونیورسٹی سے ایل ایل بی کی ڈگری لی۔ وہ دُنیا کے بہت سے ممالک کا مطالعاتی دورہ کر چکے ہیں اور سرکاری حیثیت میں بین الاقوامی سطح پر منعقدہ کئی اعلیٰ انتظامی سیمناروں میں پاکستان کی نمائندگی کر چکے ہیں۔

وہ ۱۹۸۱ء میں سیاست میں آئے۔ اور پنجاب کے وزیر خزانہ کی حیثیت سے عہدہ سنبھالا۔ اس عہدے پر رہتے ہوئے مسلسل چار ترقیاتی بجٹ پیش کیے اور اضافی ٹیکس لگائے بغیر ترقیاتی رقوم کو کل بجٹ کے ۴۰ فیصد تک بڑھا دیا۔ دیہات کی ترقی و خوشحالی پر بھرپور توجہ دی۔ اپنے عرصہ وزارت میں کوئی تنخواہ وصول نہ کی۔ کھیلوں کے وزیر کی حیثیت سے کھیلوں اور کھلاڑیوں کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔

۱۹۸۵ء کے عام انتخابات میں بھاری اکثریت سے قومی اور صوبائی اسمبلی کے رُکن منتخب ہوئے۔ انھوں نے صوبائی اسمبلی کی نشست کو برقرار رکھا۔ جہاں بعدازاں انھیں اکثریتی ووٹ کے ذریعے پنجاب کا وزیر اعلیٰ منتخب کیا گیا۔

۱۹۸۸ء کے انتخابات میں وہ قومی سطح پر اُبھر کر سامنے آئے۔ اسلامی جمہوری اتحاد کا قیام عمل میں آیا تو انھوں نے کراچی سے خیبر تک انتخابی جلسوں اور جلوسوں سے خطاب کیا۔ وہ ایک بار پھر قومی اور صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ اور انھیں بدستور صوبائی وزیر اعلیٰ رہنے دیا گیا۔ اُن کی خدمات کے اعتراف کے طور پر انھیں اسلامی جمہوری اتحاد کا صدر بنا دیا گیا۔ اس حیثیت سے انھوں نے ۱۹۹۰ء میں اسلامی جمہوری اتحاد کو واضح مینڈیٹ دلانے میں شبانہ روز محنت کی جس کا اعتراف ان کے مخالفین نے بھی کیا۔

امریکی جریدے نیوز ویک نے ان کی کامیابی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا

"نواز شریف لوگوں کو حیرت زدہ کر دینے کے عادی ہیں ان کے قریبی حلقے انہیں تنہائی پسند قرار دیتے ہیں اور بے حد ذہین سمجھتے ہیں۔ انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد خاندانی اسٹیل مل اتفاق انڈسٹریز کو ایک کامیاب اور منافع بخش کاروبار میں بدل دیا۔ ۴۰ سال کی عمر میں وہ پاکستان کے ۲۰ امیر ترین

آدمیوں میں سے ایک ہیں۔ ان کا سیاسی کیریئر بھی اس طرح بلندی کی جانب مائل ہے۔ دس سال قبل وہ ایک صوبائی وزیر تھے مگر گذشتہ ہفتے آئی جے آئی کے سربراہ کی حیثیت سے انہوں نے ملک کے سب سے زیادہ آبادی والے صوبے (پنجاب) میں بے نظیر بھٹو کو زبردست شکست دینے میں اہم ترین کردار ادا کیا۔ ایک مغربی سفارت کار نواز شریف کو رونالڈ ریگن (سابق امریکی صدر) سے مماثلت دیتے ہوئے کہتا ہے ——— مخالفین اس کی قوت کا غلط اندازہ لگاتے رہتے ہیں اور وہ مخالفین کو ناک آؤٹ کرتا رہتا ہے۔

۷ ر نومبر ۱۹۹۰ء کو انہوں نے قوم کے نام اپنی پہلی تقریر میں اپنی حکومت کی ترجیحات بتائیں اور ہنگامی حالت کو ختم کرنے کا اعلان کیا۔ ان کی حکومت کی ترجیحات یہ ہیں۔

۱۔ ملک میں صنعتی ترقی کو تیز تر کیا جائے گا تاکہ ملک کو خود کفالت کے راستے پر گامزن کیا جا سکے۔ اس ضمن میں نئی صنعتوں کے قیام پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جائے گی۔

۲۔ کشمیری عوام کی حمایت جاری رکھی جائے گی اور ان کو اخلاقی اور سیاسی امداد دی جاتی رہے گی۔

۳۔ قومی خزانے پر بوجھ بننے والی صنعتوں کو نجی شعبے کے حوالے کر دیا جائے گا۔

۴۔ احتساب کا عمل جاری رکھا جائے گا اور اپنی حکومت کو بھی احتساب کے لیے پیش کیا جائے گا۔

۵۔ ہر فیکٹری کو خام مال پیدا کرنے والے کسان اور اس میں کام کرنے والے مزدوروں کو معقول معاوضہ دینا ہو گا۔

۶۔ قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں میں خواتین کی نشستیں بحال کی جائیں گی۔

۷۔ خود انحصاری کی پالیسی پر عملدرآمد کیا جائے گا۔

۸۔ نوجوانوں کے لیے روزگار کے مواقع پیدا کیے جائیں گے اور انہیں مختلف ہنر سکھائے جائیں گے بے روزگار نوجوانوں کو کاروبار شروع کرنے کے لیے قرضے بھی دیے جائیں گے۔

۹۔ صنعت کاری میں اولین ترجیح زرعی صنعتوں کو دی جائے گی اور ان کے قیام میں ہر حکومت ہر طرح کی مدد فراہم کرے گی تاکہ دیہی آبادی کو روزگار میسر آ سکے۔

۱۰۔ بھارت، چین، روس اور امریکا سے تعلقات مزید مستحکم کریں گے۔

۱۱۔ عوام کو فوری انصاف مہیا کرنے کے لیے خصوصی عدالتیں قائم کی جائیں گی۔

۱۲۔ ایران، ترکی اور عرب ممالک سے تعلقات کو مزید مستحکم بنایا جائے گا۔

۴۔ وزیراعظم نے عوام کو ـــــ یہ ہدایت بھی کی کہ شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں صرف ایک ڈش کو رواج دیں۔

وزیراعظم جناب نواز شریف نے بے پناہ مصروفیات کے باوجود نئی صنعتی پالیسی مرتب کرائی اور اسے ۱۲ دسمبر کو نافذ کر دیا انہوں نے سکیل ایک سے پندرہ تک کے سرکاری ملازمین اور نجی اداروں کے تنخواہ دار طبقے کے لیے دو سو روپے ماہوار الاؤنس دینے اور تیل کی قیمتوں میں اضافے کے باعث سفری الاؤنس میں ۲۰ روپے سے ۵۰ روپے تک کے اضافے کا بھی اعلان کیا۔

نہایت مختصر سے عرصے میں وزیراعظم کے ان اقدامات کی بدولت یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بہت جلد عوام کے مسائل کو حل کرنے اور خود انحصاری کی پالیسی پر عمل پیرا ہو کر ملک کو ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑا کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

ایم اے سیاسیات کے لیے کتب

کتاب	مصنف
مغربی سیاسی افکار	ایس ایم شاہد
مسلمانوں کے سیاسی افکار و ادارے	"
مقامی حکومتیں و ادارے	" "
نظم و نسق عامہ	" "
تقابلی سیاسی نظام (جاپان، ترکی، امریکہ، برطانیہ)	" "
پاکستان حکومت و سیاست	ایس ایم شاہد
غزالی، ابن خلدون کے سیاسی افکار	" "
شاہ ولی اللہ اور اقبال کے سیاسی افکار	" "
تعبیر پاکستان (تحریک پاکستان)	" "
تقابلی سیاست	" "
بین الاقوامی تعلقات	ایس ایم شاہد
آئین پاکستان ۱۹۷۳ء	مسعود الحسن خان صابری
بڑی طاقتوں کی خارجہ پالیسی	" "
افلاطون تا ارسطو کے سیاسی افکار	مجاہد فاروق
حکومت و سیاست، پاکستان میں	" "
مشرق و مغرب کے سیاسی افکار	سید اصغر علی شاہ جعفری
تقابلی سیاست	عمانوئیل یونس
بین الاقوامی تعلقات	نعیم اکبر سیمین
تحریک پاکستان اور اس کا پس منظر	سید اصغر علی جعفری